خورشید خاور

ترجمہ

شہائے پشاور

کتب خانہ شاہ نجف لاہور

پشاور میں ایک یادگار مناظرہ

ترجمہ خورشید خاور شبہائے پشاور

مصنف

حجۃ الاسلام و سلطان الواعظین آقائے سید محمد شیرازی

مترجم

الحاج مولانا سید محمد باقر صاحب باقری رئیس جوارس ضلع بارہ بنکی

تجدید نظر

سید اعجاز محمد (فاضل)

کتب خانہ شاہِ نجف لاہور

نامی پریس بیڈن روڈ اجار لاہور

باسمہ سبحانہ'

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

ہم ان سطور میں محسنِ ملّت، مبلغ مذہب، مروج شیعیت ناشر حقائقِ دین اسلام، ناصر اہل بیت طاہرین علیہم السّلام فخر المحققین، سید المدققین علامہ سیّد محمّد باقر صاحب نقوی مداللہ ظلہ' علی رؤوس الموالی بدوام الایام واللیالی کے اعماق قلب سے شکرگذار ہیں کہ آپ نے اپنے مطبع اصلاح کھجوا کی مطبوعات قیمہ و تصنیفات ثمینہ بلکہ بے بہا جواہر و لئالی میں سے حقیقت مذہب شیعہ میں نادر روزگار عظیم الشان تحقیقی شاہکار کتاب مستطاب خورشید خاور ترجمہ شبہائے پشاور کی جلد اوّل کی نشر و اشاعت اور طباعت کے جملہ حقوق مکتبۃ الہمدانی سرگودھا کو مرحمت فرما کر ہم پر احسان عظیم فرمایا جس کے لیئے ہم ہمیشہ آپ کے ممنون احسان رہیں گے۔ بے شک جو شخص کسی محسن کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ منعم حقیقی کے شکر کی سعادت سے بھی محروم رہتا ہے۔ اس کتاب میں ایران کے عالم متبحر آقائے سلطان الواعظین اور ہندوستان و کابل کے جلیل القدر علمار کی شہر پشاور میں مذہب شیعہ سے متعلق دلچسپ اور دوستانہ گفتگو، جس کا سلسلہ دس راتوں تک رہا اور جس میں مذہب شیعہ کے تمام اصول و فروع پر محققانہ بحثیں ہوئیں ہر مسئلہ پر سلطان الواعظین نے مذہب شیعہ کی حقیقت ایسے دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ سے ثابت کی کہ علماء اسلام بھی اعتراف پر مجبور ہو گئے۔

انہی مباحثوں کو سلطان الواعظین نے شبہائے پشاور کے نام سے مرتب فرمایا جس کا اُردو میں ترجمہ فخر الحجاج والزائرین جناب مولانا الحاج سیّد محمّد باقر صاحب رئیس جوارس ضلع بارہ بنکی نے کیا اور ادارہ اصلاح کھجوا نے بڑے اہتمام سے شائع کیا۔

چونکہ پاکستان کے اکثر لوگ اس کتاب کی افادیت، انفرادیت، اہمیت و ندرت سے ناواقف تھے اس لیے ہم نے مکرم و محترم عالیجناب علامہ سیّد محمّد باقر صاحب مداللہ ظلہ' و دفقہ سے اس کی نشر و اشاعت و طباعت کے لیئے اجازت حاصل کی۔

چنانچہ علامہ موصوف مدظلہ نے بڑی وسعت قلبی کیساتھ اجازت مرحمت فرمائی۔ جیسا کہ حقائق مذہبیہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ان کا شعار اور معارف دینیہ کا زیادہ سے زیادہ پرچار ان کا وتارہ ہے۔

مہتمم مکتبۃ الہمدانی سرگودھا۔

فہرست

صفحہ	مندرجات	نمبر شمار

اشارہ

بسم اللہ والحمد للہ علیٰ نوالہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمدؐ وآلہ

میں اپنے حبیب لبیب جناب مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ مدیر اصلاح اور مکرمی جناب سید محمد صاحب کنزرویٹر فارلیسٹ پٹنہ کی فرمائش کی بنا پر برادرانِ ایمانی کی خدمت میں زیرِ نظر ترجمہ پیش کرتے ہوئے بجا طور پر فخر محسوس کر رہا ہوں کیونکہ اس کا تعلق شب ہائے پشاور ایسی مبسوط اور جامع و مانع کتاب سے ہے اور جو آقائے سلطان الواعظین دام ظلہم کے اُن بے نظیر اور ایمان افروز مذاکرات علمیہ کا مجموعہ ہے جن کو نگاہ حق و انصاف سے مطالعہ کر لینے کے بعد کوئی شخص مذہب حق کی تلاش میں گمراہی اور دھوکے کا شکار نہیں ہو سکتا۔ مجھ کو یقین ہے کہ یہ کتاب باطل کی تاریکی کو دُور کرنے اور منزل حقیقت کو روشن کرنے میں انشاء اللہ آفتاب نصف النہار کا کام کرے گی چنانچہ اسی خیال کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اس ترجمہ کا نام "خورشید خاور" تجویز کیا ہے۔

تھوڑے سے افسوس کیسا تھ یہ بھی عرض کر دُوں کہ اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے مجبوراً آقائے موصوف کے مقدمات و دیباچے اور درمیان کتاب سے کچھ مضامین مفید ہونے کے باوجود حذف کر دینا پڑے ہیں۔ پھر بھی اس بات کا پورا خیال رکھا گیا ہے کہ اصل کتاب کا کوئی ایسا جز کم نہ کیا جائے جس سے مباحثے کی افادیت و جامعیت پر کوئی مضر اثر پڑے۔ امید ہے کہ ناظرین اس قہری کوتاہی کو نگاہ درگذر سے دیکھتے ہوئے خاکسار مترجم محترم مدیر اصلاح اور مکرمی جناب سید محمد صاحب نیز سلطان الواعظین دام ظلہم کے لیئے دعائے خیر میں بخل نہ فرمائیں گے۔ والسلام

عاصی

محمد باقر الباقری الجورا سی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سفر

ماہ ربیع الاوّل ۱۳۲۵ھ ہجری میں جب میں اپنی زندگی کی تیسویں منزل طے کررہا تھا زیارات عتبات عالیات سے مشرف ہوکر ہندوستان کے راستے سے ضامن ثامن حضرت امام رضا علیہ السّلام کی عتبہ بوسی کے لیئے روانہ ہوا۔ کراچی اور بمبئی پہنچنے کے بعد خلاف اُمید خاص خاص جرائد اور اخبارات نے میری آمد کی خبر شائع کی۔ میرے پُرانے دوستوں اور پرخلوص احباب ایمانی نے مطلع ہوکر اطراف ملک سے دعوت نامے بھیجنا شروع کیئے مجبوراً تعمیل حکم کرتے ہوئے دہلی، آگرہ، لاہور، سیالکوٹ، کشمیر، حیدر آباد، بہاول پور، کوئٹہ اور دوسرے شہروں میں حاضر ہوا۔ اور جہاں بھی وارد ہوا۔ بلا تفریق قوم وملت پوری تعظیم وتکریم کیساتھ استقبال ہوا اور اکثر ان شہروں میں دوسرے مذاہب کے علماء کی طرف سے باب مناظرہ باز رہا۔ مخصوص جلسوں میں سے ایک وہ مناظرہ تھا۔ جو ہندوستان کے قومی پیشوا گاندھی جی کے سامنے علمائے اہل ہنود اور برہمنوں سے منعقد ہوا۔ اور اخبارات ورسائل میں اس کی تفصیل شائع ہوئی۔ چنانچہ توفیق الٰہی اور حضرت خاتم الانبیاء کی تائید خاص سے میں نے کامیابی کیساتھ مقدس دین اسلام اور مذہب حقہ جعفریہ کی حقانیت ثابت کردی۔ پھر زیر صدارت جناب ابوالبشر سیّد عنایت علی شاہ نقوی مدیر محترم اخبار ہفتہ وار اردو "درِ نجف"، انجمن اثنا عشریہ "شہر سیالکوٹ" کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہوا۔ اور میں اس طرف روانہ ہوگیا۔ حُسنِ اتفاق سے میرے قدیم وصمیم دوست جناب سردار محمد سرور خاں رسالدار فرزند رسالدار محمد اکرم خاں مرحوم وبرادر کرنل محمد افضل خاں نے جو پنجاب میں ہندوستان کے خاندان قزلباش کے نامی سرداروں میں سے تھے۔ ۱۳۳۹ھ و ۱۳۴۰ھ ہجری میں کربلا وکاظمین اور بغداد میں افسر رہ چکے تھے۔ خاندان قزلباش کے شریف ومشہور مومن وخوش عقیدہ اور پاکدامن افراد میں سے تھے اور شہر سیالکوٹ میں رئیس ادارۂ عالیہ اور عام طور پر احترام وبندگی کے مالک تھے مختلف طبقوں کے کثیر مجمع کیساتھ میرا شاندار استقبال کیا اور میں اُن کے دولتکدے پر مہمان ہوا۔ جب اخبارات کے ذریعہ پنجاب میں میرے آنے کی خبر پھیلی تو باوجودیکہ میں ایران کی طرف روانہ ہونے کے لیئے کوشش اور اصرار کررہا تھا۔ چاروں طرف سے مسلسل دعوت نامے

پہنچنے لگے۔ بالخصوص حجۃ الاسلام جناب مولانا سید علی الحائری، صاحب تفسیر لوامع التنزیل، شہر لاہور کی طرف سے جو پنجاب کے نامور علمائے شیعہ میں سے تھے مجبوراً میں برابر سفر اور زیارت برادرانِ ایمانی میں مصروف رہا۔ منجملہ مومنین وبرادران خاندان قزلباش کے جو پنجاب کے مخصوص شیعہ رؤسا میں سے ہیں افغانستان کے قریب آخری بڑے سرحدی شہر پشاور میں بھی مدعو ہوا۔ چنانچہ جناب محمد سرور خاں کے اصرار سے اس کو منظور کر کے چودھویں رجب کو اِدھر روانہ ہوا۔ وہاں پہنچنے پر انتہائی اکرام واحترام کے بعد وعظ وتقریر کا تقاضا کیا گیا۔ (چونکہ میں ہندوستانی زبان سے بخوبی واقف نہیں ہوں۔ لہذا ہندوستان کے کسی شہر میں منبر پر نہیں گیا۔ لیکن اہل پشاور عموماً فارسی زبان اچھی طرح سے جانتے ہیں اس لیے) میں نے قبول کر لیا اور ایک مدت تک مرحوم عادل بیگ رسالدار کے امام باڑے میں خصوصی طور پر مجالس کی تشکیل ہوتی رہی اور میں مختلف ادیان و مذاہب والوں کے کثیر مجمع کے سامنے اپنا فریضہ ادا کرتا رہا۔ چنانچہ ان لوگوں کے محترم علماء نے جو تبلیغی مجالس میں شریک ہوتے تھے خصوصی نشست کی فرمائش کی گئی۔ راتوں تک وہ حضرات میری قیام گاہ پر تشریف لاتے رہے اور گھنٹوں بحث ومباحثہ ہوتا رہا۔ ایک روز جب میں منبر سے اُترا تو معلوم ہوا کہ اکابر علمائے کابل میں سے دو عالم حافظ محمد رشید اور شیخ عبدالسلام ضلع ملتان سے تشریف لائے ہیں اور ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے وقت دیا اور وہ حضرات پے در پے دس راتوں تک نماز مغرب کے بعد تشریف لاتے رہے، ہر شب کافی دیر تک جو غالباً چھ اور سات گھنٹہ کی مدت ہوتی تھی، اور بعض راتوں میں طلوع صبح کے قریب تک، ہمارا وقت مباحثوں اور مناظروں میں گذرتا تھا، یہاں تک کہ آخری شب کے خاتمے پر اہلسنت کے بزرگان ورؤسا اور احناف محترم میں سے چھ افراد نے مذہب حقہ، شیعہ اختیار فرمایا۔

چونکہ اخبارات ورسائل کے نامہ نگاروں میں سے چار اشخاص، فریقین (شیعہ وسنی) کی تقریباً دوسو نمایاں شخصیتوں کے سامنے طرفین کے مناظرات اور مقالات کو لکھتے تھے اور دوسرے دن اخبارات ورسائل میں شائع کرتے تھے۔ میں ان اشاعتوں سے ہر شب کے مقالات اور بحثیں جمع کرتا رہا اور اب اُسی مجموعے کو قارئین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس وجہ سے اس کتاب کا نام "شبہائے پشاور" رکھا جو کچھ صاحبان علم وادب کے سامنے پیش ہو رہا ہے اس میں اس خیر اندیش پر خوردہ گیری نہ فرمائیں۔ کیونکہ مناظرے کے موقع پر کوئی شخص الفاظ اور زیبائش کلام کی طرف توجہ نہیں رکھتا بلکہ ساری توجہ مطالبات اور حقائق کی طرف رہتی ہے جس طرح سے رسالوں میں چھپ چکا ہے اس میں کوئی ترمیم نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ بعینہ وہ عبارتیں آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہیں۔

ان مناظروں میں جن مطالب پر بحث وگفتگو ہے وہ آیات قرآن مجید، معتبر احادیث واخبار، محققین واساتذۂ کلام وعلماء بزرگ اور پیشوایان دین کے بیانات اور تائیدات غیبی سے مستنبط ہیں۔

من بسر منزل عنقا نہ بخود بردم راہ   قطع این مرحلہ با مرغ سلیماں کردم

مجلسِ مناظرہ

پیشاور کے سربرآوردہ رئیس اور میزبان عالیجناب مرزا یعقوب علی خاں قزلباش کا دولت خانہ چونکہ وسیع تھا اور اس میں ایک بڑے مجمع کے لحاظ سے ہر طرح کی سہولتیں مہیا تھیں لہٰذا مجلس مناظرہ کے لیئے اسی کو تجویز کیا گیا جہاں پوری دس راتوں تک جلسہ منعقد رہا اور انہوں نے انتہائی خلوص کیا تھ اس پورے مجمع کی خاطر تواضع کی۔

پہلی نشست

شب جمعہ ۲۳ رجب ۱۳۴۵ھ

مولانا حافظ محمد رشید، شیخ عبدالسلام، سید عبدالحق اور مختلف طبقوں میں سے اُن کے چند دوسرے علماء و بزرگان ملت رات کی پہلی ساعت میں وارد ہوئے ہیں اُن حضرات سے انتہائی گرم جوشی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملا، اگرچہ وہ لوگ بہت دل گرفتہ اور ناخوش تھے لیکن چونکہ میں جاہلانہ تعصب و عناد کی نظر نہیں رکھتا تھا لہٰذا اپنے اخلاقی فریضے پر عمل کرتا رہا۔ فریقین کے محترم افراد کی کثیر جماعت کے سامنے مذاکرات شروع ہوتے۔ رسمی طور پر فریق صحبت جناب حافظ محمد رشید تھے لیکن کبھی دوسرے بھی اجازت لے کر داخل گفتگو ہو جاتے تھے۔ رسالوں اور اخباروں میں مجھ کو "قبلہ وکعبہ" کے نام سے تعبیر کیا ہے جو ہندوستان کے اندر دعا ئیت کے اہم مروجہ القاب میں سے ہے لیکن یادداشت کے ان صفحات میں میں اس کلمے کو بدل کر اپنے لیئے "خیر طلب" اور حافظ محمد رشید صاحب کے لیئے "حافظ" کا لفظ استعمال کرتا ہوں۔

حافظ: قبلہ صاحب! آپ کے پشاور تشریف لانے کے وقت سے اور برسر منبر تقریریں کرنے سے اب تک بحث و مناظرہ اور اختلاف کے کافی جلسے ہو چکے ہیں۔ چونکہ ہم لوگوں پر لازم ہے کہ رفع اختلاف کے لیئے کھڑے ہوں .... لہٰذا شبہات کو دفع کرنے کے لیئے مسافت طے کر کے پشاور آئے اور آج امام باڑے میں آپ کے کلمات اور بیانات پورے طور سے سنے آپ کا سحر بیان جیسا سنا تھا اس سے زیادہ پایا۔ آج کی رات بھی ہم آپ کی ملاقات سے فیض حاصل کرنے آئے ہیں چنانچہ اگر آپ کی مرضی ہو تو شامل صحبت ہو کر آپ کے ساتھ کچھ بنیادی گفتگو کریں۔

خیر طلب: میں بہت خوشی کیساتھ آپ کے کلمات وارشادات سننے کے لیئے حاضر ہوں۔ لیکن ایک شرط کیساتھ کہ براہ کرم دیدۂ تعصب وعادت کو بند رکھیں ہم لوگ دو بھائیوں کی طرح انصاف اور علم ومنطق کی نگاہ سے شبہات کو حل کرنے کے لیئے گفتگو کریں اور مجادلات وتعصبات قومی کو الگ رکھ دیں۔

حافظ: آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے۔ میں بھی ایک شرط رکھتا ہوں، امید ہے کہ آپ قبول کیجئے گا۔ اور وہ یہ کہ باہمی بات چیت میں ہم قرآنی دلائل سے تجاوز نہ کریں۔

خیر طلب: آپ کا یہ تقاضا عقلا اور علماء کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے یعنی علمی اور عقلی حیثیت سے غلط ہے کیوں کہ قرآن مجید ایک ایسی مجمل ومختصر مقدس کتاب ہے جس کے بلند مطالب مفسر کی تشریح کے محتاج ہیں۔ اور ہم مجبور ہیں کہ قرآنی کلیات کے ذیل میں معتبر اخبار واحادیث کے ذریعے ثبوت پیش کریں۔

حافظ: درست ہے یہ ایک سلجھی ہوئی فرمائش ہے لیکن میرا تقاضا ہے کہ جب ایسا کرنا ضروری ہو تو ہم متفق علیہ اخبار واحادیث سے ہی استدلال کریں اور عوام کے کلمات اور سنی سنائی باتوں سے پرہیز کریں اور غصہ اور تعصب سے الگ رہیں تاکہ دوسروں کے لیئے مضحکہ نہ بن جائیں۔

خیر طلب: بسر وچشم، آپ نے بہت صحیح فرمایا۔ صاحبان علم وعقل اور بالخصوص میرے لیئے جس کو سیادت اور رسول اللہ سے انتساب کا فخر حاصل ہے قطعی مناسب نہیں کہ اپنے جد بزرگوار رسول خدا کی سیرت اور سنت سے انحراف کرے جو پورے حسن اخلاق پر فائز اور آیۂ مبارکہ وانك لعلى خلق عظيم[1] کے مخاطب تھے اور قرآنی ہدایات کے خلاف عمل کرے جیسا کہ ارشاد ہے۔ ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن[2]

حافظ: معاف فرمایئے گا، چونکہ آپ نے اپنی تقریر کے ضمن میں رسول اللہ کے ساتھ اپنی نسبت ظاہر کی ہے اور اسی طرح سے مشہور بھی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ میری گذارش قبول کرتے ہوئے ہماری مزید واقفیت کے لیئے اپنا شجرۂ نسب بیان فرمایئے تاکہ ہم دیکھیں کہ آپ کا نسب کس سلسلے سے پیغمبر تک منتہی ہوتا ہے۔

خاندانی نسبت کی تعیین

خیر طلب: میرے خاندان کا نسب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ذریعہ اس سلسلے سے رسول

---

[1] یعنی یقیناً تم صاحب خلق عظیم ہو۔ [2] یعنی لائے میرے رسولؐ، خلق کو حکمت برہان اور اچھے موعظے کیساتھ راہ خدا کی طرف دعوت دو اور ان سے بہترین طریقے اور اچھے انداز سے مجادلہ کرو (آیہ ۱۲۶ سورہ ۱۶ نحل)

اللہ تک منتہی ہوتا ہے۔ محمد ابن علی اکبر (اشرف الواعظین) بن قاسم (بحر العلوم) بن حسن بن اسمٰعیل مجتہد الواعظ بن ابراہیم بن صالح بن ابی علی محمد بن علی (معروف بہ مردان) بن ابی القاسم محمد تقی بن (مقبول الدین) حسین بن ابی علی حسن بن محمد بن فتح اللہ بن اسحاق بن ہاشم بن ابی محمد بن ابراہیم بن ابی الفتیان بن عبداللہ بن الحسن بن احمد (ابی الطیب) بن ابی علی حسن ابن ابی جعفر محمد الحائری (نزیل کرمان) بن ابراہیم (معروف بہ مجاب) بن امیر محمد العابد بن امام موسیٰ الکاظم بن امام جعفر الصادق بن امام محمد الباقرؑ بن امام علی زین العابدین بن امام ابی عبداللہ الحسین (سید الشہداء) الشہید بالطف بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہم السلام۔

حافظ: یہ شجرہ جو آپ نے بیان کیا ہے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تک منتہی ہوتا ہے درانحالیکہ آپ نے اپنے کو رسول خدا سے منسوب کیا تھا حق تو یہ ہے کہ اس سلسلۂ نسب سے آپ کو چاہیئے تھا کہ اپنے کو اقربائے رسول میں سے کہتے نہ کہ آں حضرتؐ کی اولاد، کیونکہ اولاد وہی ہے جو رسول اللہ کی ذریت سے ہو۔

خیر طلب: ہمارا نسب رسول اللہؐ تک صدیقہ کبرا ے فاطمہؑ زہرا سلام اللہ علیہا کی طرف سے پہنچتا ہے کہ جو حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں۔

حافظ: تعجب ہے، آپ کے اوپر کہ اہل علم و خبر ہو کر بھی ایسی بات منہ سے نکالتے ہیں حالانکہ خود جانتے ہیں کہ آدمی کا سلسلۂ نسب اور نسل اولاد ذکور کی طرف سے ہے نہ کہ اناث کی طرف سے اور حضرت رسول خدا کا بیٹوں سے کوئی سلسلہ نہیں لہذا آپ رسول اللہ کے نواسے اور دختر زادے ہیں نہ کہ آں حضرت کی اولاد۔

خیر طلب: مجھ کو یہ خیال نہیں تھا کہ آپ حضرات اس بات میں اتنی ضد کریں گے ورنہ میں جواب ہی نہ دیتا۔

حافظ: آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میری گفتگو میں کوئی ضد نہیں تھی بلکہ میری رائے یہی ہے جیسا کہ بہت سے علماء بھی میرے ہم خیال ہیں کہ نسل اور ذریت اولاد ذکور سے چلتی ہے اناث سے نہیں۔

چنانچہ شاعر کہتا ہے:-

بنونا بنوا ابناءنا وبناتنا   بنوھن ابناء الرجال الاباعدؔ[1]

اگر آپ اس کے برخلاف اس بات پر کوئی دلیل رکھتے ہوں کہ رسول کی بیٹی کی اولاد آں حضرتؐ ہی کی اولاد شمار ہوتی ہے۔ تو بیان کیجئے۔ اگر آپ کا استدلال مکمل ہو گا تو یقیناً ہم لوگ مان لیں گے۔ بلکہ ممنون بھی ہوں گے۔

خیر طلب: قرآن مجید اور فریقین کے اخبار معتبرہ سے بہت قوی دلیلیں موجود ہیں۔

---

[1] میرے بیٹے پوتے اور لڑکیاں مجھ سے ہیں لیکن لڑکیوں کے لڑکے دور کے مردوں سے ہیں (یعنی مجھ سے نہیں ہیں)

حافظ: میں ممنون ہوں، بیان کیجیے تاکہ ہم مستفیض ہوں۔

خیر طلب: آپ کی گفتگو کے ضمن میں مجھ کو وہ مناظرہ یاد آیا جو اسی موضوع پر ہارون رشید خلیفۂ عباسی اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے درمیان واقع ہوا تھا۔ اور حضرتؑ نے ہارون رشید کو ایسا کامل جواب دیا تھا کہ خود اُس نے بھی اُس تصدیق کی تھی۔

حافظ: وہ مناظرہ کیونکر ہوا ہے؟ بیان کیجیے میں مشتاق ہوں۔

ذریت رسولؐ کے بارے میں ہارون رشید اور امام موسیٰ کاظمؑ کا سوال و جواب

خیر طلب: ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی ملقب بہ صدوق نے جو چوتھی صدی ہجری میں اکابر علماء فقہائے شیعہ میں سے تھے، علم حدیث کے نقاد اور حالات رجال کے ماہر تھے علمائے قم و خراسان کے درمیان حافظے اور کثرتِ علم میں کوئی اُن کا مثل پیدا نہیں ہوا۔ تین سو تصانیف کے مالک تھے جن میں سے ایک کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" شیعوں کی ان چار کتابوں میں سے ہے جن پر ہر زمانے میں انحصار رہا ہے۔ ۳۸۱ھ میں ایران کے موجودہ پایۂ تخت طہران کے قریب رے میں وفات پائی اور آپ کی قبر شریف اب تک اہل طہران اور باہر سے آنے والوں کی زیارت گاہ ہے۔ اپنی معتبر کتاب "عیون اخبار الرضا" میں اور ابومنصور احمد بن علی طبرسی نے کتاب "احتجاج" میں مناظرے کی مفصل کیفیت لکھی ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ایک روز ہارون رشید کے دربار میں تشریف لے گئے، اُس نے آپ سے چند سوالات کیے اور اُن کے جوابات سُنے الخ۔ من جملہ اُس کے سوالوں کے یہ سوال بھی تھا کہ اُس نے کہا۔

کیف قلتم انا ذریۃ النبیؐ والنبی لم یعقب وانما العقب للذکر لا للانثیٰ وانتم ولد البنت ولا یکون لہ عقب [۱]

حضرت نے اس کے جواب میں سورۂ ۶ (انعام) کی یہ آیت نمبر ۸۴ تلاوت فرمائی"

ومن ذریتہ داوٗد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ھٰرون و کذلک نجزی المحسنین وزکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس کل من الصالحین [۲]

---

[۱] تم یہ کیونکر کہتے ہو کہ ہم اولاد رسولؐ ہیں؟ حالانکہ پیغمبر کوئی نسل نہیں رکھتے تھے اور یہ مسلم ہے کہ نسل لڑکے سے چلتی ہے۔ لڑکی سے نہیں تم بیٹی کی اولاد ہو اور آں حضرتؐ نے کوئی نسل نہیں چھوڑی (یعنی اولاد ذکور سے)۔

[۲] ہم نے ذریتِ نوحؑ یا ابراہیمؑ سے (باختلاف تفاسیر) داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو ہدایت کی جو سب کے سب صالحین میں سے تھے۔

اور اس سے استدلال فرماتے ہوئے ہارون سے کہا کہ من ابو عیسیٰ یعنی عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ ہارون رشید نے جواب دیا کہ لیس لعیسیٰ اب یعنی عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ:

انما الحقہ اللہ بذراری الانبیاء علیہم السلام من طریق مریم و لذالک الحقنا بذراری النبیؐ من قبل امنا فاطمۃ۔

یعنی سوا اس کے اور کوئی بات نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے اُن کو مریمؑ کے سلسلے سے انبیاء کی ذریت میں داخل فرمایا اور اسی طرح سے ہم کو ہماری ماں جناب فاطمہؑ کی طرف سے رسولؐ خدا کی ذریت میں قرار دیا۔ امام فخر الدین رازی بھی تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۱۲۴ میں اسی آیۂ مبارکہ کے ماتحت مسئلہ پنجم میں کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ حسنؑ و حسینؑ رسول اللہؐ کی ذریت ہیں کیونکہ خدا نے اس آیت میں عیسیٰؑ کو جناب ابراہیمؑ کی ذریت سے قرار دیا ہے (درانحالیکہ، عیسیٰؑ کا کوئی باپ نہ تھا)۔ یہ انتساب ماں کی طرف سے ہے چنانچہ حسنینؑ بھی اسی طرح سے ماں کی جانب سے ذریت رسولؐ ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت باقر العلومؑ (امام پنجمؑ) نے بھی حجاج کے سامنے اسی آیت سے استدلال فرمایا ہے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ کیا تمہارے لیئے کوئی اور دلیل بیان کروں؟ ہارونؑ رشید نے عرض کیا کہ بیان کیجئے تو آپ نے آیت مباہلہ پڑھی جو سورہ ۳ (آل عمران) کی آیت ۵۴ ہے۔

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین[1]

اور فرمایا کہ کسی شخص نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ مباہلے کے موقع پر پیغمبرؐ نے نصاریٰ کے مقابلہ میں حکم خدا سے سوا علیؑ ابن ابی طالبؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام کے کسی اور کو کساء کے نیچے داخل کیا ہو لہذا مطلب یہی نکلتا ہے کہ انفسنا سے علیؑ ابن ابی طالبؑ، نساءنا سے فاطمہ زہراؑ اور ابناءنا سے حسنؑ حسینؑ مراد ہیں جن کو خدا نے اپنے رسولؐ کے فرزند فرمایا ہے۔ جوں ہی ہارون نے یہ واضح دلیل سنی بے اختیار بول اُٹھا احسنت یا ابا الحسن چنانچہ ہارونؑ کے مقابلہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اس استدلال سے کہ حسنین علیہما السلام فرزندان رسولؐ خدا ہیں ثابت ہوتا ہے۔ کہ قیامت تک سارے سادات فاطمیؑ اس افتخار جلیل سے سرفراز ہیں اور سب کے سب ذریت اولاد رسولؐ ہیں۔

---

[1] جو شخص تم سے عیسیٰؑ کے بارے میں تمہارے پاس وحی کے ذریعہ ان کے حالات آجانے کے بعد بھی مجادلہ کرے تو اس سے کہہ دو کہ آؤ ہم اور تم اپنے اپنے بیٹوں عورتوں اور ان لوگوں کو جو ہمارے نفس کی جگہ پر ہیں ساتھ لے کر آپس میں مباہلہ کریں (یعنی ایک دوسرے کے حق میں نفرین کریں اور بارگاہ الٰہی میں دعا و التجا میں اصرار کریں)، تاکہ جھوٹوں اور کاذبوں کو عذاب خدا میں گرفتار کریں۔

اس بات پر کافی دلائل کہ اولاد فاطمہؑ اولاد رسولؐ ہے

چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی جو آپ کے سربرآوردہ علماء میں سے ہیں شرح نہج البلاغہ میں اور ابو بکر رازی اپنی تفسیر میں اسی آیت اور جملہ ابنائنا سے استدلال کرتے ہیں کہ حسنؑ اور حسینؑ ماں کی طرف سے رسولؐ خدا کے بیٹے ہیں جیسا کہ خدا نے قرآن مجید میں عیسیٰؑ کو ان کی ماں مریم کی طرف سے اولاد جناب ابراہیمؑ میں داخل فرمایا۔

محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب میں، ابن حجر مکی صواعق محرقہ صفحہ ۷۴، ۹۳ میں طبرانی سے اور وہ جابر ابن عبداللہ انصاری سے اور خطیب خوارزمی مناقب میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ ان اللہ عزوجل جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ وجعل ذریتی فی صلب علیؑ ابن ابی طالبؑ یعنی خدائے عزوجل نے ہر پیغمبرؐ کی ذریت خود اس کے صلب میں قرار دی اور میری ذریت صلب علیؑ ابن ابی طالب میں رکھی۔

خطیب خوارزمی مناقب میں، میر سید علی ہمدانی شافعی مودۃ القربیٰ میں، امام احمد بن حنبل جو آپ کے کبار علماء میں سے ہیں مسند میں اور سلیمان حنفی بلخی ینابیع المودۃ میں نقل کرتے ہیں (الفاظ کی تھوڑی کمی بیشی کے ساتھ) کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ ابنای ھذان ریحانتای من الدنیا ابنای لھذان امامان قاما اوقعدا یعنی میرے یہ دونوں فرزند (حسنؑ وحسینؑ) دنیا میں میرے دو پھول ہیں، اور میرے یہ دونوں فرزند امام ہیں خواہ امر امامت پر قائم ہوں یا خاموش د قاعد۔ اور شیخ سلیمان حنفی نے ینابیع المودۃ کا باب ۵۷ اسی موضوع کے لیے مخصوص قرار دیا ہے اور مختلف طریقوں سے بکثرت حدیثیں اپنے جلیل القدر علماء جیسے طبرانی حافظ عبدالعزیز ابن ابی شیبہ، خطیب بغدادی، حاکم، بیہقی، بغوی اور طبری وغیرہ سے مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ نقل کی ہیں کہ حسنؑ وحسینؑ رسولؐ خدا کے فرزند ہیں۔ اسی باب کے آخر میں ابو صالح، حافظ عبدالعزیز بن الاخضر، ابو نعیم اور طبری سے، اور ابن حجر مکی صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۲ میں محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب کے سو بابوں کے بعد فصل اول کے آخر میں اور طبری نے ترجمۂ حالات حضرت امام حسنؑ میں، خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا۔ انی سمعت رسول اللہ یقول کل حسب ونسب فمنقطع یوم القیامۃ ماخلا حسبی ونسبی وکل بنی انثی عصبتھم لابیھم ماخلا بنی فاطمۃ فانی انا ابوھم وانا عصبتھم، یعنی میں نے رسولؐ خدا سے سنا کہ آں حضرتؐ نے فرمایا ہر حسب ونسب قیامت کے روز منقطع ہو جائے گا سوا میرے حسب ونسب کے اور ہر دختری اولاد کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے ہے سوا اولاد فاطمہؑ کے کہ

میں اُن کا باپ اور نسب ہوں۔ شیخ عبداللہ بن محمد عامر شبیراوی شافعی نے کتاب الاتحاف لحب الاشراف میں اس حدیث کو بیہقی سے اور دارقطنی نے عبداللہ ابن عمر سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے۔ جلال الدین سیوطی کتاب احیاء الملبیت لفضائل اہل البیت میں اوسط طبرانی سے نقل کرتے ہوئے خلیفہ عمر سے نقل کرتے ہیں اور سید ابوبکر شہاب الدین علوی نے رشفتہ الصادی من بحر فضائل النبی الہادی (مطبوعہ مطبع اعلامیہ مصر ۱۳۰۳ھ کے صد ۲۱ باب ۳ میں صد ۲۳ تک نقل واستشہاد کیا ہے۔ کہ اولاد فاطمہؑ اولادِ رسولؐ ہے لہٰذا شاعر کا جو شعر آپ نے پیش کیا ہے وہ تمام مضبوط دلائل کے سامنے مہمل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب کے سو باب کے بعد فصل اوّل کو اسی شعر کے جواب میں اس مطلب سے مخصوص کیا ہے کہ پیغمبرؐ کے دختر زادے آں حضرتؐ کے فرزند ہیں۔ اور یہ شعر زمانہ کفر کے شاعر کا ہے۔ جس نے اس کو اسلام سے قبل نظم کیا ہے۔ جیسا کہ صاحب جامع الشواہد نے نقل کیا ہے۔ اسی قبیل سے کثرت کے ساتھ ایسی دلیلیں ہیں۔ جو ثابت کرتی ہیں کہ فرزندان فاطمہؑ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرزندان رسول اللہؐ ہیں۔ لہٰذا جب ہمارا سلسلہ نسب حضرت امام حسین علیہ السلام تک ثابت ہو گیا تو جیسا کہ ہم بیان کر چکے معتبر دلائل کی بنا پر ثابت ہے۔ کہ ہم لوگ فرزندان و اولادِ رسولؐ خدا ہیں اور ہمارا سب سے بڑا فخر اسی بات پر ہے۔ اور کسی شخص کو سوا ذریت رسولؐ کے ایسا افتخار حاصل نہیں ہے کیا خوب کہا ہے فرزدق شاعر نے :-

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع[1]

خلاصہ یہ کہ ابنائے زمانہ اور اہل دنیا میں سے کوئی شخص اپنے اجداد کی بزرگی پر فخر و مباہات نہیں کر سکتا ہے۔ سوا شرفا اور سادات کے جن کی نسبت خاتم الانبیاء اور علی مرتضیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہما تک منتہی ہوتی ہے۔

حافظ: آپ کے دلائل بہت تسکین بخش اور مکمل تھے جن سے سوا ضدی اور متعصب اشخاص کے قطعاً کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا میں بہت ممنون ہوا کہ آپ نے حقیقت کو بے نقاب کر کے ہم لوگوں کو مستفیض فرمایا جس سے یہ بڑا شبہ رفع ہو گیا۔

اتنے میں مسجد سے نماز عشاء کے لئے موذن کی اذان کی آواز بلند ہوئی۔ کیونکہ برادران اہل سنت بصورت نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ایک دوسرے سے الگ اور اس کے وقت فضیلت پر بجا لاتے ہیں۔ برخلاف شیعوں کے جو رسولؐ خدا اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی پیروی جمع اور تفریق کے درمیان مختار ہیں، وہ حضرات

---

[1] یہ ہیں میرے آباؤ اجداد پس لاؤ میرے سامنے ان کا مثل جس وقت محفلوں اور انجمنوں میں ہم لوگ اکٹھے ہوں۔

مسجد جاتے اور فریضہ ادا کرنے کے لیئے آمادہ ہوئے لیکن بعض صاحبان نے کہا کہ اگر واپس آنے اور مباحثہ جاری رکھنے کا قصد ہے تو مسجد جانے اور آنے میں نشست کا کافی وقت نکل جائیگا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ جب تک اس صحبت کا سلسلہ ہے نماز عشا اسی جگہ ادا کی جائے فقط مولوی سید عبدالحی بہ امام جماعت مسجد چلے جائیں اور مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھا کر واپس آئیں۔ یہ رائے سب حضرات نے قبول کی (لہٰذا ساری مدت مناظرہ میں یعنی دس راتوں تک اسی مقام پر نماز عشاء ہوتی رہی) چنانچہ وہ حضرات ایک دوسرے بڑے ہال میں چلے گئے اور نماز پڑھ کر مناظرے والے کمرے میں واپس آئے۔

نواب عبدالقیوم خاں نے جو اہل تسنن کے شرفا اور رؤسا میں سے اور بال کی کھال نکالنے اور جستجو کرنے والے انسان تھے، کہا کہ قبلہ صاحب اگر آپ اجازت دیں تو جب تک حضرات چائے نوش فرمائیں میرے دل میں موضوع بحث سے خارج ایک سوال ہے اُس کو عرض کردں۔

خیر طلب: فرمائیے میں سننے کے لیئے حاضر ہوں۔

نواب: میرا سوال بہت مختصر ہے چونکہ مدتوں سے میرے دل میں تھا کہ باخبر شیعہ حضرات سے پوچھوں گا لیکن کوئی موقع ہاتھ نہ آیا اور اب اس کا مناسب محل آگیا ہے لہٰذا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حضرات شیعہ سنت رسولؐ خدا کے خلاف نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو ملا کر کس لیئے پڑھتے ہیں۔؟

پیغمبرؐ نماز ظہرین و مغربین جمع و تفریق دونوں طرح سے پڑھتے تھے

خیر طلب: اول یہ کہ آپ حضرات (علمائے جلسہ کی طرف اشارہ) جانتے ہیں کہ فروعی مسائل میں علماء کے درمیان بہت اختلاف ہے جیسا کہ آپ کے چاروں امام بھی آپس میں بہت زیادہ اختلاف رکھتے ہیں دوسرے یہ کہ آپ نے فرمایا، شیعوں کا عمل سنت رسولؐ کے خلاف ہے تو اس امر میں آپ کو اشتباہ ہوا ہے کیونکہ آںحضرتؐ نمازیں کبھی یکجا اور کبھی الگ الگ ادا فرماتے تھے۔

نواب: (اپنے علماء کی طرف رُخ کر کے) کیا یہ صحیح ہے کہ رسولؐ خدا جمع اور تفریق دونوں طرح سے نماز بجالاتے تھے؟

حافظ: فقط سفر اور عذر کے مواقع جیسے بارش وغیرہ میں اس طرح سے عمل فرماتے تھے تاکہ اُمت تعصب اور مشقت میں مبتلا نہ ہو، ورنہ حضر میں ہمیشہ الگ الگ پڑھتے تھے میرا خیال ہے کہ قبلہ صاحب نے غلطی سے سفر کو حضر سمجھ لیا۔

خیر طلب: یہ نہیں مجھ کو مغالطہ نہیں ہوا بلکہ یقین رکھتا ہوں، یہاں تک کہ آپ حضرات کی روایتوں میں

بھی موجود ہے کہ کبھی حضر میں اور بغیر کسی عذر کے بھی بصورت جمع ادا فرماتے تھے۔

حافظ: میں خیال کرتا ہوں کہ آپ نے غلط فہمی سے شیعہ روایات کو ہماری روائتیں سمجھ لیا ہے۔

خیر طلب: شیعہ راوی تو اس مقصد پر متفق ہی ہیں، گفتگو ہو رہی ہے آپ کے راویوں پر اس بارے میں متعدد و صحیح روائتیں صحاح اور آپ کی معتبر کتابوں میں وارد ہیں۔

حافظ: ممکن ہے آپ کی نظر میں ہوں تو ان کا حوالہ بیان کیجئے۔

خیر طلب: مسلم ابن حجاج نے اپنی صحیح کے اندر باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر میں راویوں کا سلسلہ نقل کرتے ہوئے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا۔ صلّی رسول اللہؐ الظهر والعصر جمعًا والمغرب والعشاء جمعًا فی غیر خوف ولا سفر (یعنی رسول خداؐ نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو بغیر خوف اور سفر کے ملا کر ادا فرماتے تھے) اور پھر ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا: صلّیت مع النبی ثمانیًا جمعًا و سبعًا (یعنی ہم رسول خدا کے ساتھ آٹھ رکعت نماز ظہر و عصر اور سات رکعت نماز مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھتے تھے) اور اسی حدیث کو امام احمد ابن حنبل نے اپنی مسند کے جزء اوّل صفحہ ۲۲۱ میں نقل کیا ہے۔ علاوہ اس دوسری حدیث کے کہ ابن عباس نے کہا۔ صلّی رسول اللہ فی المدینۃ مقیمًا غیر مسافر سبعًا و ثمانیًا (یعنی رسول خداؐ نے مدینہ کے اندر حالت اقامت میں بغیر مسافرت کے سات رکعت اور آٹھ رکعت یعنی مغرب و عشاء اور ظہر و عصر کو ملا کے نماز پڑھی)۔

امام مسلم اسی طرح کی کئی حدیثیں نقل کرتے ہیں یہاں تک کہ لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن شقیق نے کہا ایک روز عبد اللہ ابن عباس عصر کے بعد ہمارے سامنے خطبہ پڑھ رہے تھے اور شریک صحبت تھے یہاں تک کہ آفتاب نے غروب کیا ستارے ظاہر ہو گئے لوگوں نے الصلوٰۃ الصلوٰۃ کی آواز دینا شروع کی لیکن ابن عباس نے اعتنا نہ کی، اسی وقت بنی تمیم میں سے ایک شخص نے بہ آواز بلند کہا۔ الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔ ابن عباس نے کہا "التعلمنی بالسنۃ لا ام لک رایت رسول اللہؐ جمع بین الظهر والعصر والمغرب والعشاء" (یعنی ... تو مجھ کو سنت یاد دلاتا ہے حالانکہ میں نے خود دیکھا ہے کہ رسول اللہؐ نے نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع فرمایا) عبد اللہ کہتا ہے کہ اس کلام سے میرے دل میں خدشہ پیدا ہوا اور میں نے جا کر ابو ہریرہ سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی تصدیق کی اور کہا کہ حقیقت وہی ہے جو ابن عباس نے بیان کی۔

اور دوسرے طریقے سے بھی عبد اللہ بن شقیق عقیلی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ منبر پر عبد اللہ بن عباس کی تقریر نے طول کھینچا یہاں تک کہ اندھیرا پھیل گیا، ایک شخص نے پے در پے تین بار الصلوٰۃ کی آواز دی۔ ابن عباس جھنجلا گئے اور کہا لا ام لک اتعلمنا بالصلوٰۃ وکنا نجمع بین الصلوٰتین علی عهد رسول اللہ۔

(یعنی ..... مجھ کو نماز کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ ہم زمانہ رسول خدؐا میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھا کرتے تھے یعنی ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشا کے ساتھ۔

زرقانی بھی جو آپ کے اکابر علماء میں سے ہیں۔ شرح موطا مالک کے جزء اوّل باب جمع بین الصلاتین میں صد۳۶۳ پر نسائی سے بطریق عمرو بن ہرم ابی شعشاء سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس بصرہ میں نماز ظہر و عصر و مغرب و عشاء پڑھتے تھے بغیر اس کے کہ ان کے درمیان کوئی فاصلہ یا کوئی چیز حائل ہوتی ہو اور کہتے تھے کہ رسول خداؐ اسی طرح نماز ادا فرماتے تھے۔ (یعنی ظہر کو عصر کیا تھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ۔ جمع فرماتے تھے۔)

نیز مسلم نے صحیح میں، مالک نے موطا و باب جمع بین الصلاتین میں اور امام احمد بن حنبل نے مسند سلسلۂ روایات کو نقل کرتے ہوئے سعید ابن جبیر کے ذریعے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا۔ صلی رسول اللہ الظھر والعصر جمعاً بالمدینۃ فی غیر خوف ولا مطر (یعنی رسول اللہؐ نے مدینے میں نماز ظہر و عصر کو ملا کے پڑھا بغیر خوف اور بارش کے)، ابوزبیر کہتا ہے کہ میں نے ابوسعید سے سوال کیا کہ پیغمبرؐ کس وجہ سے نماز کو جمع فرماتے تھے؟ تو سعید نے کہا کہ یہی سوال میں نے ابن عباس سے کیا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اراد ان لا یحرج احدا من امتہ یعنی اس لیئے جمع فرماتے تھے کہ آں حضرت کی امت میں سے کوئی شخص سختی اور مشقت میں نہ پڑے اور چند دوسری روایتوں میں بھی نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا جمع رسول اللہ بین الظھر والعصر والمغرب والعشاء فی غیر خوف ولا مطر۔ (یعنی رسول خداؐ نے ظہر اور عصر اور مغرب و عشاء کے درمیان جمع فرمایا بغیر اس کے کہ کوئی خوف ہو یا بارش ہوتی ہو)

اس بارے میں روائتیں کثرت سے نقل کی ہیں لیکن جمع بین الصلاتین کے جواز پر سب سے واضح دلیل یہی جمع بین الصلاتین کے نام کیا تھ الواب کی تعیین اور اسی باب میں احادیث۔ جمع کا نقل کرنا ہے تاکہ یہ مطلقاً جمع کے جائز ہونے کی دلیلیں ہیں۔ ورنہ ایک مخصوص باب حضر میں اور ایک باب سفر میں نمازوں کو جمع کرنے پر قائم کرتے۔ چنانچہ یہ منقولہ روائتیں صحاح اور آپ کی دوسری معتبر کتابوں میں سفر و حضر دونوں میں اُس کے جائز ہونے سے تعلق رکھتی ہیں۔

حافظ: ایسا کوئی باب یا نقل روایات صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے۔

خیر طلب: اولاً جب سارے ارباب صحاح جیسے مسلم، نسائی، احمد ابن حنبل، صحیحین مسلم و بخاری کے شارحین اور آپ کے دوسرے بڑے علماء نے نقل کیا ہے تو یہی ہمارے مطلب اور مقصد کے لیئے کافی ہے دوسرے امام بخاری نے بھی انہیں روایات کو جنہیں دوسروں نے نقل کیا ہے اپنی صحیح میں درج کیا ہے لیکن پوری چالاکی کے ساتھ اُن کے محل یعنی جمع بین الصلاتین سے دوسرے محل پر منتقل کر دیا ہے۔ چنانچہ

باب "تاخیر الظہر الی العصر من کتاب مواقیت الصلوٰۃ" باب "ذکر العشاء والعتمۃ" اور باب "وقت المغرب" کا مطالعہ کیجئے اور ان کا جائزہ لیجئے تو یہ جمع بین الصلاتین کی ساری حدیثیں نظر آجائیں گی نتیجہ یہ کہ جمع بین الصلاتین کی اجازت اور رخصت کے عنوان کیساتھ ان احادیث کا نقل کرنا بتاتا ہے کہ یہ جمہور علمائے فریقین کا عقیدہ ہے۔ ایسی صورت میں کہ اپنے صحاح کے اندر ان حدیثوں کی صحت کا اقرار بھی کیا ہے چنانچہ علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں، عسقلانی و قسطلانی و زکریائے رازی نے اُن شرحوں میں جو انہوں نے صحیح بخاری کی لکھی ہیں، زرقانی نے شرح موطاء مالک میں اور آپ کے دوسرے اکابر علماء نے یہ احادیث اور خصوصاً حدیث ابن عباس کو نقل کرنے کے بعد اُن کی صحت اور اس کا اعتراف کیا ہے کہ یہ حدیثیں حضر میں جمع بین الصلاتین کی اجازت و رخصت کی دلیل ہیں تاکہ اُمت والے حرج اور مشقت میں مُبتلا نہ ہوں۔

نواب: یہ کیونکر ممکن ہے کہ زمانہ رسولؐ خدا سے یہ حدیثیں جمع کے عمل پر مروی ہوں لیکن علماء حکم اور عمل میں اُن کے خلاف راستہ اختیار کریں۔

خیر طلب: یہ بات صرف اسی موضوع سے مخصوص نہیں ہے بعد کو آپ کی سمجھ میں آئے گا کہ اس کی مثالیں بہت ہیں۔ خاص اس موضوع میں بھی حضرات فقہا و اہل تسنن نے یا تو غور و فکر کے قصور سے یا کسی اور سبب سے جو مجھ کو معلوم نہیں ہے ان معتبر حدیثوں کی ان کے ظاہر کیخلاف مہمل سی تاویلیں کی ہیں، جیسا کہ کہتے ہیں شاید یہ حدیثیں عذر کے موقع سے تعلق رکھتی ہوں مثلاً خوف و بیم، بارش اور آندھی وغیرہ چنانچہ آپ کے اکابر متقدمین میں سے ایک جماعت جیسے امام مالک امام شافعی اور مدینے کے چند فقیہوں نے اسی تاویل کے ساتھ فتویٰ دیا ہے حالانکہ اس عقیدے کو ابن عباس کی حدیث رد کر رہی ہے۔ جو صاف صاف کہتے ہیں کہ من غیر خوف و لا مطر یعنی بغیر خوف اور نزول باراں کے نماز کو جمع پڑھتے تھے۔

بعض دوسروں نے یہ خیال آرائی کی ہے کہ غالباً ابر گھرا ہوا تھا اس وجہ سے وقت کو نہیں پہچانا اور جیسے ہی نماز ظہر تمام کی ابر چھٹ گیا تو دیکھا کہ عصر کا وقت ہے لہٰذا نماز عصر بھی پڑھ لی اور اس طرح سے ظہر و عصر باہم جمع ہو گئیں۔

میں نہیں سوچ سکتا کہ اس سے زیادہ کمزور تاویل بھی گھڑی جا سکتی ہے گویا تاویل کرنے والوں نے غور ہی نہیں کیا کہ نماز پڑھنے والے رسول اللہ تھے اور رسولؐ خدا کے لیئے ابر کا ہونا نہ ہونا کوئی فرق نہیں رکھتا تھا کیونکہ آں حضرتؐ کا علم اسباب ظاہری کا محتاج نہیں تھا۔ بلکہ تمام اسباب و آثار پر حاوی تھا۔ اس سے قطع نظر کہ یہ کم فہم جماعت ایسی صورت حال پیدا ہونے پر کوئی دلیل اپنے پاس نہیں رکھتی اور علاوہ اس کے کہ یہ بات احادیث کے کھلے ہوئے مطالب کے خلاف ہے اس تاویل کا باطل ہونا نماز مغرب و عشاء کو جمع کرتے سے

بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اُس وقت ابر کے موجود ہونے اور برطرف ہونے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا حدیث ابن عباس (خیر امت) میں اس کی صراحت موجود ہے کہ اُن کے خطبے نے اتنا طول کھینچا کہ سامعین نے کئی مرتبہ الصلوٰۃ کی آواز بلند کی یعنی یاد دلایا کہ ستارے ظاہر ہو گئے ہیں اور نماز کا وقت ہو گیا ہے اس کے باوجود وہ نماز مغرب میں عمداً تاخیر کرتے رہے یہاں تک کہ نماز عشار کا وقت آگیا اور دونوں کو ملا کے ادا کیا اور ابو ہریرہ نے بھی اس کی تصدیق کی کہ رسول اللہ اسی طرح عمل فرماتے تھے۔ یقیناً اس طرح کی تاویلیں ہمارے نزدیک باطل ہیں۔ بلکہ آپ کے بڑے بڑے علماء نے بھی ان کو رد کیا ہے اور تاویلات کو ظواہر احادیث کے برخلاف جانا ہے جیسا کہ آپ کے اکابر علماء میں سے شیخ الاسلام انصاری نے "تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری" "باب الصلوٰۃ الظہر مع العصر والمغرب مع العشار" آخر ص ۲۹۲ جزو دوم میں اسی طرح علامہ قسطلانی نے "ارشاد الساری فی شرح صحیح البخاری" ص ۲۹۳ جزو دوم میں اور صحیح بخاری کے دوسرے شارحین اور آپ کے علماء محققین کے ایک جم غفیر نے لکھا ہے کہ اس قسم کی تاویلیں ظواہر احادیث کے خلاف ہیں اور اس بات کی قید لگانا کہ ہر نماز حتمی طور پر الگ الگ پڑھنا چاہیئے ترجیح بلا مرجح اور تخصیص بلا مخصص ہے۔

نواب: پھر یہ اختلاف کہاں سے آیا کہ مسلمان بھائیوں کے دو گروہ آپس میں ایک دوسرے کی جان کے درپے ہو گئے باہم عداوت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اعمال کی مذمت اور قدح کرتے ہیں؟

خیر طلب: اولاً یہ کہ آپ نے فرمایا ہے مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں ایک دوسرے کو عداوت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں" تو میں مجبور ہوں کہ شیعیان اہل بیت طہارت و خاندان رسالت کی طرف سے دفاع کروں کہ ہم شیعوں کی جماعت برادران اہل تسنن کے علماء اور عوام میں کسی ایک کو بھی حقارت یا عداوت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی ہے بلکہ ان کو اپنے مسلمان بھائی سمجھتی ہے البتہ ہم کو بہت افسوس ہے کہ غیروں، خارجیوں، ناصبیوں اور امویوں کے غلط پروپیگنڈے اور شیاطین جن و انس کی تحریکیں برادران اہل سنت کے دلوں میں کس لیئے گھر کر لیتی ہیں یہاں تک کہ اپنے شیعہ بھائیوں کو جو قبلہ، کتاب، نبوت، تمام احکام اور واجبات و مستحبات پہ عمل اور کبائر و معاصی کے ترک میں اُن کے ساتھ شریک ہیں رافضی، مشرک اور کافر جانتے ہیں۔ اپنے سے جدا قرار دیتے ہیں اور بغض و عداوت کی نظر سے اُن کی طرف دیکھتے ہیں۔

ثانیاً آپ نے فرمایا ہے کہ "یہ اختلاف کہاں سے آیا" تو میں سوز دل کے ساتھ عرض کرتا ہوں ؎

آتش بجاں شمع فتند کیں بنا نہاد

ابھی یہ عرض کرنے کا وقت نہیں ہے کہ اس قسم کے اختلافات کا چشمہ کہاں سے پھوٹا۔ شاید انشاء اللہ آئندہ راتوں میں موقع محل کی مناسبت سے اس کی نقاب کشائی ہو جائے اور آپ خود اصل حقیقت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

ثالثاً نماز جمع و تفریق کے بارے میں حضرات فقہاءِ اہل سنن نے مذکورہ روایتوں کو جو مطلقاً نماز ظہر و عصر و مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھنے کی اجازت اور جواز پر دلالت کرتی ہیں، اُمت کی سہولت و راحت اور سختی و مشقت و حرج سے بچانے کے لئے نقل کیا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ کس وجہ سے فضول تاویلیں کرتے ہیں اور بغیر عذر کے نمازوں کو اکٹھا پڑھنے کو جائز نہیں جانتے بلکہ ان میں سے بعض جیسے ابوحنیفہ اور ان کے تابعین مطلقاً جمع کرنے کو منع کرتے ہیں، چاہے عذر کیساتھ ہو یا بغیر عذر کے، سفر میں ہو یا حضر میں لیکن دوسرے شافعی، مالکی اور حنبلی علماء نے باوجود سارے اُصول و فروع میں باہمی اختلافات کے سفر مباح کے اندر جیسے حج و عمرہ اور جنگ وغیرہ میں اس کی اجازت دی ہے،

البتہ شیعہ فقہاء آئمۂ طاہرین آل محمد علیہم السلام کی پیروی میں جو ارشادِ رسُول کی بنا پر حق و باطل کے درمیان فرق کرنیوالے اور عدیل قرآن ہیں، مطلقاً اس کے جواز کا حکم دیتے ہیں۔ خواہ سفر میں یا حضر میں، عذر کے ساتھ یا بغیر عذر کے، چاہے تقدیم کے ساتھ جمع کرے یا تاخیر کیساتھ اور جواز اختیار مصلی کے ساتھ ہے یعنی نماز گذار اگر چاہے تو نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء، چاروں کو سہولت و آرام کے لیئے ایک نشست میں پڑھے یا ظہر و مغرب کو اوّل وقت فضیلت میں پڑھے اور نماز عصر و عشاء کو بھی انہیں کے اوّل وقت فضیلت میں ادا کرے اس کو اختیار ہے ہاں ہر ایک کو الگ الگ اور اپنے اپنے وقت فضیلت میں بجالانا جمع کرنے سے افضل ضرور ہے جیسا کہ فقہاء شیعہ کی استدلالی کتابوں اور عملیہ رسالوں میں اس کا مکمل ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ لوگ اکثر مشاغل اور بہت سی پریشانیوں میں گرفتار رہتے ہیں اور ممکن ہے کہ تھوڑی سی غفلت میں نماز اُن سے فوت ہو جائے لہذا سہولت اور رفع زحمت و حرج کے لیئے (جو شارع مقدس کا مقصد ہے) شیعہ تقدیم یا تاخیر کے ساتھ جمع پڑھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ حضرات محترم کا ذہن روشن ہونے اور دوسرے برادرانِ اہل سُنت کے لیئے جو ہم کو غیض و غضب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اسی قدر جواب کافی ہوگا چونکہ دوسرے اہم بنیادی مطالب پیش نظر ہیں۔ لہذا بہتر ہے کہ ہم لوگ سابق اصل مذاکرات کی طرف واپس ہوں کیوں کہ جب خاص خاص اُصولی مطالب حل ہو جائیں گے۔ تو ان کے ساتھ فروعات خود بخود واضح ہو جائیں گے۔

حافظ: مجھ کو بہت مسرت ہے کہ میں نے پہلی ہی نشست میں قبلہ صاحب کے معلومات کا پتہ لگا لیا اور یہ جان لیا کہ میرا فریق صحبت وہ شخص ہے جو زیادہ محدود نہیں اور ہماری کتابوں سے پوری طرح باخبر ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا بالکل بجا ہے۔ کہ ہم اسی پہلی گفتگو کی طرف رجوع کریں۔ آپ کی اجازت سے میں یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ جب آپ نے فصیح و بلیغ بیان سے ثابت کر دیا کہ آپ حجازی و ہاشمی اور ایسے پاک نسب کے حامل ہیں تو یہ کیونکر ہوا کہ مجوسیوں کے مرکز ایران میں آ بسے، چنانچہ اس ہجرت کا سبب اور تاریخ بیان فرمایئے۔

ہم لوگ بہت مسرور ہوں گے۔

(اس محل پر قبلہ سلطان الواعظین نے اپنے اجداد کی ہجرت کا سبب اور مفصل تاریخ بیان فرمائی ہے ۔جو اختصار کا لحاظ کرتے ہوئے حذف کی جاتی ہے ۔ لیکن اسی سلسلے میں ضمناً ظہور قبر امیر المومنینؑ کا بھی ذکر آگیا ہے جس کے بارے میں گفتگو کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔۱۲ مترجم)

حافظ: لیکن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی قبر اُس زمانہ تک کس حال میں تھی کہ ڈیڑھ سو سال کے بعد ظاہر ہوئی۔

خیر طلب: چونکہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت خلافت معاویہ اور بنی امیہ کی فتنہ انگیزی کے زمانے میں واقع ہوئی لہٰذا حضرت نے وصیت فرما دی تھی کہ آپ کا جسد مبارک رات کے وقت پوشیدہ طریقہ پر دفن کیا جائے یہاں تک کہ کوئی علامت بھی قبر پر باقی نہ رہے۔صرف چند اصحاب خاص اور اُن حضرت کے فرزند دفن کے موقع پر حاضر تھے اور اکیسویں رمضان کی صبح کو اس لیئے کہ دشمنوں پر معاملہ مشتبہ ہو جائے اور وہ قبر مبارک کی جگہ معلوم نہ کر سکیں دو محملیں تیار کی گئیں۔ ایک کو مدینہ کی طرف اور ایک کو مکہ کی جانب روانہ کیا گیا اسی وجہ سے اُن حضرت کی قبر مبارک برسوں پوشیدہ رہی اور سوا حضرت کے فرزندوں اور خاص خاص اصحاب کے کوئی شخص اُن جناب کے مدفن اور قبر سے واقف نہ تھا۔

حافظ: اس وصیت اور قبر کو پوشیدہ رکھنے کی کیا وجہ تھی؟

خیر طلب: غالباً بنی اُمیہ بے دین کے خوف سے ایسا ہوا چونکہ یہ لوگ ظالم و باغی اور مخصوص طور پر آل محمد علیہم السّلام کے شدید دشمن تھے لہٰذا ممکن تھا کہ قبر مبارک کے ساتھ بے ادبی کریں اور یہ ظلم سارے مظالم سے سخت ہوتا۔

حافظ: یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ مرنے اور میت کے قبر میں دفن ہونے کے بعد کوئی مسلمان چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو ایسا قبیح عمل انجام دے؟

بنی اُمیّہ کے دلدوز حرکات

خیر طلب: غالباً آپ نے بنی اُمیہ کی رسوائے زمانہ تاریخ اور اُن کے شرمناک اور دلدوز حرکات کا مطالعہ نہیں فرمایا ہے کہ اس شجرہ ملعونہ اور جماعت خبیثہ نے جس روز سے خلافت اور امارت مسلمین کی لجام ہاتھ میں لی۔ اُسی دن سے مسلمانوں کے اندر ظلم و تعدی اور فساد کا دروازہ کھل گیا۔کیا کیا ظلم انہوں نے نہیں کیئے

کتنے کتنے خون نہیں بہائے کیسی کیسی عزتیں برباد نہیں کیں! یہ رسوا بے وقعت قوم کسی چیز کی پابند نہیں تھی چنانچہ ان کی بداعمالیوں کو آپ کے بڑے بڑے علماء اور مورخین انتہائی خجالت کے ساتھ ضبط تحریر میں لائے ہیں۔

واقعۂ شہادت زید بن علی علیہ السلام

خصوصیت کیساتھ علامہ مقریزی ابوالعباس احمد بن علی شافعی نے جو آپ کے اکابر علماء میں سے ہیں۔ اپنی کتاب "النزاع والتخاصم فیما بین بنی ہاشم و بنی اُمیہ" میں ان کی دل سوز حرکتوں اور بداعمالیوں کو تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے کہ وہ زندہ اور مردہ میں بھی فرق نہیں کرتے تھے نمونہ کے لیئے اس بدنام زمانہ قوم (بنی اُمیہ) کے دل دوز اعمال کی نشانیاں اور دو اہم تاریخی واقعے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں تاکہ آپ حضرات تعجب نہ کریں۔ اور یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں سند اور بنیاد کے ساتھ ہے۔ وہ اہم واقعے حضرت زیدؑ بن علی بن الحسین علیہما السلام اور ان کے فرزند یحییٰ کی شہادتیں ہیں جن کو فریقین کے جملہ مؤرخین نے لکھا ہے۔ کہ جب ہشامؔ بن عبدالملکؔ ابن مرؔوان ۱۱۵ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا ہے اور یہ بہت قصی القلب اور مغلوب الغضب شخص تھا۔) تو اس نے ظلم و تعدی شروع کی اور مخصوص طور پر بنی ہاشم کے حق میں تو خود اُس نے اور اس کے پیروں نے تکلیف دہی اور ایذار سانی کی انتہا کر دی آخر کار یکتائے زمانہ سخی شریف عالم عابد و زاہد فقیہ اور متقی جناب زیدؑ بن علیؑ خلیفہ کے پاس فریاد کے لیئے تشریف لے گئے اور رصافہ میں ہشامؔ سے ملاقات کی۔ قبل اس کے کہ آپ اپنے آنے کی غرض بیان فرمائیں وہ بجائے اس کے کہ اپنے تازہ وارد مہمان اور وہ بھی رسولؐ اللہ کے پارۂ تن کی امداد و دادرسی اور خاطر داری کرتا۔ پہنچتے ہی سخت توہین کے ساتھ پیش آیا اور ایسی فحش گالیوں کیساتھ جن کو میں اپنی زبان پر جاری نہیں کر سکتا۔ آپ کو دربار خلافت سے نکال دیا چنانچہ ہمارے اور آپ کے بڑے بڑے مؤرخین جیسے امام مسعودی مروج الذہب جلد دوم ص۱۸۱ میں، علامہ مقریزی "النزاع والتخاصم فیما بین بنی ہاشم و بنی اُمیہ" میں، ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں اور دوسرے لوگ تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں کہ شدید گالیاں اور شدید چوٹیں کھانے اور خلیفہ کے پاس سے نکالے جانے کے بعد آپ مجبوراً شام سے کوفہ تشریف لے گئے اور دفع ظلم کے لیئے مولوں کیخلاف ایک پارٹی تیار کی حاکم کوفہ یوسفؔ بن عمر ثقفی ایک بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ پر آیا، وہ جناب ہاشمی شجاعت اور دلیری کے ساتھ جنگ کر رہے تھے۔ اور رجز میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔

اذل الحیات وعز الممات   وکلا اراہ طعاماً وبیلا !!

فان کان لابد من واحد　　　فسیری الی الموت سیراجمیلا

(یعنی ذلت کی زندگی اور عزت کی موت، دونوں نقشے بہت تلخ معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر دونوں سے ایک لازمی ہو جائے تو اے نفس خوشی کے ساتھ موت کی طرف بڑھ۔ مترجم) اچانک دشمن کا ایک تیر پیشانی مبارک پر پڑا اور آپ نے شربت شہادت نوش فرمایا۔ آپ کے فرزند جناب یحییٰ شیعوں کے ہمراہ اس ہنگامے میں اپنے پدر بزرگوار کا جسد مبارک خفیہ طریقہ پر اُٹھالے گئے، شہر کے کنارے پانی کی نہر کے درمیان قبر کھود کر دفن کیا اور لحد بند کرنے کے بعد اوپر سے پانی جاری کر دیا تاکہ دشمنوں کو پتہ نہ چلے کہ قبر مبارک کہاں پر ہے لیکن شرارت پسند مفسدوں نے یوسفؑ کو خبر دی اُس نے چند آدمی بھیجے جو اُن جنابؑ کی قبر کھود کر میت کو باہر لائے اور سر اقدس کاٹ کر ہشام کے پاس شام کی طرف روانہ کیا۔ اس کمینے اور بد اصل ملعون نے یوسفؑ حاکم کوفہ کو لکھا کہ جناب زیدؑ کے جسم کو عریاں کر کے سُولی پر لٹکا دیا جائے ان ملاعین نے اسی پر عملدرآمد کیا اور ماہ صفر ۱۲۱ھ میں ذریت رسول کا بدن برہنہ کر کے دار پر آویزاں کیا پورے چار سال تک اس عالم وزاہد اور رسول اللہؐ کے پارۂ تن کا جسم مبارک سُولی پر رہا یہاں تک کہ ۱۲۶ھ میں جب، ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا تو اس کے حکم سے ان بزرگوار کے استخوان دار سے اُتار کر آگ میں جلائے گئے اس کے بعد ان کی خاکستر ہوا میں اڑا دی گئی۔

شہادت جناب یحییٰؑ

اور یہی سلوک اس ملعون نے جناب یحییٰؑ بن زیدؑ کے جسم کیساتھ جرجان[1] میں کیا جو بلاد خراسان میں سے ہے (اور اب گرگان کہا جاتا ہے) کیونکہ ان بزرگوار نے بھی بنی اُمیہ کے ظلم وجور کے خلاف مقاومت کی (جس کی مفصل تاریخ موجود ہے) اور میدان جنگ میں شہید ہوئے۔ آپ کے سر کو بدن سے جدا کر کے شام بھیجا گیا اور پدر بزرگوار کی طرح آپ کا جسم بھی دار پر لٹکا دیا گیا جو چھ سال تک اسی طرح آویزاں رہا۔ اور دوست دشمن یہ حال دیکھ کر روتے تھے۔ یہاں تک کہ ولید واصل جہنم ہوا۔ اور ابو مسلم خراسانی نے جو بنی عباس کی خیر خواہی میں بنی اُمیہ کے مقابلہ پر اُٹھا تھا۔ اس اولاد رسولؐ کے جسم کو دار ظلم سے نجات دے کر جرجان (گرگان) میں دفن کیا۔ آپ کی قبر اب تک، عام طور پر زیارت گاہ اور مسلمانوں کے لیئے محل احترام ہے۔

(سارے اہل جلسہ یہ واقعات سُن کر متاثر ہوئے بلکہ رونے لگے اور بے اختیار اُن ملاعین پر لعنت کی)

---

[1] ابوالفرج اصفہانی اور بعض دوسروں کے نزدیک یحییٰ کی قبر جوزجان میں ہے جو گوزگان کا معرّب ہے۔

لہذا اس خبیث ولعین خاندان کے ایسے اقدامات کے پیشِ نظر جن کا ایک نمونہ ذکر کیا گیا ہے۔ کوئی تعجب نہیں تھا۔ کہ اگر ان لوگوں کو موقع ملتا تو امام برحق حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے جسم مطہر کیا تھ بھی اسی قسم کا برتاؤ کرتے چنانچہ حسب وصیت اُن حضرت کا جنازہ رات کے وقت دفن ہوا اور قبر پر کوئی علامت تک بھی نہیں چھوڑی گئی یہ قبر مبارک زمانہ ہارون[2] رشید تک عام طور پر نگاہوں سے مخفی رہی۔ یہ عباسی خلیفہ ایک روز صحرائے نجف میں جو ایک بیابان اور ہرنوں کی قیامگاہ تھا شکار کھیلنے آیا تازی کتوں اور چیتوں نے ہرنوں کا پیچھا کیا۔ انہوں نے تل نجف[1] کے اُوپر پناہ لی، لیکن کتے اور چیتے ٹیلے کے اوپر نہیں گئے کئی مرتبہ یہی اتفاق ہوا۔ یعنی جب کتے واپس آجاتے تو ہرن نیچے اُتر آتے تھے اور جیسے ہی حملہ ہوتا تھا وہ پھر ٹیلے پر پناہ لے لیتے تھے خلیفہ نے سوچا کہ اس مقام پر کوئی ایسا راز ہونا چاہیئے۔ جس کی وجہ سے کتے اُوپر نہیں چڑھتے۔ چنانچہ آدمیوں کو بھیجا جو وہاں کے باشندوں میں سے ایک بوڑھے شخص کو خلیفہ کے پاس بُلا لائے اُس نے پوچھا کہ اس ٹیلے میں کیا راز ہے کہ کتے ہرنوں کے تعاقب میں اُوپر نہیں جاتے؟

قبر علی علیہ السّلام کا ظہور

بوڑھے نے کہا کہ میں اس کا راز جانتا ہوں لیکن کہتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ خلیفہ نے اس کو امان دی تو اس نے بتایا کہ میں ایک مرتبہ اپنے باپ کے ہمراہ آیا۔ اُس نے اس ٹیلے پر زیارت اور نماز ادا کی میں نے پوچھا کہ یہاں کیا چیز ہے؟ تو اس نے کہا کہ ہم لوگ اس جگہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ زیارت کو آئے تھے، اور اُن حضرت نے فرمایا تھا کہ اس مقام پر ہمارے جد حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی قبر ہے جو عنقریب ظاہر ہو گی۔

خلیفہ کے حکم سے وہ جگہ کھودی گئی یہاں تک کہ ایک قبر کی علامت ملی اور وہیں پر ایک لوح نظر آئی۔ جس پر سُریانی خط میں دو سطریں تھیں ترجمہ کیا گیا تو یہ مضمون ظاہر ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا ما حفرہ نوح النبیؑ لعلیؑ وصی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ قبل الطوفان بسبع مائۃ عام[2]

---

[1] نجف لغت میں اُس پشتے اور بلندی کے معنی میں ہے جس پر پانی نہ پہنچے اور پشت کوفہ پر ایک پانی کے بند کا نام ہے جو اس کے گھروں اور قبروں تک سیلاب کے پہنچنے میں حائل ہے۔ اور اسی بند کے قریب حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی قبر مبارک ہے جیسا کہ فیروز آبادی نے قاموس کے اندر لغت نجف کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

[2] یہ وہ قبر ہے جسے نوحؑ پیغمبر نے حضرت محمد مصطفٰےؐ کے وصی عَلیؑ کے لیئے طوفان سے سات سو برس قبل تیار کیا۔

ہارونؔ نے اس کا احترام کیا اور حکم دیا کہ مٹی اپنی جگہ پر ڈال دی جائے پا پیادہ ہوا، وضو کیا دو رکعت نماز پڑھی کافی گریہ کیا اور اپنے کو قبر مطہر کی خاک پر غلطاں کیا۔ پھر اس کے حکم سے یہ کیفیت مدینہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں لکھی گئی۔ اور معاملہ کی حقیقت دریافت کی گئی حضرتؑ نے جواب میں لکھا کہ ہاں اسی مقام پر میرے جدِ بزرگوار امیرالمومنین علیہ السلام کی قبر ہے، چنانچہ ہارونؔ کے حکم سے اُن حضرتؑ کی قبر مطہر پر ایک پتھر کی عمارت بنی جو تحجیر ہارونی کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ خبر چاروں طرف مشہور ہو گئی اور مومنین سامان سفر مہیا کر کے حضرت کی زیارت کے لئے پہنچنے لگے لہٰذا جناب سید ابراہیم مجاب (جد سلطان الواعظین ....) بھی موقع ملتے ہی شیراز سے عازم زیارت ہوئے اور زیارت سے فارغ ہونے کے بعد کربلائے معلےٰ میں داعی اجل کو لبیک کہی۔ اپنے جدِ بزرگوار حضرت ابوعبداللہ الحسینؑ کے جوار میں دفن ہوئے ان کی قبر شریف رواق حضرت کے شمالی مغربی گوشہ میں دوستوں کی زیارتگاہ ہے

مدفنِ امیرالمومنینؑ میں اختلاف

حافظ: میرا خیال ہے کہ جو فیصلہ آپ نے فرمایا ہے اُس کے باوجود مولانا علی کرم اللہ وجہ کی قبر نجف میں نہیں ہے۔ کیونکہ علماء کو اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ کوفہ کے دارالامارہ میں بعض نے کہا ہے قبلہ مسجد جامع کوفہ میں بعض نے لکھا ہے مسجد کوفہ کے باب کندہ میں بعض کا قول ہے رحبہ کوفہ میں اور بعض دوسروں کا بیان ہے کہ قبرستان بقیع کے اندر فاطمہؑ کے پہلو میں ہے۔ ہمارے افغانستان میں کابل کے نزدیک بھی ایک مقام مزار علی کے نام سے موسوم ہے مشہور ہے کہ مولانا علی کرم اللہ کا جسد لوگوں نے ایک صندوق میں رکھ کر اور اونٹ کی پشت پر باندھ کے مدینہ کی طرف روانہ کیا، ایک جماعت اس خیال سے کہ صندوق کے اندر قیمتی چیزیں ہوں گی اس کو چھین لے گئے۔ جب کھولا اور اُن حضرت کا جسد مبارک دیکھا تو کابل میں لا کر اسی مقام پر دفن کر دیا اور اس وجہ سے عام طور پر لوگ اس بقعہ کا احترام کرتے ہیں۔

خیر طلب: یہ سارے اختلافات اُن حضرت کی وصیت کے نتیجہ میں پیدا ہوئے کیونکہ آپ نے پوشیدہ رکھنے کا حکم فرمایا تھا۔ اور جس کی تفصیل میں نے ضروری نہیں سمجھی تھی، چنانچہ امام بحق ناطق حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے اپنی رحلت کے وقت اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام سے فرمایا کہ مجھ کو نجف میں دفن کر دینے کے بعد میرے لئے چار مقامات پر چار قبریں تیار کرانا (۱) مسجد کوفہ میں (۲) رحبہ میں (۳) خانہ جعدہ بہیرہ میں (۴) غری میں تاکہ کوئی شخص میری قبر سے آگاہ نہ ہو سکے۔

اور دراصل یہ اختلاف آپ کے علماء کے درمیان ہے جو دوسرے اشخاص کی باتوں سے اثر پذیر ہوتے ہیں ورنہ علماء شیعہ کی جماعت اس قول پر متفق ہیں کہ اُن حضرت کی قبر مبارک نجف اشرف میں ہے کیونکہ انہوں نے جو

کچھ اہلبیتؑ طہارت سے حاصل کیا ہے وہ یقینی چیز ہے۔ اھل البیت ادریٰ بما فی البیت (یعنی گھر والے سب سے زیادہ گھر کی چیزوں سے واقف ہوتے ہیں)۔

لیکن جو آپ نے یہ فرمایا کہ حضرت علیؑ کا مزار کابل کے قریب ہے تو یہ بہت مضحکہ خیز بات ہے اور یہ شہرت مکمل طور پر غلط ہے یہ قضیہ ایک صحیح خبر کے مقابلہ میں افسانے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

مجھ کو تعجب تو آپ کے علماء پر ہوتا ہے جنہوں نے ہر محل پر عترت طاہرہ اور ان کے اقوال سے جدائی اختیار کی ہے۔ یہاں تک کہ اس پر بھی آمادہ نہ ہوئے کہ باپ کی قبر کی جگہ اس کے فرزندوں سے دریافت کریں تاکہ اختلاف نہ پیدا ہو کیونکہ اھل البیت ادریٰ بما فی البیت۔ یقینی بات ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں اولاد باپ کی قبر اور مدفن سے زیادہ آگاہ ہوتی ہے اگر ان شہروں میں سے کوئی بھی درست ہوتی تو یقیناً آئمہ طاہرین علیہم السلام اپنے شیعوں کو اُس کی اطلاع دیتے حالانکہ ان کے برعکس نجف اشرف کے لیئے تقویت فرمائی ہے۔ بلکہ خود تشریف لے گئے ہیں۔ اور شیعوں کو بھی نجف اشرف میں اُن حضرت کی زیارت کی ترغیب و تحریص کی ہے سبط ابن جوزی نے "تذکرہ ص۱۰۳" میں اختلاف اقوال کا ذکر کیا ہے یہاں تک کہ کہتے ہیں۔

والسادس انہ علی النجف فی المکان المشہور الذی یزار فیہ و ھو الظاہر وقد استفاض ذلک"۔

یعنی چھٹا قول یہ ہے قبر علی ابن ابی طالب علیہ السلام نجف اشرف میں اسی مقام پر ہے جس کی آج کل عام طور سے زیارت کی جاتی ہے اور بظاہر اس میں کوئی غلطی نہیں ہے اور یہی زبان زد خلائق بھی ہے۔ اسی طرح آپ کے دوسرے علماء جیسے خطیب خوارزمی نے مناقب میں خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں فیروز آبادی نے قاموس میں لغت نجف کے تحت میں اور دوسروں نے نقل کیا ہے کہ اُن حضرت کا مدفن نجف اشرف ہے۔

(یہاں سے قبلہ سلطان الواعظین نے پھر اپنے اجداد کی ہجرت اور تاریخ کی طرف رجوع کیا ہے جس کو بنظر اختصار حذف کیا جاتا ہے ۱۲ مترجم)

"جب مذاکرات یہاں تک پہنچے تو مولوی سید عبدالحئیؒ نے گھڑی دیکھ کر فرمایا کہ رات کافی گذر چکی ہے لہذا اب اجازت دیجئے، بقیہ گفتگو انشاء اللہ کل شب میں ہوگی ہم لوگ جلد ہی آجائیں گے تاکہ بات چیت کے لئے زیادہ وقت مل سکے" میں نے بتبسم اور خندہ پیشانی کے ساتھ تائید کی وہ حضرات چائے وغیرہ کے بعد رخصت ہوئے اور ہم نے خلوص و محبت کے ساتھ کچھ دور چل کر وداع کیا۔"

دوسری نشست

شب شنبہ ۲۴ رجب ۱۳۴۵ھ

مغرب کے بعد سب حضرات تشریف لے آئے وہی کل رات والا مجمع تھا سوا چند محترم افراد کے جن کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ تجار اور رؤسا میں سے تھے صاحب سلامت کے بعد جناب حافظ صاحب نے سلسلۂ کلام شروع کیا۔

حافظ: قبلہ صاحب بغیر کسی جاپلوسی کے میں سچ کہتا ہوں کہ کل رات ہم شیریں خیالات اپنے ساتھ لے گئے جب آپ کی خدمت سے رخصت ہوئے تو راستے بھر ہمراہیوں کیساتھ آپ کی صحبت کا تذکرہ رہا۔ واقعاً آپ کی جاذبیت اتنی قوی ہے کہ ہم سب کو آپ نے اپنی صورت و سیرت میں جذب کر لیا ہے۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کسی شخص میں حسن صورت اور حسن سیرت دونوں یکجا ہو جائیں۔ اشھد انک ابن رسول اللہ حقاً (میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ اولاد رسولؐ ہیں۔ خصوصیت کیساتھ آج صبح جب میں کتب خانہ گیا تو انساب و تاریخ کی کئی کتابیں بالخصوص ہزار مزار اور آثار عجم کو سادات جلیل القدر کے انساب میں مطالعہ کیا اور آپ کے کل ارشادات کے بارے میں غور کیا۔ واقعی میں نے حظ اٹھایا۔ اور لذت حاصل کی بلکہ حقیقتاً اس نسب شریف پر مجھ کو غبط ہوا اور کافی دیر تک سوچتا رہا، اس غور و فکر کے بعد میں بہت متاثر اور رنجیدہ ہوا کہ جناب عالی کا ایسا شریف اور صحیح النسل انسان اس حسن صورت و سیرت کے باوجود کیونکر اسلاف کی ذلیل اور احمقانہ عادتوں کا شکار ہو سکا اور اپنے بزرگوار اجداد کے مضبوط طریقہ سے منحرف ہو کر مجوسی ایرانیوں کے رویہ کو قبول کر لیا۔

خیر طلب: پہلے تو میں جناب عالی کے حسن ظن اور نگاہ لطف کا ممنون و متشکر ہوں اور بغیر انکسار کے کہتا ہوں کہ واقعاً میں وہ ذرہ ہوں جس کا کوئی شمار نہ ہو، دوسرے یہ کہ آپ نے چند آپس میں مخلوط اور مبہم جملے ارشاد فرمائے ہیں جن کو دعا گو نہیں سمجھ سکا۔ آپ کا مطلب و مقصد کیا ہے؟ متمنی ہوں کہ جملوں کو الگ الگ بیان فرمایئے تاکہ اصل حقیقت ظاہر ہو۔

گذشتہ لوگوں کی احمقانہ اور ذلیل عادتیں کون سی ہیں؟ میرے بزرگوار اجداد کا مضبوط طریقہ کیا چیز ہے، جس سے منحرف ہو گیا ہوں، اور ایرانیوں کا سیاسی رویہ کیا ہے جس کی میں نے پیروی کی ہے؟

حافظ: اسلاف کی ذلیل اور احمقانہ عادات سے میری مراد وہ اصول وعقائد اور بدعتیں ہیں جو یہودی مخالفین کے ہاتھوں دین حنیف اسلام میں داخل ہو گئی ہیں۔

خیر طلب: ممکن ہے۔ مہربانی فرما کر مزید وضاحت فرمائیے تاکہ معلوم ہو کہ وہ کونسی بدعتیں ہیں جن کی میں نے پیروی کی ہے۔

مذہب شیعہ پر اشکال پیدا کرنا

حافظ: یقیناً آپ کا دل تاریخ کی شہادت کے بعد بخوبی قائل ہوگا۔ کہ انبیائے بزرگ میں سے ہر ایک کی رحلت کے بعد دشمنوں نے اس دین کی اصل میں جو ان کی کتاب علی ما جیسے توریت وانجیل مداخلت کی اور بکثرت تحریفیں کر کے اس دین کو ضائع اور درجۂ اعتبار سے ساقط کر دیا۔ لیکن قرآن حکیم کے محکم ہونے کی وجہ سے چونکہ اس پر قادر نہیں ہو سکے لہذا یہودیوں کے ایک گروہ نے جو ہمیشہ سے حیلہ ساز اور مکار رہے ہیں اور ان کی تاریخ زندگی فریب وتزویر سے داغدار رہ چکی ہے۔ جیسے عبداللہ ابن سبا صنعائی، کعب الاحبار اور وہب ابن منبہ وغیرہ نے اسلام قبول کر کے زہر پھیلانا شروع کیا اور جو باطل عقائد ان کی رائے اور عقیدے کے موافق تھے، ان کو ارشاد پیغمبر کے نام سے مسلمانوں کے درمیان شائع کیا۔ خلیفۂ سوم عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا پیچھا کیا۔ وہ لوگ خلیفہ کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے اور مصر کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ آہستہ آہستہ عوام کی ایک جماعت کو فریب دیکر کچھ پیرو پیدا کیے "شیعہ" کے نام سے ایک پارٹی کی تشکیل کی۔ خلیفہ عثمان کے مقابلہ میں علیؓ کی کرامات، خلافت کا پروپیگنڈا کیا اور اپنے مصنوعی مقصد کے مطابق اس مفہوم کی چند حدیثیں وضع کیں کہ پیغمبرؐ نے علیؓ کو خلیفہ اور امام قرار دیا ہے۔

اس فرقے کے قائم ہونے کے نتیجے میں کثرت سے خون بہائے گئے یہاں تک کہ انجام خلیفہ عثمان مظلوم کے قتل اور مسند خلافت پر علیؓ کے تقرر تک منتج ہوا۔ ایک اور جماعت نے بھی جو عثمان سے کدورت رکھتی تھی علیؓ کی جنبہ داری اختیار کی۔ چنانچہ اسی زمانہ سے گروہ شیعہ نے اپنی تشکیل وصورت قائم کی لیکن خلافت بنی امیہ اور حضرت علیؓ کی اولاد واصحاب کے قتل عام کے دور میں یہ گروہ بظاہر روپوش ہوگیا۔ البتہ چند افراد جیسے سلمان فارسی، ابوذر غفاری اور عمار یاسر علی کرم اللہ وجہہ کی موافقت میں پوری کوشش سے تبلیغیں کرتے رہے جب کہ علیؓ کی روح اس قسم کی تبلیغات سے قطعاً بیزار تھی۔ یہاں تک کہ ہارون الرشید اور بالخصوص اس کے فرزند مامون الرشید عباسی کے زمانۂ خلافت میں جو ایرانیوں کی مدد سے اپنے بھائی محمد امین پر غالب آیا اور اس کا تخت خلافت مضبوط

ہوا ان لوگوں نے علیؑ ابن ابی طالبؑ کو ناحق خلفائے راشدین پر فضیلت دینے سے اس طریقے کی تقویت کرنا شروع کی۔ ایرانی بھی چونکہ عربوں سے بدظن تھے کیوں کہ اُن کی سلطنت عربوں کے دستِ اقتدار کے تصرف میں آچکی تھی اور اُن کی آزادی سلب ہوچکی تھی۔ لہٰذا وہ اس کا بہانہ تلاش کر رہے تھے۔ کہ دین کے نام پر ایک ایسا راستہ ڈھونڈھ نکالیں جس کے ذریعہ عربوں کے مقابلہ پر کھڑے ہوسکیں چنانچہ اس باطل روئیے کو پسند کر کے اس کی پیروی کی بلکہ چاروں طرف اس (شیعہ) فرقے نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا یہاں تک کہ دیالمہ کے دور میں اُن کو تقویت حاصل ہوئی باقتدار صفوی سلطنت میں انہوں نے رسمیت پیدا کی یعنی فرقہ شیعہ ایک باقاعدہ مذہب کے نام سے مشہور ہوگیا اور مجوسی ایرانی بھی اب تک از روئے سیاست اپنے مذہب کو شیعہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ مذہب شیعہ ایک سیاسی اور نوزائیدہ مذہب ہے جس کی ایجاد عبداللہ ابن سبا[1] یہودی کے ہاتھوں ہوئی ورنہ پہلے اسلام کے اندر شیعہ مذہب کا کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ آپ کے جد بزرگوار نبی اکرم صلعم قطعاً اس نام سے بیزار ہیں کیونکہ اُن کی منشاء کے خلاف اس راہ میں قدم اُٹھایا گیا ہے اور فی الحقیقت کہا جا سکتا ہے کہ شیعہ فرقہ یہودیوں کے مذہب اور اُن کے عقائد کی ایک شاخ ہے۔ اسی وجہ سے میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ کا ایسا شریف انسان ایسے پاک نسب کے ساتھ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ از روئے عادت اور اسلاف کی تقلید میں بغیر دلیل وبرہان کے اپنے جد بزرگوار کے طریقے یعنی اسلام کے پاک دین کو چھوڑ دے اور یہودیوں کے بدعتی رستے کی پیروی کرے درحالیکہ آپ اس کے لیئے سب سے زیادہ اولی اور احق ہیں کہ پوری سعی کے ساتھ قرآن اور اپنے جد رسول خدا کی سنت کے پیرو رہیں۔ میں نے دیکھا کہ اہل جلسہ اور ذی شرف ہندی مومنین خصوصاً پرجوش اور غیرت مند قزلباش حضرات جو ہندوستان کے باا‌ثر شیعوں میں سے ہیں جناب حافظ صاحب کے بیانات سے بہت جھنجھلائے ہوئے ہیں اور اُن کے چہروں کا رنگ متغیر ہوگیا ہے۔ چنانچہ میں نے اُن کو تھوڑی نصیحت کی اور صبر وحوصلہ اور تحمل کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ ایران میں یہ مثل مشہور ہے کہ شاہنامے کا آخر اچھا ہے۔ لہٰذا صبر کرو۔

الصبر مفتاح الفرج (صبر خوشحالی کی کنجی ہے)۔ اس کے بعد جناب حافظ صاحب کے جواب میں کہا:]

مخالفین کی اشکال تراشیوں کا جواب

خیر طلب: آپ کے ایسے ذی علم انسان سے یہ بعید تھا کہ گمراہی ہوئی مہمل موہوم اور بے اصل باتوں سے استدلال کرتے جو سوا منافقین وخوارج اور ناصبی اور اموی متعصب دشمنوں کے اور کسی کے لیئے زیبا نہیں۔

[1] عبداللہ بن سبا کے متعلق مکمل تحقیقات دفتر اصلاح کی کتاب عبداللہ بن سبا میں ملاحظہ کریں۔

اب اگر اجازت ہو تو مطلب واضح کرنے کے لئے وقت جلسہ کا لحاظ کرتے ہوئے مختصر طور پر آپ کے بے بنیاد بیانات کا جواب پیش کروں تاکہ یہ معمہ حل ہو اور حقیقت ظاہر ہو جائے۔

حافظ، فرمایئے۔ میں آپ کی باتیں سننے کے لئے حاضر اور ہمہ تن گوش ہوں۔

خیر طلب؛ اول یہ کہ آپ نے دو بالکل بے ربط چیزوں کو باہم ایک دوسرے سے مخلوط کر دیا ہے اگر منافق ملعون عبداللہ بن سبا یہودی جس کی شیعہ حدیثوں میں شدید مذمت کی گئی ہے اور علی الاعلان منافقین و ملاعین میں شمار کیا گیا ہے نے چند روز تک حضرت علی علیہ السلام کی دوستی کا سہارا لیا جو عام طور پر لوگوں کو محبوب تھے۔ تو اس کو شیعہ امامیہ سے کیا ربط ہے۔ اگر کوئی بھیڑ یا بکری کی کھال اوڑھ کے یا کوئی چور روحانیت اور اہل علم کا لباس پہن کے منبر اور محراب میں جلوہ گر ہو اور اس کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کو کچھ نقصانات پہنچیں تو کیا آپ کا یہی فرض ہے کہ اصل علم اور روحانیت بدظن ہو جائیں اور سارے اہل علم کو چور اور بہروپیا کہنے لگیں؟ واقعاً آپ نے بے انصافی کی جو شیعوں کے پاک مذہب کو ملعون عبداللہ ابن سبا سے وابستہ کر دیا۔ بہت تعجب کی بات ہے کہ آپ نے برحق شیعہ مذہب کو سبک کر کے سیاسی گروہ کا نام دیا اور اس کو ملعون عبداللہ ابن سبا کے آثار میں سے اور زمانۂ عثمان کی ایجاد قرار دیا۔

حقیقتاً آپ نے سخت غلطی کی کیونکہ شیعہ کوئی گروہ نہیں تھا بلکہ مذہب و طریقۂ حقہ تھا۔ یہ خلافت عثمان کے زمانہ میں پیدا نہیں ہوا بلکہ خود خاتم الانبیاءؐ کے عہد میں اور آں حضرتؐ کے فرمان و ارشادات سے پھیلا۔

اگرچہ آپ خوارج عامہ اور نواصب کی گھڑی ہوئی باتوں سے استدلال کرتے ہیں لیکن میں قرآن مجید کی آیات اور آپ کی معتبر روایات سے ثبوت پیش کرتا ہوں تاکہ حق و باطل میں امتیاز ہو جائے میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہمیشہ گفتار و کردار میں غور و فکر سے کام لیجئے تاکہ حقیقت ظاہر ہونے کے بعد شرمندگی کا باعث نہ ہو۔

چنانچہ اگر اس دعاگو کے بیانات ناگوار خاطر نہ ہوں تو اجازت دیجئے کہ آپ کی باتوں کا جواب دیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے حقیقت اس کے خلاف ہے۔

حافظ، ضرور فرمایئے۔ اس جلسہ کا انعقاد اور ہم لوگوں کے حاضر ہونے کا مقصد ہی یہی ہے کہ حقائق واضح ہوں اور شبہات رفع ہوں۔ ہم لوگ آپ کے استدلالی بیانات سے قطعاً رنجیدہ اور متنفر نہ ہوں گے۔

شیعہ اور حقیقت تشیّع کے معنی

خیر طلب: آپ حضرات یہ تو جانتے ہی ہیں کہ لغت میں شیعہ کے معنی پیرو کے ہیں اور شیعۃ الرجل مرد کے پیرو اور مددگار ہیں۔ فیروز آبادی جو آپ کے اکابر علماء میں سے ہیں۔ قاموس اللغات میں کہتے ہیں۔ وقد غلب ھذا الاسم علی من یتولی علیاً و اھلبیتہ حتی صار اسما لھم خاصا — [1] اور بعینہ یہی معنی ابن اثیر نے نہایۃ اللغۃ میں لکھے ہیں۔

لیکن آپ کو جو اشتباہ ہوا ہے یعنی عمداً یا سہواً یا تفاسیر و اخبار پر پوری اطلاع نہ ہونے اور اسلاف کی گفتگو سے متاثر ہونے کی وجہ سے بغیر دلیل و برہان کے فرما دیا کہ لفظ شیعہ اور اس کا اطلاق حضرت علیؑ اور اہل بیت رسالت علیہم السلام کے پیرووں پر عثمان کے زمانے سے شروع ہوا اور اس کا موجد عبداللہ ابن سبا یہودی تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی کتب تفاسیر میں مندرج معتبر روایتوں کے مطابق شیعہ اصطلاحی علیؑ ابن ابی طالبؑ کے پیرو کے معنی میں حضرت خاتم الانبیاء کے زمانہ سے تھے اور پیروان علیؑ کے لیے لفظ شیعہ کے موجد آپ کے ارشاد کے خلاف خود حضرت رسالتؐ مآب کی ذات اقدس تھی۔ یہ کلمہ خود صاحب وحی کی زبان پر جاری ہوا۔ انہیں پیغمبر نے جن کے بارے میں خدا نے سورہ ۵۳ (النجم) کی آیت ۳ میں فرمایا۔ و ما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحیٌ یوحیٰ [2] حضرت علی علیہ السلام کے اتباع اور پیرووں کو نجات یافتہ اور جنتی فرمایا ہے۔

حافظ: ایسی چیز کس مقام پر ہے جس کو ہم لوگوں نے اب تک نہیں دیکھا ہے؟

خیر طلب: آپ لوگوں نے دیکھا نہیں ہے یا دیکھنا نہیں چاہا ہے۔ یا دیکھا ہے اور حقیقت کا اعتراف اپنی مصلحت وقت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ یا پھر اپنے مقلدین اور مریدوں کا لحاظ کر رہے ہیں۔ لیکن میں نے دیکھا ہے اور حق کو چھپانا اپنی دین و دنیا کی مصلحت کے خلاف جانتا ہوں کیونکہ خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید کی دو آیتوں میں صریحی طور پر حق کے چھپانے والوں کو ملعون اور جہنمی فرمایا ہے۔ اوّل سورۃ ۲ (بقرہ) کی آیت ۱۵۴ میں فرمایا ہے۔

---

[1] پھر شیعہ لفظ کے خاص معنی یہ ہو گئے کہ وہ شخص جو علیؑ اور ان کے اہل بیتؑ کو دوست رکھے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کا نام ہی شیعہ ہو گیا۔

[2] وہ ہرگز اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہتے ان کا کلام سوا وحی خدا کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بینٰہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللاعنون ؎۱

اور دوسرے اسی سورے کی آیت ۱۶۶ میں فرماتا ہے۔

ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب و یشترون بہ ثمناً قلیلاً اولئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار ولا یکلمھم اللہ یوم القیٰمۃ ولا یزکیھم و لھم عذاب الیم۔ ؎۲

حافظ: آیات شریفہ حق ہیں اور یقیناً اگر کوئی شخص ان آیات کو چھپائے تو ان آیات کے تحت آجائے گا لیکن ہم نے اب تک کسی ایسے حق کو نہیں پہچانا ہے جس کو چھپا رہے ہوں۔ البتہ کسی بھی حق کو پہچان لینے کے بعد اگر پوشیدہ کریں تو ہم بھی انہیں آیات کے حکم میں ہوں گے۔ اور ہماری تمنا ہے کہ کسی وقت بھی ان آیات کے ذیل میں نہ آئیں۔

خیر طلب: اب خداوند عالم کے لطف و عنایت اور حضرت خاتم الانبیاؐ کے خاص توجہات سے جہاں تک مجھ سے ممکن ہے، اس حق کو بے نقاب کرتا ہوں، جو اظہر من الشمس ہے اور برادران عزیز پر (حاضرین جلسہ اہل تسنن کی طرف اشارہ) ظاہر کرتا ہوں کہ غالباً دونوں مذکورہ آیتیں برابر ہماری نگاہوں کے سامنے رہیں گی تاکہ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ عادت اور تعصب غالب آجائے اور کسی امر حق پر پردہ ڈال دیا جائے۔

حافظ: میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ جس وقت کوئی حق بات مجھ پر ظاہر ہو جاتی ہے تو میں بے جا حجت نہیں کرتا، چونکہ آپ کو میرے ساتھ رہنے کا اتفاق نہیں ہوا اور میرے اخلاق سے واقف نہیں کہ میں کیسا عزم رکھتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ خواہش نفس پر غالب آؤں جب آپ دیکھیے کہ میں کسی بیان کے مقابلہ میں خاموش ہو گیا تو سمجھ لیجئے کہ میں اس موضوع میں پوری طرح سے مطمئن ہو گیا ہوں اگر میرے پاس بے جا حجت، مغالطہ دینے اور مطالب میں غالب رہنے کا کوئی حیلہ ہو بھی جب بھی میں مجادلہ نہیں کرتا ہوں۔ اور اگر ایسا کروں تو قطعاً ان دونوں آیتوں کی زد میں

؎۱ جو لوگ ان واضح آیتوں کو جو ہم نے ہدایت خلق کے لیئے نازل کی ہیں، چھپاتے ہیں اور بعد میں اس کے کہ ہم نے ان لوگوں کی ہدایت کے لیئے کتاب میں جو کچھ بیان کیا ہے، پوشیدہ کرتے ہیں خدا اور تمام جن و انس اور ملائکہ ان پر لعنت کرتے ہیں۔

؎۲ جو لوگ ان آیات کو چھپاتے ہیں۔ اور ان پر پردہ ڈالتے ہیں جن کو ہم نے آسمانی کتاب سے نازل کیا ہے اور ان کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں تو سوا آتش جہنم کے ان کی کوئی غذا نہیں اور روز قیامت غیظ و غضب کی وجہ سے خدا ان سے بات نہیں کرے گا۔ ان کو نجاست معصیت سے پاک نہیں کریگا اور ان کے لیئے دردناک عذاب ہوگا۔

آجاؤں گا۔اب میں آپ کے بیانات حقہ سننے کے لیئے حاضر ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ خدا ہم کو اور آپ کو حق کی طرف رہنمائی کرے گا۔

خیر طلب: حافظ ابونعیم اصفہانی احمد بن عبداللہ جو آپ کے اجلۂ علمائے عظام محدثین فخام اور محققین کرام میں سے ہیں، اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں اُن کی تعریف کی ہے کہ اکابر حفاظِ ثقات میں سے ہیں اور اعلم محدثین ہیں اور اُن کی کتاب "حلیۃ الاولیا" کی دس جلدیں بہترین کتابوں میں سے ہیں۔

اور صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی وافی بالوفیات میں اُن کے بارے میں کہتے ہیں کہ تاج المحدثین حافظ ابونعیم علم و زہد اور دیانت میں امام تھے روایات کے نقل و فہم اور حفظ و روایات میں بلند و بالا منزلت کے مالک تھے اور ان کی بہترین تصنیفات میں سے حلیۃ الاولیا کی دس جلدیں ہیں۔ جو صحیحین سے مستخرج ہیں اور احادیث بخاری و مسلم کے علاوہ بہت سی ایسی حدیثیں نقل کی ہیں کہ گویا ان کو اپنے کانوں سے سُنا ہے۔

اور محمد بن عبداللہ الخطیب رجال مشکوٰۃ المصابیح میں اُن کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ھو من مشائخ الحدیث الثقاۃ المعمول بحدیثھم المرجوع الی قولھم کبیر القدر ولہ من العمر ست وتسعون سنۃ۔

خلاصہ یہ کہ ایک ایسے چھیانوے سال کے عالم، حافظ اور محدث جو آپ کے علماء کے نزدیک محل وثوق اور مایۂ ناز ہیں اپنی معتبر کتاب "حلیۃ الاولیا" میں اپنے اسناد کے ساتھ خیر امت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

مقام تشیع کی تشریح میں آیات و روایات

جب سورہ ۹۸ (البینۃ) کی آیت ۶ (ان الذین امنوا وعملوا الصالحات اولٰئک ھم خیر البریۃ جزاؤھم عند ربھم جنات عدن تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ) یعنی جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیکوکار ہیں وہ یقیناً بہترین اہل عالم ہیں، ان کی جزا خدا کے نزدیک بہشت عدن کے باغ ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ لوگ اُس بہشت میں ہمیشہ نعمات سے بہرہ اندوز ہوں گے۔ خدا ان سے راضی ہے۔ اور وہ خدا سے خوش ہیں، نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے علی ابن ابی طالب سے خطاب کیا اور فرمایا کہ۔

یا علی ھو انت و شیعتک تاتی انت و شیعتک یوم القیامۃ راضین مرضیین (یعنی یا علیؑ آیت مبارکہ میں خیر البریہ سے تم اور تمہارے شیعہ مراد ہیں روز قیامت تم اور تمہارے شیعہ اس حالت میں آئیں گے کہ خدا تم سے راضی ہوگا اور تم بھی خدا سے راضی و خوشنود ہوگے)،

ابو المؤید موفق بن احمد خوارزمی نے مناقب کی سترھویں فصل میں حاکم ابو القاسم عبید اللہ الحسکانی نے جو آپ کے معتبر بزرگ کے فحول اعلام میں سے ہیں کتاب شواہد التنزیل فی قواعد التفصیل میں محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایۃ المطالب کے ص۱۱۹ میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامہ فی معرفۃ الائمہ کے صفحہ ۳۱ میں (بہ حذف آیت) اور منذر بن محمد منذر نے اور مخصوص طور پہ حاکم نے روایت کی ہے کہ حاکم ابو عبد اللہ حافظ نے (جو آپ کے اکابر علماء میں سے ہیں)، ہم کو خبر دی ایسے اسناد کیساتھ جو مرفوع ہیں یزید بن شراحیل انصاری کاتب حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی طرف کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ان حضرت سے سنا کہ آپ نے فرمایا حضرت خاتم الانبیاءؐ کی رحلت کے وقت آں حضرت کی پشت مبارک میرے سینے پر تھی۔ اس وقت فرمایا۔ یا علی الم تسمع قول اللہ تعالیٰ ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ الخ ھم شیعتک وموعدی وموعدکم الحوض اذا اجتمعت الامم للحساب تدعون غراً محجلین، (یعنی یا علیؑ کیا تم نے یہ آیت شریفہ نہیں سنی ہے۔؟ (صاحبان ایمان و اعمال صالحہ اور خیر البریہ) وہ تمہارے شیعہ ہیں اور میری اور تمہاری وعدہ گاہ حوض کوثر کے کنارے ہوگی جس وقت کل مخلوق حساب کے لیے جمع ہوگی تو تم غر محجلین کہہ کے پکارے جاؤ گے یعنی روشن اور سفید چہرے والو)۔

جلال الدین سیوطی جو آپ کے مایۂ ناز علماء میں سے ہیں اور نویں صدی ہجری میں اُن کو طائفۂ سنت و جماعت کا مجدد مانا گیا ہے (جیسا کہ صاحب فتح المقال نے لکھا ہے)، اپنی تفسیر در المنثور فی کتاب اللہ بالماثور" میں ابو القاسم علی بن الحسن معروف بہ ابن عساکر دمشقی سے جو فضلائے زمانہ میں سے اور آپ کے خاص علماء کے محل وثوق ہیں (جیسا کہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں، خوارزمی نے رجال مسند ابی حنیفہ اور طبقات شافعیہ میں اور حافظ ابو سعید نے اپنی تاریخ میں اُن کی تعریف و توثیق کی ہے کہ ابن عساکر فخر شافعیہ اور اپنے زمانہ میں امام اہل حدیث تھے۔ کثیر العلم غزیر الفضل ثقہ، صاحب تقوے اور ۵۵۰ھ میں علماء اہل سنت و جماعت کے درمیان مشہور تھے) بروایت جابر بن عبد اللہ انصاری جو حضرت رسول خدا کے کبار صحابہ میں سے تھے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، میں خدمت رسول اکرم میں حاضر تھا کہ استنے میں علی بن ابی طالب وارد ہوئے پیغمبر نے فرمایا۔ والذی نفسی بیدہ ان ھذا و شیعتہ لھم الفائزون یوم القیمۃ فنزل ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ۔

(یعنی قسم اُس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ مرد (اشارہ علیؑ کی طرف) اور اُس کے شیعہ قیامت کے روز نجات یافتہ ہیں، اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اور اسی تفسیر میں ابن عدی سے بروایت ابن عباس (رخیرامت) نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں خدمت رسولؐ میں تھا کہ آیت مذکورہ نازل ہوئی، رسول اللہ نے امیرالمومنین علیہ السلام سے فرمایا۔ تاتی انت وشیعتك یوم القیامة راضین مرضیین۔ (یعنی تم اور تمہارے شیعہ قیامت کے روز اس صورت سے آئیں گے کہ خدا سے راضی ہوں گے اور خدا تم لوگوں سے راضی ہو گا)۔

مناقب خوارزمی فصل نہم میں بسند جابر بن عبداللہ انصاری نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں رسول اللہ کی خدمت میں تھا۔ علی علیہ السلام ہم لوگوں کے پاس آئے تو آں حضرتؐ نے فرمایا۔ قد اتاکم اخی یعنی تمہاری طرف آیا ہے میرا بھائی (علیؑ) اس کے بعد کعبہ کی طرف رُخ کیا اور علیؑ کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا۔ والذی نفسی بیدہ ان ھذا وشیعتہ ھم الفائزون یوم القیامة (یعنی قسم اُس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ علیؑ اور اُس کے شیعہ قیامت کے روز نجات یافتہ ہیں۔)

پھر فرمایا کہ یہ علیؑ تم سب سے پہلے ایمان لائے، عہد خدا میں تم سب سے زیادہ باوفا ہیں، رعایا کے درمیان تم سب سے زیادہ انصاف کرنے والے اور تم سب سے زیادہ عادلانہ تقسیم کرنے والے ہیں اور پروردگار کے نزدیک تم سب سے زیادہ اُن کا مرتبہ بلند ہے اُسی وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد علیؑ کسی مجمع کے اندر آتے تھے تو اصحاب پیغمبر کہتے تھے۔ جاء خیر البریة یعنی تمام لوگوں سے بہتر انسان آگیا۔

نیز ابن حجر نے صواعق میں اور ابن اثیر نے نہایہ جلد ۳ میں اس آیۂ شریفہ کی شان نزول میں یہی روائت نقل کی ہے۔

جب اس کے علاوہ ابن حجر نے صواعق کے باب ۱۱ میں حافظ جمال الدین محمد بن یوسف زرندی مدنی سے جو آپ کے فحول فقہاء علماء میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ نے علیؑ سے فرمایا۔ یاعلی انت وشیعتك خیر البریة تاتی یوم القیامة انت وشیعتك راضین مرضیین و یاتی عدوك غضبانا مقمحین فقال من عدوی قال من تبرء منك ولعنك (یعنی یاعلیؑ تم اور تمہارے شیعہ کل مخلوقات سے بہتر ہیں تم اور تمہارے شیعہ قیامت کے روز اس حالت سے آئیں گے کہ خدا بھی تم سب سے راضی ہو گا۔ تمہارے دشمن غصے میں بھرے ہوئے آئیں گے اور ان کے ہاتھ گردنوں سے بندھے ہوں گے پھر امیرالمومنینؑ نے عرض کیا کہ میرا دشمن کون ہے؟ فرمایا جو شخص تم سے بیزاری اختیار کرے اور تمہارے اُوپر لعن کرے۔

علامۂ سمہودی جواہر العقدین میں حافظ جمال الدین زرندی مدنی اور نور الدین علی بن محمد بن احمد مالکی مکی مشہور بہ ابن صباغ سے جو آپ کے اکابر علماء اور فحول فقہا میں سے ہیں فصول المہمہ ص۱۲۲ میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ آیت مذکورہ نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ نے علیؑ سے فرمایا ھو انت وشیعتک تاتی یوم القیامۃ انت وھم راضین مرضیین یاتی اعداؤک غضبانا مقمحین (یعنی وہ بہترین مردتم اور تمہارے شیعہ ہیں تم اور وہ لوگ روز قیامت اس طرح آئیں گے کہ خدا سے راضی ہوں گے اور خدا اُن سے راضی ہوگا اور تمہارے دشمن اس صورت سے آئیں گے کہ غم و غصہ سے بھرے ہوئے اور اُن کے ہاتھ اُن کی گردنوں سے بندھے ہوں گے۔)

میر سید علی ہمدانی شافعی جو آپ کے معتمد علماء میں سے ہیں کتاب مودۃ القربیٰ میں اور ابن حجر متعصب صواعق محرقہ میں رسول اللہ کی زوجہ محترمہ اُمّ المومنین اُم سلمہ سے نقل کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا۔ یا علی انت واصحابک فی الجنۃ انت وشیعتک فی الجنۃ (یعنی یا علیؑ تم اور تمہارے اصحاب اور تمہارے شیعہ جنت میں رہیں گے)

خوارزم کے اخطب الخطباء موفق بن احمد مناقب کی انیسویں فصل میں سند کے ساتھ حضرت رسولِ خدا سے نقل کرتے ہیں کہ علی سے فرمایا مثلک فی امتی مثل المسیح عیسی بن مریم (یعنی تمہاری مثل اُمت میں حضرت مسیح عیسٰی بن مریم کے مثل ہے جن کی قوم کے تین فرقے ہوگئے ایک فرقہ مومنین کا جو حواریین تھے۔ ایک فرقہ اُن کے دشمنوں کا جو یہود تھے اور ایک فرقہ غلات کا جنہوں نے ان جناب کے بارے میں غلو کیا (یعنی اُن کو خدا اور خدا کا شریک قرار دیا) اور میری اُمت بھی تمہارے بارے میں فرقوں پر منقسم ہو جائے گی۔ فرقۃ شیعتک وھم المومنون (یعنی ایک فرقہ تمہارے شیعوں کا ہے اور وہی مومنین ہیں۔ ایک فرقہ تمہارے دشمنوں کا ہے۔ اور وہ ناکثین اور تمہارے عہد اور بیعت کو توڑنے والے ہیں اور ایک فرقہ تمہارے بارے میں غلو کرنے والوں کا ہے۔ جو منکر حق اور گمراہ ہیں۔ فانت یا علی وشیعتک فی الجنۃ ومحبو شیعتک فی الجنۃ وعدوک والغال فیک فی النار (یعنی تم یا علی اور تمہارے شیعہ تمہارے شیعوں کے دوست بہشت میں ہوں گے۔ اور تمہارے دشمن اور تمہارے بارے میں غلو کرنے والے آتش جہنم میں جلیں گے۔

اس موقع پر نماز عشا کے لیئے موذن کی آواز آئی اور سب حضرات نماز کے لیئے اُٹھے نماز سے فراغت اور چائے نوشی کے بعد مولوی سید عبدالحی صاحب جو نماز جماعت کے لیے مسجد گئے تھے واپس ہوئے اور فرمایا کہ چونکہ میرا مکان قریب تھا لہٰذا یہ چند کتابیں اپنے ساتھ لیتا آیا ہوں۔ جو تفسیر سیوطی مودۃ القربیٰ، مسند امام احمد بن حنبل اور مناقب خوارزمی ہیں (یہ کتابیں جلسوں کی آخری شب تک میرے پاس رہیں) کتابیں کھول کر وہ حدیثیں اور ان کے علاوہ چند دوسری حدیثیں جو اسی مطلب کی تائید میں تھیں پڑھی گئیں۔ مولوی صاحبان کے چہروں کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ اور میں خاص طور سے دیکھ رہا تھا کہ اپنے پیرووں کے سامنے شرمندہ ہو رہے ہیں، جس وقت مودۃ القربیٰ

میں حدیث بالا کو پڑھا تو اُس کے علاوہ ایک دوسری حدیث بھی نظر آئی۔ انہوں نے پڑھا کہ ام المومنین رسول اکرمؐ سے روایت کرتی ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا یاعلی ستقدم علی اللّٰہ انت و شیعتک راضین مرضیین ویقدم علیہ عدوک غضبانا مقمحین الیعنی یا علیؑ عنقریب تم اور تمہارے شیعہ اس صورت سے خدا کے سامنے آئیں گے کہ خدا سے راضی ہوں گے۔ اور خدا اُن سے راضی ہوگا اور تمہارے دشمن خدا پر غصّے میں بھرے ہوئے وارد ہوں گے اس حالت سے کہ اُن کے ہاتھ اُن کی گردنوں پر بندھے ہوں گے۔"

خیر طلب: یہ تھا ایک مختصر نمونہ اُن محکم دلائل میں سے جن کو کتاب خدا اور معتبر اخبار و احادیث کی تائید حاصل ہے جو آپ کے اکابر علماء کی کتابوں میں موجود ہے علاوہ ان روایات کے جو علمائے شیعہ کی تمام کتابوں اور تفسیروں میں منقول ہیں۔ اگر میں چاہوں تو پروردگار کی تائید و توفیق سے صرف اپنی یادداشت پر انہیں کتابوں کے ذریعہ سے جو آپ کے سامنے رکھی ہوئی ہیں، صبح تک برابر اس مقصد پر دلیلیں پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ نمونے اور رفع اشتباہ کے لیئے اسی قدر روایات کا نقل کرنا کافی ہوگا، تاکہ آپ حضرات اس کے بعد معاندین کی بے سروپا باتیں زبان پر نہ لائیں اور خارجیوں، ناصبیوں اور امویوں کے گھڑے ہوئے جملوں سے بے خبر عوام کو یہ دھوکا نہ دیں کہ لفظ شیعہ کا موجد ملعون یہودی عبداللہ ابن سبا تھا۔

حضرات محترم! ہم شیعہ یہودی نہیں ہیں بلکہ محمدی ہیں اور پیروان علیؑ کے لیئے لفظ شیعہ کا موجد بھی ملعون عبداللہ ابن سبا نہیں تھا۔ بلکہ رسول اکرمؐ کی ذات مبارک تھی نیز ہم لوگ عبداللہ کو ایک منافق اور ملعون شخص سمجھتے ہیں۔ اور کسی فرد یا جماعت کی تقلید بغیر دلیل و برہان کے نہیں کرتے جیسا آپ نے فرمایا ہے کہ زمانۂ عثمان کے بعد سے پیروان علیؑ پر لفظ شیعہ کا اطلاق کیا گیا ہے بلکہ خود پیغمبرؐ کے زمانہ میں آں حضرتؐ کے خاص خاص صحابہ کو شیعہ کہا جاتا تھا، جیسا کہ حافظ ابو حاتم رازی کتاب "الزینۃ" میں جو انہوں نے صاحبان علوم کے درمیان مروجہ الفاظ کی تشریح میں لکھی ہے۔ لکھتے ہیں کہ پہلا نام جو زمانۂ رسول خداؐ میں اسلام کے اندر وجود میں آیا وہ شیعہ تھا اور صحابہ میں سے چار افراد اس لقب کے حامل تھے۔ ابوذر غفاری۔ سلمان فارسیؓ مقداد ابن الاسود کندی اور عمار یاسر۔ آپ حضرات غور فرمائیں کہ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے، کہ پیغمبرؐ کے زمانہ میں خاص بلکہ خدا و رسول کے محبوب صحابہ میں چار افراد لقب شیعہ کے ساتھ یاد کیئے جائیں اور پیغمبر سمجھتے ہوں کہ لفظ شیعہ بدعت ہے۔ پھر بھی لوگوں کو منع نہ فرمائیں چنانچہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے خود پیغمبرؐ سے سنا تھا کہ علیؑ کے شیعہ نجات یافتہ ہیں لہٰذا اس کو ذریعۂ افتخار سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن حضرات کو کھلم کھلا شیعہ کہتے تھے۔

سلمان و ابوذر اور مقداد و عمارؓ کی منزل

اس بیان سے قطع نظر آپ حضرات عمل اصحاب کو حجت سمجھتے ہیں اور آں حضرتؐ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ فرمایا۔ انّ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم (یعنی بہ تحقیق میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے) تو کیا ابوالفداء نے اپنی تاریخ میں نہیں لکھا ہے کہ یہ چار نفر جو اصحاب پیغمبر میں سے تھے۔ سقیفۂ بنی ساعدہ کے روز علیؑ کی ہمراہی میں ابوبکر کی بیعت پہ تیار نہیں ہوئے" پھر آپ حضرات کس وجہ سے اُن کے عمل اور بیعت سے انحراف کو حجت نہیں سمجھتے ہیں؟ باوجودیکہ خود آپ کے علماء نے لکھا ہے کہ یہ حضرات خدا اور رسولؐ کے محبوب تھے۔ چنانچہ ہم لوگ بھی اُنہیں کی پیروی کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ حضرت علیؑ کے پیرو تھے، لہٰذا خود آپ ہی کی منقولہ حدیث کے ماتحت ہم ہدایت کے راستے پر ہیں۔

آپ حضرات کی اجازت سے وقت کا لحاظ کرتے ہوئے آپ کے لیئے چند روایتیں نقل کرتا ہوں حافظ ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیا جلد اوّل ص۱۷۲ میں اور حجر مکی نے ان چالیس حدیثوں میں سے جو انہوں نے صواعق محرقہ کے اندر حضرت علیؑ کے فضائل میں لکھی ہیں۔ پانچویں حدیث میں ترمذی اور حاکم نے بریدہ سے نقل کیا ہے۔ کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ ان اللہ امرنی بحب اربعۃ واخبرنی انہ یحبہم۔ یعنی خدا نے مجھ کو چار شخصوں کی دوستی کا حکم دیا ہے اور مجھ کو خبر دی ہے کہ وہ بھی ان کو دوست رکھتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ وہ چار نفر کون ہیں؟ تو فرمایا: علی بن ابی طالب و ابوذر و مقداد و سلمان۔

ابن حجر نے حدیث ۳۹ میں ترمذی سے اور حاکم نے انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا۔ الجنۃ تشتاق الیٰ ثلاثۃ علیؑ و عمار و سلمان (یعنی بہشت تین شخصوں کی مشتاق ہے۔ اور وہ تینوں علیؑ و عمار اور سلمان ہیں۔

تو کیا رسولؐ اللہ کے ان اصحاب خاص کا طریقہ اور طرز عمل جو محبوب خدا اور رسولؐ اور جنتی ہیں سند نہیں ہے اور حالا قابل اعتماد نہیں ہے۔ تاکہ مسلمانوں کے لیئے قابل قبول اور لائق تقلید بن سکے! کیا یہ ایک شرمناک بات نہیں ہے۔ کہ آپ کی نظر میں اصحاب بس وہی لوگ ہیں جنہوں نے سقیفہ کے کھیل سے موافقت کی اور بقیہ رسول اللہ کے پاک صحابہ جنہوں نے اہل سقیفہ کے مقصد سے مخالفت کی درجہ اعتبار سے ساقط اور بے اثر بن جائیں! ایسی صورت میں تو بہتر یہ تھا کہ جو حدیث آپ حضرات نے نقل کی ہے اس کو عمومیت کیا عقدہ نہ کھینتے بلکہ یہ کہتے کہ

انّ بعض اصحابی کالنجّوم۔ تاکہ اس مصیبت میں گرفتار نہ ہوتے اور ہم لوگوں کو بھی دائرۂ ہدایت سے خارج نہ کہتے۔

خلفائے دیالمہ اور غازان خاں اور شاہ خدابندہ کے زمانہ میں ایرانیوں کی توجہ اور تشیع کا سبب

لیکن آپ نے جو یہ فرمایا کہ شیعہ مذہب ایک سیاسی مذہب ہے اور مجوسی ایرانیوں نے عربوں کی سلطنت اور اقتدار سے جان بچانے کے لیئے اس کو سیاست کے نظریہ سے قبول کیا ہے تو آپ نے بڑا ظلم کیا کہ بغیر توجہ اور غور و فکر کے اسلاف کی پیروی میں ایسا فرما دیا اس لیئے کہ میں اس سے قبل ثابت کر چکا ہوں کہ شیعہ ایک اسلامی مذہب ہے اور ایک ایسا طریقہ ہے جس کو خاتم الانبیاءؐ نے خدا کے حکم سے اُمت کے سامنے رکھا۔ ہم لوگ آں حضرتؐ ہی کے حکم سے امیر المومنین حضرت علیؑ اور ان کی اولاد طاہرین علیہم السّلام کی پیروی کرتے ہیں اور حق کی اُمید میں اُن ہدایات کے مطابق جو ان حضرات نے ہم کو دیئے ہیں، ہم اُن پر عمل کرتے ہیں اور اپنے کو نجات کا مستحق سمجھتے ہیں بلکہ جن لوگوں نے بغیر رسول اللہ کی کسی چھوٹی سی چھوٹی ہدایت کے سقیفہ کی بنیاد قائم کی وہ البتہ سیاسی تھے نہ کہ پیغمبرؐ کے ارشاد سے عترت طاہرہ کی پیروی کرنے والے کیونکہ عترت و اہل بیت رسالت کی پیروی کے لیئے تو آں حضرت سے ہدایت مل چکی ہے اور آپ کی معتبر کتابوں میں کثرت سے اس کا ذکر موجود ہے لیکن سقیفہ اور اہل سقیفہ کی پیروی میں خلیفہ سازی کے عنوان سے کبھی کوئی فرمان صادر نہیں ہوا ہے۔ اس کے علاوہ منزل و لایت امیر المومنین و اہل بیت طاہرین علیہم السّلام کی طرف ایرانیوں کی توجہ کے بارے میں حضرات اہل تسنن نے عناد و تعصب کے تحت یا عادت کیمطابق خلفاً عن سلف بغیر غور و تحقیق کے فیصلہ کیا ہے اور اسی طرح دوسرے مصنفین کو جو اہل تسنن کیساتھ رہتے سہتے اور اُن کی کتابوں کا مُطالعہ کرنے کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا ہو گئے ہیں، تنہا پیش قاضی روی راضی آئی، کی مشہور مثل کے موافق یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ایرانیوں نے از روئے سیاست مذہب حق تشیع اختیار کیا ہے۔

درحقیقت یا تو چاہا نہیں ہے یا ممکن نہیں ہو سکا کہ غور کریں اور عادت و تعصب سے الگ ہو کر امیر المومنینؑ اور ان کے اہل بیتؑ کی طرف ایرانیوں کی توجہ اور اُن کے ساتھ وابستگی کی اصل وجہ دریافت کریں ورنہ اگر تھوڑے سے دقت اور غور و تامل سے کام لیتے تو حقیقت تک رسائی ہو جاتی اور سمجھ لیتے کہ کوئی بھی فرد یا قوم اگر کوئی عمل سیاست کے نظریہ سے انجام دیتی ہے تو وہ وقتی ہوتا ہے۔ اور نتیجہ برآمد ہو جانے اور مطلب و مقصد حاصل کر لینے کے بعد

جس راستے سے آئی تھی اُسی راہ پر پلٹ جاتی ہے۔ نہ یہ کہ ہزاروں سال اس عقیدۂ حقہ پر قائم رہیں، اس راہ میں جان بازیاں دکھائیں۔ یہاں تک کہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کے بعد اپنے خون سے کلمۂ علی ولی اللّٰہ کی حفاظت کریں اور اس پر فخر کریں۔

اب میں تاریخ کو روشن کرنے کے لئے آپ حضرات کی اجازت سے اور وقت کا لحاظ کرتے ہوئے مختصر اشارے کے ساتھ دُوسرے رہنمایان اقوام کے درمیان اُن حضرت اور اُن کے اہل بیتؑ طاہرین کیساتھ ایرانیوں کی وابستگی کا حقیقی سبب عرض کرتا ہوں تاکہ آپ یہ سمجھ لیں کہ ان لوگوں نے سیاست کے نقطۂ نظر سے تشیع کا اظہار نہیں کیا بلکہ حقیقت وبرہان اور قلبی لگاؤ کی جہت سے تشیع کا حق مذہب اختیار کیا۔

اوّلاً ایرانیوں کی عقل و ذکاوت کا یہ تقاضا ہے کہ اگر جہالت اور عادت و تعصب مانع نہ ہو تو حق اور حقیقت کو جلد سمجھ لیتے ہیں اور دل وجان سے قبول کر لیتے ہیں چنانچہ جب عرب مسلمانوں نے ایرانیوں کو فتح کیا تو باوجودیکہ ان لوگوں کو کامل آزادی دے رکھی تھی اور مقدس دین اسلام کو قبول کرنے کے لئے کوئی جبر و تشدد نہیں کرتے تھے پھر بھی مسلمانوں کیساتھ معاشرت اور دقت نظر کیساتھ تحقیق کرنے کے نتیجہ میں جیسے ہی حقیقت اسلام کا سراغ لگا لیا فوراً کئی ہزار سال کے دین مجوسیت اور آتش پرستی کو باطل قرار دے دیا اور انتہائی شوق و رجحان اور قلبی تعلق کے ساتھ خداؤں (اہرمن ویزداں) کے عقیدے سے منہ موڑ کے دین وحدانیت کو اختیار کر لیا اور اسی طرح جس وقت مذہب شیعہ یعنی حضرت علی علیہ السّلام کی پیروی کے برحق ہونے پر ٹھوس دلیلیں نظر آئیں تو عقل و دانش کے حکم سے اس کے اتباع اور پیروی کو فرض سمجھا۔

نیز آپ کے بہت سے کم فہم مصنفین کے قول کے برخلاف مقام ولایت پر ایرانیوں کی توجہ اور امیرالمومنینؑ سے اُن کا ربط خلافت ہارون ومامون کے زمانے میں پیدا نہیں ہوا بلکہ خود رسولؐ اللّٰہ کے عہد سے نخل مودت نے ایرانیوں کے دل میں اپنی جڑیں پھیلائیں۔

کیونکہ جب کوئی ایرانی مدینے آتا تھا۔ اور مسلمان ہوتا تھا تو مخصوص ایرانی ذکاوت اور ہوشمندی کی بنا پر حضرت علیؑ میں حق اور حقیقت کا مطالعہ کرتا تھا۔ لہٰذا رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم اور راہنمائی سے ولایت علیؑ کی جبل متین اور ریسمان محکم سے متمسک ہو جاتا تھا۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی سلمان فارسی تھے جو ایمان کے سارے درجات اور مراتب پر فائز ہوئے یہاں تک کہ خاتم الانبیاءؐ نے جیساکہ فریقین کے علماء نے لکھا ہے اُن کے بارے میں فرمایا۔ سلمان منّا اھلبیت۔ یعنی سلمان ہم اہل بیت سے ہیں۔ اور وہ اسی زمانے سے سلمان محمدی مشہور ہوئے یہ سلمان خالص شیعوں میں سے ولایت امیرالمومنینؑ سے متمسک اور سقیفہ کے شدید مخالفین میں سے تھے جن کی پیروی آپ کی کتابوں میں منقول حدیث کے حکم سے شاہراہ ہدایت ہے۔ اس لئے کہ حضرت علیؑ کے بارے میں انہوں

نے قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہؐ کے بیانات سنے تھے اور عین الیقین کے ساتھ سمجھ لیا تھا کہ علیؑ کی اطاعت خدا اور رسولؐ کی اطاعت ہے کیونکہ رسول برحق کو بار بار یہ فرماتے ہوئے سنتے تھے کہ من اطاع علیا فقد اطاعنی ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن خالف علیا فقد خالفنی ومن خالفنی فقد خالف اللہ (یعنی جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس شخص نے علیؑ کی مخالفت کی اُس نے میری مخالفت کی اور جس نے میری مخالفت کی اُس نے خدا کی مخالفت کی) اس کے علاوہ جو ایرانی بھی مدینے پہنچا اور مسلمان ہوا خواہ پیغمبرؐ کے زمانے میں ہو یا بعد کے عہدوں میں وہ ان حضرت کے سلسلے اور اطاعت میں داخل ہو جاتا تھا اسی وجہ سے خلیفہ ثانی کو سخت تعصب پیدا ہوا اور ان لوگوں پر پابندیاں لگانے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ انہیں پابندیوں اور سختیوں نے اُن کے دلوں میں کینہ اور عداوت پیدا کر دی اور وہ لوگ بہت متاثر ہوئے کہ رسُول اللہ کی سیرت اور ہدایات کیخلاف خلیفہ نے ہم کو کس لیئے راندۂ درگاہ اور حقوق اسلام سے محروم بنا دیا ہے ان باتوں کے علاوہ جس چیز نے سب سے زیادہ ایرانیوں کو حضرت علیؑ کی بلند منزلت اور اُن کی عترت طاہرہ کی طرف متوجہ کیا کہ انہوں نے آں حضرتؑ کے بارے میں پوری تحقیقات کی اور آپ کی محبت اُن کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی وہ مقصد ایرانی شاہزادوں کے لیئے امیر المومنین علیہ السّلام کی مکمل طرفداری تھی کیونکہ جس وقت مدائن (مٹیفون) کے قیدی مدینے لائے گئے تو خلیفہ ثانی نے حکم دیا کہ ساری مقید عورتوں کو مسلمانوں کی کنیزی میں دیدیا جائے امیر المومنین نے منع کیا اور فرمایا کہ بادشاہوں کی اولاد مستثنیٰ اور لائق احترام ہے۔ یزدجرد شہنشاہ ایران کی دو لڑکیاں بھی اسیروں میں ہیں، ان کو کنیزی میں نہیں دیا جا سکتا خلیفہ نے کہا پھر کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کو حکم دیجئے کہ اُٹھیں اور مسلمانوں میں سے جس شخص کو چاہیں آزادی کے ساتھ اپنی شوہری کے لیئے منتخب کر لیں چنانچہ آں حضرت کے ارشاد کیمطابق ان دونوں لڑکیوں نے اُٹھ کر اصحاب کے درمیان ایک نظر ڈالی، شاہ زناں نے محمد ابن ابی بکر کو (جو حضرت کے پروردہ اور ربیب تھے) اور شہر بانو نے سبط رسولؐ حضرت امام حسینؑ کو انتخاب کیا اور عقد شرعی کے ساتھ اُن کے گھروں میں گیئں. شاہ زناں سے خدا نے محمد کو ایک فرزند عطا فرمایا جن کا نام قاسم فقیہ تھا اور یہ امام ششم حضرت صادق آل محمد علیہ السّلام کی مادر گرامی ام فروہ کے پدر بزرگوار ہیں، اور شہر بانو سے امام چہارم حضرت زین العابدین علیہ السّلام متولد ہوئے جس وقت یہ خبر اور ایرانی شاہزادیوں کے لیئے حضرت کی طرفداری کی اطلاع ایران والوں کو پہنچی تو اُن کو آپ کی ذات مبارک سے ایک خاص ربط پیدا ہو گیا اور یہی معاملہ اور حضرت کے ساتھ تعلق خاطر اس کا سبب بنا کہ وہ آپ کے بارے میں گہری جانچ پڑتال کریں۔ خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں ایران کے فتح ہونے کے بعد جب اُن سے قریب ہوئے تو دلائل حقہ کے ساتھ اُن حضرتؑ کی ولایت و امامت اور خلافت بلافصل پر ایمان لائے اور پوری قلبی توجہ حاصل کی اور جیسے ہی مانع برطرف ہوا اور موقع ہاتھ آیا اپنے عقائد اور قلبی تعلق کا اعلان

اور اپنے مذہب کا اظہار کر دیا۔

لہٰذا جیسا آپ نے فرمایا ہے اس عقیدے کا ظہور اور مذہب کی آزادی ہارون و مامون کے زمانۂ خلافت یا سلطنت صفویہ کے دَور سے کوئی ربط نہیں رکھتی بلکہ سلطنت صفویہ کے ظاہر ہونے سے سات سو سال قبل (یعنی چودھویں صدی ہجری میں) تشیع کا مذہب حق ایران میں جلوہ گر ہوا۔ جب زمام اختیار دیالمہ آل بویہ کے ہاتھوں میں آئی تو اس حقیقت کا چہرہ بے نقاب ہوگیا اور ایرانیوں نے پوری طرح سے آزاد ہو کر علی الاعلان اپنی نسبت کا اظہار کیا اور دلی عقائد کو نمایاں کر دیا۔

مغلوں کے دور میں تشیع کا ظہور

یہاں تک کہ ۶۹۴ھ میں جب ایران کی سلطنت غازاں خاں مغل کے (جس کا اسلامی نام محمود تھا) ہاتھوں میں پہنچی تو اس نے اہل بیت علیہم السّلام کی طرف خاص توجہ کی اور تشیع کا مذہب حق اور زیادہ نمایاں ہوگیا۔ اُس کی وفات کے بعد ۷۰۷ھ میں جب سلطنت غازاں خاں کے بھائی محمد شاہ خدا بندہ کو ملی تو جیسا کہ حافظ و عالم اور مؤرخ شافعی ہمدانی نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے۔

قاضی القضاۃ کے ساتھ علّامہ حلّیؒ کا مناظرہ

ان مباحثوں اور مناظروں کے نتیجہ میں جو دربار شاہی میں بادشاہ کے سامنے ممتاز زمانہ اور اُس دور کے مایۂ ناز شیعہ عالم جمال الملّۃ والدین علّامہ کبیر حسن بن یوسف بن علی بن مطہر حلّی اور اُس زمانہ کے علماء اہل سنّت میں افضل و اعلم خواجہ نظام الدین عبدالملک مراغی القضاۃ شافعی کے درمیان واقع ہوئے اور اس سلسلے میں امامت کا مبحث موضوع گفتگو قرار پایا۔ جس میں جناب علّامہ نے محکم اور قاطع دلائل و براہین اور ایسی وضاحت کے ساتھ امیرالمومنین علیہ السلام کی امامت و خلافت بلافصل کو ثابت اور دوسروں کے دعوے کو رد فرمایا کہ حاضرین دربار سے کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ یہاں تک کہ خواجہ نظام الدین نے کہا کہ جناب علّامہ کی دلیلیں بہت روشن اور قوی ہیں لیکن چونکہ ہمارے اسلاف ایک راستے پر گامزن رہے ہیں۔ لہٰذا ہم کو بھی چاہیئے کہ عوام کو خاموش کرنے اور کلمۂ اسلام میں تفرقہ اندازی سے بچنے کے لیئے اُسی راہ پر چلتے رہیں اور پردہ فاش نہ کریں چونکہ اس موقع پر بادشاہ کے دل میں تعصب نہیں تھا اور گوش تحقیق سے دونوں طرف کی دلیلیں سن رہا تھا۔ لہٰذا مباحثات

کے خاتمے پر مذہب شیعہ کی حقیقت اس پر ظاہر اور روشن ہو گئی اور اُس نے مذہب حقہ امامیہ اختیار کر لیا۔ اور تمام بلاد ایران میں شیعہ مذہب کی آزادی کا اعلان نافذ کر دیا۔ اور اسی وقت سے سارے حکام اور ولایتوں کے گورنروں کو اطلاع دے دی۔ کہ ساری مسجدوں اور مجمعوں میں امیر المومنینؑ اور آئمۂ طاہرین علیہم السلام کے نام کا خطبہ پڑھیں اور حکم دیا کہ دیناروں پر تین متوازی سطروں میں کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ کا سکہ نقش کیا جائے۔

جناب علامہؒ حلی کو جنہیں ایک اختلافی مسئلہ حل کرنے کے لیئے حلّہ سے بلوایا تھا اور اسی کی بنا پر اُس جلسے میں مناظرہ کا دروازہ کھُل گیا۔ اور تشیع کی حقیقت ظاہر ہوئی) اپنے پاس ٹھہرا لیا آپ کے لیئے مدرسۂ سیارہ تعمیر کرایا اور طالبان علوم آپ کے گرد جمع ہو گئے چونکہ آپ بلا تقیہ اور کھلم کھلا حقائق کو بیان فرماتے تھے لہذا بے خبر لوگوں نے بھی طریقہ حقہ امامیہ کا پتہ لگا لیا، ولایت کا آفتاب درخشاں ابرِ خفا سے باہر آگیا اور اُسی زمانے سے مذہب حقہ شیعہ کی روشنی جہالت و نادانی کا پردہ چاک کر کے ظاہر اور نمایاں ہوئی۔

تقریباً سات سَو سال کے بعد با اقتدار صفوی بادشاہوں کی حمایت اور اُس زمانے کی مکمل تبلیغات کے اثر سے باطل تیرہ و تار بادل بالکل چھٹ گئے اور ولایت و امامت کا آفتاب عالمگیر ضیا پاشی کرنے لگا۔

چنانچہ ایرانی اگرچہ ایک روز مجوسی اور دو خداؤں (یزداں و اہرمن) کے معتقد تھے لیکن جس وقت سے انھوں نے اہل اسلام کے عقلی دلائل و براہین کو سُنا اُن کو دل و جان سے قبول کیا اور اب تک پُورے خلوص کے ساتھ اپنے اسلامی عقیدے پر ثابت قدم ہیں۔

اگر ایرانیوں میں چند افراد ایسے پیدا ہو جائیں جو مجوسی ہوں یا کسی طریقے کے پابند نہ ہوں۔ یا غلات کے سلسلے میں شامل ہو کر حضرت علیؑ کو اُن کی منزل سے بلند کر کے الوہیت کے درجے پر پہنچا دیں اور اُن کو بندوں کا خالق و رازق سمجھنے لگیں۔ یا حلول و اتحاد اور وحدت وجود کے قائل ہوں تو اس کو پاک نفس ایرانیوں کی اصل جماعت اور اکثریت سے کوئی ربط نہیں ہے۔

اسی طرح کے غیر مناسب اور بے عقل و خرد افراد ہر قوم و ملت میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، لیکن شریف و عقلمند ایرانی قوم کی اکثریت وحدانیت حق تعالےٰ اور نبوت خاتم الانبیاء پر مضبوط عقیدے اور ایمان کی حامل ہے۔ اور رسول اللہ کے حسب الحکم سب امیر المومنینؑ اور اُن حضرت کے گیارہ فرزندوں کے پیرو ہیں۔

حافظ: آپ کے ایسے حجازی، مکی اور مدنی بزرگ سے تعجب ہے کہ چند روز کے لیئے ایران میں قیام کر لیا تو ایرانیوں کی اس قدر طرفداری کر رہے ہیں۔ اور ان کو علی کرم اللہ وجہٗ کا پیرو سمجھتے ہیں باوجودیکہ علیؑ خود خدائے تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار بندے تھے لیکن ایرانی شیعہ سب کے سب آپ کو خدا سمجھتے ہیں اور

خدا سے جُدا نہیں جانتے اور اپنے اشعار میں آپ کو بمنزلۂ حق بلکہ عین حق قرار دیتے ہیں۔
چنانچہ اُن کے دیوانوں اور مکتوبات میں اس طرح کی کفریات واضح طور پر موجود ہیں کیا اس قسم کے اشعار ایرانی شیعہ عارفین سے وارد نہیں ہیں جنہیں علی کرم اللہ وجہ کی زبان سے نظم کرتے ہیں۔ (جبکہ علیؑ قطعاً اس قسم کے عقیدے سے بیزار ہیں)

من طلسم عیب و گنج لا ستم — چوں بہ گنج لا رسی الا ستم
یعنی از اللہ و لا بالا ستم — نقطہ دام بار بازہ گویا ستم
کثرت تا ثرات پندارت کند
مظہر کل عجائب کیست من — مظہر سرِ غرائب کیست من
صاحب عون نوائب کیست من — درحقیقت ذات واجب کیست من

ایک دُوسرے شخص نے کہا ہے۔ ؎

درمذہب عارفان آگاہ (کذا) — اللہ علیؑ، علی است اللہ

خیر طلب: آپ سے تعجب ہے کہ بغیر تحقیق کے تمام ایرانی شیعوں کو غالی اور علی پرست سمجھتے ہیں اور اسی قسم کی باتوں سے بے خبر سُنّی بھائیوں کے سامنے معاملے کو مشتبہ کر کے برادر کشی کا دروازہ کھولتے ہیں۔ چنانچہ افغانستان، ہندوستان، ازبکستان اور تاجیکستان وغیرہ میں اس قدر شیعہ مسلمانوں کو قتل کیا گیا کہ خون کے دھارے بہہ گئے۔

ازبکستان اور ترکستان کے مسلمان اپنے علماء کے بھڑکانے سے کہتے تھے کہ شیعہ علیؑ پرست، مشرک اور کافر ہیں اور ان کا قتل واجب ہے۔ ان سبھوں نے ایرانی مسلمانوں کا اس کثرت سے خون بہایا کہ تاریخ کے صفحات کو داغدار بنا دیا۔

بے چارے سُنّی عوام آپ کے ایسے بزرگ علما کی رہنمائی میں ایرانی مسلمانوں کو نگاہ کینہ بلکہ کفر و شرک اور ارتداد کے خیال سے دیکھتے ہیں۔

گذشتہ زمانوں میں ترکمان لوگ خراسان کے راستے میں سرِ راہ ایرانی قافلوں کو گرفتار کر کے قتل و غارت میں مشغول ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ جو شخص سات عدد رافضیوں (شیعوں) کو قتل کر دے اس پر بہشت واجب ہو جاتی ہے۔

قطعی طور پر جان لیجئے کہ اس طرح کے افعال اور قتل عام کی جواب دہی آپ ہی جیسے حضرات کے ذمے ہے جو ان کے کانوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ شیعہ علیؑ پرست مشرک اور کافر ہیں اور بے خبر عقیدت مند سُنّی عوام

اس کو قبول بھی کر لیتے ہیں لہٰذا القصد ثواب اس قسم کی حرکتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔

اسلام نے نسلی تفاخرات کو جڑ سے کاٹ دیا

پہلے میں آپ کے جملۂ اوّل کا جواب عرض کرتا ہوں تاکہ ہم لوگ اصل مطلب تک پہنچیں۔ آپ نے جو یہ فرمایا کہ تم حجازی، مکی اور مدنی ہو کر ایرانی بھائیوں کی طرفداری کس لیئے کرتے ہو؟ تو یہ بدیہی بات ہے کہ مجھ کو اپنے مکی مدنی اور محمدی ہونے پر فخر ہے لیکن نسلی تعصب جو جہالت اور نادانی کے آثار میں سے ہے میں اپنے دل میں نہیں رکھتا ہوں۔ اس لیئے کہ میرے جد بزرگوار حضرت خاتم الانبیاءؐ نے باوجودیکہ ہر ملت کی قومیت اور وطنیت کی حفاظت لحوظ رکھی ہے۔ اور جملہ حب الوطن من الایمان کے ساتھ ہر قوم وملت کو محب وطن کی ہدایت کی ہے۔ لیکن آں حضرتؐ نے انسانوں کے اتحاد اور ہر فرد بشر کے دل سے ہر طرح کے بیہودہ خیالات دور کرنے کے لیئے جو بڑے قدم اٹھائے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ نسلی تفاخرات اور جاہلانہ تعصبات کو کلی طور پر جڑ سے کاٹ دیا اور ایک بلند اور مؤثر آواز کے ساتھ دنیا والوں کو اپنے اس اعلان کی طرف متوجہ فرمایا کہ لا فخر للعرب علی العجم ولا للعجم علی العرب ولا للابیض علی الاسود ولا للاسود علی الابیض الا بالعلم والتقی[1] اور نیز اس لیے کہ عالم اور متقی اشخاص کو اشتباہ نہ پیدا ہو جائے کہ آں حضرتؐ کے ارشاد سے سند لے کر تواضع اور خاکساری سے ہٹ جائیں اور دوسروں پر کبر وخودی کا اظہار کرنے لگیں فرمایا۔ انا من العرب ولا فخر وانا سید ولد آدم ولا فخر[2]

نتیجۂ کلام یہ کہ میں باوجودیکہ عرب اور سید اولاد آدم ہوں لیکن اس نسل اور منزلت سے دوسروں پر کوئی فخر ومباہات نہیں کرتا۔

پیغمبرؐ کا فخر صرف اس بات پر تھا کہ پروردگار کے اطاعت گذار بندے ہیں۔ آں حضرت مقام مناجات میں عرض کرتے تھے۔ کفی بی فخراً ان اکون لک عبداً یعنی میرے لیئے یہی فخر ومباہات کافی ہے کہ تجھ ایسے پروردگار کا بندہ ہوں۔

خدائے تعالٰی سورۂ ۴۹ (حجرات) آیت ۱۳ میں ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] عرب کو عجم پر، عجم کو عرب پر، سفید کو سیاہ پر اور سیاہ کو سفید پر کوئی فخر ومباہات نہیں ہے سوا علم وتقوٰے کے۔

[2] میں قوم عرب سے ہوں لیکن ان پر فخر نہیں کرتا میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ لیکن اس پر فخر نہیں کرتا۔

يا ايها الناس انا خلقناكم من ذكر و انثىٰ وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اكرمكم عند الله اتقكم[1] اُس نے فضل و شرف اور بزرگی تقوےٰ میں قرار دی ہے۔

نیز اسی سورے کی آیت نمبر ۱۰ میں فرمایا ہے۔ انما المومنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم۔ یعنی سوا اس کے نہیں ہے کہ سب مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا ہمیشہ اپنے ایمانی بھائیوں کے درمیان اگر کوئی نزاع پیدا ہو تو صلح کرا دیا کرو) چنانچہ ایشیائی، افریقی، یورپی اور امریکی سفید و سیاہ، سرخ و زرد، شہرستانی اور کوہستانی نسلوں کے جملہ افراد لوائے اسلام اور کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ماتحت آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے پر کوئی فخر و مباہات نہیں رکھتے۔

اسلام کے عظیم المرتبت قائد حضرت خاتم الانبیاء نے عملی طور پر بھی اس کا ثبوت دیا ہے۔ عجم سے سلمان فارسی کو روم سے صہیب رومی کو اور حبش سے بلال سیاہ کو اپنے آغوش محبت میں قبول فرمایا لیکن اپنے شریف النسل چچا ابولہب کو جو عرب کی بہترین نسل سے تھا اپنے سے دور فرما دیا اور اس کی مذمت میں ایک سورہ نازل ہوا جس میں صریحی طور پر ارشاد ہے۔ تبت يدا ابى لهب (یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ قطع ہو جائیں (جو رسول اللہ کے درپے آزار تھے۔)

سارے فسادات اور لڑائیاں نسلی تفاخرات کی بنا پر ہوتی ہیں

انسانوں کے تمام فتنہ و فساد اور جنگ و جدال انہیں نسلی تفاخرات اور جاہلانہ تعصبات کی بنا پر ہیں۔ جرمنی کے باشندے کہتے ہیں کہ آرین اور جرمنی نسل سب سے بلند ہے۔ جاپانی کہتے ہیں کہ سرداری کا حق اُن کی زرد نسل کو حاصل ہے اور یورپ والے کہتے ہیں کہ سفید فام لوگ حاکم اور سب کے اُوپر افسر ہیں۔ امریکہ کے متمدن ممالک میں اب تک سیاہ فام لوگ اجتماعی حقوق سے محروم ہیں۔ یہاں تک کہ سفید فاموں کے کیفے، سینما اور مہمان خانوں میں داخل ہونے کا حق نہیں رکھتے اور سیاہ فام عیسائی کو سفید فاموں کے کلیسا میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے تعجب خیز بات یہ ہے کہ عبادت گاہ میں بھی ایک دوسرے کے برابر بیٹھنے کے حقدار نہیں، سیاہ کھال کے علماء اور افاضل اگر سفید کھال کے دانشمندوں کے جلسوں میں جاتے ہیں تو اُن کا فرض ہے کہ جوتے اتارنے کی جگہ

---

[1] اے انسانو! ہم نے سب کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور اُن میں مختلف شاخیں اور قبیلے قرار دیئے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو (اور سمجھ لو کہ اصل و نسب اور نسل سرمایۂ افتخار نہیں ہے) بلکہ خدا کے نزدیک تم سب میں زیادہ بزرگ وہی ہے جو تم لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

بیٹھیں اُن کو سفید فاموں کے سامنے علم وہنر کا اظہار نہ کرنا چاہیئے ایک بوڑھے سیاہ فام عالم کو چاہیئے کہ سفید فام جوان کے سامنے تعظیم بجالائے اور مطیع و فرمانبردار رہے۔ سفید فام اساتذہ سیاہ فاموں کو اپنے مدرسوں میں داخل نہیں کرتے، یہاں تک کہ ریلوے اسٹیشنوں پر اگر کوئی سیاہ فام چھوٹ گیا ہو تو اس کو سفید فاموں کے مسافر خانوں میں گھسنے کا اختیار نہیں۔ خلاصہ یہ کہ امریکہ میں سیاہ فام لوگ باوجود اُن کوششوں کے جو اُن لوگوں کی آزادی کے لیئے عمل میں لائی جاتی ہیں) حیوانات میں شمار ہوتے ہیں اور سفید فاموں کی طرح وسائل تمدن سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے[۱]

لیکن مقدس دین اسلام نے سارے بیہودہ اور موہوم عقائد کو تیرہ سو سال پہلے ہی درمیان سے اٹھا دیا تھا۔ اس کا اعلان ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں چاہے جس نسل اور قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں۔ یورپ، ایشیا، امریکہ اور افریقہ کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ ایک دوسرے کے لیئے خلوص و محبت کا آغوش کھلا رکھیں اور دنیا کے جس مقام پر بھی ہوں، ہمیشہ ایک دوسرے کے یار و غمگسار رہیں۔ اسلام حجازی، مکی اور مدنی مسلمانوں اور دوسرے ممالک کے مسلمین میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ چنانچہ اگر میری نسل حجازی، قریشی، ہاشمی اور محمدی ہے تو جائز نہیں ہے کہ سچی بات کو چھپاؤں اور مہمل خیالات کی بنا پر حق کو پس پشت ڈال دوں۔ میں قطعی طور پر حجازی گمراہوں سے متنفر اور ایرانی شیعوں کا دوستدار ہوں۔ ؎

ما دروں را بنگریم و حال را — نے دروں را بنگریم و قال را

دوسری چیز یہ ہے کہ آپ نے ایرانی غالیوں کو بغیر کسی مناسبت اور دلیل و برہان کے پاک باز موحد اور خالص شیعوں کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے۔

غالیوں کے عقائد اُن کی مذمت اور لعن بر عبداللہ ابن سبا

امیر المومنین علی علیہ السلام کے شیعہ سب کے سب حق تعالےٰ کے خالص بندے ہیں۔ خدا اور اس کے بندے و رسول محمدؐ کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور علیؑ ابن ابی طالب کے بارے۔ میں پیغمبرؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اُس کے علاوہ نہ اور کچھ کہتے ہیں نہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہم لوگ حضرت علیؑ کو پروردگار کا عبد صالح اور رسول اللہ کا وصی اور خلیفہ منصوص سمجھتے ہیں۔ اور جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو اس کو مردود اور اپنے سے الگ جانتے ہیں۔

[۱] اٹلی کے قائد اور پیشوا مسولینی نے حکم دیا تھا کہ اس کا نمائندہ ادارۂ مجلس اقوام سے نکل آئے۔ اسکا عذر یہ تھا کہ میرے لیئے باعث ننگ ہے کہ میرا نمائندہ ایسے مجمع میں بیٹھے جہاں حبشی سیاہ فاموں کا نمائندہ بیٹھا ہوا ہو۔ لیکن اسلام کے عظیم المرتبت پیغمبر نے چودہ سو برس پہلے، بلال سیاہ و حبشی کو اپنے آغوش محبت میں لے لیا۔ اور فرماتے تھے کہ ارحنا یا بلال اے بلال ہمارے سامنے قرآن پڑھو اور مجھ کو شاد و مسرور کرو۔ اب ناظرین محترم انصاف کریں اور دیکھیں کہ تفاوت راہ کہاں تک ہے۔

جیسے مسلمانوں میں سے غلات از قبیل سابئہ، خطابیہ، غرابیہ، علیا دیہ مخمسہ و بزیغیہ اور انہیں کے امثال جیسے نصیریہ جو ایران کے بعض شہروں اور قریوں میں اور دوسرے بلاد میں مثل موصل اور شام کے اہل حق کے نام سے متفرق طور پہ آباد ہیں۔

شیعہ بالعموم ان سے علیحدہ اور اُن کو کافر و مرتد اور نجس سمجھتے ہیں۔ فقہ کی ساری کتابوں اور "عملیہ" رسالوں میں فقہائے امامیہ نے غلات کو کافروں میں شمار کیا ہے کیونکہ وہ لوگ بے شمار فاسد عقیدوں کے حامل ہیں جن میں سے کچھ کہتے ہیں کہ چونکہ جسم کے قالب میں روح کا ظہور محال نہیں ہے۔ جیسے کہ جبرائیل وجیۂ کلبی کی صورت میں پیغمبرؐ کے سامنے ظاہر ہوتے تھے۔ لہٰذا خدا کی حکیمانہ مصلحت کا تقاضا ہوا کہ اُس کی ذات اقدس انسانی قالب میں ظاہر ہو چنانچہ علیؑ کی صورت اور جسم میں نمایاں ہوا، اسی سبب سے علیؑ کی منزل کو رسول خداؐ کی مقدس منزل سے بلند تر سمجھتے ہیں اور خود انہیں حضرت کے زمانے میں شیاطین جن و انس کے بہکانے سے ایک جماعت اس عقیدے کی قائل تھی۔ سندھ اور سوڈان کے باشندوں کی ایک جماعت آئی اور اُس نے آپ کی الوہیت کا اقرار کیا۔ حضرت نے ہر چند ان لوگوں کو نصیحت کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آخر کار جس طریقے سے کہ کتب اخبار میں درج ہے آپ کے حکم سے دھوئیں کے کنوؤں میں ہلاک کر دیے گئے۔ چنانچہ اس قضیے کی مفصل تشریح علامۂ جلیل ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ کی تالیف بحار الانوار جلد ہفتم میں لکھی ہوئی ہے

حضرت امیر المومنینؑ اور آئمۂ معصومینؑ سلام اللہ علیہم اجمعین نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور اُن سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً جو ہماری معتبر کتابوں میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نقل ہوا ہے۔ کہ فرمایا۔ اللھم انی بریٔ من الغلاۃ کبراءۃ عیسی بن مریم من النصاریٰ اللھم اخذ لھم ابداً ولا تنصر منھم احداً۔ (یعنی خداوندا میں گروہ غلات سے بری ہوں۔ جیسے عیسےٰ بن مریم نصاریٰ سے بیزار تھے۔ خداوندا ان کو ہمیشہ ذلیل و خوار رکھ۔ اور ان میں سے کسی کی مدد نہ فرما۔)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ یھلک فی اثنان ولا ذنب لی محب مفرط و مبغض مفرط انا لنبرأ الی اللہ ممن یغلو فینا فوق حدنا کبراءۃ عیسی بن مریم من النصاریٰ (یعنی میرے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوتے ہیں اور میرے ذمے کوئی گناہ نہیں ہے (یعنی چونکہ میں اُن کے عمل سے راضی نہیں لہٰذا گنہگار نہیں ہوں)، ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو میری محبت میں حد سے بڑھ جاتے ہیں اور غلو کرتے ہیں اور دُوسرے وہ جو بلا سبب مجھ سے بغض و عداوت رکھتے ہیں یقیناً میں اُن لوگوں سے خدا کی طرف بیزاری اختیار کرتا ہوں جو ہمارے بارے میں غلو کرتے ہیں اور ہم کو ہماری حد سے بڑھاتے ہیں جس طرح سے عیسٰی ابن مریم نے نصاریٰ سے بیزاری اختیار کی ہو۔

نیز فرمایا ہے۔ یہلک فی اثنان محب غال و مبغض قال (یعنی میرے بارے میں دو طرح کے لوگ ہلاک ہوتے ہیں، ایک ایسے دوست جو محبت میں غلو کرتے ہیں اور دوسرے وہ دشمن جو مجھ کو میری منزل سے گھٹاتے ہیں)

اسی وجہ سے شیعہ امامیہ اثنا عشریہ ہر اُس شخص سے بیزاری اختیار کرتے ہیں جو نظم و نثر میں امیرالمومنینؑ اور اُن کے اہل بیت اطہارؑ کے لیئے غلو کرے اور مقام تعریف میں اُن کو منزل سے بلند قرار دے جو خدا و رسولؐ نے اُن کے لیئے معین فرمائی ہے اور بندگی سے خدائی پر پہنچا دے جو لوگ اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہوں وہ ہم میں سے نہیں ہیں بلکہ غالی اور ملعون ہیں، آپ اثنا عشریہ شیعہ امامیہ جماعت کا معاملہ اُن سے الگ سمجھیئے کیونکہ غالی فرقوں کے کفر و نجاست پر علمائے امامیہ کا اجماع ہے اور اگر آپ فقہائے شیعہ کی استدلالی کتابوں جیسے جواہر الکلام اور مسالک وغیرہ اور عملیہ رسالوں جیسے مرحوم آیۃ اللہ یزدی قدس سرہٗ کی عروۃ الوثقیٰ اور آیۃ اللہ اصفہانی اعلی اللہ مقامہٗ کی وسیلۃ النجات کے باب طہارت باب زکوٰۃ، باب ازدواج اور باب ارث کی طرف رجوع کریں تو ہمارے فقہا کے فتوے ان لوگوں کے کفر و نجاست پر ملیں گے اور آپ دیکھیں گے کہ سب نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ اُن کے غسل و دفن میں شرکت جائز نہیں ہے۔ اُن کے ساتھ نکاح حرام ہے (باوجودیکہ متعہ کی صورت سے اہل کتاب کیساتھ تزویج کو جائز جانتے ہیں) اور مسلمانوں کا حق وراثت اُن کو نہیں دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اُن کو صدقات و زکوٰۃ کا دینا بھی ممنوع ہے۔

فرقۂ ناجیہ شیعہ کی فن کلام اور عقائد کی کتابوں میں تفصیلی اور استدلالی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ فرقہ فاسد اور کافر ہے ہر مسلمان پر اور خاص طور سے خالص العقیدہ شیعوں پر اُن سے تبرا اور بیزاری واجب و لازم ہے۔

غلات کی مخالفت اور رد میں آیات واخبار سے کافی مضبوط اور مکمل دلیلیں وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض کی طرف میں نے اشارہ کر دیا ہے۔ سورۂ ۵ (مائدہ) آیت نمبر ۸۱ میں کھلا ہوا ارشاد ہے۔ قل یا اهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق ولا تتبعوا اهواء قوم قد ضلوا کثیرا و ضلوا عن سواء السبیل یعنی کہہ دو (اے رسولؐ) کہ اے اہل کتاب غلو مت کرو اپنے دین میں کہ وہ حق نہیں ہے اور اُس قوم کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو خود گمراہ ہوئے بہتوں کو گمراہ کر دیا اور راہ راست سے دور جا پڑے۔

مرحوم علامۂ مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار جلد سوم میں (جو شیعۂ امامیہ فرقے کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے) ان کی مذمت اور ان لوگوں کے مدعا سے خاندان رسالت کے دور ہونے میں بہت سی روائتیں نقل کی ہیں، من جملہ اُن کے امام بحق ناطق حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا وما نحن الا عبید الذی خلقنا واصطفانا واللہ ما لنا علی اللہ من حجۃ ولا معنا من اللہ برائۃ وانا لمیتون ومرقوفون د

مسئولون من احب الغلاۃ فقد ابغضنا ومن ابغضھم فقد احبنا الغلاۃ کفار والمفوضۃ مشرکون لعن اللہ الغلاۃ ۔۔۔۔۔ (خلاصہ مطلب یہ کہ ہم اُس خدا کے بندے ہیں جس نے ہم کو پیدا کیا اور مخلوقات میں سے منتخب کیا۔ درحقیقت ہم کو موت آئے گی ہم پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ہم سے سوال کیا جائے گا۔ جو شخص غالیوں کو دوست رکھے وہ ہمارا دشمن ہے اور جو شخص ان کو دشمن رکھے وہ ہمارا دوست ہے غلات کافر اور مفوضہ مشرک ہیں۔ خدا کی لعنت ہو غلات پر) نیز انہیں حضرت سے شیعوں کے ایک بڑے پیشوا نے نقل کیا ہے کہ فرمایا لعن اللہ عبد اللہ بن سبا انہ ادعی الربوبیۃ فی امیرالمؤمنین وکان واللہ امیرالمؤمنین عبداللہ طائعاً الویل لمن کذب علینا وان قوماً یقولون فینا مالا نقولہ فی انفسنا نبرء الی اللہ منھم نبرا الی اللہ منھم ۔

(یعنی لعنت خدا کی، عبداللہ ابن سبا پر جس نے امیرالمومنینؑ کے لیے ربوبیت اور خدائی کا دعویٰ کیا۔ خدا کی قسم وہ حضرت خدا کے مطیع بندے تھے، وائے ہو اُن لوگوں پر جنہوں نے ہم پر افترا کیا، ایک گروہ ہمارے بارے میں وہ باتیں کہتا ہے جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے ہم بیزاری اختیار کرتے ہیں، اُن سے خُدا کی طرف، ہم بیزاری اختیار کرتے ہیں ان سے خدا کی طرف۔

صدوق ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی قدس سرہٗ نے جو جلیل القدر فقہائے امامیہ میں سے ہیں کتاب عقائد میں ایک روایت زرارہ بن اعین سے جو موثق شیعہ راوی، حافظ علم اہل بیتؑ اور حضرت باقر العلوم و صادق آل محمد علیہم السلام کے اصحاب میں سے تھے نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت صادق علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کی کہ عبداللہ ابن سبا کی اولاد میں سے ایک شخص تفویض کا قائل ہے فرمایا تفویض کیا؛ میں نے عرض کیا وہ کہتا ہے۔ ان اللہ عزوجل خلق محمداً وعلیاً ثم فوض الامر الیھما فخلقا ورزقا واحیا واماتا (یعنی خدائے عزوجل نے محمدؐ و علیؑ کو پیدا کیا پھر بندوں کے امور اُن کے سپرد کر دیئے چنانچہ وہی خالق ہیں وہی رازق ہیں وہی زندہ کرتے ہیں۔ وہی مارتے ہیں، حضرت نے فرمایا کذب عدو اللہ جھوٹ کہتا ہے دشمن خدا۔ جب تم پلٹ کر اس کے پاس جاؤ تو سورۂ رعد کی یہ آیت پڑھو ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شیء وھو الواحد القھار (سورہ ۱۳) رعد آیت ۱۷) یعنی کیا مشرکین نے خدائے تعالیٰ کے کچھ شریک قرار دیئے کہ انہوں نے بھی خدا کی طرح کچھ خلق کیا ہے اور اُن پر خُدا کی اور اُن کی مخلوق مشتبہ ہوگئی ہے اور وہ نہیں جانتے ہیں کہ خدا کا پیدا کیا ہوا کون اور ان شرکاء کا پیدا کیا ہوا کون ہے۔ کہدو اے محمدؐ کہ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ صرف خدائے تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی الوہیت میں یکتا ہے جس کا ارادہ ساری کائنات پر غالب ہے) یہ آیت خود توحید باری تعالیٰ کی تصریح کر رہی ہے۔ زرارہ کہتے ہیں کہ جس وقت میں اس کے پاس گیا اور یہ آیت جب

ارشاد امامؑ میں نے اس کے سامنے پڑھی تو گویا میں نے اس کے منہ پر پتھر مار دیا وہ مبہوت ہو کے رہ گیا۔

اس طرح کی روایتیں ہماری معتبر کتابوں میں آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین اور شیعوں کے برحق پیشواؤں کی طرف سے گروہ غلات کے لیئے لعن وطعن اور برا کہنے میں کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ جس طرح ہم آپ کے علماء کی کتابیں پڑھتے ہیں آپ بھی علمائے شیعہ کی معتبر کتابیں پڑھا کیجئے تاکہ ایسے الفاظ زبان سے نہ نکلیں جو بے چارے عوام کو بہکاتے والے ہوں۔ اور آپ بھی خدا کے دربار عدالت میں گرفتار ہوں۔

حضرات محترم! میں آپ سے انصاف چاہتا ہوں۔ آیا ایسی صورت میں جب کہ ہمارے آئمہ نے اپنے شیعوں کی رہنمائی کے لیئے ایسے بیانات ارشاد فرمائے ہیں اور سچے شیعہ یعنی علیؑ و اولاد علیؑ کے پیرو اپنے مقتداؤں سے ان روائتوں کو سنے ہوئے ہیں اس کے بعد بھی ان کو خدا یا خدائی کی جگہ پر قرار دیں گے۔؟ غالیوں کا گروہ ہم سے بالکل الگ اور ہم ان لوگوں سے بیزار اور علیحدہ ہیں۔ چاہے وہ بظاہر تشیع کا دعویٰ کریں۔ لیکن خدا اور رسولؐ علی و اولاد علی علیہم السلام سب کے سب اُن سے بیزار اور سارے شیعہ بھی ان سے بیزار اور الگ ہیں۔

چنانچہ ہمارے مولا امیر المومنین علیہ السلام نے رئیس غلات عبداللہ ابن سبا ملعون کو تین روز تک مقید رکھا اور توبہ کا حکم دیا۔ جب اس نے قبول نہ کیا تو مجبوراً اُس کو آگ میں جلوا دیا۔ آپ کو خدا کے سامنے اس سے شرم آنا چاہیئے کہ آپ کے علماء تعصب و عادت اور اسلاف کی پیروی میں یہ لکھیں کہ تشیع کی بنیاد قائم کرنے والا یہی عبداللہ ملعون تھا جو حضرت علیؑ کے حکم سے جلا دیا گیا۔ حالانکہ علمائے شیعہ نے ساری متعلقہ کتابوں میں اپنے آئمہ کی پیروی کرتے ہوئے عبداللہ کو ملعون بنایا ہے۔ لہذا عبداللہ کے پیرو بھی ملعون ہیں کیونکہ وہ غلات میں سے ہیں نہ کہ آل محمدؐ اور عترت طاہرہ پیغمبرؐ کے محب خالص شیعوں میں سے۔ اس لیئے کہ وہ اس خاندان جلیل کے بارے میں غلو کی وجہ سے دور اور مطرود ہیں۔

اگر تشیع کی بنیاد قائم کرنے والا عبداللہ ملعون ہوتا اور شیعہ اُس کے پیرو ہوتے جیسا کہ آپ کے متعصب علماء نے لکھا ہے اور دوسرے اُن کی اندھی تقلید کر کے جلسوں میں اس کو نقل کرتے ہیں تو کم سے کم شیعوں کی کسی ایک ہی کتاب میں اُس کی کچھ تعریف درج ہونا چاہیئے تھی۔ اگر آپ علماء شیعہ امامیہ کی کسی ایک ایسی کتاب کا پتہ دے دیجیئے جس میں عبداللہ ملعون کی کوئی تعریف کی گئی ہو تو میں آپ کی ساری باتیں ماننے کے لیئے تیار ہوں اور اگر یہ پتہ نہ دیں۔ (اور ہرگز نہیں دے سکتے ہیں) تو روز حساب اور محکمۂ عدل الہٰی سے ڈریئے، پاک وموحد شیعوں کو عبداللہ ملعون کا پیرو نہ کہیئے اور حقیقت کو بیخبر عوام کی نگاہوں میں مشتبہ نہ بنایئے۔

اس کے علاوہ میں آپ سے برادرانہ التماس کرتا ہوں کہ آپ چونکہ اہل علم ہیں لہذا ہمیشہ قاعدۂ علم ومنطق اور حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے گفتگو فرمائیں اور خلاف عقل وحقیقت باتوں اور بے بنیاد شہرتوں کا سہارا نہ لیں۔

جن کو دشمنوں نے ضد اور عناد کی وجہ سے شیعوں کی طرف منسوب کیا ہے۔

حافظ: آپ کی برادرانہ نصیحتیں ہر عقلمند کے لیئے قابل قبول و توجہ ہیں لیکن اجازت دیجئے کہ میں بھی فرمائش کے طور پر چند جملے عرض کروں۔

خیر طلب: میں بہت ممنون ہوں گا۔ فرمایئے!

حافظ: آپ اپنے بیانات میں برابر یہی فرما رہے ہیں کہ ہم اماموں کے بارے میں غلو نہیں کرتے اور غلات کو مردود و ملعون اور جہنمی جانتے ہیں لیکن ان دو راتوں میں آپ کی زبان سے بار بار اماموں کے حق میں ایسے الفاظ سُننے جا رہے ہیں کہ آپ ہی کے بیان کیئے ہوئے قواعد کی رو سے وہ حضرات اس قسم کے امور پر راضی نہیں ہیں۔ لہٰذا ممکن ہو تو آپ بھی بات چیت کے موقع پر اس کا لحاظ رکھیں تاکہ مطعون نہ ہوں۔

خیر طلب: میں خشک و تنگ نظر اور متعصب و جاہل انسان نہیں ہوں، بہت ممنون ہونگا کہ اگر میری گفتگو میں کوئی لغزش پائی جاتی ہو تو اس کی یاد دہانی فرما دیجئے چونکہ انسان سہو و نسیان کا مرکز ہے لہٰذا تمنا رکھتا ہوں کہ ان دو راتوں میں جو کچھ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو کہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کیخلاف مرضی کہا گیا ہے اور علم و عقل و منطق سے مطابقت نہیں کرتا اس کو بیان فرمایئے۔

حافظ: میں نے ان دو شبوں میں مکرر آپ سے سنا ہے کہ جس موقع پر اپنے اماموں کا نام لیتے ہیں تو بجائے اس کے کہ رضی اللہ عنہم کہیں، سلام اللہ علیہم اور صلوات اللہ علیہم کہا ہے۔ درآنحالیکہ خود جانتے ہیں کہ سورۂ احزاب کی آیہ شریفہ کے حکم سے جس میں ارشاد ہے۔ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ (یعنی خدا اور اس کے فرشتے پیغمبرؐ کی روح پاک پر درود بھیجتے ہیں۔ اے اہل ایمان تم بھی ان پر درود بھیجو اور سلام کرو (اور ان کے فرمان کو تسلیم کرو) آیت ۵۶ سورہ ۳۳ (احزاب) سلام اور صلوٰۃ صرف رسول خدا صلعم سے مخصوص ہے چونکہ آپ اپنے بیانات میں اماموں کے لیئے بھی صلوات و سلام کا ذکر کرتے ہیں۔ لہٰذا بدیہی چیز ہے کہ یہ عمل قرآن مجید کی نص صریح کیخلاف ہے۔

آپ کے اُوپر جو اعتراض کیئے جاتے ہیں ان میں سے ایک موضوع یہ بھی ہے۔ کہ کہتے ہیں یہ امر بدعت ہے اور اہل بدعت اہل ضلالت ہیں۔

آل محمدؐ پر صلوات بھیجنے میں اشکال اور اُس کا جواب

خیر طلب: جماعت شیعہ نے ہرگز کوئی عمل نص کیخلاف نہ کیا ہے اور نہ کرتے ہیں۔ ہوا یہ کہ گذشتہ

صدیوں میں خوارج ونواصب، بنی اُمیہ اور ان کے پیروؤں نے حیلہ سازیاں شروع کیں اور شیعوں کو اہل بدعت نامزد کرنے کے لیئے فرضی دلیلیں قائم کیں جن کا بڑے بڑے علماء شیعہ نے مکمل جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ہم اہل بدعت نہیں ہیں۔ چونکہ دشمن کے ہاتھوں میں قلم ہے لہذا تنہا قاضی بن کر جو چاہتے ہیں، لکھتے ہیں۔ اس موضوع پر بھی مفصل جواب دیا جا چکا ہے۔ لیکن چونکہ وقت کافی گذر چکا ہے۔ لہذا تفصیلی جواب سے قطع نظر کرتا ہوں۔ محض اس لیئے کہ آپ کی فرمائش بغیر جواب کے نہ رہ جائے اور حضرات اہل جلسہ اور میرے برادران عزیز کے سامنے حقیقت امر مشتبہ نہ رہے مختصر طور سے عرض کرتا ہوں۔ اوّل تو یہ کہ اس آیت میں کسی دوسرے پر سلام وصلوات بھیجنے کو منع نہیں کیا گیا ہے۔ فقط یہ حکم دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ آں حضرت پر صلوات بھیجیں دوسرے جس خدائے برتر نے یہ آیت نازل فرمائی ہے وہی سورہ ۳۷ (صافات) آیت ۱۳۰ میں فرماتا ہے۔ سلام علی آل یاسین (یعنی سلام ہو یٰسین کی آل پر) خاندان رسالت کی اہم خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ مخصوص طور پہ انبیائے کرام پر سلام ہے۔ وہ فرماتا ہے۔

[1] سلام علیٰ نوح فی العلمین۔ [2] سلام علیٰ ابراھیم۔ [3] سلام موسیٰ وھارون [1] لیکن کسی مقام پہ اولاد انبیاء کے لیئے سلام نہیں آیا ہے۔ سوا اولاد خاتم الانبیاؐ کے جن کے لیئے ارشاد الٰہی ہے۔ سلام علیٰ ال یاسین۔ یٰسین بھی رسولؐ خدا کا ایک نام ہے۔

یٰس کے معنی اور یہ کہ "س" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کا نام مبارک ہے

آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید میں پیغمبرؐ کے بارہ ناموں میں سے پانچ نام امت کی مزید معرفت کے لیئے ذکر کیئے گئے ہیں اور وہ پانچ مقدس اسماء محمدؐ [1]، احمدؐ [2]۔ عبداللہ [3]، نونؐ [4] اور یٰسین ہیں۔ سورہؐ ۳۶ کے شروع میں فرماتا ہے۔ یٰس والقران الحکیم انك لمن المرسلین [2] یا حرف ندا اور "س" آں حضرتؐ کا نام مبارک اور آنحضرتؐ کی ظاہری و باطنی معتدل حقیقت اور مساوات کی طرف اشارہ ہے۔

نواب: اس کا کیا سبب ہے کہ حروف تہجی میں "س" آنحضرتؐ کا نام مبارک قرار پایا۔

خیر طلب: میں نے عرض کیا کہ آں حضرتؐ کے عالم معنوی اور حقیقت اعتدال کی طرف ایک اشارہ ہے۔ کیونکہ منزل خاتمیت کی حقدار وہی ذات ہے جس کا وجود حد اعتدال کو پہنچا ہو اور یہ اس وقت ممکن ہے جب اس کا

---

[1] یہ آیات سورہ ۳۷ (الصافات) میں ہیں۔ [2] (حاشیہ ص ۵۲ پر)

ظاہر و باطن یکساں ہو اور یہ مرتبہ آں حضرتؐ کے وجود مقدس کو حاصل تھا لہذا حرف س کیساتھ اس حیثیت کا اظہار فرمایا۔

عام عقلوں سے قریب تر بیان یہ ہے کہ حروف تہجی کے درمیان حرف "س" ہی ایسا ہے جس کا ظاہر و باطن برابر ہے اس معنی سے کہ اٹھائیس حرفوں میں سے ہر ایک کے لیئے علمائے علم اعداد کے نزدیک ایک زبر اور ایک بتینہ ہے اور ہر حرف کے زبر و بتینہ کا تطابق کرنے میں قطعی طور پر یا اس کا زبر زیادہ ہوتا ہے۔ یا بتینہ۔

نواب: قبلہ معاف فرمایئے گا میں جسارت کر رہا ہوں۔ چونکہ میں گہرے مضامین کو سمجھنے سے معذور ہوں لہذا استدعا ہے کہ ان راتوں میں مطالب کو سادہ اور واضح طریقے سے بیان فرمایئے تاکہ ہم سب کے لیئے لائق توجہ اور قابل قبول ہوں چونکہ ہم لوگوں نے زبر و بتینہ کے معنی نہیں سمجھے لہذا متمنی ہیں کہ سادہ بیان کے ساتھ وضاحت فرمایئے تاکہ یہ معاملہ ہو جبسکا۔

خیر طلب: بسر و چشم۔ زبر سے حرف کی صورت مراد ہے جو کاغذ پر لکھی جاتی ہے اور بتینہ وہ زیادتی ہے جو بولنے کے وقت ظاہر ہوتی ہے "س" کاغذ کے اوپر ایک حرف ہے لیکن تلفظ کے وقت تین حرف ہو جاتے ہیں۔ س، ی، ن بولنے میں اس پر ی اور ن کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اٹھائیس حروف تہجی میں صرف "س" ہی وہ حرف ہے کہ حساب کی مطابقت کرنے میں اس کا زبر و بتینہ برابر رہتا ہے۔ "س" کے عدد ساٹھ ہیں اور اس کا بینہ بھی جس سے ی اور ن مراد ہیں۔ ساٹھ عدد کا حامل ہے۔ "ی" کے (۱۰) اور "ن" کے (۵۰) مل کر ساٹھ ہوئے اسی وجہ سے قرآن مجید میں خاتم الانبیاؐ کو آں حضرتؐ کے ظاہر و باطن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یٰس کہہ کر مخاطب فرماتا ہے۔ یعنی اے وہ شخص جو ظاہر و باطن دونوں حیثیتوں سے اعتدال پر ہے۔

آل یاسین سے مُراد آلِ محمدؐ ہیں

اب چونکہ حضرتؐ کا نام مبارک "س" ہے لہذا اس آیہ مبارکہ میں فرماتا ہے۔ سلام علیٰ آل یاسین۔ یعنی سلام آل محمدؐ پر۔

حافظ: یہ ایسے مطالب ہیں جن کو آپ اپنی جادو بیانی سے ثابت کرنا چاہتے ہیں ورنہ علماء کے درمیان اس کا ذکر نہیں آیا ہے۔ کہ آل یاسین پر سلام ہو۔

سلہ حاشیہ مدا۵ سید الرسل اور کامل ترین انسان! قسم قرآن حکمت بیان کی تم درحقیقت یقیناً خدا کے پیغمبروں میں سے ہو۔

خیر طلب: میں متمنی ہوں کہ انکار کے مواقع پر قطعی طور سے کوئی بات نہ کہہ دیا کیجئے بلکہ تردید کی صورت میں فرمایا کیجئے تاکہ جواب کے وقت آپ کو پچھتانے کی ضرورت نہ ہو۔ اگر آپ اپنے علماء کی کتابوں سے بے خبر یا واقف ہیں لیکن تصدیق کرنے کو خلاف مصلحت سمجھتے ہیں تو میں آپ کی کتابوں سے باخبر ہوں اور حق سے منہ بھی نہیں موڑتا ہوں۔

آپ کے بڑے بڑے علماء کی کتابوں میں کثرت سے اس معنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے منجملہ ان کے متعصب ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ کے اندر جو آیات فضائل اہل بیتؑ میں نقل کی ہیں ان میں سے تیسری آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت نے (مفسرؔ اور خیرِ امت) ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ان المراد بذلک سلام علی آل محمد۔ یعنی الیاسین سے مراد آل محمدؐ ہیں لہٰذا آل یاسین پر سلام کا مطلب ہے سلام آل محمدؐ پر۔ اور لکھتے ہیں کہ امام فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے۔ ان اهل بيته صلى الله عليه وسلم يساوونه في خمسة اشياء في السلام قال السلام عليك ايها النبی وقال السلام علی الياسين في الصلوٰة عليه وعليهم في التشهد وفي الطهارة قال تعالیٰ طٰه يا طاهر وقال يطهركم تطهيرا وفي تحريم الصدقة وفي المحبة قال تعالیٰ قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله وقال قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربیٰ۔

(یعنی رسول کے اہل بیتؑ پانچ چیزوں میں آں حضرتؐ کے برابر ہیں اول سلام میں۔ فرمایا سلام پیغمبر بزرگوار اور یہ بھی فرمایا سلام آل یاسین پر (یعنی سلام آل محمدؐ پر) دوسرے صلوات میں تشہد نماز میں تیسرے طہارت میں خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے طٰہٰ یعنی اے طاہر اور ان حضرات کے بارے میں آیت تطہیر نازل فرمائی چوتھے تحریم صدقہ میں کیونکہ پیغمبرؐ اور ان کے اہل بیتؑ پر صدقہ حرام ہے۔ پانچویں محبت میں، کیوں کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا (محمدؐ) کہہ دو (امت سے) میں تم سے کوئی اجر اور مزدوری نہیں چاہتا ہوں سوا میرے ذوی القربیٰ اور اہل بیت سے محبت کے) سید ابوبکر بن شہاب الدین علوی کتاب رشفۃ الصادی من بحر فضائل بنی النبی الھادی (مطبوعہ مطبعۂ اعلامیہ مصر ۱۳۰۳ھ) کے باب اول صفحہ ۲۴ پر مفسرین کی ایک جماعت سے بروایت ابن عباس ولقاش کلبی سے اور باب ۲ صفحہ ۲۷ میں بھی نقل کیا ہے کہ آیت میں آل لیس سے مراد آل محمدؐ ہیں اور امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد ہفتم ص ۱۶۳ میں اسی آیۂ شریفہ کے ماتحت آیت کے معنی میں کئی وجہیں نقل کی ہیں اور وجہ دوم میں کہا ہے کہ الیاسین سے مراد آل محمد سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ نیز ابن حجر نے صواعق محرقہ میں ذکر کیا ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ سلام علی الیاسین سلام ہے آل محمدؐ پر۔

لیکن اہل بیتؑ پر صلوٰۃ بھیجنا تو یہ ایک ایسا امر ہے جو فریقین کے درمیان مسلم ہے یہاں تک کہ بخاری اور مسلم بھی اپنی صحیحین میں تصدیق کرتے ہیں کہ پیغمبر نے فرمایا، میرے اور میرے اہل بیتؑ کے درمیان صلوٰۃ میں جدائی نہ ڈالو۔

آلِ محمدؐ پر صلوات بھیجنا سنّت اور تشہد نماز میں واجب ہے۔

مخصوص طور پر بخاری اپنی صحیح کی جلد سوم میں، مسلم اپنی صحیح کی جلد اوّل میں اور سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ میں، حتّے کہ ابن حجر ایسے متعصب صواعق میں اور آپ کے دوسرے بڑے علماء کعب بن عجزہ سے نقل کرتے ہیں کہ جب آیت ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی (سورہ ۳۳) نازل ہوئی تو ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ پر سلام کرنے کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہوا لیکن کیف یصلی علیک آپ پر صلوٰۃ کس طرح بھیجیں؟ آں حضرتؐ نے فرمایا صلوات اس طریقے سے بھیجو۔ اللھم صل علی محمد وآل محمد اور دوسری روایتوں میں یہ جملے کما صلیت علی ابراھیم وآل ابراھیم انک حمید مجید۔

امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر جلد ششم ص۷۹۷ میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ سے لوگوں نے سوال کیا کہ ہم آپ پر کس طرح سے صلوات بھیجیں؟ آں حضرت نے فرمایا کہو۔ اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

اور ابن حجر نے تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ یہی روایت حاکم سے نقل کی ہے اس کے بعد اپنے عقیدے اور رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ وفیہ دلیل ظاھر علی ان الامر بالصلوات علیہ الصلوات علی آلہ۔ یعنی حدیث میں اس پر کھلی ہوئی دلیل ہے کہ پیغمبر پر صلوات بھیجنے کا حکم آں حضرتؐ کی آل پر بھی صلوات بھیجنے کے لیے ہے نیز روایت کی ہے۔ کہ فرمایا۔ لا تصلوا علی صلوٰۃ البترا۔ یعنی مجھ پر بتر اور دم بریدہ صلوات نہ بھیجو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلوات بترا کون ہے۔ فرمایا اگر کہو۔ اللھم صلی علی محمد لہٰذا یوں کہو اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد۔

اس کے علاوہ دیلمی سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا الدعا محجوب حتی یصلی علی محمد وآلہ۔ یعنی دعا پردے میں رہتی ہے (اور قبول نہیں ہوتی) جب تک محمد و آل محمدؐ پر درود نہ بھیجیں۔ اور امام شافعی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

یا اهل بیت رسول اللہ حبکم — فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم — من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

(یعنی اے اہل بیت رسول اللہ تمہاری دوستی خدا نے قرآن مجید میں واجب کی ہے تمہاری بزرگی منزلت اور مرتبے کے لیئے یہی کافی ہے کہ جو شخص تم پر صلوات نہ بھیجے اس کی نماز ہی قبول نہیں ہوتی رشافعی کی مراد تشہد نماز میں صلوات ہے جس کو اگر عمداً ترک کر دیں تو نماز باطل اور غیر مقبول ہے۔)

رسول اکرم کے اس ارشاد کے پیش نظر کہ الصلوٰۃ عمود الدین ان قبلت قبل ماسواھا وان ردت ردہ ماسواھا (یعنی نماز دین کا نگہبان اور ستون ہے اگر نماز قبول ہو جائے تو اس کے علاوہ دوسرے اعمال بھی قبول ہو جاتے ہیں۔ اور اگر نماز رد ہو جائے تو دوسرے اعمال بھی رد ہو جاتے ہیں، تمام اعمال کی قبولیت نماز سے وابستہ ہے اور جو روایتیں پیش کی گئی ہیں، ان پر نظر کرتے ہوئے نماز کی قبولیت بھی محمد و آل محمد پر صلوات بھیجنے میں منحصر ہے جیسا کہ شافعی نے خود اقرار کیا ہے۔

سید ابوبکر شہاب الدین علوی نے کتاب رشفۃ الصادی من بحر فضائل بنی النبی الہادی باب ۲ میں ص۲۹ سے ص۳۵ تک محمد و آل محمد پر صلوات بھیجنے کے وجوب میں کئی بیانات درج کیئے ہیں اور دیلمی نے نسائی سے دارقطنی، ابن حجر اور بیہقی نے ابوبکر طرطوسی سے انہوں نے ابواسحق مروزی اور سمہودی سے نووی نے تنقیح میں اور شیخ سراج الدین قصیمی یمنی نے نقل کیا ہے۔ کہ نماز کے تشہد میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کے بعد آل محمد پر صلوات بھیجنا واجب ہے۔

چونکہ وقت کافی گزر چکا ہے لہذا مفصل بیان سے قطع نظر کرتا ہوں اور فیصلہ آپ حضرات کے پاک ضمیر پر چھوڑتا ہوں۔

چنانچہ آپ حضرات اس کی تصدیق فرمائیں کہ اہل بیت پیغمبر پر درود و سلام بدعت نہیں بلکہ سنت اور ایسی عبادت ہے جس کے لیئے خود رسول کی تاکید ہے اور اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا سوا خوارج و نواصب اور ضدی کینہ پرور اور دشمن متعصبین خذلہم اللہ کے جنہوں نے اصلی بات کو برادران اہل سنت کی نگاہوں پر مشتبہ بنا دیا ہے اور بناتے رہتے ہیں۔

یہ بدیہی بات ہے کہ جو ہستیاں اس حکم میں خاتم الانبیاء سے اس قدر قریب ہیں، اور ذکر میں غیروں پر مقدم ہیں ان کا دوسروں پر قیاس کرنا اور دوسروں کو ان کے اوپر ترجیح دینا سوا سفاہت و جہالت یا تعصب و بے خبری کے اور کیا ہے۔

اس موقع پر چونکہ آدھی سے زیادہ رات گذر چکی تھی۔ اور بعض حاضرین جلسہ کے چہروں پر کسل مندی کے

آثار ظاہر تھے۔ لہٰذا ہم لوگوں نے نشست کو ختم کر دیا اور چائے نوشی اور اس اقرار کے بعد کہ کل شب میں ذرا سویرے تشریف لائیں گے سب حضرات متفرق ہو گئے)۔

تیسری نشست

شب یک شنبہ ۲۵ رجب ۱۳۴۵ھ

ہم لوگ نماز مغرب سے فارغ ہو چکے تو مولوی صاحبان تشریف لے آئے اور معمولی صاحب سلامت کے بعد چائے نوشی میں مشغول ہوئے۔ میں بھی نماز عشاء ختم کرنے کے بعد اطمینان کے ساتھ ان حضرات کی گفتگو سننے کے لیئے حاضر ہوا۔

حافظ: قبلہ صاحب کل شب میں جب ہم لوگ اپنے گھروں کو واپس گئے تو میں نے اپنے کو بہت ملامت کی کہ ہم دوسری قوموں کے عقائد میں کس لیئے زیادہ غور و فکر نہیں کرتے اور (بقول آپ کے) صرف بعض متعصب لوگوں کی کتابوں پر اکتفا کر لیتے ہیں جس سے حقیقت ہم پر ظاہر نہیں ہوتی۔

خیر طلب: جیسا کہ خدائے تعالےٰ نے سورۂ ۶ (انعام) آیت ۱۵۰ میں ارشاد فرمایا ہے کہ قل فللّٰہ الحجۃ البالغۃ [1] کل شب کی نشست بھی خدائی دلیلوں میں سے ایک دلیل تھی تاکہ اس کے ذریعہ سے آپ حضرات ابتدائے صحبت ہی میں کسی قدر اپنی عادت سے ہٹ کے اور دیدۂ انصاف و علم و عقل کے ساتھ میری گزارشوں پر توجہ کر کے یہ جان لیں کہ جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں وہ علم و عقل، اور منطق و حقیقت کی میزان پر تُلا ہوا ہے۔ اور جو باتیں پہلے سے آپ حضرات کے سمع مبارک میں پہنچائی گئی ہیں، اور جنہوں نے آپ کے ذہن کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے، وہ خود غرض متعصب لوگوں کے عناد اور ضد کا نتیجہ ہیں۔

میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ ان جلسوں میں میرا نظریہ قطعی طور پر یہ نہیں ہے۔ کہ گفتگو میں خود غالب رہوں اور آپ حضرات کو مغلوب کروں بلکہ ہمیشہ کی طرح میرا مقصد اور نقطۂ نظر حریم تشیع کی طرف سے دفاع اور حق و حقیقت کو نمایاں کرنا ہے۔

حافظ: کل شب کے بیانات میں آپ کے فقرات سے ظاہر ہوا کہ شیعوں کے مختلف طبقے ہیں، تو آپ

---

[1] کہہ دو اے پیغمبر کہ خدا کے لیئے کامل حجت ہے۔

شیعوں کے کس طبقے کو برحق اور ان کے اقوال و عقائد کو صحیح سمجھتے ہیں؟ اگر ممکن ہو تو مطلب واضح ہونے کے لیئے ان طبقات کو بیان فرمائیے تاکہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ کس گروہ کے بارے میں ہم کو بحث کرنا چاہیئے۔

خیر طلب :- میں نے گذشتہ شب میں یہ تو عرض نہیں کیا ہے کہ شیعوں کے مختلف طبقے ہیں بلکہ شیعہ کی جس معنی کے ساتھ میں نے تشریح کی ہے یعنی خدا اور رسولؐ کے فرمانبردار بندے اور آں حضرتؐ کے حکم سے خاندان رسالت کے پیرو وہ ایک طبقے سے زیادہ نہیں ہیں۔ البتہ چند شعبدہ باز فرقوں نے تشیع کے نام پر اپنی نمائش کر کے بے خبر اور جاہل لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ مقدس شیعہ نام سے غلط فائدہ اٹھایا اور باطل عقائد بلکہ کفر و بے دینی کو اس نام سے لوگوں کے درمیان رائج کیا لہٰذا ناواقف اشخاص نے جو حقائق کی تشخیص نہیں کرتے ہیں تاریخ میں لفظ شیعہ سے ان کو موسوم کیا ہے۔ ان لوگوں کے بنیادی طبقے چار ہیں جن میں صرف دو باقی رہ گئے ہیں اور دو بالکل فنا ہو چکے ہیں۔ اور ان کے ہر طبقے سے اور دوسرے فرقے پیدا ہوئے۔ ان چار فرقوں سے مراد ہیں زیدیہ کیسانیہ، قداحیہ اور غلات۔

عقائد زیدیہ

پہلا فرقہ زیدیہ ہے اور وہ ایسے لوگ ہیں جو زید ابن علی ابن الحسین علیہما السلام کو اپنا پیر سمجھتے ہیں اور امام زین العابدین علیہ السلام کے بعد زید کو امام جانتے ہیں، زیدیہ فرقے والے فی الحال یمن اور اس کے اطراف میں کثرت سے ہیں، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جو علوی اور فاطمی شخص عالم و زاہد اور شجاع ہو، اس کے علاوہ تلوار کے ساتھ خروج کرے اور لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے وہ امام ہے اور چونکہ جناب زید نے ہشام ابن عبدالملک اموی کے زمانۂ خلافت میں بنی اُمیّہ کے ظلم اور چیرہ دستی کی وجہ سے کوفہ میں خروج کیا اور شربت شہادت نوش فرمایا۔ جیسا کہ پرسوں کی شب میں میں نے ایک موقع پر ان بزرگواروں کی مفصل کیفیت عرض کی ہے۔ لہٰذا ان کو امام سمجھ کر ان کی پیروی اپنے اُوپر لازم جانتے ہیں۔ حالانکہ جناب زید کی منزل اس سے کہیں الگ ہے کہ ان کی طرف ایسی نسبت دیں۔ جناب زید بنی ہاشم کے بزرگ سادات میں سے تھے۔ زہد، علم، فضل، فہم، دینداری، پرہیزگاری، عبادت، شجاعت اور سخاوت میں قوم کے اندر نمایاں اور ہمیشہ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔

رسول اکرمؐ آں جناب کی خبر شہادت دے چکے تھے جیسا کہ سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ وضع رسول اللہ یدہ علی صلبی فقال یا حسین سیخرج من صلبک رجل یقال لہ زید یقتل شہیدا اذا کان یوم القیمۃ یتخطی ھو واصحابہ رقاب الناس ویدخل الجنۃ۔ (یعنی رسول اللہؐ نے اپنا دست مبارک میری پشت پر رکھا اور فرمایا کہ اے حسینؑ

عنقریب تمہاری صلب سے ایک مرد پیدا ہوگا۔ جس کا نام زید ہوگا وہ شہید قتل ہوگا۔ اور جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ اور اس کے اصحاب لوگوں کی گردنوں پر قدم رکھتے ہوئے بہشت میں داخل ہوں گے (اور یہ بدیہی بات ہے کہ اصحاب سے وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے خروج کے موقع پر ظلم بنی اُمیّہ کے مقابلے میں ان جناب کے ہمراہ مقاومت کی) لیکن خود جناب زید نے کبھی امامت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور یہ ایک تہمت ہے جو ان پر لگائی گئی ہے ورنہ وہ خود اپنے کو اپنے برادر بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی امامت کا تابع اور مطیع سمجھتے تھے۔ البتہ ان جناب کے بعد چند شیعہ بازاس اُصول کے قائل ہو گئے کہ۔ لیس الامام من جلس فی بیتہ وارخی سترہ بل الامام کل فاطمی عالم صالح ذورای یخرج بالسیف (یعنی وہ شخص امام نہیں ہے جو گھر میں بیٹھ رہے اور اپنے کو لوگوں سے پوشیدہ رکھے بلکہ ہر وہ عالم، صالح اور صاحب رائے فاطمی امام ہے جو خروج بہ شمشیر کرے) لوگوں کو آپ کی امامت کی طرف دعوت دی اور نئی نئی تشکیلیں ایجاد کر کے اپنے مقاصد حل کرنے کے لئے ایک دوکان کھول دی یہ لوگ پانچ فرقوں میں تقسیم ہوئے۔ مغیریہ۔ جارودیہ۔ ذکریہ۔ خشیبیہ اور خلقیہ۔

عقائد کیسانیہ

دوسرا فرقہ کیسانیہ ہے۔ یہ لوگ کیسان غلام و آزاد کردۂ علیؑ ابن ابی طالب کے اصحاب شمار کیئے جاتے ہیں۔ یہ حسنین علیہما السلام کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام کے سب سے بڑے فرزند محمد ابن حنفیہ کی امت کے قائل تھے۔ لیکن جناب محمدؑ خود ایسا دعوےٰ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ان کو سیّدالتابعین کہا جاتا تھا اور علم و زہد و ورع و تقویٰ اور امر مولیٰ کی اطاعت میں مشہور تھے بعض بازی گروں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ آپ کی مخالفتوں کے قضیہ کو حیلہ بنایا۔ اور آپ کے دعوائے امامت کی دلیل قرار دیا۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ نہیں تھی کہ آپ امامت کے مدعی تھے بلکہ ان مخالفتوں سے جناب محمد کا مقصود امام چہارم حضرت سید سجاد علیہ السلام کی منزل ظاہر کرنا تھا تاکہ اس طریقہ سے اپنے جاہل مریدین اور سادہ لوح معتقدین کو متوجہ فرما دیں کہ میں اس منصب پر فائز نہیں ہوں چنانچہ اسی مسجد الحرام کے اندر حجر اسود کے سامنے ثبوت حق اور حضرت سیّد سجاد علیہ السلام کی امامت کے بارے میں حجر اسود کے اقرار کے بعد جیسا کہ کتب اخبار و تاریخ میں اس کی تفصیل موجود ہے، ابو خالد کابلی نے جو ان جناب کے معتقدین کا رأس و رئیس تھا محمد حنفیہ کو امام ماننے والوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان جناب کی پیروی کرتے ہوئے امامتِ حضرت سید سجاد علیہ السلام کا اعتراف کیا۔ لیکن چند مکاروں نے بے عقل اور بے خبر عوام کے ایک گروہ کو اسی عقیدے پر باقی رکھا۔ اور

بہانہ یہ بنایا کہ جناب محمد نے انکسار سے کام لیا ہے اور بنی اُمیہ کے مقابلہ میں سیاست کا یہی تقاضا بھی تھا ورنہ ان کی امامت مسلّم ہے آپ کی وفات کے بعد بھی یہ لوگ اس پر جمے رہے اور کہا کہ جناب محمد مرے نہیں بلکہ جبل رضوی کے غار میں پوشیدہ ہو گئے ہیں ایک زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور دنیا کو عدل و داد سے بھر دیں گے۔ ان کے چار فرقے تھے۔ مختاریہ، کربیہ، اسحاقیہ اور حربیہ۔ لیکن آج اس عقیدے پر کوئی شخص باقی نہیں ہے۔

عقائد قداحیہ

تیسرا گروہ قداحیہ ہے ان لوگوں کے مذہب کی بنیاد بظاہر تشیع مگر باطناً محض کفر ہے۔ اس مذہب کی اصل تشکیلات میمون ابن سالم یا (دیصان) معروف بہ قداح اور علیلی جہار لختان کے ہاتھوں مصر میں شروع ہوئیں اور انہوں نے قرآن مجید و اخبار میں اپنی خواہش کے مطابق تاویلات کا دروازہ کھولا۔ شریعت کے لیے ایک ظاہر اور ایک باطن قرار دیا اور کہا کہ باطن شریعت کی خدا نے پیغمبر کو پیغمبر نے علیؑ کو انہوں نے اپنے فرزندوں کو اور خالص شیعوں کو تعلیم دی۔ ان کا قول ہے کہ جن لوگوں نے باطن شریعت کو سمجھ لیا وہ ظاہری طاعت و عبادت کی قید سے آزاد اور بے فکر ہو گئے۔

انہوں نے مذہب کی بنیاد سات ستونوں پر قائم کی۔ سات پیغمبروں کے معتقد ہیں۔ سات امام مانتے ہیں اور ساتویں امام کو غائب جانتے ہیں۔ اور ان کے ظہور کے منتظر ہیں۔ یہ دو جماعتوں پر منقسم تھے۔

ناصریہ ۔ ناصرِ خسرو علوی کے اصحاب جنہوں نے اپنے اشعار و گفتار اور کتابوں میں شیعہ کے نام پر بہت سے لوگوں کو کفر و الحاد کی طرف کھینچ لیا اور طبرستان میں کافی پھیلے ہوئے تھے۔

صباحیہ ۔ یہ دوسری جماعت حسن صباح کے اصحاب تھے جو دراصل مصر کا باشندہ تھا لیکن ایران میں آکر قزدین کے اندر واقعہ اسفناک اور الموت کا فتنہ عظیم برپا کیا اور بکثرت قتل و خونریزی کا باعث بنا جس کی تفصیل تاریخ میں موجود ہے لیکن اس مختصر مجلس میں اس کے مفصل تاریخی حالات بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔

عقائد غلات

چوتھی جماعت غالیہ ہے جو تمام قوموں اور فرقوں سے زیادہ پست ہے یہ لوگ تشیع کے نام سے مشہور ہو گئے لیکن یہ سب کے سب کافر و نجس اور فاسد و مفسد ہیں ان کے اصلی فرقے سات ہیں سبائیہ۔ منصوریہ۔ غرابیہ۔

بزیغیہؒ۔ یعقوبیہؒ۔ اسماعیلیہؒ اور ازدریہؒ ان کے حالات اور پیدائش کی تشریح کل کی شب میں مقتضائے مجلس کے لحاظ سے مختصر طور پر عرض کر چکا ہوں۔ ہم شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کی پوری ملت بلکہ دنیا کے سارے مسلمان ان سے اور ان کے عقائد سے بیزار ہیں ہم ان کو ہر نجس سے زیادہ نجس کافر ملحد اور بے دین سمجھتے ہیں۔

کفر والحاد کے قاعدے پر جو عقیدہ بھی صراحۃً یا کنایۃً شیعوں کے نام سے زبانوں پر مشہور اور بعض کتابوں میں عمداً یا سہواً درج ہوا ہے، وہ زیادہ تر اسی گروہ سے ہے۔ جو اپنے کو شیعہ ملی کہتا ہے۔ لیکن جماعت شیعہ امامیہ اثنا عشریہ جو دنیا میں دس کروڑ سے زیادہ تعداد کی مالک ہے ان فاسد عقائد سے دور ہے بلکہ اصلی دین، پاکیزہ مذہب اور شریعت کا لب ولباب جو باب علم رسولؐ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے حاصل ہوا ہے انہیں لوگوں کے پاس ملتا ہے۔

عقائد شیعۂ امامیۂ اثنا عشریہ

پانچواں گروہ شیعۂ امامیہ اور فرقۂ حقہ اثنا عشریہ ہے جو عقل ونقل کے مطابق شریعت کے لب ولباب کا حامل ہے اور دراصل حقیقی شیعہ یہی لوگ ہیں اور وہ چار فرقے فرضی شیعہ ہیں۔

میں ان حقیقی شیعوں کے اعتقاد کا خلاصہ فہرست کے طور پر آپ کے سامنے پیش کیئے دیتا ہوں تاکہ بعد کو ان کی طرف غلط باتیں منسوب نہ کیجئے۔

شیعہ امامیہ کی پوری جماعت ذات واجب الوجود خداوند جل وعلا کا اعتقاد رکھتی ہے کہ وہ ایسا واحد یکتا ہے جو اپنا شبیہ وعدیل اور نظیر نہیں رکھتا نہ جسم ہے نہ صورت نہ جوہر ہے نہ عرض، جملہ صفات مکانیہ سے مبرا و معرا ہے بلکہ سارے اعراض وجواہر کا خالق ہے اور خلق موجودات اور ان پر فیوض نازل کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ بعض عارفین نے پروردگار کی صفات سلبیہ کو شعر میں اس طرح نظم کیا ہے ؎

نہ مرکب بود و جسم نہ جوہر نہ عرض　　　بے شریک است ومعانی تو غنی داں خالق

چونکہ ذات واجب الوجود ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ دیکھی جا سکے اور دوسری طرف مخلوقات کی ہدایت و رہنمائی بھی ضروری تھی۔ لہٰذا قوم انسانی سے معیار کے لحاظ سے کامل انبیاء ومرسلین منتخب کر کے ہر زمانہ والوں کے حالات وضروریات کے مطابق دلائل وبراہین، معجزات وبینات اور کافی ہدایات سپرد کر کے بھیجے۔ جن کی تعداد بہت اور بے شمار ہے یہ سب کے سب ان پانچوں اولو العزم پیغمبروں کے احکام کے ماتحت

نوعِ بشر کے ہادی و رہنما تھے۔ نوح شیخ الانبیاء ابراہیم خلیل الرحمٰن، موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ اور پیغمبر آخرالزمان خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا دین اور شریعت تا روزِ قیامت باقی اور برقرار ہے۔

جماعت شیعہ کا اعتقاد ہے کہ حلال محمدٍ حلال الیٰ یوم القیٰمۃ وحرامہ حرام الیٰ یوم القیٰمۃ وشریعتہ مستمرۃ الیٰ یوم القیٰمۃ (یعنی حلال محمدؐ حلال ہے روزِ قیامت تک اور حرام آں حضرت حرام ہے روزِ قیامت تک اور آپ کی شریعت باقی رہنے والی ہے روزِ قیامت تک)

خدائے تعالیٰ نے سارے نیک و بد اعمال کے لیئے ایک جزا اور سزا معین فرمائی ہے جو بہشت یا دوزخ میں بندوں کو دی جائے گی۔

اعمال کی سزا و جزا کے لیئے جو دن مقرر ہوا ہے اس کو یوم الجزاء کہتے ہیں کیونکہ دنیا کی عمر ختم ہونے کے بعد خدا اولین و آخرین میں سے تمام نیک و بد مخلوقات کو اسی بدن عنصری جسمانی کیساتھ زندہ کرکے صحرائے محشر میں جمع کرے گا اور حساب و کتاب اور جانچ پڑتال کے بعد ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

چنانچہ آسمانی کتابوں میں بالعموم اور توریت و انجیل و قرآن مجید میں بالخصوص خبر دی گئی ہے اور ہماری ثابت و محکم اور محقق سند یہی قرآن مجید ہے جو بغیر تحریف و ترمیم کے زمانہ رسولؐ سے متواتر سند کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے ہم اس کے احکام پر عامل ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ عنداللہ ماجور ہوں گے ہم ان تمام احکام واجبہ کے معتقد ہیں جو اس کتاب مقدس میں درج ہیں جیسے نماز روزہ، زکوٰۃ، خمس اور جہاد وغیرہ۔

اسی طرح جو واجبات و فروعات اور مستحبات و ہدایات رسولؐ خدا کے ذریعہ ہم کو پہنچے ہیں، ان کے معترف ہیں اور توفیقات الٰہی سے ان پر عمل کرنے کا عزم بالجزم رکھتے ہیں اور جملہ معاصی اور گناہان کبیرہ و صغیرہ سے جیسے شراب نوشی، قمار بازی، زنا، لواطہ، سود خوری قتل اور ظلم وغیرہ جن سے قرآن مجید اور احادیث و اخبار میں منع کیا گیا ہے پرہیز کرتے ہیں۔

ہم سب شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس طرح خدائی احکام و ہدایات کا ایک لانے والا ہوتا ہے جس کو خدا نے منتخب کیا ہو اور آدمیوں کے درمیان بھیجا گیا ہو اسی طرح وصی و خلیفہ اور دین کا محافظ بھی خدا کی طرف سے منتخب ہونا چاہیئے جو پیغمبرؐ کے ذریعہ اُمت میں بھیجوایا جائے چنانچہ سارے انبیاء نے خدائے تعالیٰ کے حکم سے اپنے اوصیاء کا تعارف کرایا اور پیغمبر خاتم نے بھی جو اُن سب سے زیادہ اکمل و افضل تھے فساد و اختلاف سے بچانے کے لیئے اُمت کو اس حال پر نہیں چھوڑا بلکہ سنت جاریہ کیمطابق پروردگار کے حکم سے اُمت والوں کے درمیان اپنے اوصیاء کا اعلان فرما دیا۔

رسول اکرمؐ کے ان منصوص اوصیاء کی تعداد جو خدا کی طرف سے معین ہوئے، بارہ ہے۔

و اسمہ سید الاوصیا علی ابن ابی طالب فبعدہ ابنہ حسن ثم اخوہ الحسین ثم ابنہ علی زین العابدین ثم ابنہ محمد باقر العلوم ثم ابنہ جعفر الصادق ثم ابنہ علی الرضا ثم ابنہ محمد التقی ثم ابنہ حسن العسکری ثم ابنہ محمد المھدی وھو الحجۃ القائم الذی غاب عن الانظار لاعن الامصار یملأ اللہ الارض بہ قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلما وجورا ۔ (یعنی ان میں اوّل سید الاوصیا علی ابن ابی طالبؑ دوسرے حسنؑ تیسرے حسینؑ چوتھے علی زین العابدین پانچویں محمد باقر چھٹے جعفر صادقؑ ساتویں موسیٰ کاظم آٹھویں علی رضاؑ نویں محمد تقی دسویں علی نقی گیارھویں حسنؑ عسکری اور بارھویں محمد مہدی ہیں جو حجۃ قائم ہیں آپ نگاہوں سے غائب ہیں لیکن دنیا میں موجود ہیں اور اللہ ان کے ذریعہ زمین کو اس طرح عدل و داد سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی ۔ "مترجم")

شیعہ امامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ بارہ امام برحق خدا کی جانب سے پیغمبرؐ کے ذریعہ ہم کو پہنچوائے گئے ہیں، جن میں سے بارھویں امام نے واضح اور متواتر اخبار کی بنا پر جو آپ کے علماء سے بھی بکثرت منقول ہیں، غیبت اختیار فرمائی جیسا کہ دوسرے انبیاء و اوصیاء کے زمانوں میں بھی غیبت واقع ہوتی رہی ہے ۔ اس مقدس وجود کو خدا نے رفع ظلم اور اشاعت عدل کے لیئے محفوظ رکھا ہے، یہ وہ مصلح کل ہے کہ سارے اہل عالم ایسے مصلح کے ظہور کا انتظار کر رہے ہیں ۔

خلاصہ یہ کہ جماعت شیعہ ان جملہ احکام کی جو قرآن مجید میں موجود ہیں اور ان اخبار صحیحہ کی معتقد ہے جو معتبر راویوں کے ذریعہ اہل بیت طہارت و عترت رسول اور آل حضرتؐ کے نیک سیرت اور مومن اصحاب خاص کے سلسلے سے اس کو پہنچے ہیں اوّل باب طہارت سے لے کر آخر باب دیات تک ۔ میں خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھ کو اس کی توفیق عطا فرمائی کہ ماں باپ کی تقلید میں نہیں بلکہ تحقیق و منطق اور برہان کے ذریعہ ان مقدس عقائد کا معتقد ہوں اور اس دین و مذہب پر فخر کرتا ہوں جو شخص اس دین و مذہب میں کلام رکھتا ہو یا شک و شبہ اور فریب میں مبتلا ہو تو میں خدا کی مدد سے شبہات کو دور کرنے اور حقائق کو ثابت کرنے کے لیئے حاضر ہوں (اتنے میں مؤذن کی آواز بلند ہوئی اور نماز کا وقت آ گیا ۔ نماز سے فراغت اور چائے نوشی کے بعد جناب حافظ صاحب نے سلسلۂ کلام شروع کیا) ۔

حافظ : قبلہ صاحب میں بہت ممنون ہوا کہ آپ نے شیعہ فرقوں کے حالات کی تشریح فرمائی ۔ لیکن آپ کی کتب اخبار و ادعیہ میں ایسے مطالب وارد ہوئے ہیں ۔ جو بظاہر آپ کی گفتگو کے برخلاف خاص طور پر اثنا عشری شیعوں کے کفر و الحاد کو ثابت کرتے ہیں ۔

خیر طلب: بہتر ہے کہ وہ اخبار و ادعیہ اور اشکال کے مواقع بیان فرمائیے تاکہ حق ظاہر ہو جائے۔

حدیث معرفت پر اعتراض

حافظ: میں نے بہت سی حدیثیں دیکھی ہیں لیکن جو اس وقت پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ تفسیر صافی میں جو آپ کے ایک جلیل القدر عالم اور مفسر فیض کاشی کی لکھی ہوئی ہے۔ ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت حسین شہید کربلا اپنے اصحاب کے سامنے کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ ایہا الناس ان اللّٰہ تعالیٰ جل ذکرہ ماخلق العباد الا لیعرفوہ فاذا عرفوہ عبدوہ واذا عبدوہ استغنوا بعبادتہ عن عبادۃ من سواہ قال رجل من اصحابہ بابی انت وامی یابن رسول اللّٰہ فما معرفۃ اللّٰہ قال معرفۃ اھل کل زمان امامھم الذی تجب علیھم طاعتہ۔ (یعنی اے لوگو خداوند عالم جل ذکرہ نے خلق نہیں کیا ہے بندوں کو لیکن اپنی معرفت کے لیے اور جب بندوں نے اس کو پہچان لیا تو اس کی عبادت کی اور جب اس کی عبادت کی تو اس کی عبادت کی وجہ سے اس کے ماسوا کی عبادت سے مستغنی ہو گئے آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پہ فدا ہوں اے فرزند رسول معرفت الٰہی کی حقیقت کیا ہے؛ فرمایا ہر زمانے والوں کا اپنے اس امام کو پہچاننا جس کی اطاعت ان پر فرض ہے۔

اعتراض کا جواب

خیر طلب: سب سے پہلے تو حدیث کے سلسلۂ اسناد کی طرف توجہ کرنا چاہیئے کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا موثق و معتبر، حسن ہے یا ضعیف، قابل توجہ ہے یا مردود؛ اگر فرض کر لیا جائے کہ صحیح ہے تو توحید کے بارے میں آیات قرآن مجید اور آل اطہار و ائمۂ ہدیٰ علیہم السلام کے سلسلے میں احادیث متواترہ کے نصوص صریحہ کو خبر واحد کی وجہ سے اپنے کھلے ہوئے مطالب سے پھیرا نہیں جا سکتا۔

آپ توحید کے بارے میں ان سارے اخبار و احادیث، ائمۂ دین کے ارشادات اور ان مناظروں کو جو ہمارے بزرگان دین اور آئمۂ اثنا عشر نے مناسب موقعوں پر مادیین اور دہریین سے فرمائے ہیں اور خالص توحید کو ثابت فرمایا ہے کیوں نہیں دیکھتے اور ان پر توجہ کیوں نہیں فرماتے ورآنحالیکہ شیعوں کی تمام خاص خاص

تفسیریں اور کتب اخبار جیسے توحید مفضل و توحید صدوق اور بحار الانوار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی کتاب توحید اور دیگر بڑے بڑے علمائے شیعہ امامیہ کی کتب توحید یہ اہل بیت طاہرین کی متواتر حدیثوں سے چھلک رہی ہیں۔

آپ چوتھی صدی ہجری کے مفاخر علمائے شیعہ میں سے ابو عبداللہ محمد بن نعمان معروف بہ "مفید" متوفی ۴۱۳ھ کا رسالہ "النکت الاعتقادیہ" اور انہیں بزرگوار کی تالیف "اوائل المقالات فی المذاھب والمختارات" کا مطالعہ کیوں نہیں فرماتے نیز ہمارے شیخ اجل ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب الطبرسی کی کتاب "احتجاج" کی طرف کیوں رجوع نہیں کرتے تاکہ آپ کو یہ پتہ چلے کہ امام برحق حضرت امام رضا علیہ السلام نے مخالفین و منکرین توحید کے مقابلے میں کس طرح خالص توحید کو ثابت فرمایا ہے نہ کہ آپ اسی فکر میں پڑے ہوئے ہیں کہ کچھ واحد و متشابہ خبریں ڈھونڈھ کر نکالیں اور انہیں کا سہارا لے کر شیعوں پر لعن طعن کریں۔

کیا خوب کہتا ہے شاعر عرب ؎

ابتصر فی العین منی القذی   وفی عینک الجذع لاتبصر

(یعنی آیا میری آنکھ کا تنکا ڈھونڈھتے ہو اور اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دیکھتے؟ کنایہ یہ ہے کہ میرا چھوٹا عیب دیکھتے ہو اور اپنا بڑا عیب نظر نہیں آتا)، یہ مثل اس لیئے پیش کر رہا ہوں کہ آپ اپنی کتابوں پر غور نہیں فرماتے تاکہ ان کے اندر ایسے خرافات و موہومات بلکہ کفریات نظر آئیں۔ یضحک بہ الثکلی (یعنی جس پر پسر مردہ عورت بھی ہنس دے ۱۲ مترجم) اور پھر شرم کی وجہ سے سر نہ اٹھائیں یہاں تک کہ آپ کی معتبر صحاح کے اندر بھی اس قدر مضحکہ خیز روائیتیں منقول ہیں کہ عقل مبہوت اور حیران ہو جاتی ہے۔

حافظ: مضحکہ خیز دراصل آپ کے الفاظ ہیں کہ ایسی کتابوں پر عیب لگا رہے ہیں جو عظمت و بزرگی میں اپنا جواب نہیں رکھتی ہیں۔ خصوصیت کیساتھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم جن کے بارے میں عام طور سے ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ ان کے اندر جتنی حدیثیں درج ہیں وہ سب قطعی طور پر صحیح ہیں۔ اور اگر کوئی شخص ان دونوں کتابوں کا اور ان کے اندر مندرجہ اخبار کا انکار کرے اور ان کو غلط بتلائے تو در حقیقت اس نے اصل مذہب سنت و جماعت کا انکار کیا کیونکہ قرآن مجید کے بعد اہل سنت کے اعتبار کا دار و مدار انہیں دونوں بزرگ کتابوں پر ہے جیسا کہ اگر آپ کی نظر سے گزرا ہو تو ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ کے شروع میں لکھا ہے۔ الفصل فی بیان کیفیتھا ای کیفیۃ خلافۃ ابی بکر، روی الشیخان البخاری ومسلم فی صحیحیھا اللذین ھما اصح الکتب بعد القرآن باجماع من یعتد بہ (فصل اس کی کیفیت کے بیان میں (یعنی کیفیت خلافت ابی بکر) شیخین یعنی بخاری و مسلم نے اپنی صحیحین میں جو باجماع امت قرآن کے بعد تمام کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح ہیں کیونکہ امت نے ان کی قبولیت پر اجماع کیا۔

ہے اور جس چیز پر اُمت کا اجماع ہو وہ قطعی ہے لہذا صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں جتنی حدیثیں درج کی ہیں وہ قطعی طور پر صادر ہوئی ہیں، لہذا کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کیونکر سکتا ہے کہ ان دونوں کتابوں میں کفریات اور خرافات وموہومات موجود ہیں؟

صحیحین بخاری ومسلم میں خلافِ عقل روایتیں

خیر طلب: اوّل تو آپ کے بیان میں اس جملے پر کہ یہ دونوں کتابیں ساری اُمت کی نظر میں قابل قبول ہیں، علمی اعتراضات قائم ہیں اور ابن حجر کے حوالہ سے آپ کا یہ دعویٰ دس کروڑ صاحبان علم وعمل مسلمانوں کے نزدیک علمی عملی اور منطقی طور سے بالکل بے وقعت ہے لہذا اس موقع پر امت کا اجماع ویسا ہی اجماع ہے جس کے آپ صدر اسلام میں امر خلافت کے لیئے قائل ہیں۔

دوسرے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں دلیل وبرہان کے ساتھ ہے۔ آپ حضرات بھی اگر خوش عقیدگی کی آنکھ سے نہیں بلکہ حقیقت بیں نگاہ سے ان کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں تو جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہی آپ کو بھی نظر آئے گا اور ہمارے اور سارے اہل عقل کی طرح ان کے مندرجات سے متحیر ومتبسم ہوں گے۔ جیسا کہ آپ کے بہت سے اکابر علماء جیسے دار قطنی وابن حزم اور شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی ارشاد الساری میں علامہ ابو الفضل جعفر بن ثعلب شافعی کتاب الامتاع فی احکام السماع میں شیخ عبدالقادر بن محمد قریشی حنفی جواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ میں شیخ الاسلام ابو زکریائے نووی شرح صحیح میں، شمس الدین علقمی کوکب منیر شرح جامع الصغیر میں اور ابن القیم زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں بلکہ سارے حنفی علماء اور دوسرے سنی اکابر صحیحین کی بعض احادیث پر تنقید اور نکتہ چینی کر چکے ہیں۔ اور اعتراف کرتے ہیں کہ صحیحین کے اندر بہت سی ضعیف اور غیر صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ چونکہ بخاری اور مسلم کا مطمح نظر حدیثوں کو جمع کرنا تھا نہ کہ ان کی صحت پر غور وخوض کرنا۔ آپ کے بعض محقق علماء جیسے کمال الدین جعفر بن ثعلب نے صحیحین کی روایتوں کے فضائح وقبائح بیان کرنے اور ان کے مثالب ومعائب ظاہر کرنے میں سعی بلیغ کی ہے۔ اور اس بارے میں روشن وآشکار دلائل وبراہین قائم کیئے ہیں۔

لہذا تنہا ہم ہی مطالب کی تحقیق نہیں کرتے ہیں کہ آپ کے نشانۂ ملامت بنیں بلکہ آپ کے اکابر علماء نے بھی جو حقیقتوں کی جانچ کرتے ہیں، اسی طرح کے بیانات دیئے ہیں۔

حافظ: بہتر ہے کہ اپنے دلائل وبراہین حاضرین جلسہ کے سامنے بیان کیجئے تاکہ صحیح فیصلہ کر سکیں۔

نمبر طلب یہ اگرچہ اس وقت ہماری بحث کا موضوع یہ نہیں تھا اور اگر میں اس بحث میں پڑنا چاہوں تو آپ کے سوال کا سلسلہ چھوڑنا پڑے گا لیکن مقصد ثابت کرنے کے لیے مختصر طور پر چند نمونوں کی طرف اشارہ کیے دیتا ہوں۔

رویت باری تعالیٰ کے بارے میں اہل سنّت کی چند روایتیں

اگر آپ حلول و اتحاد کے کفر آمیز روایات اور خدائے تعالیٰ کی جسمانیت اور رویت کا عقیدہ کہ وہ باختلاف عقائد، دنیا میں دیکھا جاتا ہے۔ یا آخرت میں دیکھا جائے گا۔ (جیسا کہ حنبلی اور اشعری سنیوں کا ایک گروہ اس کا قائل ہے۔) مطالعہ کرنا چاہیں تو اپنی معتبر کتابوں کی طرف رجوع کیجیے۔ خصوصاً صحیح بخاری جلد اوّل باب فضل السجود من کتاب الاذان صـ۱۰۱۔ صحیح مسلم جلد اوّل باب اثبات الرویۃ المومنین ربہم فی الاخرہ صـ۸۶ اور مسند امام احمد بن حنبل جلد دوم صـ۱۷۵ پر آپ کو کافی ذخیرہ ملے گا۔ میں نمونے کے طور پر انہیں ابواب میں سے دو روایتیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ۔ ان النار تزفر وتتغیظ تغیظا شدیدا فلا تسکن حتی یضع الرب قدمہ فیھا فتقول قط قط حسبی حسبی۔ (یعنی جہنم کے شعلوں کی آواز اور جوش و خروش بڑھتا جاتا ہے اور اس میں سکون نہ ہوگا یہاں تک کہ خدا اس میں اپنا پاؤں ڈال دے گا۔ تو جہنم کہے گا بس بس میرے لیے کافی ہے۔ میرے لیے کافی ہے۔

نیز ابو ہریرہ نے روایت کی ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت نے رسول اللہؐ سے سوال کیا ھل نری ربنا یوم القیمۃ قال نعم ھل تضارون فی رویۃ الشمس بالظھیرۃ صحوا لیس معھا سحاب قالوا لا یا رسول اللہ وھل تضارون فی رویۃ القمر لیلۃ البدر صحوا لیس فیھا سحاب قالوا لا یا رسول اللہ قال ما تضارون فی رویۃ اللہ یوم القیمۃ الا کما تضارون فی رویۃ احدھما اذا کان یوم القیمۃ اذن موذن لیتبع کل امۃ ما کانت تعبد فلا یبقی احد کان یعبد غیر اللہ من الاصنام والانصاب الا یتساقطون فی النار حتی اذا لم یبق الا من کان یعبد اللہ من بر وفاجر اتاھم رب العلمین فی ادنی صورۃ من التی راوہ فیھا فیقول انا ربکم فیقولون نعوذ باللہ منک لا نشرک باللہ شیئا بینکم وبینہ ایۃ فتعرفونہ بھا فیقولون نعم فیکشف اللہ عن ساق ثم یرفعون رؤسھم وقد تحول فی صورۃ التی راوہ فیھا اول مرۃ فقال انا ربکم فیقولون انت ربنا۔ (یعنی کیا ہم لوگ قیامت کے روز اپنے پروردگار کو دیکھیں گے۔ فرمایا ہاں کیا ظہر کے وقت جس روز آسمان پر ابر نہ

ہو آفتاب کو دیکھنے سے تم کو کوئی نقصان پہنچتا ہے ؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں، فرمایا جن راتوں میں آسمان پہ بادل نہ ہو کیا ماہ کامل کو دیکھنے سے تمہارا کوئی ضرر ہوتا ہے ؟ عرض کیا نہیں فرمایا تو قیامت کے دن اللہ کو دیکھنے سے بھی تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ جیسا کہ ان دونوں کو دیکھنے سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوتا جب قیامت کا دن ہوگا تو خدا کی طرف سے اعلان ہوگا کہ ہر گروہ اپنے معبود کی پیروی کرے پس اللہ کے سوا بتوں کی پرستش کرنے والا کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے گا جو جہنم میں نہ جھونک دیا جائے، یہاں تک کہ نیک و بد لوگوں میں سے سوا ان افراد کے جنہوں نے اللہ کی پرستش کی ہوگی اور کوئی جہنم سے باہر باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت پروردگار عالمین ایک خاص صورت میں ان کے پاس آئے گا کہ وہ سب اس کو دیکھیں پھر فرمائے گا کہ میں تمہارا خدا ہوں۔ مومنین عرض کریں گے کہ ہم تیری خدائی سے خدا کی طرف پناہ چاہتے ہیں ہم وہ لوگ نہیں ہیں جو خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کریں۔ خدا کہے گا کہ آیا تمہارے اور خدا کے درمیان کوئی ایسی نشانی ہے جس کو دیکھ کر تم اسے پہچان لو؟ وہ کہیں گے ہاں! اس وقت اللہ اپنے پاؤں کی پنڈلی کھول دے گا۔ (یعنی اپنے پاؤں کو عریاں کر کے نشان دہی کرے گا۔) اور مومنین اپنے سر اٹھائیں گے تو اللہ کو اسی صورت میں دیکھیں گے جس میں پہلی بار دیکھا تھا۔ پھر وہ کہے گا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں اور وہ سب بھی اقرار کریں گے۔ کہ تو ہمارا خدا ہو۔

آپ کو خدا کا واسطہ انصاف کیجئے کیا اس طرح کی باتیں کفر انگیز نہیں ہیں کہ خدا اپنے کو مجسم اور عنصری صورت میں انسان کے سامنے پیش کرے اور اپنی پنڈلی کھولے؟ ہماری گفتگو کے ثبوت میں سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مسلم ابن حجاج نے اپنی صحیح میں رویت باری تعالیٰ کے اثبات میں ایسے باب کا افتتاح کیا ہے۔ اور ابوہریرہ، زید بن اسلم اور سوید ابن سعید وغیرہ سے ایسی گھڑی ہوئی روائیتیں نقل کی ہیں کہ آپ کے بڑے بڑے علماء جیسے ذہبی نے میزان الاعتدال میں سیوطی نے کتاب اللئالی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ میں۔ اور سبط ابن جوزی نے الموضوعات میں ان کے وضعی ہونے کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ اگر ان لوگوں کے روایات کو باطل ثابت کرنے والی دلیلیں نہ بھی ہوتیں، تو قرآن مجید کی بکثرت آئیتیں صریحی طور پر رویت کی نفی کر چکی ہیں۔ مثلاً سورہ ۶ (انعام) آیت ۱۰۳ میں ارشاد ہے لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر (یعنی اس کو کوئی آنکھ درک نہیں کرتی ہے۔ اور وہ سب آنکھوں کا مشاہدہ فرماتا ہے اور وہ لطیف و غیر مرئی اور ہر چیز سے آگاہ ہے) نیز سورہ ۷ (اعراف) آیت ۱۳۹ میں قصہ موسیٰ و بنی اسرائیل کے سلسلے میں نقل فرماتا ہے کہ جس وقت بنی اسرائیل کے دباؤ سے مجبور ہو کر حضرت موسیٰ نے مقام مناجات میں عرض کیا رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی (یعنی خداوندا اپنے کو میرے سامنے ظاہر فرما دے تاکہ میں تجھ کو مشاہدہ کروں۔ تو خدا نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم مجھ کو ہرگز ابد تک نہیں دیکھو گے۔

سیّد عبدالحی:۔ (امام جماعت اہل تسنن)، کیا مولا علی کرم اللہ وجہ سے منقول نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا لم اعبد ربًا لم اره یعنی میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کرتا ہوں جس کو دیکھا نہ ہو، لہذا معلوم ہوتا ہے کہ خدا دیکھنے کے قابل ہے۔ کہ علی ایسا فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کے عدم رویت پر دلائل و اخبار

خیر طلب:۔ جناب نے حدیث کے صرف ایک جملہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ میں آپ حضرات کی اجازت سے پوری حدیث پڑھ رہا ہوں جس سے آپ کو خود ہی اپنا جواب معلوم ہو جائے گا۔ اس حدیث کو شیخ بزرگ ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے اصول کافی کتاب توحید باب ابطال الرویہ میں اور شیخ بزرگوار صدوق ابوجعفر محمد بن علی ابن الحسین بن موسیٰ بابویہ قمی نے اپنی کتاب توحید باب ابطال رویۃ اللہ میں امام بحق ناطق حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے اس طرح نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جاء حبر الی امیر المومنین فقال یا امیر المومنین هل رایت ربک حین عبدته؟ فقال ما کنت اعبد ربا لم اره۔ قال وکیف رایته؟ قال لا تدرکه العیون فی مشاهدة الابصار و لکن رأته القلوب بحقائق الایمان ۔ (یعنی ایک (یہودی) عالم نے امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یا امیر المومنین آیا عبادت کے وقت آپ نے خدا کو دیکھا ہے؟ حضرت نے فرمایا میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کرتا جس کو دیکھا نہ ہو۔ اس نے عرض کیا آپ نے اس کو کیونکر دیکھا؟ فرمایا اس کو یہ ظاہری اور مادی آنکھیں نہیں دیکھتی ہیں بلکہ دل اس کو حقائق ایمان کے نور سے دیکھتے ہیں) چنانچہ حضرت امیر المومنین کے اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ عنصری اور جسمانی آنکھ سے نہیں بلکہ ایمان قلبی کے نور سے دیکھنا مراد ہے اور یہی مطلب خود کلمہ "لن" سے ظاہر ہے کیونکہ جیسا آپ کو معلوم ہے "لن" نفی ابد کے لیئے استعمال ہوتا ہے اور اس آیۂ شریفہ میں تاکید ہے۔ آیۂ لا تدرکه الابصار کے ساتھ یعنی خدا ہرگز دنیا و آخرت میں کسی صورت سے دیکھا نہیں جاتا۔

اس مقصد پر اتنے عقلی اور نقلی دلائل و براہین قائم ہیں کہ علاوہ علمائے محققین اور مفسرین شیعہ کے خود آپ کے اکابر علماء جیسے قاضی بیضاوی اور جار اللہ زمخشری نے اپنی تفسیر میں ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال عقلی ہے۔

اور جو شخص کیا دنیا اور کیا آخرت میں خدا کی رویت کا معتقد ہوا اس نے قطعاً خدا کو اپنی نظر میں محدود قرار دیا اور

اس کی ذات بابرکات کے لیئے جسمانیت کا قائل ہوا کیونکہ جب تک جسم عنصری نہ ہو ظاہری اور عنصری آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا اور اس طرح کا عقیدہ قطعی کفر ہے جیسا کہ ہمارے اور آپ کے بڑے بڑے علماء نے اپنی تفسیروں اور علمی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ لیکن چونکہ اس وقت یہ ہماری بحث کا موضوع نہیں لہذا بطور ثبوت چند جملے عرض کر دیئے گئے ہیں۔

البتہ ان ڈھیروں خرافات وموہومات کے سلسلے میں جو آپ کی معتبر کتابوں میں درج ہیں۔ میں نمونے کے طور پر دو روایتوں کا خلاصہ نقل کرتا ہوں تاکہ آپ حضرات بعض واحد خبروں کے ذریعہ جو تشریح وتاویل کے قابل ہیں، شیعوں کی کتابوں سے ایراد نہ فرمائیں۔

آپ کا خیال یہ ہے کہ صحاح ستہ اور بالخصوص صحیح بخاری اور صحیح مسلم کتاب وحی کے مانند ہیں لیکن میں التماس کرتا ہوں کہ آپ حضرات تھوڑی دیر کے لیئے تعصب سے ہٹ کر نگاہ انصاف سے ان کی احادیث وروایات پر غور فرمائیں تاکہ اس قدر غلو کی نوبت نہ آئے۔

خرافاتِ صحیحین کی طرف اشارہ

بخاری نے اپنی صحیح کتاب غسل باب من اغتسل عریانا میں مسلم نے اپنی صحیح جزء دوم باب فضائل موسیٰ میں، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند جزء دوم ص۳۱۵ میں اور آپ کے دوسرے علماء نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے درمیان یہ رسم تھی کہ سب لوگ مل کر برہنہ پانی میں جاتے تھے اور اس حالت سے نہاتے تھے کہ آپس میں ایک دوسرے کی شرمگاہ کی طرف بھی نظر کرتے تھے یہ عمل ان کے یہاں معیوب نہ تھا البتہ ان میں صرف حضرت موسیٰ تن تنہا پانی میں اترتے تھے تاکہ کوئی شخص ان کی شرمگاہ نہ دیکھے۔ بنی اسرائیل کہتے تھے کہ موسیٰ اس وجہ سے اکیلے نہانے کے لیئے جاتے ہیں اور ہم لوگوں سے علیحدہ رہتے ہیں کہ ان کے اندر نقص ہے اور قطعی وہ فتق[1] کے عارضے میں مبتلا ہیں۔ لہذا یہ نہیں چاہتے کہ ہم لوگ ان کو دیکھیں۔ ایک روز حضرت موسیٰ غسل کرنے کے لیئے دریا کے کنارے گئے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے اور پانی میں اُتر گئے فقر الحجر بثوبہ فجمع موسیٰ باثرہ یقول ثوبی حجر ثوبی حجر حتی نظر بنو اسرائیل الی سواۃ موسیٰ فقالوا واللہ ما بموسیٰ من باس فقام الحجر بعد حتی نظر فاخذ موسیٰ ثوبہ فطفق بالحجر ضربا فواللہ ان بالحجر ندبا ستۃ او سبعۃ (یعنی پتھر موسیٰ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ موسیٰ اس کے پیچھے جھپٹے اور یہ کہتے جا رہے تھے اے پتھر میرے کپڑے، اے پتھر میرے کپڑے (یعنی میرا لباس کہاں لیئے بھاگا جاتا ہے) وہ پتھر اتنا بھاگا اور موسیٰ اس قدر برہنہ دوڑے کہ بنی اسرائیل نے ان کی شرمگاہ دیکھ لی اور کہا خدا کی

---

[1] فتق: خصیہ بڑا ہونے کی بیماری، ہرنیا — اعجاز

قسم موسیٰ کے اندر کوئی عیب نہیں ہے (یعنی فتق نہیں ہے اس کے بعد پتھر کھڑا ہوگیا۔ اور جناب موسیٰ نے اپنے کپڑے لے لیئے پھر کوڑے سے اس کو اتنا مارا کہ خدا کی قسم وہ چھ یا سات مرتبہ چیخ چیخ کے رو دیا)۔

آپ کو خدا کی قسم ذرا انصاف کیجئے کہ اگر اسی طرح کا کوئی عمل آپ حضرات میں سے کسی کیساتھ پیش آئے تو کس قدر ذلت کی بات ہے کہ آپ لوگوں کے درمیان اس طرح سے برہنہ اپنے لباس کے پیچھے دوڑیں کہ سب آپ کی شرمگاہ دیکھ لیں ۔فرض کیجئے کہ اگر ایسا اتفاق پیش بھی آجائے تو آدمی کہیں کنارے بیٹھ جاتا ہے تاکہ لوگ جاکر اس کا لباس لے آئیں نہ یہ کہ بغیر کسی ستر پوشی کے آدمیوں کے بیچ میں گھس پڑے تاکہ سب اس کی شرمگاہ دیکھیں۔

آیا عقل باور کرتی ہے کہ موسیٰ کلیم اللہ ایسے انسان سے ایسی حرکت سرزد ہوئی ہو۔کیا یقین آتا ہے کہ بے جان پتھر حرکت کرے اور موسیٰ کے کپڑے لے بھاگے ؟

سیّد عبدالحی: آیا پتھر کی حرکت زیادہ اہم ہے یا عصا کا اژدہا ہو جانا ؟ پتھر کی حرکت بڑی چیز ہے۔ یا وہ نو معجزے جن کی خدا خبر دے رہا ہے۔

خیر طلب: مثل مشہور ہے "خوب ورد ہی آموختہ اید، یک سوراخ دعا گم کردہ اید" (یعنی آپ نے ورد خوب سیکھا ہے لیکن دعا کا سوراخ کھو دیا ہے) جناب محترم! میں معجزات انبیاء کا منکر نہیں ہوں بلکہ قرآن مجید کے حکم سے معجزات اور خرق عادات پر ایمان رکھتا ہوں لیکن آپ تصدیق کریں گے کہ معجزات اور خرق عادات کا ظہور مقام تحدی پر ہوتا ہے تاکہ اس مظاہرہ عمل کے مقابلہ میں فریق مخالف کو عاجز اور حق کو ظاہر کر دیا جائے تو اس عمل میں کون سی تحدی کا یا حق کا ظہور تھا۔ سوا اس کے کہ رسوائی کا سامنا ہوا اور خدا کے رسول کی شرمگاہ خلقت کے درمیان عریاں ہوئی۔

سیّد عبدالحی: اس سے بڑھ کر کون سا حق تھا کہ حضرت موسیٰ کی صفائی پیش کی جائے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ آپ کو فتق نہیں ہے۔

خیر طلب: فرض کر لیا جائے کہ جناب موسیٰ کو فتق ہی تھا تو اس سے آپ کے منصب نبوت کو کیا نقصان پہنچ رہا تھا۔ پیغمبروں کے لیئے جو چیز عیب ہے وہ ذاتی نقائص ہیں۔ جیسے اندھا، بہرہ، بھینگا، چھ انگلیوں والا، چار آنکھوں والا، فحش گو، مفلوج یا مادر زاد شل ہونا وغیرہ ورنہ جسمانی نقائص جو عوارض کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں جیسے کثرت گریہ کے نتیجے میں حضرت یعقوب اور حضرت شعیب کا نابینا ہو جانا، حضرت ایوب کے جسم پر زخم، جنگ احد میں حضرت خاتم الانبیاء کے سرو دنداں کی شکستگی اور اسی طرح کی دوسری چیزیں منصب نبوت کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتی ہیں۔

فتق بھی ایک جسمانی مرض ہے جو بعد کو عارض ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں کون سی اہمیت تھی کہ کسی ایسے معجزے

اور خرق عادات کے ذریعہ اس سے برأت ثابت کی جائے جو پیغمبر کی ہتک حرمت اور کشف عورت تک منجر ہو تاکہ بنی اسرائیل ان کی شرم گاہ پر نظر کریں۔

آیا ایسی روایت خرافات و موہومات میں سے نہیں کہ جناب موسیٰ بغیر ساتر عورتین کے لباس کے پیچھے دوڑیں، اس قدر غصہ میں بھر جائیں اور پتھر کو اس طرح سے ماریں کہ وہ چھ یا سات مرتبہ فریاد کرے؟ کتنے تعجب کی بات ہے کہ پیغمبر خدا کو اتنا بھی نہ معلوم ہو کہ پتھر چونکہ کان و تاثر کی حس نہیں رکھتا ہے کہ اس کو زدوکوب کریں اور جماد سے نالہ بلند کرائیں:

نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔

ملک الموت کے چہرے پر موسیٰؑ کا تھپڑ مارنا

اس خیال سے کہ جناب مولوی سید عبد الحی ابوہریرہ یا بخاری اور مسلم کی طرف سے جنہوں نے اس طرح کی گھڑی ہوئی مہمل روایتیں نقل کی ہیں، دفاع اور صفائی کی کوشش نہ فرمائیں۔ ایک اس سے زیادہ مضحکہ خیز روایت کی طرف اشارہ کرتا ہوں تاکہ آپ حضرات یقین کر لیں کہ صحاح کے بارے میں جس طرح غلو کیا گیا ہے وہ ایسی ہیں نہیں۔

بخاری نے اپنی صحیح جلد اوّل ص۱۵۸ اور جلد دوم ص۱۶۳ پر ایک تو باب من احب الدفن فی الارض المقدسۃ من ابواب الجنائز میں اور دوسرے باب وفات موسیٰ جلد دوم میں (اپنے عقیدے کے مطابق) صحیح اسناد کے ساتھ ابوہریرہ سے نیز مسلم نے اپنی صحیح جلد دوم ص۳۰۹ ابوہریرہ سے ایک عجیب مہمل خبر نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا جاء ملک الموت الی موسیٰ علیہما السلام فقال لہ اجب ربک، قال ابوھریرۃ: فلطم موسیٰ عین ملک الموت ففقاھا، فرجع الملک الی اللہ تعالیٰ فقال انک ارسلتنی الی عبد لک لا یرید الموت ففقأ عینی، قال فرد اللہ الیہ عینہ وقال ارجع الی عبدی فقل الحیاۃ ترید فان کنت ترید الحیوٰۃ فضع یدک علی متن ثور فما توارت بیدک من شعرۃ فانک تعیش بھا سنۃ۔ (یعنی ملک الموت موسیٰ کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے پروردگار کی دعوت قبول کیجیے! اس پر حضرت موسےٰ نے ان کی آنکھ پر ایسا تھپڑ لگایا کہ ان کی آنکھ پھوٹ ہی گئی اور وہ کانے ہو گئے۔ چنانچہ ملک الموت خدا کے پاس واپس گئے اور کہا کہ تو نے مجھ کو اپنے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا ہی نہیں چاہتا اور میری آنکھ الگ پھوڑ دی۔ خدا نے ان کی آنکھ پھر پلٹا دی اور فرمایا کہ میرے بندے کے پاس واپس جاؤ اور کہو کہ اگر زندگی چاہتے ہو تو بیل کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھو جتنے بال تمہارے ہاتھ میں آجائیں گے ہر بال کے عوض ایک سال زندہ رہو گے۔)

اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند جلد دوم ص۳۱۵ میں اور محمد ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ کی جلد اول مذکرہ وفات حضرت موسیٰ کے ضمن میں ابو ہریرہ سے یہی روایت اتنی زیادتی کے ساتھ نقل کی ہے کہ زمانہ حضرت موسیٰ تک ملک الموت بندوں کی روح قبض کرنے کے لیئے ظاہر بظاہر اور کھلم کھلا آتے تھے لیکن جب سے موسیٰ نے ان کے چہرے پر تھپڑ مارا اور ان کی ایک آنکھ پھوٹ گئی اس کے بعد سے پوشیدہ اور چھپ کر کے آنے لگے (غالباً اس خوف سے کہ جاہل لوگ کہیں ان کی دونوں آنکھیں نہ پھوڑ دیں) اس پر مجمع کے اندر بہت سے لوگ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

اب میں آپ حضرات سے انصاف چاہتا ہوں کہ کیا یہ روایت خرافات اور موہومات میں سے نہیں ہے جس کو سُن کر آپ ہنس رہے ہیں. مجھ کو تو ایسی خبر کے لکھنے والوں اور نقل کرنے والوں پر تعجب ہوتا ہے جنہوں نے بغیر سوچے سمجھے ان بیہودہ اور موہوم مطالب کو سپرد قلم کیا ہے۔

انصاف موجب معرفت اور سبب سعادت ہے

آیا کسی صاحب عقل کی عقل یہ قبول کرتی ہے کہ موسیٰ کلیم اللہ جیسا کوئی اولوالعزم پیغمبر معاذ اللہ اس قدر بے معرفت اور بدمزاج ہو کر حکم خدا کی اطاعت کے بدلے اس کے قاصد کو اتنا زور دار تھپڑ لگائے کہ اس کی آنکھ ہی جاتی رہے!

خدا کے لیئے بتایئے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جناب حافظ صاحب کو ایک بزرگ شخص نے مہمانی کی دعوت دی اور انہوں نے بجائے دعوت قبول کرنے کے پیغام لانے والے کو تھپڑ مار کے اس کی آنکھ پھوڑ ڈالی تو کیا آپ کو ہنسی نہیں آئیگی اور حافظ صاحب یہ نہیں فرمائیں گے کہ ایسا کہنا میری توہین ہے کیونکہ تحصیل علم اور تزکیہ نفس میں ایک عمر صرف کر دینے کے بعد کیا میرے اندر اتنا سمجھنے کی صلاحیت بھی پیدا نہیں ہوئی کہ پیغام لانے والے کی کوئی خطا نہیں ہوتی! بلکہ اُس نے تو میرا احترام کرتے ہوئے ایک بزرگ شخصیت کی طرف سے دعوت نامہ پیش کیا۔ جب کسی کمینے جاہل اور سنگدل انسان سے بھی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوتی تو اولوالعزم پیغمبر کلیم اللہ نے جو معرفت الٰہی میں کہیں اعلیٰ و اعلیٰ تھے کیونکر ممکن ہے کہ خدا کے پیغام طلب کو ناقابل توجہ سمجھیں بلکہ پیغام لانے والے فرشتے کو جس کی سوا اپنا فرض ادا کرنے کے اور کوئی خطا نہ تھی، تھپڑ ماریں اور کانا بنائیں۔

پیغمبروں کو مبعوث کرنے کا مقصد تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کی ہدایت کریں اور ان کو حیوانی حرکتوں سے باز رکھیں تاکہ وہ نفس بہیمی کے قابو میں نہ آجائیں اور ان سے درندگی کے آثار ظاہر نہ ہوں. ظلم و تعدی تو جانوروں پر ایک جاہل اور بیوقوف آدمی کی طرف سے بھی بری چیز ہے. نہ کہ اولوالعزم پیغمبر کی طرف سے ایک ملک مقرب پر جو خدا

کا فرستادہ اور پیام لانے والا ہو۔

ہر سننے والا سمجھ لے گا کہ ایسی روایت سراسر جھوٹ اور بہتان ہے اور علاوہ منصب نبوت کے عدم معرفت اور اہانت کے بابا انبیاء عظام کو سارے انسانوں کی نظروں میں حقیر و ذلیل بنانے کے قطعاً اس کے گھڑنے والوں کی اور کوئی غرض نہ تھی۔

میں ابوہریرہ کے ایسے لوگوں سے تعجب نہیں کرتا ہوں کیونکہ یہ وہ آدمی تھے جن کے متعلق خود آپ کے علماء نے لکھا ہے کہ معاویہ کے روغنی اور لذیذ دسترخوان سے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے حدیثیں کرتے تھے اور خلیفہ عمر نے اسی طرز عمل پر ان کو ایسا تازیانہ لگایا کہ پیٹھ لہولہان ہوگئی لیکن مجھ کو حیرت تو ان اشخاص پر ہے جو علم و دانش کی بلند منزل پر فائز تھے۔ کہ انہوں نے بغیر سوچے سمجھے کیونکر اس طرح کی بے تکی روائیتیں اپنی کتابوں میں درج کردیں۔ اور پھر جناب حافظ صاحب کے ایسے دوسرے علماء نے ان کتابوں کو کلام خدا کے قدم بہ قدم قرار دیدیا اور بغیر غور و مطالعہ کے کہتے ہیں۔ هما اصح الكتب بعد القرآن (یہ دونوں یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم قرآن کے بعد ساری کتابوں سے زیادہ صحیح ہیں ۱۲ مترجم) لہٰذا جب آپ کی سب سے اونچی کتابوں میں ایسی مہمل روائیتیں درج ہیں تو آپ کو شیعوں کی کتابوں اور ان اخبار کے متعلق جو ان میں درج ہیں، اور زیادہ تر توجیہ و تاویل کے قابل ہیں زبان اعتراض کھولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

میں معذرت کرتا ہوں کہ ضمنی باتوں میں کافی وقت لگ گیا کیونکہ الکلام یجر الکلام بات میں بات نکلتی ہے ۱۲ مترجم)
اب پھر اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں، جو حدیث آپ نے نقل کی ہے۔ اس کے بارے میں بحث کرتا ہوں۔ اور دیکھتا ہوں کہ آیا یہ خبر قابل حل ہے یا نہیں۔ بدیہی بات یہ ہے کہ اگر کوئی نیک اور منصف مزاج عالم اس طرح کی واحد و مبہم حدیثوں کو دیکھتا ہے (جو ہماری آپ کی کتابوں میں بکثرت ہیں) تو ہزاروں صحیح السند اور صریح خبروں کے پیش نظر اگر یہ قابل اصلاح ہیں، تو اصلاح کر دیتا ہے۔ ورنہ رد کر دیتا ہے۔ یا کم از کم خاموشی ہی اختیار کر لیتا ہے نہ یہ کہ ان کو تکفیر کا حربہ بنا کر اپنے دینی بھائیوں پہ حملہ کرے۔

اب اس حدیث کے بارے میں بھی چونکہ یہاں تفسیر صافی موجود نہیں ہے ہم اس کے سلسلۂ اسناد سے بھی واقف نہیں ہیں، نہ یہ معلوم ہے کہ مولف نے اس کو کس مقام پر اور کس صورت سے نقل کیا ہے۔ اور آیا خود اس کے اوپر کوئی نوٹ دیا ہے یا نہیں لہٰذا ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ قابل اصلاح ہے یا نہیں ہیں تو اپنی کمزور عقل کے مطابق اس حدیث کے لیئے یہی سمجھ رہا ہوں کہ ان حضرات کا ارشاد یا تو متکلمین کے درمیان اس مشہور قاعدے پر محمول ہے کہ معلول کا پورا علم گویا علت کا پورا علم ہے۔ یعنی جب امام کو بحیثیت امام پہچان لیا گیا۔ تو یقیناً خدا کو بھی پہچان لیا۔

یا مبالغے پر محمول ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ جو شخص وزیر اعظم کو پہچان لے گویا اس نے بادشاہ کو پہچان لیا۔ اور اس مبالغے کے لیئے ایک قرینہ سورۂ توحید وغیرہ قرآنی آیات اور وہ اخبار کثیرہ ہیں۔ جو خود حضرت امام حسینؑ اور دوسرے آئمۂ معصومین علیہم السّلام سے خالص توحید کے اثبات میں مروی ہیں لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ امام کی معرفت ان جلیل القدر عبادتوں میں سے ہے جو جن وانس کی غرض خلقت ہیں اور آئمۂ معصومین علیہم السّلام سے ماثور زیارت جامعہ میں محال معرفۃ اللّٰہ کے یہی معنی ہیں۔

ہم ایک دوسرے طریقے سے بھی اس کے معنی بیان کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ محققین نے اس طرح کے امور میں مطلب بیان کیا ہے کہ ہر فعل کا فاعل اور ہر بنا کا بانی اپنے فعل اور بنا کے استحکام سے پہچانا جا سکتا ہے چنانچہ اس کی ہر بنا اور ہر اثر اسکے حالات کے کسی ایک پہلو کے لیئے کامل دلیل ہے چونکہ رسول خداؐ اور آپ کی آل پاک صلوات اللّٰہ علیہم اجمعین امکان کے سارے بلند منازل پر فائز تھے لہٰذا ان سے زیادہ محکم اثر اور ان سے زیادہ جامع مخلوق کوئی اور نہیں تھا۔ نتیجہ یہ کہ معرفت الٰہی کے لیئے ان سے زیادہ واضح اور جامع راستہ کوئی اور موجود نہ تھا۔ لہٰذا محل معرفت خدا یعنی جن سے بندوں کے لیئے معرفت ممکن ہے، ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اب جس شخص نے انکو پہچانا گویا خدا کو پہچان لیا چنانچہ ان حضرات نے خود فرمایا ہے۔ بنا عرف اللّٰہ و بنا عبد اللّٰہ یعنی ہمارے ذریعہ سے خدا پہچانا گیا ہے۔ اور ہمارے ہی ذریعہ سے اس کی عبادت کی گئی ہے یعنی حق تعالےٰ کی معرفت وعبادت کا راستہ ہمارے قبضہ میں ہے خلاصہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی معرفت کے لیئے واحد اور آخری ذریعہ یہی جلیل القدر خاندان ہے اگر بغیر اس خانوادے کی رہبری کے انسان کوئی راہ پیدا کرے تو وادی ضلالت میں حیران وسرگردان ہوگا۔ اور بہت دشوار ہے یہ بات کہ وادی ضلالت وحیرت میں بھٹکا ہوا شخص بغیر ہدایت کے منزل سعادت تک پہنچ جائے یہی وجہ ہے کہ فریقین کی متفق علیہ حدیث میں وارد ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ یا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بھما لن تضلوا کتاب اللّٰہ عزوجل وعترتی اھل بیتی یعنی اے لوگو میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑتا ہوں اگر ان دونوں سے حاصل کروگے (یعنی ضرورت کی باتیں) تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ ایک عزوجل کی کتاب ہے اور ایک میری عترت اور اہل بیت ہیں۔

حافظ: یہ کچھ اسی حدیث پر انحصار نہیں ہے کہ آپ اس کی اصلاح کی کوشش کریں بلکہ آپ کی کتابوں میں وارد تمام دعاؤں کے اندر کفر وشرک کے نمونے ملتے ہیں۔ جیسے بغیر ذات پروردگار عالم کی طرف توجہ کیئے ہوئے اماموں سے حاجتیں طلب کرنا اور یہ غیر خدا سے حاجت طلب کرنا خود ہی شرک کی ایک مکمل دلیل ہے۔

خیر طلب: یہ آپ کی ذات سے یہ بات بہت بعید تھی کہ اپنے اسلاف کی پیروی کرتے ہوئے ایسی فضول اور بے جا بات منہ سے نکالیں۔ واقعی آپ بہت بے انصافی کرتے ہیں یا پھر اس پر توجہ نہیں کرتے ہیں کہ کیا فرما رہے

ہیں یا بغیر شرک کے معنی پر غور کیئے ہوئے بیان کرتے ہیں۔ میں متمنی ہوں کہ پہلے شرک اور مشرک کے معنی بیان فرمایئے تاکہ حقیقت ظاہر ہو۔

شیعوں کی طرف شرک کی نسبت دینا

حافظ: مطلب اتنا واضح ہے کہ میرے خیال میں تشریح کی ضرورت ہی نہیں۔ بدیہی چیز ہے کہ خدائے بزرگ کا اقرار کرتے ہوئے غیر خدا کی طرف توجہ کرنا شرک ہے اور مشرک وہ شخص ہے جو غیر خدا کی طرف رخ کرے اور اس سے حاجت طلب کرے۔

جماعت شیعہ جیسا کہ مشاہدہ ہے کبھی خدا کی طرف توجہ نہیں رکھتی ہے اور بغیر خدا کا نام لیئے ہوئے اپنے سارے مقاصد اپنے اماموں سے عرض کرتی ہے یہاں تک کہ میں دیکھتا ہوں کہ شیعہ فقراء گزرگاہوں اور دروازوں اور دکانوں پر آتے ہیں، تو کہتے ہیں۔ یا علیؑ، یا امام حسینؑ یا امام رضائے غریبؑ یا حضرت عباسؑ، اور یہ ایک مرتبہ بھی نہیں سنا گیا کہ یا اللہ کہیں۔ یہ باتیں خود شرک کی دلیل ہیں کیونکہ جماعت شیعہ کبھی خدا کی طرف توجہ نہیں کرتی بلکہ اپنی تمام تر توجہ غیر خدا سے وابستہ رکھتی ہے۔

خیر طلب: میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی اس طرح کی باتوں کا کیا مقصد سمجھوں۔ آیا ان کو ہٹ دھرمی کی دلیل سمجھوں کہ قصداً" تجاہل عارفانہ کر رہے ہیں یا حقائق کی طرف توجہ نہ کرنے کا نتیجہ ہے! میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ ہٹ دھرمی کرنے والوں میں سے نہ ہوں گے۔

چونکہ ایک عالم باعمل کے شرائط میں سے انصاف بھی ہے لہٰذا جو شخص حق سے واقف ہو اور اپنی مطلب برآری کے لیئے حق کشی کرے وہ انصاف سے دور ہے اور جس کے پاس انصاف نہیں وہ عالم بلا عمل ہے۔ حدیث رسولؐ میں ارشاد ہے العالم بلا عمل کالشجر بلا ثمر (یعنی عالم بے عمل بغیر میوے کے درخت کی مثل ہے)، آپ جو بار بار اپنے جملوں میں شرک اور مشرک کے الفاظ زبان پر جاری کر رہے ہیں۔ اور کوشش کر رہے ہیں کہ اپنے لغو اور بے مغز دلائل سے موحد شیعوں کو مشرک ثابت کریں تو ممکن ہے کہ آپ کے بیانات بے خبر سنّی عوام پر اثر انداز ہو جائیں اور وہ شیعوں کو مشرک سمجھ لیں (جیسا کہ اب تک ان پر غلط اثر پڑتا رہا ہے،) لیکن یہ محترم حاضرین جلسہ شیعہ حضرات آپ کی تقریر سے سخت ناراض اور ناخوش ہیں اور آپ کو ایک مطلب پرست اور افترا پرداز عالم سمجھ رہے ہیں کیونکہ یہ اپنے عقائد سے واقف ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ کے ان الزامات میں سے ایک بھی ان کے اندر موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے الفاظ اور بیانات میں ایسے جملے ادا کرنے کی کوشش فرمایئے کہ ان پر سچی بات واضح ہو اور ان کے دل آپ کی طرف کشش محسوس کریں۔

میں مجبور ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو حاضر و غائب برادران اہل سنت کے سادہ ذہنوں کو روشن کرنے کے لیئے وقت کے لحاظ سے مختصر طور پر شرک اور مشرک کے بارے میں اسلام کے بزرگ محققین حکماء و فقہاء اور علماء جیسے علامۂ حلی، محقق طوسی، علامہ مجلسی علیہم الرحمہ جو اکابر و مفاخر علمائے شیعہ میں سے ہیں۔ اور دوسرے حکماء اور صاحبان تحقیق جیسے صدر المتالہین شیرازی، ملا نوروز علی طالقانی حاجی ملا ہادی سبزواری اور جناب صدر کے دونوں باعظمت خویش مرحوم فیض کاشانی و فیاض لاہیجانی رحمہم اللہ کا آیات قرآنی اور ارشادات آئمۂ طاہرین علیہم السلام کی روشنی میں، جو کچھ عقیدہ ہے وہ آپ کے سامنے پیش کروں تاکہ حضرات حاضرین جلسہ یہ نہ سمجھ لیں کہ شرک کے معنی وہی ہیں جو آپ مغالطہ دے کر بیان کر رہے ہیں۔

حافظ: غصّے کے ساتھ فرمایئے۔

نواب: قبلہ صاحب اس جلسہ کی بناء چونکہ بے سواد لوگوں کے سمجھنے کے لیئے ہے لہٰذا جیسے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں، متمنی ہوں کہ اپنے ارشادات میں انتہائی سادگی کا لحاظ رکھیئے آپ کی نظر صرف حضرات علماء اور ان کی عقل کے مطابق جواب دینے پر نہ رہنا چاہیئے بلکہ اہل مجلس کی اکثریت بالخصوص ہند اور پشاور کے باشندوں کی رعایت ضروری ہے جو اہل زبان نہیں ہیں۔ گذارش ہے کہ پیچیدہ اور مشکل مطالب بیان نہ فرمایئے گا۔

خیر طلب: جناب نواب صاحب آپ کی یاد دہانیاں میرے پیش نظر ہیں۔ اور کچھ اسی صحبت پر منحصر نہیں ہے بلکہ جیسا میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں میری عادت ہی یہ ہے کہ جس مجمع میں کچھ عوام اور بے خبر افراد موجود ہوتے ہیں، وہاں قطعاً اپنا روئے سخن خواص پر موقوف نہیں رکھتا ہوں۔ اس لیئے کہ پیغمبروں کی بعثت اور کتابوں کے نزول کی غرض بے خبر لوگوں کو متنبہ کرنا تھا۔ اور یہ نظریہ ہرگز عملی جامہ نہیں پہن سکتا جب تک حقائق جس طرح سے آپ نے فرمایا سادہ طور پر اور قوم کی زبان میں بیان نہ ہوں چنانچہ حدیث میں رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ نحن معشر الانبیاء نکلم الناس علی قدر عقولھم (یعنی ہم پیغمبروں کی جماعت لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرتی ہے)، یقیناً آپ کی خواہش اصولی اور برابر میرے پیش نظر ہے۔ اُمید کرتا ہوں کہ آپ کی منشاء کے مطابق پہلے سے زیادہ عمل کر سکوں گا، اور متمنی ہوں کہ جس مقام پر سہواً غفلت ہو جائے وہاں آپ حضرات توجہ فرما دیجئے گا۔

اقسامِ شرک کے بیان میں

خیر طلب: جہاں تک آیاتِ قرآنی کے خلاصے، اخبار کثیرہ اور محققین علماء کی تحقیقات کاملہ سے اور بالخصوص ان اہم تشریحات سے جو صدر المتالہین اور فاضل طالقانی نے فرمائی ہیں معلوم ہوتا ہے شرک کی دو قسمیں ہیں اور دوسرے

اقسامِ شرک انہیں دونوں قسموں میں پوشیدہ ہیں۔ اوّل جلی و آشکار دوسرے شرک خفی و پوشیدہ۔

شرک جلی

شرک در ذات

شرک جلی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ذات یا صفات یا افعال یا عبادات میں خدائے تعالےٰ کا کوئی شریک قرار دے۔ شرک در ذات یہ ہے کہ حق تعالےٰ کے مرتبۂ الوہیت اور ذات وحدانیت میں شریک قرار دے اور زبان سے اس کا اعتراف کرے جیسے ثنویہ (بت پرست) اور مجوس جو دو اصل و مبدا نور و ظلمت یزداں اور اہرمن کے قائل ہیں اور نصاریٰ جو اقانیم ثلاثہ کے قائل ہوئے اور ذاتِ خداوندی کو تین اجزا یعنی باپ بیٹا اور روح القدس میں تقسیم کیا، ان میں سے بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ روح القدس کے عوض مریم ہیں۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کے لیئے ایک خاصیت کے معتقد ہوئے جو باقی دو میں موجود نہیں ہے۔ اور جب تک یہ تینوں اکٹھا نہ ہوں ذات خداوندی کی حقیقت مکمل نہیں ہوتی جیساکہ سورہ ۵ (مائدہ) آیت ۷۳ میں خدا نے ان کے قول کی تردید اور اپنی وحدانیت کا اثبات فرمایا ہے لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ و ما من الٰہ الا الٰہ واحد (یعنی یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے خدا کو تین میں سے ایک جانا (یعنی تین خدا کے قائل ہوئے باپ بیٹا، روح القدس) حالانکہ سوائے خدائے واحد کے اور کوئی خدا نہیں)۔

عقائدِ نصاریٰ

اس آیۂ مبارکہ میں نصاریٰ کے فرقوں میں نسطوریہ، ملکائیہ اور یعقوبیہ کا قول بیان کیا گیا ہے جنہوں نے ثنویہ اور بت پرستوں سے یہ عقیدہ حاصل کیا۔ [۱] خلاصہ یہ کہ نصاریٰ ثنویہ اور مجوس کی طرح مشرک ہیں کیونکہ اقانیم ثلاثہ کے قائل ہیں اس سے زیادہ واضح الفاظ میں وہ لوگ کہتے ہیں کہ الوہیت خدا، مریم اور عیسیٰ کے درمیان مشترک ہے اُن میں سے بعض کا عقیدہ ہے کہ خدا مریم اور عیسیٰ کے درمیان مشترک ہے اُن میں سے بعض کا عقیدہ ہے کہ خدا عیسیٰ اور روح ہیں سے ہر ایک خدا ہے۔ اور اللہ جل جلالہ ان تین میں سے ایک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے سے خدا تین تھے۔ اقنوم الاب، اقنوم الابن، روح القدس (سریانی زبان میں اقنوم کے معنی وجود ہستی ہیں) اسکے بعد یہ تینوں اقنوم ایک ہو گئے اور وہ مسیح ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عقلی و نقلی دلائل سے اتحاد کا باطل ہونا ثابت ہے۔ اور اس معنی سے اتحاد حقیقی محال ہے حتیٰ کہ غیر ذات واجب الوجود میں بھی اسی وجہ سے آخر آیت میں فرماتا ہے۔ وما من الٰہ الا الٰہ واحد یعنی کوئی ایسی ذات واجب جو عبادت کی مستحق ہو سوا خدائے

[۱] کتاب الوثنیہ فی الدیانۃ النصرانیۃ مولفہ تنیر بیروتی کی طرف رجوع کیا جائے۔

یکتا کے موجود نہیں ہے جو وحدانیت محض سے موصوف ہے۔ شرکت کے وہم سے بالاتر ہے اور سارے ممکن موجودات کا مبدأ وہی ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔

شرک در صفات

شرک در صفات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے صفات جیسے حکمت، قدرت اور حیات وغیرہ کو قدیم لیکن زائد بر ذات سمجھیں جیسے اشعری جو ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری بصری کے اصحاب ہیں جیسا کہ آپ کے اکابر علماء مثلاً علی ابن احمد بن حزم الظاہری نے کتاب فصل جزء چہارم ص۲۰۷ میں اور مشہور فلسفی ابن رشد محمد بن احمد اندلسی نے کتاب الکشف عن مناہج الادلۃ فی عقائد الملۃ ص۵۸ میں نقل کیا ہے کہ یہ لوگ معتقد ہیں کہ اللہ کے صفات زائد بر ذات اور قدیم ہیں۔ چنانچہ جو شخص صفاتِ خداوندی کو حقیقتاً اس کی ذات اجل پر زائد سمجھے یعنی اس کو صفت عالمیت یا قادریت یا حکمت یا حیات وغیرہ سے موصوف کرے اور ان صفات کو اس کے لیے عین ذات نہ سمجھے، وہ مشرک ہے اس لیے کہ اس نے قدم میں اس کے لیے کفو و قرین اور ہمسر ثابت کیا حالانکہ سوا حق تعالیٰ کی ذات ازلی کے کائنات میں کسی قدیم کا وجود نہیں ہے۔ اور صفاتِ خداوندی اس کی عین ذات ہیں جیسے شیرینی اور شکر، چکناہٹ اور روغن جو آپس میں ایک دوسرے سے الگ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ شیرینی اور چکناہٹ الگ کی چیزیں نہیں ہیں جو شکر اور روغن کی ذات پر وارد ہوئی ہوں بلکہ جس وقت خدا نے شکر اور روغن کو پیدا کیا، تو ان میں شیرینی اور چکناہٹ کو بھی پیدا کیا۔ اگر فرض کیا جائے کہ شیرینی اور چکناہٹ کو شکر اور روغن سے علیحدہ کر لیں تو پھر وہ شکر اور روغن ہی نہ رہیں گے۔ تلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون یہ مثالیں ذہنوں کو ملتفت کرنے کے لیے ہیں تاہم جس وقت کہیں خدا یعنی عالم، حی، قادر، حکیم وغیرہ تو یہ سمجھ لیں کہ صفات خداوندی اس کی ذات پر زائد نہیں ہیں۔

شرک در افعال

افعال میں شرک یہ ہے کہ خدا کو حقیقی طور پر متوحد اور متفرد بالذات نہ سمجھے، اس صورت سے کہ مخلوقات میں سے کسی ایک فرد یا افراد کو خدا کے افعال اور تدبیروں میں مؤثر یا مؤثر کا جزء سمجھے یا یہ کہ خلقت کے بعد امور کو مخلوق کے سپرد جانے جس کے یہودی قائل تھے کہ خدا نے مخلوقات کو خلق کیا اس کے بعد امور کی تدبیر سے باز رہا۔

سارا کام خلق کے ذمہ چھوڑ دیا اور خود علیحدگی اختیار کر لی۔

چنانچہ ان لوگوں کی مذمت میں سورۂ ۵ (مائدہ) آیت ۲۹ میں ارشاد ہے۔ وقالت الیہود یداللہ مغلولۃ غلت ایدیھم و لعنوا بما قالوا بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء[۱] اور مشرکین غلات جن کو مفوضہ بھی کہتے ہیں قائل ہیں کہ خدا نے اماموں کو امور تفویض کر دیئے۔ وہی پیدا کرتے ہیں اور روزی دیتے ہیں۔ یہ بدیہی چیزیں ہیں کہ جو شخص افعال خداوندی میں کسی طریقے سے کسی کو دخیل سمجھے، چہ مؤثر کی صورت سے یا انبیاء یا اُمتوں یا اماموں کو تفویض امور کی حیثیت سے، قطعاً شرک ہے۔

شرک در عبادت

اور شرک در عبادت یہ ہے کہ عبادت کے موقع پر ظاہری توجہ یا دل کا نیت غیر حق کی طرف رکھے مثلاً نماز میں خلق کی طرف توجہ کرے یا اگر نذر کرتا ہے تو خلق کے لیئے کرے اور اسی طرح جن عبادتوں میں نیت کی ضرورت ہے، اگر عمل کے وقت نیت غیر خدا کے لیئے ہو تو وہ مشرک ہے کیونکہ سورۂ ۱۸ (کہف) آیت ۱۱۰ میں صریحی طور پر اس طرح کے عمل (شرک) سے منع کیا گیا ہے۔ قولہ فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا[۲]

عمل اور عبادت کے وقت چاہیئے کہ غیر خدا کی طرف توجہ نہ کرے۔ پیغمبر یا امام یا مرشد کی صورت نظر کے سامنے نہ رکھے اس طریقے سے کہ نماز، روزہ، حج، خمس، زکوٰۃ اور نذر وغیرہ ہر قسم کی واجب یا مستحب عبادت کا ظاہر عمل خدا کے لیئے ہو لیکن دل اور باطن میں توجہ غیر خدا کی طرف رہے یعنی شہرت اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیئے یا کسی اور مقصد سے۔

اس لیئے کہ عمل میں ریا حدیث کی زبان میں شرک اصغر کہا گیا ہے جو ہر عامل کو برباد کرنے والا ہے چنانچہ

---

[۱] یہودیوں نے کہا کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ (اب وہ خلقت میں کوئی تغیر نہیں کرے گا اور نہ کوئی چیز پیدا کرے گا۔ اس جھوٹی بات کی وجہ سے) ان کے ہاتھ بندھ گئے اور وہ خدا کی لعنت میں گرفتار ہوئے۔ بلکہ خدا کے دونوں ہاتھ (یعنی اس کی قدرت اور رحمت) کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے نفقہ دیتا ہے۔

[۲] جو شخص لقائے (رحمت) پروردگار عالم کا امیدوار ہے۔ اس کو چاہیئے کہ وہ نیکوکار بنے (یعنی پاک اور پسندیدہ عمل کرے) اور اپنے خدا کی عبادت میں ہرگز کسی کو اس کا شریک نہ بنائے۔

حضرت رسولِ خدا سے منقول ہے کہ اتقوا الشرك الاصغر (یعنی پرہیز کرو چھوٹے شرک سے) لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ چھوٹا شرک کون ہے؟ فرمایا۔ الریاوالسمعہ ریا اور سمعہ (یعنی دکھانے اور سنانے کے لیئے عبادت کرنا) (مترجم) شرک اصغر ہے۔

نیز آں حضرت سے مروی ہے کہ فرمایا۔ ان اخوف ما اخاف علیکم الشرک الخفی ایاکم والشرک السرفان الشرک اخفی فی امتی من دبیب النمل علی الصفا فی اللیلۃ الظلماء (یعنی بدترین چیز جس سے میں تمہارے لیئے ڈرتا ہوں وہ پوشیدہ شرک ہے۔ لہٰذا مخفی شرک سے دور رہو کیونکہ میری امت میں شرک اندھیری رات میں سخت پتھر پر چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔) پھر فرمایا جو شخص ریا کے ساتھ نماز پڑھے وہ مشرک ہے، جو شخص ریا سے روزہ رکھے یا ریا سے صدقہ دے یا ریا سے حج کرے یا ریا سے غلام آزاد کرے وہ بھی مشرک ہوگا۔ (اور یہ آخری قسم چونکہ قلبی امور سے متعلق ہے لہٰذا شرک خفی میں شامل کی گئی ہے۔

حافظ: ہم آپ ہی کے بیان سے سند لے رہے ہیں۔ کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص خلق کے لیئے نذر کرے تو وہ مشرک ہے لہٰذا شیعہ بھی شرک میں اس لیئے کہ ہمیشہ امام اور امام زادے کے لیئے نذر کرتے ہیں اور چونکہ یہ نذر غیر خدا کے لیئے ہے لہٰذا یقیناً شرک ہے۔

نذر کے بارے میں

خیر طلب: عقل اور علم منطق کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی قوم و ملت کے عقائد میں فیصلہ کرنا چاہیں تو جاہل اور بے خبر لوگوں کے اقوال یا افعال پر فیصلہ نہیں کیا کرتے بلکہ اس قوم کے قوانین اور ان کی معتبر کتابوں پر پورا تبصرہ کرتے ہیں۔ حضرات محترم! اگر آپ شیعوں کے عقائد کی تہ تک پہنچنا چاہتے ہیں تو بے خبر شیعہ عوام کے اقوال و افعال پر توجہ نہ کرنا چاہیئے کہ اگر بے پڑھے لکھے فقیروں نے راستوں میں یا علیؑ یا امام رضاؑ کی صدا لگا دی تو آپ ان الفاظ کو ان کے یا تمام شیعوں کے شرک کی دلیل قرار دیدیں یا اگر ایک جاہل محض ناواقفیت میں امام یا امام زادے کے لیئے نذر کرے تو آپ اس کو اپنے مقابل کو زیر کرنے کے لیئے حربہ بنا لیں۔ اس لیئے کہ جاہل اور لاابالی افراد تو ہر قوم کے عوام میں پیدا ہوتے ہیں۔

البتہ اگر آپ کی نیت خالص ہے، بہانہ سازی اور عیب جوئی کے درپے نہیں ہیں اور عقلمندی کے ساتھ سمجھنا چاہتے ہیں تو شیعوں کی فقہی کتابوں کی طرف رجوع کیجیئے جو عام طور سے دستیاب ہوتی ہیں اور ہر کتب

خانے میں ان کی کوئی نہ کوئی جلد اور نسخہ موجود ہے۔

چنانچہ اگر فقہ کی استدلالی کتابوں اور عملیہ رسائل کا مطالعہ کیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ علاوہ اس کے کہ کوئی شرک کا طریقہ موجود نہیں ہے، احکام بھی مہمل اور بے قاعدہ نہیں ہیں بلکہ فقہ جعفری کے باطن سے توحید کا لب ولباب ظاہر و آشکار ہے۔

شرح لمعہ اور شرائع الاسلام سارے کتب خانوں میں موجود ہیں ان کا مطالعہ کیجئے تو اسی باب نذر میں نیز جملہ فقہائے شیعہ کے عملیہ رسالوں میں ملے گا۔ نذر چونکہ خدا کے لیئے کسی عمل کو اپنے اوپر لازم کرنے کی وجہ سے الواب عبادات میں سے ایک باب ہے لہذا اس کے لیئے حتمی طور پر دو شرطوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ان دونوں میں سے کوئی مفقود ہو گی تو نذر منعقد نہ ہو گی اوّل نیت متصل بہ عمل، دوسرے صیغہ چاہے وہ جس زبان میں ہو۔

جب مسلمان یہ سمجھ لے گا کہ اس کی نذر بغیر ان دو شرطوں کے صحیح نہ ہو گی تو کوشش کرے گا کہ پہلے ان دونوں کا مطلب اور نوعیت سمجھ لے اس کے بعد نذر کرے جس وقت کسی فقیہ سے سوال کرے گا یا کوئی رسالہ پڑھے گا تو اس کو معلوم ہو گا کہ اولاً ساری عبادتوں میں بالخصوص نذر میں نیت اللہ کے بارے میں اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے ہونا چاہیئے لہذا غیر خدا کے لیئے نیت کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔

دوسری شرط جو پہلی شرط کا تتمہ ہے اور اس کو مضبوط کرنے والی ہے، یہ ہے کہ نذر کرنے والے کو نذر کے وقت صیغہ پڑھنا لازمی ہے اور صیغہ میں جب تک خدا کا نام نہ ہو صیغہ جاری نہیں ہوتا۔ مثلاً روزے کی نذر کرنا چاہتا ہے۔ تو کہے للہ علیّ ان اصوم یا شراب ترک کرنا چاہتا ہے تو کہے۔ للہ علیّ ان اترك شرب الخمر اور اسی طریقے سے دوسری نذریں ہیں۔

اگر فارسی یا اُردو وغیرہ بولنے والے کے لیئے عربی صیغہ جاری کرنا آسان نہ ہو تو ہر قوم والا اپنی زبان میں صیغہ جاری کر سکتا ہے اس شرط سے کہ اس کے معنی مذکورہ صیغہ سے مطابق ہوں۔ اور اگر نیت میں غیر خدا ہو یا کسی اور زندہ یا مردہ کو خدا کے نام کے ساتھ شامل کرے، چاہے پیغمبر یا امام یا امام زادے ہی کا نام ہو تو قطعاً وہ نذر باطل ہے اور اگر عمداً جان بوجھ کر ایسا کرے تو مشرک ہے کیونکہ مذکورہ آیت میں کھلا ہوا ارشاد ہے ولا یشرك لعبادة ربّه احدا۔ البتہ اہل علم پر لازم ہے کہ ناواقف لوگوں کو سمجھائیں کہ نذر قطعاً خدا کے نام پر اور خدا ہی کے لیئے ہونا چاہیئے چنانچہ واعظین اور مبلغین برابر اپنا فرض انجام دیتے رہتے ہیں۔ اور شیعہ فقہا عموماً بیان کیا کرتے ہیں کہ نذر ہر زندہ یا مردہ کے لیئے چاہے وہ پیغمبر یا امام ہی ہو باطل ہے اور اگر سمجھ کے عمداً ایسا کرے تو مشرک ہے۔

نذر صرف خدا کے لیئے کریں لیکن اس کے مصرف کے تعین میں اختیار ہے۔ مثلاً نذر کرے کہ خدا کے لیئے کوئی گوسفند فلاں مکان یا عبادت خانے یا بقعہ امام وغیرہ میں لے جاکر قربانی کرے گا۔ یا کوئی رقم یا لباس خدا کے لیئے فلاں سید یا عالم یا یتیم یا فقیر کو دے گا تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر پیغمبر یا امام یا امام زادہ یا عالم یا یتیم یا محتاج وغیرہ کے لیئے نذر کرے تو حتماً باطل ہے اور علم وقصد کے ساتھ قطعاً شرک ہے۔ ہر رسول فقیہ، عالم، واعظ اور مبلغ کا فرض لکھنا اور بیان کرنا ہے۔ وما علی الرسول الا البلاغ المبین۔[۱] اور لوگوں کا فرض سننا اور عمل کرنا ہے اگر کوئی شخص یا اشخاص احکام دین کے سیکھنے اور سکھانے کی کوشش نہ کریں اور ہدایات کے مطابق اپنے مذہبی فرائض پر عمل نہ کریں تو ان کے اصل عقیدے اور اُصول وقواعد میں کوئی نقص نہیں پیدا ہوتا۔

میرا خیال ہے کہ اسی قدر جواب سے حقیقت ظاہر ہوگئی ہوگی اور اس کے بعد آپ حضرات شیعوں کو شرک کہہ کر عوام کو غلط فہمی میں مبتلا نہ کریں گے۔

شرکِ خفی

بہتر ہے کہ ہم پہلی گفتگو کی طرف پھر رجوع کریں اور مطلب پورا کریں۔ دوسری قسم شرک خفی وپوشیدہ ہے اور وہ شرک در اعمال اور طاعات وعبادات میں ریا ہے۔ اس قسم کے شرک اور شرک در عبادت کے درمیان جس کو ہم نے شرک جلی میں شمار کیا ہے فرق یہ ہے کہ بندہ شرک عبادت میں خدا کے لیئے شریک قرار دیتا ہے اور مقام عبادت میں اس کی پرستش کرتا ہے مثلاً اگر نماز میں غیر خدا کو مدنظر رکھے جیسے شیاطین کے بہکانے سے مقام ولایت کی صورت نگاہ میں لائیے یا کسی مرشد کو مرکز توجہ بنائے تو قطعاً وہ عمل باطل اور شرک محض ہے۔ عبادت میں سوا ذات وحدہ لا شریک کے انسان کے ذہن وفکر میں اور کسی کو دخل نہ ہونا چاہیئے ورنہ شرک جلی میں داخل ہو جاتا ہے۔

حضرت رسولؐ خدا سے مروی ہے کہ فرمایا۔ یقول اللہ تعالٰی من عمل عملاً صالحاً اشرک فیہ غیری فھو لہ کلہ وانا منہ بریٔ وانا اغنی الاغنیاء عن الشرک (یعنی خدائے تعالٰی فرماتا ہے کہ جو شخص کوئی نیک عمل کرے اور اس میں میرے غیر کو شریک کرے تو سارا عمل اسی کے لیئے ہے اور میں اس (عمل یا عامل) سے بیزار ہوں اور میں تمام اغنیا سے زیادہ شرک سے غنی ہوں۔)

---

[۱] پیامبر پر سوا مکمل طریقے سے پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ سورۂ ۲۴ (نور) آیت ۵۴۔

نیز روایت میں ہے کہ ارشاد فرمایا جو شخص نماز پڑھے یا روزہ رکھے یا حج کرے اور اس کا نظریہ یہ ہو کہ لوگ اس عمل پر اس کی مدح کریں فقد اشرك فی عمله تو یقیناً اس نے اس عمل میں خدا کے لیئے شریک قرار دیا۔
نیز کاشف اسرار حقائق حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ لوان عبداً عمل عملاً یطلب به رحمة الله والدار الاخرة ثم ادخل فیه رضا احد من الناس کان مشرکا (یعنی اگر کوئی بندہ رحمت خدا اور جزائے آخرت کی طلب میں کوئی عمل کرے اور اس میں کسی انسان کی رضامندی کو شامل کرے تو وہ عامل مشرک ہو جائے گا)۔
شرکِ خفی کا دامن بہت وسیع ہے کیونکہ کسی عمل میں غیر خدا کی طرف ایک مختصر سی توجہ بھی مشرک بنا دیتی ہے۔

شرک در اسباب

اس شرک کی قسموں میں سے ایک شرک در اسباب ہے جیسا کہ اکثر لوگ صرف اسباب اور خلق پر امید و خوف کی نظر رکھتے ہیں، یہ بھی شرک ہے لیکن شرک مغفور۔ شرک در اسباب سے مراد یہ ہے کہ اسباب ہی میں اثر سمجھے مثلاً آفتاب اشیا کی تربیت میں اثر انداز ہوتا ہے اگر اس اثر کو بغیر مؤثر حقیقی کی طرف توجہ کیئے ہوئے خود آفتاب کی جانب سے سمجھیں تو شرک ہے اور اگر اس کا مؤثر حکیم مطلق کو اور آفتاب کو فیض رسانی کا ذریعہ جانیں تو ہرگز شرک نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک طرح کی عبادت ہے کیونکہ حق کی نشانیوں پر توجہ کرنا خود حق کی طرف توجہ کرنے کا پیش خیمہ ہے جیسا کہ قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس امر کی جانب اشارہ موجود ہے کہ آیات الٰہی پر غور کرو اس لیئے کہ فکر و نظر خود خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ کا مقدمہ ہے۔
اسی طرح اسباب میں سے ہر سبب کی طرف جیسے تاجر کی تجارت کی طرف، کاشتکار کی زراعت کی طرف، باغبان کی باغبانی کی طرف، پیشہ ور کی پیشہ کی طرف اور منتظم کی اپنے انتظام کی طرف یہاں تک کہ کسی قسم کا کام کرنے والے کی اپنے شغل اور عمل کی طرف مستقل اور خاص توجہ مشرک بنا دیتی ہے اور اگر سبب و اسباب پر اس کی نظر اس نیت سے ہو کہ لاموثر فی الوجود الا الله یعنی اثر دینے والا سوا خدا کے کوئی اور نہیں ہے تو کوئی قباحت نہیں ہے اور یہ شرک نہ ہوگا۔

شیعہ کسی پہلو سے مشرک نہیں ہیں

اس مختصر تمہید کے بعد جس سے مطلب واضح ہو گیا ہے اور ہم اصول شرک اور اس کے معانی و آثار بیان کر چکے ہیں، اب اجازت دیجیئے کہ اپنے بیانات سے نتیجہ نکالیں اور دیکھیں کہ ہم نے شرک جلی و خفی کے جو طریقے بیان

کیئے ہیں ان میں سے کس کے ماتحت آپ شیعوں کو مشرک سمجھتے ہیں۔ آیا کہاں اور کس پڑھے لکھے یا جاہل شیعہ سے آپ نے سنا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال میں کسی شریک کا قائل ہو؟ یا پروردگار کی عبادت میں کسی دوسرے معبود کو پیش نظر رکھتا ہو؟ یا شیعوں کی کونسی کتب اخبار واحادیث میں دیکھا ہے کہ اصول دفروع اور عقائد کے بارے میں اُن کے بزرگان دین اور آئمۂ طاہرین سے کوئی ایسی ہدایت یا حکم منقول ہو جو شرک کے ان طریقوں سے ملتا ہو جو میں نے عرض کیئے۔

اب رہا شرک خفی اور اس کے اقسام جیسے لوگوں کو دکھانے اور ان کو متاثر کرنے کے لیئے کوئی عمل کریں یا اسباب سے ربط اور اُمید قائم کریں تو یہ بات تنہا شیعوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ شیعہ اور سنی سبھی عالم اجسام میں گرفتار ہیں اور بہت سے عقل ومعرفت، تزکیۂ نفس اور کامل توجہ نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی شیطان کے وسوسوں میں مبتلا ہو کر ریائی عمل کرتے ہیں یا سرتا پا اسباب میں محو ہو جاتے ہیں اور حق کی اطاعت سے ہٹ کر اطاعت شیطان کرنے لگتے ہیں اور جیسا عرض کیا جاچکا ہے اگرچہ یہ طرزِ عمل شرک کے مفہوم میں آجاتا ہے لیکن شرک مغفور ہے اور یقیناً معافی اور چشم پوشی کے قابل ہے کیونکہ تھوڑی روحانی توجہ سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ پھر آپ کس پہلو سے شیعوں کو مشرک سمجھتے ہیں اور عوام کو دھوکے میں ڈالتے ہیں جیسا کہ فی الحال آپ نے اشارہ کیا ہے۔

حافظ: آپ کی ساری باتیں صحیح ہیں لیکن میں نے عرض کیا کہ اگر آپ غور فرمائیے تو خود تصدیق کیجئے گا کہ اماموں سے حاجت طلب کرنا اور ان کا وسیلہ اختیار کرنا شرک ہے چونکہ ہم کو انسانی واسطے کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا جب بھی خدا کی طرف توجہ کریں گے نتیجہ حاصل ہو جائے گا۔

خیر طلب: بڑے تعجب کا مقام ہے کہ آپ کا ایسا منصف اور ہوشیار عالم کیونکہ بغیر تحقیق کے اپنے اسلاف کی عادتوں کے زیر اثر رہ کر ایسے بیان دیتا ہے۔ غالباً آپ سو رہے تھے یا میری گزارشوں کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی کہ ان مقدمات کو ذکر کرنے اور مطالب کی تشریح کر دینے کے بعد بھی آپ یہ بات دہرا رہے ہیں کہ اماموں سے حاجت چاہنا شرک ہے۔

جناب محترم! کیا مطلقاً مخلوقات سے حاجت طلب کرنا شرک ہے؟ اگر ایسا ہے تو سارا عالم مشرک ہے اور کبھی کوئی موحد مل ہی نہیں سکتا۔ اگر خلق سے حاجت چاہنا اور ان سے مدد کی خواہش کرنا شرک ہے تو انبیاء کس لیئے خلائق سے امداد مانگتے تھے! بہتر ہوگا کہ آپ حضرات کسی قدر قرآن مجید کی آیتوں پر بھی غور فرمائیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

آصف بن برخیا کا سلیمان کے پاس تخت بلقیس لانا

ضرورت ہے کہ سورہ ۲۷ (نمل) کی آیات ۳۸ تا ۴۰ پر توجہ فرمایئے جن میں ارشاد ہے۔ قال یا ایھا الملاء ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین - قال عفریت من الجن انا اتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی امین - قال الذی عندہ علم من الکتب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راٰہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی یعنی جناب سلیمان نے حاضرین مجلس سے کہا کہ تم میں سے کون شخص بلقیس کا تخت میرے پاس لائے گا، قبل اس کے کہ وہ لوگ میرے سامنے اطاعت گذار بن کے آئیں؛ جنات میں سے ایک دیو بولا کہ میں اس کا تخت لے آنے پر ایسا قادر اور امین ہوں کہ آپ کے دربار سے اٹھنے سے پہلے ہی لاکر حاضر کر دوں گا. اس شخص نے جس کو تھوڑا سا علم کتاب معلوم تھا (یعنی آصف بن برخیا جو اسم اعظم جانتے تھے) کہا کہ میں آپ کی پلک جھپکنے سے قبل اس کو یہاں لے آؤں گا. جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا دیکھا تو کہا. یہ طاقت میرے پروردگار کے فضل سے ہے) بدیہی چیز ہے کہ بلقیس کا اتنا بڑا تخت اتنی طویل مسافت سے پلک جھپکنے سے قبل سلیمان کے پاس لے آنا عاجز مخلوق کا کام نہیں ہے اور مسلّم ہے کہ ایک خلافِ عادت امر ہے لیکن حضرت سلیمان نے یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ کام خدائی قدرت چاہتا ہے تخت منگوانے کی درخواست خدا سے نہیں کی بلکہ ایک عاجز مخلوق سے حاجت روائی اور امداد کی خواہش کی اور اہل دربار سے فرمائش کی کہ وہ عظیم الشان تخت میرے لیئے منگوا دو لہذا خود جناب سلیمان کا عاجز بندوں سے یہ تقاضا کرنا کہ تم میں سے کون اپنی خداداد قوت سے یہ کام انجام دے سکتا ہے اور تخت بلقیس کو اس کے آنے سے پہلے میرے سامنے حاضر کر سکتا ہے؛ اس بات کا ثبوت ہے کہ مخلوق سے مطلق حاجت چاہنا شرک نہیں ہے، خدا نے دنیا کو عالم اسباب قرار دیا ہے. شرک بھی ایک قلبی امر ہے اگر اس شخص کو جس سے حاجت طلب کر رہا ہے خدا یا خدا کا شریک نہ سمجھے تو اس سے مدد لینے میں کبھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ عام طور پر لوگوں میں رواج ہے کہ ہمیشہ زید عمر و بکر کے دروازے پر جا کے بغیر خدا کا نام زبان پہ جاری کیئے ہوئے امداد کا تقاضا کرتے ہیں.

چنانچہ اگر کوئی مریض طبیب اور ڈاکٹر کے دروازے پر جا کر کہے کہ ڈاکٹر صاحب میری فریاد کو پہنچیئے، بیماری مجھ کو مارے ڈالتی ہے تو کیا یہ مریض مشرک ہے؟

اگر کوئی دریا میں ڈوبنے والا فریاد کرے کہ لوگو میری مدد کو پہنچو اور مجھ کو بچاؤ اور خدا کا نام نہ لے تو کیا وہ مشرک ہے؟

اگر کسی ظالم نے کسی بے گناہ مظلوم کا پیچھا کیا اور اس نے وزیر اعظم کے در پر جا کے کہا کہ جناب وزیر صاحب میری فریاد رسی کیجئے۔ میں آپ کا دامن نہ چھوڑوں گا کیوں کہ مجھ کو سوا آپ کے اور کسی سے اُمید نہیں جو مجھ کو اس ظالم کے پنجے سے چھٹکارا دلائے تو کیا وہ مشرک ہے؛

اگر کسی کے گھر میں کوئی چور جان یا مال یا عزت کے قصد سے داخل ہوا اور وہ کوٹھے پر چڑھ کے اپنے پڑوسیوں کو مدد کے لیئے پکارے اور شمہ کہے کہ لوگو میری مدد کو دوڑو اور اس چور سے بچاؤ لیکن اس وقت خدا کا نام بالکل نہ لے تو کیا وہ مشرک ہے؛

قطعاً جواب نفی میں ہوگا اور کوئی عقلمند آدمی ایسے کو مشرک نہیں کہے گا بلکہ جو لوگ مشرک کہیں وہ یا تو بیوقوف ہیں یا پھر ان کی کوئی غرض ہے۔

محترم حضرات! انصاف کیجئے اور غلط فہمی نہ پھیلایئے۔ بالعموم سارے شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص آلِ محمدؐ کو خدا سمجھے یا ان کو خدائی ذات وصفات اور افعال میں شریک جانے تو وہ قطعی مشرک ہے۔ اور ہم لوگ اس سے بیزاری اختیار کرتے ہیں۔ اگر آپ نے مصیبتوں میں شیعوں کو یا علی ادرکنی۔ یا حسین ادرکنی کہتے سنا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یا علی اللہ ادرکنی۔ یا حسین اللہ ادرکنی بلکہ دنیا چونکہ دار اسباب ہے کیونکہ ابی اللہ ان یجری الامور الا باسبابھا (یعنی اللہ نے امور کو بغیر ان کے اسباب نافذ کرنے سے انکار کیا ہے ۱۲ مترجم) لہٰذا شیعہ اس خاندان جلیل کو وسیلہ اور اسباب نجات سمجھتے ہیں اور انہیں حضرات کے ذریعہ سے خدا تک رسائی کی کوشش کرتے ہیں۔

حافظ: مستقل طور پر خدا ہی سے کیوں حاجت طلب نہیں کرتے کہ وسیلہ اور واسطہ کے پیچھے دوڑ رہے ہیں؟

خیر طلب: طلب حاجات اور رنج وغم کے دفعیہ میں ہماری مستقل توجہ پروردگار ہی کی یکتا ذات سے مخصوص ہے لیکن قرآن مجید جو ایک محکم آسمانی کتاب ہے ہم کو ہدایت کر رہا ہے کہ خدا کی جلیل بارگاہ میں وسیلے کے ساتھ حاضر ہونا چاہیئے چنانچہ سورہ ۵ (مائدہ) آیت ۳۹ میں ارشاد ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ (یعنی اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں پہنچنے کے لیئے (اولیائے حق کا) وسیلہ اختیار کرو (تاکہ مطلب بر آئے)۔

آلِ محمدؐ فیض الٰہی کے ذریعے ہیں

ہم شیعہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام کو اُمور کے حل وعقد میں قادر مطلق نہیں سمجھتے بلکہ ان حضرات کو خدا کے صالح بندے اور فیض خداوندی کا واسطہ جانتے ہیں اور اس جلیل القدر خاندان کے ساتھ ہمارا توسل رسول اللہ

کے حکم سے ہے۔

حافظ: کس مقام پر رسول مکرمؐ نے ان سے توسل اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور کہاں سے معلوم ہوا کہ وسیلے سے مراد آل محمد ہیں۔؟

خیر طلب: بکثرت حدیثوں میں حکم دیا ہے کہ خطرات اور مہلکوں سے نجات حاصل کرنے کے لیئے میری عترت اور اہل بیت سے متوسل ہو۔

حافظ: کیا یہ ممکن ہے؟ اگر ایسی حدیثیں آپ کی نظر میں ہیں تو ہمارے سامنے بھی بیان فرما دیجئے۔

خیر طلب: آپ نے جو یہ فرمایا کہ کہاں سے معلوم ہوا کہ وسیلے سے مراد عترت اور اہل بیت پیغمبرؐ ہیں تو آپ کے اکابر علماء جیسے حافظ ابو نعیم اصفہانی نزول القرآن فی علیؑ میں، حافظ ابو بکر شیرازی مانزل من القرآن فی علی میں اور امام احمد ثعلبی اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ آیہ شریفہ میں وسیلہ سے مراد عترت و اہل بیت رسولؐ ہیں چنانچہ بہت سی حدیثیں اس بارے میں رسولؐ خدا سے منقول ہیں اور ابن ابی الحدید معتزلی نے جو آپ کے اشراف علماء میں سے ہیں شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ص۷۹ میں حضرت صدیقہ کبریٰ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا وہ خطبہ نقل کیا ہے جو جناب معصومہ نے قضیہ غصب فدک کے سلسلے میں مہاجرین انصار کے سامنے ارشاد فرمایا تھا چنانچہ خطبے کے شروع ہی میں اُن مظلومہ نے مندرجہ ذیل عبارت کے ساتھ اس آیت کے معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے

واحمد اللہ الذی بعظمتہ و نورہ یبتغی من فی السمٰوٰت والارض الیہ الوسیلۃ ونحن وسیلتہ فی خلقہ

(یعنی میں حمد کرتی ہوں اس خدا کی جس کی عظمت اور نور کی وجہ سے آسمانوں اور زمینوں کے رہنے والے اس کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں، اور ہم ہیں اس کا وسیلہ مخلوقات کے اندر)۔

حدیث ثقلین

عترت رسولؐ اور اہل بیت طاہرین علیہم السلام سے تمسک و توسل اور ان کی پیروی کے جواز پر مضبوط دلیلوں میں سے ایک حدیث ثقلین بھی ہے جو فریقین کے نزدیک صحیح اسناد کے ساتھ تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی (یعنی اگر ان کے ساتھ تمسک رکھو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے)۔

حافظ: میرا خیال ہے آپ نے جو کچھ کہا ہے جو اس حدیث کو صحیح الاسناد اور متواتر کہہ دیا۔ اس لیئے کہ یہ مقصد ہمارے اکابر علماء کے نزدیک غیر معلوم ہے اور اس بات پر دلیل یہ ہے کہ ہمارے شیخ بزرگ اور مذہب

سنت وجماعت کے قبلہ وکعبہ محمد بن اسمٰعیل بخاری نے اپنی معتبر صحیح میں جو قرآن کریم کے بعد تمام کتابوں سے زیادہ صحیح ہے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

خیر طلب۔ اوّل تو یہ کہ میں نے دھوکہ نہیں کھایا ہے بلکہ اس حدیث مبارک کا صحیح اور معتبر ہونا آپ کے علماء کے نزدیک مسلّم ہے یہاں تک کہ ابن حجر مکی نے اتنے سخت تعصب کے بعد بھی اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اپنے ذہن کو روشن کرنے کے لیئے صواعق محرقہ فصل دوم باب ۱۱ ذیل آیۂ چہارم ص۸۹، ۹۰ کی طرف رجوع کیجیئے جہاں وہ ترمذی، امام احمد بن حنبل، طبرانی اور مسلم سے روایتیں نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ اعلم ان لحدیث التمسک با لثقلین طرقا کثیرۃ وردت عن نیف وعشرین صحابیًا۔ (یعنی جان لو کہ ثقلین (عترت رسولؐ اور قرآن مجید) سے تمسک کرنے کی حدیث بہت طریقوں سے مروی ہے، یہ بیس سے زیادہ اصحاب رسولؐ سے نقل ہوئی ہے)۔

پھر کہتے ہیں کہ حدیث کے طرق میں تھوڑا سا اختلاف ہے کسی میں کہتے ہیں حجۃ الوداع میں عرفات کے اندر، کسی میں ہے مرض الموت کے عالم میں مدینے کے اندر جب حجرہ صحابہ سے بھرا ہوا تھا کسی میں ملتا ہے غدیر خم کے اندر اور کسی میں درج ہے کہ طائف سے واپسی کے بعد کا ذکر ہے اس کے بعد خود ہی تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان اختلافات میں کوئی منافات نہیں ہے اور بالکل ممکن ہے کہ رسول اکرمؐ نے قرآن کریم اور عترت طاہرہ کی عظمت و شان ثابت کرنے کے لیئے ان سارے مقامات پر بار بار اس حدیث کو ارشاد فرمایا ہو۔

بغیر تعصّب کے باریک بینی سعادت کا سبب ہے

دوسرے آپ نے یہ فرمایا ہے کہ بخاری کا اپنی صحیح میں نقل نہ کرنا اس حدیث کے صحیح نہ ہونے کی دلیل ہے تو آپ کا یہ بیان بہت سی وجہوں سے قابل رد اور علماء کے نزدیک لائق نفرت ہے کیونکہ یہ حدیث مبارک اگرچہ بخاری نے اپنی صحیح میں درج نہیں کی ہے، لیکن آپ کے اکابر علماء نے بالعموم اس کو نقل کیا ہے یہاں تک کہ بخاری کے ہمسر مسلم بن حجاج اور سارے ارباب صحاح ستہ نے اپنی معتبر کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

یا تو آپ حضرات کو چاہیئے کہ تمام صحاح اور اپنے علماء کی معتبر کتابوں کو دھو کر دور پھینک دیجئے اور اپنے سارے عقائد کو صرف صحیح بخاری تک محدود رکھیئے یا اگر دوسرے علماء کی عدالت اور علم و دانش کے معترف ہیں جو اپنے اپنے دور میں اہلسنت کے درمیان علم و فہم اور تقویٰ میں ممتاز تھے خصوصًا صحاح ستہ کے مؤلفین تو آپ کا فرض ہوگا کہ اگر کسی خبر کو اپنی مصلحتوں کی بنا پر بخاری نے نہیں لکھا ہے اور دوسروں نے نقل کیا ہے تو اس کو قبول فرمایئے۔

حافظ: مصلحت کوئی بھی نہیں تھی صرف امام بخاری محتاط بہت زیادہ تھے اور نقل اخبار میں بہت جانچ پڑتال کرتے تھے چنانچہ جس روایت کو سند یا عبارت کے لحاظ سے مشکوک اور عقل کیخلاف پایا اس کو نقل نہیں کیا۔

خیر طلب: قاعدۂ حب الشئی یعمی ویصمد (یعنی کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے) کیمطابق اس مقام پر حضرات اہل سنت کو غلط فہمی ہوئی ہے کیوں کہ آپ ان کے بارے میں غلو رکھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ امام بخاری بہت باریک بین تھے اور جو روایت انہوں نے اپنی صحیح میں درج کی ہے وہ انتہائی معتبر اور وحی کی منزل کے مانند ہے حالانکہ ایسا ہے نہیں بخاری کے سلسلۂ اسناد میں بکثرت مردود، منفور کذاب اور جعال اشخاص موجود ہیں۔

حافظ: آپ کا یہ بیان مردود و منفور ہے اس لیئے کہ آپ نے بخاری کے مرتبۂ علم و دانش کی توہین کی ہے (یعنی سارے اہل سنت و جماعت کی اہانت کی ہے۔)

خیر طلب: اگر علمی تنقید اہانت ہے تو آپ کے تمام بڑے بڑے علماء جنہوں نے روایات کی گہری تحقیق کی ہے اور آپ کی معتبر صحاح کی بلکہ مخصوص طور پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی بہت سی روایتوں کو ان کے سلسلۂ اسناد میں مردود، کذاب اور جعال اشخاص کے موجود ہونے کی وجہ سے رد کر دیا ہے سب کے سب مرتبۂ علم و دانش کی توہین کرنے والے اور مردود تھے۔

بہتر ہو گا کہ آپ حضرات کتب اخبار میں ذرا دقت نظر سے کام لیں اور مطالعے کے وقت غلو کی نگاہ سے نہ دیکھیں کہ چونکہ یہ بخاری یا مسلم میں ہیں لہذا جو کچھ نقل کر دیا ہے ہر حیثیت سے صحیح اور یقینی ہے۔

ضروری ہے کہ آپ اور وہ علماء جو صحاح ستہ اور بالخصوص صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں غلو کا عقیدہ رکھتے ہیں پہلے ان کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں جو اخبار کی جرح و تعدیل میں لکھی گئی ہیں تاکہ امام بخاری کی قدر و منزلت اور نقل احادیث میں ان کی گہری تحقیق کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ اگر آپ اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ سیوطی، میزان الاعتدال، تلخیص المستدرک ذہبی، تذکرۃ الموضوعات ابن جوزی، تاریخ بغداد مولفہ ابوبکر احمد ابن علی خطیب بغدادی اور علم رجال میں اپنے دوسرے بزرگ علماء کی ساری کتابیں پڑھیں تو پھر مجھ پر اعتراض نہ کریں اور یہ نہ فرمائیں کہ تم نے حضرت بخاری کی اہانت کی ہے۔

بخاری اور مسلم نے مردود اور جعل ساز رجال سے روایتیں نقل کی ہیں

آخر میں نے کون سی ایسی بات عرض کی کہ آپ اس قدر غصہ میں بھر گئے؟ میری گذارش تو صرف یہی تھی کہ آپ کی صحاح یہاں تک کہ صحیحین بخاری و مسلم میں بھی مردود اور کذّاب رجال سے جعلی روایات و احادیث مروی ہیں۔ اگر آپ کتب رجال کو پیش نظر رکھتے ہوئے صحیح بخاری کی روایتوں کا غور سے مطالعہ فرمائیں تو نظر آجائے گا کہ انہوں نے بکثرت جعّال، وضّاع اور مردود رجال سے خبریں نقل کی ہیں جیسے ابوہریرہ کذّاب، عکرمہ خارجی، محمد بن عبد سمرقندی محمد بن بیان، ابراہیم بن مہدی ابلّی، یونس بن احمد واسطی، محمد بن خالد جبلی، احمد بن محمد یمانی عبداللہ بن واقد حرّانی، ابوداؤد سلیمان بن عمرو کذّاب، عمران بن حطّان اور ان کے علاوہ دوسرے مردود راوی جن کی پوری فہرست پیش کرنے کا نہ وقت ہے نہ سب میرے حافظہ میں محفوظ ہے اگر آپ رجال کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں تو حقیقت امر ظاہر ہو جائے گی کہ حضرت بخاری ویسے نہیں ہیں جیسے آپ کی نگاہوں میں پھر رہے ہیں۔ یعنی غیر معمولی طور پر تحقیق اور احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ نقل اخبار میں اشخاص کے صرف ظاہری حالات پر توجہ رکھتے تھے ہماری اصطلاح میں اپنی جگہ پر بہت خوش فہم اور خوش عقیدہ تھے اور جس شخص سے بھی کوئی ایسی روایت سن لی جو بظاہر ٹھیک ہو اس کو درج کر لیا۔

اس مطلب پر خود آپ کے علماء کی کتب رجالیہ گواہ ہیں۔ جن میں سے بعض کی طرف میں اشارہ کر چکا ہوں کہ انہوں نے موضوع اور مردود روایات کو چھانٹ کے الگ کر دیا ہے اور بخاری و مسلم کے سلسلۂ روایات میں محققانہ دقت نظر سے کام لیتے ہوئے ان میں سے بہتوں کا پردہ فاش کر دیا ہے تاکہ آج ہماری اور آپ کی توجہ مبذول ہو اور ان کتابوں پر نظر رکھتے ہوئے آج رات کو یہ نہ فرمائیے کہ حدیث ثقلین اور عترت طاہرہ سے تمسک کو بخاری نے اپنی احتیاط کی وجہ سے نقل نہیں کیا۔ آیا عقل باور کرتی ہے کہ ایک محقق اور محتاط عالم غیر موثق، کذّاب اور وضّاع راویوں سے ایسی فرضی روایتیں نقل کرے جو اہل علم اور ارباب عقل و دانش کے نزدیک مضحکہ بن کے رہ جائیں، کیا کلیم اللہ کا ملک الموت کے منہ پر طمانچہ مار کے ان کو اندھا بنا دینا یا آپ کا پابرہنہ بغیر ساتر عورتین کے بنی اسرائیل کے درمیان دوڑنا جس کا تذکرہ میں پہلے کر چکا ہوں، خرافات اور موہومات میں سے نہیں ہے۔؟

کیا قیامت کے روز خدا کی رویت یا اس کے زخمی پاؤں یا اپنی پنڈلی کھولنے کی حدیثیں جو انہوں نے صحیح کے اندر نقل کی ہیں اور ان میں سے بعض کی طرف میں اشارہ بھی کر چکا ہوں کفریات میں سے نہیں ہیں۔؟

صحیحین بخاری و مسلم میں مضحک روایت اور رسولؐ کی اہانت

کیا یہ بخاری کی سخت علمی اور عملی احتیاط ہی کا نتیجہ ہے کہ اپنی صحیح جلد دوم باب اللہو بالحراب ص۱۲۰ میں اور اسی طرح مسلم صحیح جلد اوّل باب الرخصۃ فی اللعب الذی مامعصیۃ فیہ فی ایام السعید میں ابوہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید کے روز کچھ حبشی سیاح مسجد رسولؐ میں جمع ہوئے تھے اور ناچ کود کے فن سے لوگوں کو خوش کر رہے تھے۔ رسول اللہ نے عائشہ سے فرمایا کیا تم بھی دیکھنا چاہتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ حضرت نے ان کو اپنی پیٹھ پر اس طریقہ سے سوار کیا کہ انہوں نے اپنا سر آں حضرتؐ کے کاندھے کے اوپر سے نکالا اور چہرہ آپ کے چہرۂ مبارک پر رکھ لیا۔ آں حضرتؐ عائشہ کو محظوظ کرنے کے لیئے اُن لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے کہ اس سے بہتر ناچ دکھائیں، یہاں تک عائشہ تھک گئیں تو ان کو زمین پر اتار دیا۔

خدا کے لیئے انصاف کیجئے کہ اگر آپ حضرات میں سے کسی کی طرف ایسی بات منسوب کی جائے تو کیا آپ ناراض نہ ہوں گے اور اس کو اپنی توہین نہ سمجھیں گے؟ اگر کوئی جناب حافظ صاحب سے کہے کہ مجھ سے ایک راوی نے بیان کیا ہے کہ کل شب میں جب حافظ صاحب کے مکان کی پشت پر بازی گروں کا ایک دستہ سازندگی اور بازیگری میں مشغول تھا تو میں نے دیکھا کہ جلیل القدر عالم جناب حافظ صاحب اپنی بیوی کو پیٹھ پر اُٹھائے تماشہ دیکھ رہے تھے بلکہ بازی گروں سے یہ بھی کہہ رہے تھے کہ خوب ناچے جاؤ تاکہ میری بیوی اور لطف اندوز ہو۔ تو للہ سچ کہیئے گا کہ یہ بات سُن کر حافظ صاحب متاثر اور شرمندہ تو نہ ہوں گے؟ اور میں ایک مخلص خادم ہونے کے بعد اگر کسی شخص سے ایسی خبر سنوں چاہے وہ بظاہر معتبر ہی ہو تو کیا میرے لیئے اس کو نقل کرنا مناسب ہے؟ اور اگر میں بیان کر دوں تو عقلمند لوگ یہ نہ کہیں گے کہ فلاں جاہل نے ایک بات کہدی تو آپ نے ہوشیار ہو کر کیوں اس کو نقل کیا؟

اب ذرا بخاری کی روایتوں پر فیصلہ دیجئے کہ اگر وہ واقعی محقق اور اخبار کی چھان بین کرنے والے تھے تو فرض کیجئے ایسی روایت انہوں نے سنی تھی تو کیا مناسب تھا کہ اس کو اپنی کتاب میں نقل بھی کریں اور پھر مولوی صاحبان اس کتاب کو اصح الکتب بعد القرآن بتائیں؟

لیکن حدیث ثقلین کو جس میں رسول اللہؐ اپنی اُمت کو حکم دے رہے ہیں کہ میرے بعد قرآن مجید اور میرے اہل بیتؑ طاہرین سے تمسک کرو، نقل نہ کریں (کیونکہ عترت کا نام بیچ میں ہے) البتہ فرضی گھڑی ہوئی روایتیں جن کی پوری تفصیل کا وقت نہیں اپنی کتابوں کے ابواب میں درج کریں۔

ہاں ایک پہلو سے میں ضرور آپ کے بیان کی تصدیق کرتا ہوں کہ علماء اہل سنت کے درمیان بخاری صاحب یقیناً اس حیثیت سے بہت محتاط تھے کہ جس روایت میں یہ نظر آیا کہ عنوان امامت و ولایت کے لحاظ سے ولایت علی ابن ابی طالب اور حرمت اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے ثبوت میں کوئی راہ نکل رہی ہے تو احتیاطاً اس کو نقل نہیں کیا کہ ایسا نہ ہو کسی روز یہ عقلمندوں کے ہاتھ کا حربہ بن جائے اور وہ حق و حقیقت کو ظاہر کر دیں چنانچہ جب ہم صحاح کی جلدوں کا صحیح بخاری سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں۔ کہ اس روشن موضوع پر کوئی روایت چاہے وہ متواتر، ضروری اور قرآن و آیات الٰہی کی تائید سے مضبوط ہی ہو انہوں نے نقل نہیں کی ہے جیسے آیات مبارکہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ وانما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم راکعون۔ وانذر عشیرتک الاقربین الخ

کی شان نزول میں بکثرت حدیثیں، حدیث ولایت یوم الغدیر، حدیث انذار یوم الدار، حدیث مواخات، حدیث سفینہ، حدیث باب الحطہ اور دوسری وہ حدیثیں جو اہلبیتؑ طہارت کی حرمت و ولایت کے اثبات سے نسبت رکھتی تھیں انہوں نے احتیاطاً نقل نہیں کیں۔ لیکن ہر وہ حدیث جو انبیاء کرام اور بالخصوص حضرت خاتم الانبیاء کے وجود اقدس اور آل حضرتؐ کی عترت طاہرہ کے مقامات و مدارج عالیہ کی اہانت کا کوئی پہلو رکھتی تھی وہ (چاہے کسی جعال، کذاب اور وضاع ہی سے منقول ہو) بغیر احتیاط کے نقل کر دی جن میں بعض کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

حدیثِ ثقلین کے اسناد

اب میں مجبور ہوں کہ آپ کی بعض معتبر کتابوں کی طرف اشارہ کروں تاکہ آپ بھی جان لیں کہ حدیث مبارکہ ثقلین کو اگر بخاری صاحب نے درج نہیں کیا ہے تو آپ کے دوسرے اکابر و موثقین علما یہاں تک کہ بخاری کے ہم پلہ رجیسا کہ آپ بھی مانتے ہیں) مسلم بن حجاج نے بھی نقل کیا ہے۔

مسلم بن حجاج نے صحیح مسلم جلد ہفتم صـ۱۲۲ میں ترمذی نے صحیح میں ابوداؤد نے سنن جزء دوم صـ۳۰۷ میں نسائی نے خصائص صـ۳۰ میں امام احمد بن حنبل نے مسند جلد سوم صـ۱۴، ۱۷ و جلد چہارم صـ۲۶، ۵۹ و جلد پنجم صـ۱۸۲، ۱۸۹ میں حاکم نے مستدرک جلد سوم صـ۱۰۹، ۱۴۸ میں، حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیتہ الاولیا جلد اول صـ۳۵۵ میں سبط ابن جوزی نے تذکرۃ صـ۱۸۲ میں ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ جلد دوم صـ۱۲ و جلد سوم صـ۱۴۷ میں حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں، رزین نے جمع بین الصحاح الستہ میں، طبرانی نے کبیر میں، ذہبی نے تلخیص مستدرک میں ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں محمد ابن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں خطیب خوارزمی نے مناقب میں سلیمان بلخی

حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۴ میں، میر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ کی مودۃ دوم میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، شبلنجی نے نور الابصار صـ۹۹ میں نور الدین بن صباغ مالکی نے فصول المہمہ صـ۲۵ میں، حموینی نے فرائد السبطین میں امام ثعلبی نے تفسیر کشف البیان میں سمعانی و ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب اوّل بیان صحت خطبہ غدیر خم وضمن باب ۶۲ صـ۱۳۰ میں محمد بن سعد کاتب نے طبقات جلد چہارم صـ۸ میں فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد سوم ضمن آیۂ اعتصام صـ۱۸ میں ابن کثیر دمشقی نے تفسیر جلد چہارم ضمن آیۂ مودت صـ۱۱۳ میں، ابن عبدربہ نے عقد الفرید جلد دوم صـ۱۵۸، ۳۴۶ میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جزء ششم صـ۱۳۰ اسلیمان حنفی نے ینابیع المودۃ صفحات ۱۸، ۲۵، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۴، ۹۵، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۹۹، ۲۳۰، میں مختلف عبارتوں کے ساتھ، ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ صفحات ۷۵، ۸۷، ۹۰، ۹۹، ۱۳۶، میں مختلف عبارتوں کے ساتھ اور آپ کے دوسرے اکابر علماء نے جن کے سارے اقوال نقل کرنا اس مختصر وقت جلسہ میں دشوار ہے الفاظ و عبارات کے مختصر اختلاف کے ساتھ اس حدیث مبارک کو جو نقل اقوال خاصہ و عامہ سے تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض من توسل (تمسک) بھما فقد نجی ومن تخلف عنھا فقد ھلک۔ ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا ابدا (یعنی بہ تحقیق۔ میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور میری عترت و اہل بیت یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر کے کنارے میرے پاس پہنچ جائیں جو شخص ان دونوں سے توسل و تمسک رکھے گا وہ یقیناً نجات یافتہ ہے اور جو شخص ان دونوں سے منہ موڑے گا۔ تو وہ یقیناً ہلاک شدہ ہے جب تک ان دونوں سے تمسک کرو گے ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو گے)۔

یہ ہماری ایک محکم دلیل ہے کہ ہم رسولؐ کے حکم سے قرآن کریم اور اہل بیتؑ طاہرین علیہم السلام سے تمسک و توسل رکھنے پر مجبور رہیں۔)

شیخ: اس حدیث کو صالح بن موسیٰ بن عبداللہ بن اسحٰق بن طلحہ بن عبداللہ القرشی التیمی الطلحی نے اپنی سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ انی قد خلفت فیکم ثنتین کتاب اللہ و سنتی۔ الخ

خیر طلب: آپ نے پھر یک طرفہ ایک بدکار، متروک، ضعیف اور ارباب جرح و تعدیل، جیسے ذہبی، یحییٰ امام نسائی، بخاری اور ابن عدی وغیرہ کے نزدیک مردود فرد سے حدیث نقل کر کے وقت ضائع کیا۔

جناب من!

کیا آپ ہی کے اکابر علماء سے اس قدر معتبر روایتوں کا نقل کرنا آپ کے لیے کافی نہیں ہوا جو اپنے نقاد

علماء کے نزدیک ایسی ناقابل قبول حدیث کا سہارا ڈھونڈھا؟ حالانکہ فریقین (سنی و شیعہ) کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اکرمؐ نے کتاب اللہ و عترتی فرمایا ہے نہ کہ سُنتی کیونکہ کتاب و سنت دونوں اپنے لئے شارح چاہتی ہیں۔ اور جب سنت خود شارح کی محتاج ہے تو قرآن کی پوری شارح نہیں بن سکتی لہٰذا عدیل قرآن عترت اور اہل بیتؑ ہیں جو قرآن کی تفسیر کرنے والے بھی ہیں اور سنت رسولؐ کے ظاہر کرنے والے بھی۔

حدیث سفینہ

اہل بیت رسولؐ کے توسل پر ہماری دلیلوں میں سے معتبر حدیث سفینہ بھی ہے جس کو آپ کے بہت بڑے بڑے علماء نے تقریباً تواتر کی حد تک نقل کیا ہے۔ جس قدر میرے پیش نظر ہے آپ کے ۱۰۰ سے زیادہ اکابر علماء نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے مثلاً مسلم بن حجاج نے اپنی صحیح میں، امام احمد بن حنبل نے مسند میں، حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں، ابن عبد البر نے استیعاب میں، ابوبکر خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں، ابن اثیر نے نہایہ میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ میں، ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ میں، علامہ نور الدین سمہودی نے تاریخ المدینہ میں، سید مومن شبلنجی نے نور الابصار میں، امام فخر الدین رازی نے تفسیر مفاتیح الغیب میں، جلال الدین سیوطی نے درّ المنثور میں، امام ثعلبی نے تفسیر کشف البیان میں، طبرانی نے اوسط میں، حاکم نے مستدرک جلد سوم ص۱۵۱ میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۴ میں، میر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ مودت دوم میں، ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ ذیل آیۂ ہشتم میں، طبری نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں، محمد بن یوسف گنجی نے کفایت الطالب باب ۱۰۰ ص۲۳۳ میں اور آپ کے دوسرے بڑے بڑے علماء نے نقل کیا ہے کہ حضرت خاتم الانبیاءؐ نے فرمایا انما مثل اھل بیتی فیکم کمثل سفینۃ نوح من رکب نجیٰ و من تخلف عنھا ھلک (یعنی سوا اس کے نہیں ہے کہ تمہارے درمیان میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کے مثل ہے کہ جو شخص اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی۔ اور جس شخص نے اس سے روگردانی کی ہلاک ہوگیا)۔

نیز امام محمد بن ادریس شافعی نے اپنے اشعار میں اس حدیث کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ علامہ فاضل عجیلی نے ذخیرۃ المآل میں ان کو اسطرح سے نقل کیا ہے۔

ولما رائیت الناس قد ذھبت بھم — مذاھبھم فی ابحر الغیّ والجھل

رکبت علی اسم اللہ فی سفن النجا — وھم اھل بیت المصطفیٰ خاتم الرسل

وامسکت حبل اللہ وھو ولاؤھم — کما قد امرنا بالتمسک بالحبل

اذا افترقت فی الدین سبعون فرقۃ — ونیفا علی ما جاء فی واضح النقل

ولم یک ناج منھم غیر فرقۃ — فقل لی بھا یا ذا الرجاحۃ والعقل

افی الفرقۃ الھلاک آل محمد ۔۔۔ ام الفرقۃ اللاتی نجت منھم لی قل

فان قلت فی الناجین فالقول واحد ۔۔۔ وان قلت فی الھلاک حفت عن العدل

اذا کان مولی القوم منھم فاننی ۔۔۔ رضیت بھم لا زال فی ظلھم ظلّ

رضیت علیا لی اماما و نسلہ ۔۔۔ وانت من الباقین فی اوسع الحل[۱]

اگر آپ ان کھلے ہوئے اور وہ بھی اہل سنت وجماعت کے پیشوائے بزرگ امام شافعی کے اشعار پر پوری توجہ فرمائیں تو دیکھیں گے کہ وہ کیونکر اس کا اقرار کر رہے ہیں کہ اس سفینے کی سواری اور اس پاک خاندان سے تمسک اور توسل ذریعۂ نجات ہے کیونکہ اُمت مرحومہ کے بہتّر فرقوں میں سے ناجی فرقہ صرف وہی ہے جو آل محمد کے دامن سے متمسک اور متوسل ہے اور بس چنانچہ شیعہ خود رسول اللہ کے حسب الحکم خدا کی طرف اسی خاندان جلیل کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں ایک بات اور یاد آگئی کہ اگر آپ کے قول کے مطابق انسان واسطے اور وسیلے کا محتاج نہیں ہے اور بارگاہ خداوندی میں اگر وسیلے کے ساتھ فریاد واستغاثہ بلند کرے تو گنہگار اور مشرک ہوگا۔ تو پھر خلیفہ ثانی عمر ابن الخطاب کس لیے احتیاج اور اضطرار کے موقع پر واسطے کے ساتھ خدا کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس طرح استغاثہ کر کے کامیابی حاصل کرتے تھے؟

حافظ: ہرگز خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے واسطے کے ساتھ کوئی عمل انجام نہیں دیا اور یہ پہلا موقع ہے جب میں ایسے الفاظ سن رہا ہوں گذارش ہے کہ اس کا محل بیان فرمایئے۔

خیر طلب: خلیفہ احتیاج کے مواقع پر بار بار اہل بیت رسالت اور آل حضرت کی عترت طاہرہ کا وسیلہ ڈھونڈھتے رہتے تھے اور انہیں کے توسل سے خدا کی طرف رجوع کر کے مطلب حاصل کرتے تھے وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے صرف دو موقعے نمونے کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

(۱) ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں آیۃ ۱۴ کے بعد تاریخ دمشق سے نقل کرتے ہیں کہ ۱۷ھ ہجری میں دعائے بارش کے لیے لوگ کئی مرتبہ نکلے لیکن کوئی نتیجہ نہیں ہوا سب بہت متاثر اور پریشان ہوئے تو عمر ابن الخطاب نے کہا کہ اب میں کل ضرور بالضرور اس شخص کے وسیلہ سے طلب باراں کروں گا جس کے واسطے سے حق

---

(۱) جب میں نے لوگوں کو جہل و گمراہی کے دریا میں غرق دیکھا تو خدا کے نام پر نجات کی کشتیوں میں بیٹھا جو خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفےٰ کے اہل بیت ہیں۔ میں نے جبل خدا سے تمسک کیا جو اسی خاندان کی دوستی ہے جیسا کہ ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ اس جبل سے متمسک رہیں۔ جس وقت دین کے اندر ستر سے زیادہ فرقے پیدا ہوگئے جیسا کہ حدیث میں واضح طور پر آیا ہے اور ان میں سے سوا ایک فرقہ کے کوئی ناجی نہیں ہے تو مجھ سے کہو اے صاحب عقل و دانش کہ آیا خاندان رسالت اور آل محمد علیہم السلام کسی باطل فرقہ میں سے ہیں باقی ص ۹۶ پر

طور پر خدا ہم کو پانی دے گا۔ دوسرے دن صبح کو خلیفہ عمر آں حضرت صلعم کے چچا عباس کے پاس گئے اور کہا اخرج بنا حتی نستسقی اللہ بك (ہمارے ساتھ باہر چلو تاکہ ہم بارگاہ الٰہی میں تمہارے وسیلے سے پانی طلب کریں)۔

"جناب عباس نے فرمایا تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ تاکہ میں وسیلہ مہیا کر لوں، پھر کسی کو بھیج کر بنی ہاشم کو اطلاع کی اور پاک لباس پہن کے اور خوشبو لگا کے اس صورت سے باہر آئے کہ علی علیہ السلام عباس کے آگے امام حسن داہنی طرف، امام حسینؑ بائیں طرف اور دوسرے بنی ہاشم پیچھے پیچھے تھے اس وقت فرمایا کہ اے عمر کسی اور شخص کو ہمارے ساتھ شامل نہ کر چنانچہ اسی حالت سے مصلےٰ تک پہنچے اور جناب عباس نے مناجات کے لئے ہاتھ بلند کر کے عرض کیا، پروردگار اتو نے ہم کو خلق فرمایا اور جو کچھ ہم عمل کرتے ہیں تو اس سے واقف ہے پھر عرض کیا۔ کہ اللہم کما تفضلت علینا فی اولہ فتفضل علینا فی آخرہ (یعنی خداوندا جس طرح تو نے ابتدا میں ہم پر فضل کیا اسی طرح آخرہ میں ہمارے اوپر تفضل فرما) جابر کہتے ہیں کہ ابھی ان کی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ بادل آنا شروع ہوئے اور پانی برسنے لگا۔ ابھی ہم لوگ گھروں تک نہیں پہنچے تھے کہ بارش سے بھیگ گئے۔

نیز بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قحط کے زمانہ میں عمر ابن خطاب عباس ابن عبدالمطلب کے وسیلے سے بارگاہِ خداوندی میں پانی کے لیئے دعا کر رہے تھے اور کہتے تھے۔ اللہم انا نتوسل الیك بعم نبینا فاسقنا فیسقون (یعنی خداوندا ہم تیری طرف عم رسول کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں ہم کو سیراب کر دے! چنانچہ ان لوگوں پر نزول باراں ہوا)۔

نمبر ۲ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ (مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۲۵۶ میں نقل کرتے ہیں کہ خلیفہ عمر جناب عباس عم رسول کے ہمراہ استسقاء کے لئے گئے اور اس طرح دعا کی اللہم انا نتقرب الیك بعم نبیك وبقیۃ آبائہ وکبر رجالہ فاحفظ اللہم نبیك فی عمہ فقد دلونا بہ الیك مستشفعین و مستغفرین۔ (یعنی خداوندا ہم تیری طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں تیرے پیغمبر کے چچا اور ان کے آباء اور بزرگ مردوں میں سے باقی ماندہ کے ذریعہ سے، پس اپنے پیغمبرؐ کی منزل ان کے چچا کے بارے میں محفوظ رکھ کیونکہ ہم نے ان کی وجہ سے تیری طرف ہدایت پائی تاکہ شفاعت طلب کریں اور استغفار کریں۔

بقیہ صد ۹۵ سے آگے صدا یا نجات پانے والے حق فرقے کے افراد؟ اگر یہ کہو کہ فرقۂ ناجیہ میں ہیں تو ہمارا اور تمہارا قول ایک ہے اور اگر یہ کہو کہ باطل اور ہلاک ہونے والے فرقوں کے ساتھ ہیں تو تم صراط مستقیم سے منحرف ہو گئے، اگر قوم کا سردار ان حضرات میں سے ہو تو میں بخوشی انکا اطاعت کیلئے آمادہ ہوں انکا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پر قائم رہے یا علیؑ اور ان کی اولاد کی امامت پر راضی ہوں جو حق ہے اور تم ان باطل فرقوں میں رہو اس روز تک جب حقیقت ظاہر ہو جائے۔

حضرات اہل سنّت اور پیروان خلیفہ عمر کے حالات تو اس مشہور مثل کیمطابق ہیں کہ کاسہ گرم تر از آتش یعنی شوربے سے زیادہ پیالہ گرم ہے) کیونکہ خلیفہ عمر دعا اور احتیاج و اضطرار کے وقت عترت و اہل بیت رسولؐ کو اپنا شفیع قرار دیتے ہیں اور ان کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں طلب حاجت کرتے تھے تو ان پر کوئی اعتراض نہیں لیکن جس وقت ہم شیعہ اس برگزیدہ خاندان کو شفیع بناتے ہیں اور ان کا توسل اختیار کرتے ہیں تو ہم کو سخت اعتراض کیساتھ کافر و مشرک کہا جاتا ہے اگر آل محمدؐ اور عترت طاہرہ کو خدا کی طرف شفیع قرار دینا شرک ہے تو آپ ہی کے علماء کی روایتوں کے مطابق خلیفہ عمر ابن خطاب قطعاً سب سے پہلے مشرک ٹھہرتے ہیں اور اگر خلیفہ کا وہ عمل شرک نہیں تھا بلکہ بہترین کام تھا۔ (کیونکہ خلیفہ نے اس کا انتخاب کیا تھا) تو یقیناً شیعوں کے اعمال اور آل محمد علیہم السلام سے ان کا توسل بھی ہرگز شرک نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا آپ حضرات کو چاہیئے کہ قطعی طور پر اپنی یہ باتیں چھوڑ دیں بلکہ استغفار کریں (کیونکہ بے لوث اور موحد شیعوں کی طرف ایسی غلط نسبت دی ہے) تاکہ غضب الٰہی کے مستحق نہ بنیں اس لیئے کہ جب خلیفہ عمر بزرگان صحابہ کی ہمراہی میں بھی چاہے جسقدر دعا کریں لیکن بغیر اہل بیت رسولؐ کے وسیلے کے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو تو آپ کیونکر امید رکھتے ہیں کہ ہم بغیر واسطے اور سہارے کے دعا کر کے کامیاب ہو جائیں گے۔

پس آل محمد سلام اللہ علیہم اجمعین عہد رسولؐ سے لے کر ہمارے موجودہ زمانے تک ہر دور میں خدا کی طرف بندوں کے وسیلے تھے اور ہیں اور ہم لوگ بھی حاجت روائی میں ان کی خود مختاری کے قائل نہیں ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کو خدا کے صالح بندے، برحق امام اور درگاہ خدا میں مقرب سمجھتے ہیں لہٰذا اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ قرار دیتے ہیں۔

اس مقصد پر سب سے بڑی دلیل ہماری دعاؤں کی کتابیں ہیں کیونکہ آئمہ معصومینؑ سے تمام ماثورہ دعاؤں میں ہم کو جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کے علاوہ کوئی اور ہدایت ہی نہیں دی گئی ہے اور ہم نے بھی اس طریقے کے خلاف نہ کوئی عمل کیا ہے اور نہ کریں گے۔

حافظ: آپ کے یہ بیانات ہماری سنی ہوئی باتوں کیخلاف ہیں۔

خیر طلب: اپنی سنی سنائی باتوں کو چھوڑیئے اور مشاہدات کا ذکر کیجئے۔ کیا آپ نے ہمارے بڑے علماء کی کچھ معتبر کتب ادعیہ کا مطالعہ کیا ہے؟

حافظ: نہیں مجھ کو موقع نہیں ملا۔

خیر طلب: مناسب یہ تھا کہ پہلے آپ اس قسم کی کتابیں ملاحظہ فرما لیتے اس کے بعد اعتراض فرماتے۔ اس وقت دعا و زیارت کی دو کتابیں میرے ہمراہ ہیں۔ ایک علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی تالیف "زاد المعاد" اور

دوسری "ہدیۃ الزائرین" مؤلفہ فاضل محدث وعالم متبحر آقائی حاج شیخ عباس قمی دامت برکاتہ یہ مطالعے کے لیئے حاضر ہیں رہیں نے دونوں جلدیں مولوی صاحبان کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اور انہوں نے دیکھنا شروع کیا، ادعیۂ توسل کو پڑھا اور غور کیا لیکن کسی مقام پر خاندان رسالت کے لیئے خود مختاری کا ذکر نہیں کیا بلکہ ہر جگہ ان کو واسطہ کہا گیا ہے اس وقت مولوی سید عبدالحی نے دعائے توسل کو جو عـ ملا مجلسی علیہ الرحمہ نے سلسلۂ محمد ابن بابویہ قمی علیہ الرحمہ آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے نقل کی ہے نمونہ کے طور پر آخر تک پڑھی جس کا شروع یہ ہے۔

دعائے توسّل

اَللّٰھُمَّ انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک نبی الرحمۃ محمد صلی اللہ علیہ والہٖ یا ابا القاسم یا رسول اللہ یا امام الرحمۃ یا سیدنا و مولانا انا توجھنا واستشفعنا و توسلنا بک الی اللہ وقدمناک بین یدی حاجاتنا یا وجیھا عند اللہ اشفع لنا عند اللہ یا ابا الحسن یا امیر المؤمنین یا علی ابن ابی طالب یا حجۃ اللہ علی خلقہ یا سیدنا و مولانا انا توجھنا واستشفعنا و توسلنا بک الی اللہ قدمناک بین یدی حاجاتنا یا وجیھا عند اللہ اشفع لنا عند اللہ ۔

جس نوعیت سے امیر المومنین علیہ السلام کو خطاب کیا گیا ہے اس کے بعد اسی طرح سے کل آئمۂ معصومین علیہم السلام کے لیئے بھی ہے اور خطاب میں ان کو یا حجۃ اللہ علی خلقہ کہا جاتا ہے یعنی اے حجت خدا خلق خدا پر آخر دعا تک آئمۂ طاہرین میں سے ایک ایک کا نام لے کر توسل اختیار کیا گیا ہے اور اس طریقہ سے مخاطب کیا گیا ہے کہ اے ہمارے سید و مولا ہم آپ کے وسیلے سے خدا کی طرف توجہ و توسل اور طلب شفاعت کرتے ہیں۔ اے خدائے تعالیٰ کے نزدیک صاحب عزت بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش فرمایئے۔ یہاں تک کہ آخر دعا میں سارے خاندان رسالت کو مخاطب کر کے کہا ہے:

یا ساداتی و موالی انی توجھت بکم ائمتی وعدتی لیوم فقری وحاجتی الی اللہ و توسلت بکم الی اللہ واستشفعت بکم الی اللہ فاشفعوا لی عند اللہ واستنقذونی من ذنوبی عند اللہ فانکم وسیلتی الی اللہ وبحبکم وبقربکم ارجوا نجاۃ من اللہ فکونوا عند اللہ رجائی یا ساداتی یا اولیاء اللہ ۔

جس وقت وہ حضرات یہ دعائیں پڑھ رہے تھے بعض مہذب اور محترم سنی حضرات ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے۔

اور بار بار کہتے تھے لا الٰہ الّا اللہ سبحان اللہ کس طرح سے غلط فہمی پھیلاتے ہیں)۔

(میں نے کہا)، میں آپ حضرات سے انصاف چاہتا ہوں۔ ان دعاؤں کی عبارتوں میں کس مقام پر شرک کے آثار پائے جاتے ہیں؟ کیا ہر جگہ خدائے تعالےٰ کا مقدس نام موجود نہیں ہے؟ ہم نے دعا کی کون سی عبارت میں ان حضرات کو باری تعالیٰ کا شریک قرار دیا ہے؟ آخر کس لیئے آپ ہم لوگوں پر تہمت لگاتے ہیں؟ کس وجہ سے موحد مسلمانوں کو غالی اور مشرک کہتے ہیں؟ کس غرض سے مسلمانوں کے دلوں میں بغض و عداوت کا بیج بوتے ہیں؟ کس مقصد سے ناواقف لوگوں کی نظر میں حقیقت کو مشتبہ بناتے ہیں؟ تاکہ وہ اپنے دینی اور ایمانی بھائیوں کو کافر سمجھیں آپ کے کتنے ناواقف اور متعصب عوام بیچارے شیعوں کو اسی خیال سے قتل کرتے ہیں کہ ہم نے ایک کافر کو قتل کیا لہذا جنتی ہو گئے۔ ایسے امور کا مظلمہ آپ ہی جیسے علماء کی گردنوں پر ہے۔

اب تک کیوں نہیں سنا گیا کہ ایک شیعہ فرد نے چاہے وہ سنسان جنگل کے اندر ہو اور جاہل و وحشی ہو کسی سنی کے قتل کا اقدام کیا ہو!

بات یہ ہے کہ شیعہ علماء اور مبلغین زہر نہیں پھیلاتے، شیعہ اور سُنّی کے درمیان عداوت کا بیج نہیں بوتے اور قتل نفس کو گناہ عظیم سمجھتے ہیں۔ ہم شیعہ اور سنی کے درمیان مابہ الاختلاف مسائل کو علم اور منطق کی روشنی میں بیان کر کے ان کو حقیقت مذہب سے باخبر کرتے ہیں لیکن گفتگو کے ضمن میں ان کو یہ بھی سمجھا دیتے ہیں کہ سنی ہمارے مسلمان بھائی ہیں لہذا شیعہ جماعت کو ان کی طرف کینے اور دشمنی کی نظر سے نہ دیکھنا چاہیئے بلکہ برادرانہ طریقے سے آپس میں متحد رہنا چاہیئے تاکہ ہم سب مل کر لا الٰہ الا اللہ کا پرچم بلند کریں۔

لیکن اس کے برعکس متعصب سنی علماء کے طرزِ عمل سے ہم کو افسوس ہوتا ہے کہ ابوحنیفہ، مالک ابن انس، محمد ابن ادریس شافعی اور احمد ابن حنبل کے پیروؤں کو باوجودیکہ ان کے درمیان کثیر اُصولی اور فروعی اختلافات ہیں ہر مقام پر آزادی دیتے ہیں اور مسلمان بھائی کہتے ہیں لیکن علی ابن ابی طالب اور صادق آل محمد علیہما السلام جو عترت و اہل بیت رسالت ہیں، ان کے پیروؤں کو غالی، مشرک اور کافر نام زد کرتے ہیں اور ان کی آزادی سلب کرتے ہیں تاکہ سنی ممالک کے اندر ان کی جان و مال محفوظ نہ رہے۔ کتنے زیادہ ہیں ایسے صاحبان علم و تقوےٰ شیعہ جو سنی علماء کے فتوے سے شہید کیئے گئے لیکن اس کے برعکس ایسا عمل شیعہ علماء کی طرف سے کیا بلکہ عوام شیعہ کی جانب سے بھی جن سے اس کا انجام پانا زیادہ سہل ہے کسی جاہل سنی کے لیئے بھی صادر نہیں ہوا ہے آپ کے علماء اکثر بالعموم شیعوں پر لعنت کرتے ہیں لیکن شیعہ علماء کی کسی کتاب میں یہ نہیں دیکھا گیا ہے کہ انہوں نے اہل تسنن لعنہم اللہ لکھا ہو۔

حافظ: آپ زیادتی کر رہے ہیں، کون سا صاحب علم و تقویٰ شیعہ ہمارے علماء کے فتوے سے قتل ہوا ہے کہ

آپ بلا وجہ جوش دلا رہے ہیں، اور کس نے ہمارے علماء میں سے شیعوں پر لعنت کی ہے۔

خیر طلب:۔ اگر میں آپ کے علماء اور عوام کے حرکات تفصیل سے بیان کرنا چاہوں تو ایک نشست نہیں بلکہ کئی مہینے درکار ہوں گے لیکن نمونے اور اثبات مطلب کے لیئے ان کے بعض اعمال و اطوار کی طرف جو تاریخ کے صفحات پر نقش ہیں اشارہ کیئے دیتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ جوش نہیں دلاتا ہوں بلکہ حقیقت پیش کرتا ہوں۔

اگر آپ بڑے بڑے متعصب علماء کی کتابیں غور سے مطالعہ کیجئے تو لعنت کے مواقع خود ہی نظر آجائیں گے نمونے کے طور پر تفسیر امام فخر الدین رازی کی جلدیں ملاحظہ فرمایئے کہ جس جگہ ان کو موقع ہاتھ آیا ہے جیسے آیت ولایت واکمال دین وغیرہ کے ذیل میں مکرر در مکرر لکھتے ہیں۔

واما الرافضہ لعنہم اللہ ھؤلاء الرافضہ لعنہم - اما قول الروافض لعنہم اللہ

لیکن کسی شیعہ عالم کے قلم سے عام برادران اہل سنت کے لیئے بلکہ خاص صورت میں بھی ان کے لیئے ایسی عبارتیں نہیں نکلی ہیں۔

اس جماعت کے فتوے سے شہیدِ اوّل کی شہادت

شیعہ ارباب علم و عمل کیساتھ آپ کے علماء کی دردناک بدسلوکیوں میں سے ایک وہ عجیب وغریب فتوےٰ ہے جو ایک بہت بڑے شیعہ فقیہ کے واسطے شام کے دو بڑے قاضیوں (برہان الدین مالکی و عباد بن الجماعۃ الشافعی) کی طرف سے صادر ہوا تھا وہ بزرگ فقیہ جو زہد و ورع، تقویٰ اور علم و تفقہ میں سارے اہل زمانہ کے سردار تھے۔ ابواب فقہ پر احاطہ رکھنے میں اپنے دور کے اندر جواب نہیں رکھتے تھے ان کی فقہی مہارت کا ایک نمونہ کتاب لمعہ ہے جو (بغیر اس کے کہ سوا مختصر نافع کے اور کوئی فقہی کتاب آپ کے پاس موجود رہی ہو) صرف سات روز کے اندر تصنیف فرمائی اور حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی چاروں مذہب کے علماء ان کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہو کر فیض علم سے سیراب ہوتے تھے جناب ابو عبداللہ محمد بن جمال الدین مکی عاملی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ باوجودیکہ سنیوں کی سخت گیری کی وجہ سے آپ زیادہ تر تقیہ میں رہتے تھے۔ اور بالاعلان تشیع کا اظہار نہیں فرماتے تھے لیکن پھر بھی شام کے بڑے قاضی عباد بن الجماعۃ نے ایسے عالم ربانی سے حسد کا برتاؤ کرتے ہوئے والئی شام (بیدمر) کے پاس ان کی چغلی کھائی اور رفض و تشیع کا الزام لگا کر اس فقیہ عالم کو گرفتار کرا دیا۔ ایک سال تک قید خانہ میں سخت تکلیفیں دینے کے بعد ۹ یا ۱۹ جمادی الاولیٰ ۷۸۶ھ میں انہیں دو بڑے سنی قاضیوں (ابن الجماعۃ و برہان الدین) کے فتوے سے پہلے آپ کو تلوار سے قتل کیا گیا پھر آپ کا جسم

سولی پر چڑھا یا گیا اس کے بعد انہیں دونوں کی تحریک سے ؎ اس نامراد ایک رافضی مشرک سولی کے اوپر سب سے۔
عوام نے آپ کے بدن کو سنگ سار کر دیا پھر نیچے اتار کر آگ سے جلایا اور خاکستر ہوا میں اڑا دی۔

؎ ان قابل ذکر واقعات میں سے جنہوں نے مجھ پر ان تاریخی دنائع کو ثابت کر دیا، ایک واقعہ یہ بھی ہے جسکو اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کرتا ہوں۔

۱۹ رجمادی الثانیہ ۱۳۸۱ھ میں جب میں زیارت بیت المقدس سے واپس ہو کر دمشق جا رہا تھا۔ ابتدائے شب میں شرق اردن کی مسجد جامع عمان میں (جو بہت خوبصورت مسجد ہے) نماز پڑھنے پہنچا، اہل سنت مسلمانوں کی جماعت نماز مغرب ختم کر چکی تھی، کچھ لوگ جا رہے تھے اور بعض لوگ ابھی نوافل پڑھنے میں مشغول تھے، میں بھی مسجد کے ایک گوشہ میں جا کر فریضۂ مغرب و عشا ادا کرنے میں مصروف ہوا۔ فریضہ اور نوافل سے فارغ ہونے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ان میں سے بعض لوگ مجھ پر سخت غضبناک ہیں خصوصاً وہ عالم جو چند اشخاص کے ساتھ قرأت قرآن میں مشغول تھے اور میری طرف شدید غصہ کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ میں تعقیبات ختم کر کے مسجد سے نکل آیا اور گیراج میں جا کر موٹر چھوٹنے کا انتظار کرتے لگا کھانا کھانے کے بعد جب مسجد میں نماز عشاء کی اذان شروع ہوئی تو مجھ کو خیال ہوا کہ روانہ ہونے کے بعد ممکن ہے موٹر راستہ میں نہ ٹھہرے اور نوافل شب پڑھنے کا موقع نہ ملے لہذا بہتر ہے کہ ابھی فراغت ہے مسجد میں جا کر نافلے ادا کر لوں پھر اطمینان سے سفر کی تیاری کروں، چنانچہ تجدید وضو کر کے مسجد گیا اور عام بڑے پھاٹک سے داخل نہیں ہوا بلکہ عمارت کے آخری مغربی گوشے کے دروازے سے جا کر ایک بڑے ستون کے پہلو میں جو ایک اندھیری جگہ تھی وہاں جا کر مصروف نماز ہوا میں نے دیکھا کہ وہ عالم جو ایک گھنٹہ پہلے قرأت میں مشغول تھے اور غصے سے مجھ کو گھور رہے تھے، نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کو جمع کئے ہوئے اور ان کے بیچ میں کھڑے ہوئے شرک اور مشرک کے بارے میں تقریر کر رہے ہیں، مقدمات کے بعد سلسلۂ کلام اس مقام تک پہنچا کہ انتہائی جوش اور سختی کے ساتھ کہا کہ تم سب مسلمانوں کو قیامت کے روز بازپرس کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور جواب دینا پڑے گا۔ اس لیے کہ خدا نے فرمایا ہے مشرکین نجس ہیں، ان کو مسجد میں نہ آنے دو لیکن ابھی ایک گھنٹہ پہلے ایک مشرک بت پرست نجس مسجد میں گھس آیا ہمارے تمہارے سامنے بت کا سجدہ کیا اور تم لوگوں نے اس کو سزا نہیں دی میں قرأت میں مشغول تھا مگر تم لوگ کیا مر گئے تھے؟ کیا تمہارا فرض نہیں تھا کہ شرک کی نجاست کو مسجد سے دور کرتے اور بت پرست مشرک رافضی کو دفع کرتے یا اس کو قتل کر دیتے کیونکہ اگر مشرک مسلمانوں کی مسجد میں بت پرستی کرے تو اس کو قتل کر دینا واجب ہے بہرحال اپنی پرجوش تقریر سے ناواقف لوگوں کے جذبات اس طرح سے ابھارے کہ اگر میں اس جگہ موجود ہوتا تو یقیناً قتل کر دیا جاتا۔

تقریر ختم ہونے کے بعد آدھے لوگ باہر جانے کے لیئے عمارت کے آخری دروازے کے پاس آئے، میں نماز وتر پڑھ رہا تھا چنانچہ بیٹھ گیا تاکہ ان لوگوں کو توجہ نہ ہو لیکن دفعتاً میرے اوپر ان کی نظر پڑ گئی، فوراً حملہ کر کے چاروں طرف سے گھیر لیا، مذہب

قاضی صیدا کی بدگوئی سے شہید ثانی کی شہادت

دسویں صدی ہجری میں بلاد شام کے اندر شیعہ علما اور مفاخر فقہا میں سے شیخ اجل فقیہ بے نظیر زین الدین ابن نورالدین علی بن احمد بن عاملی قدس سرہ تھے جو علم و فضل زہد و ورع اور تقویٰ میں دوست دشمن سبھی کے مرکز توجہ اور کافی شہرت کے مالک تھے باوجودیکہ شب و روز تالیف و تصنیف میں مصروف رہتے تھے۔ اور ہمیشہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے آپ نے مختلف علوم میں اپنے قلم سے دو سو سے زیادہ کتابیں چھوڑیں لیکن لوگوں سے اس کنارہ کشی کے بعد بھی علمائے اہل سنت کو عداوت پیدا ہوئی اور آپ کی مقبولیت سے ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی خصوصاً بڑے قاضی صیدا نے بادشاہ آل عثمان سلطان سلیم کے پاس ایک شکایت نامہ اس عنوان کے ساتھ لکھا کہ انہ قد وجد ببلاد الشام رجل مبدع خارج عن المذاهب الاربعة (یعنی یقینی طور پر یہ ثابت ہوا ہے کہ بلاد شام کے اندر ایک بدعتی شخص موجود ہے جو چاروں مذہبوں سے خارج ہے) سلطان سلیم کی طرف سے عالم نبیقہ کے لیے حکم صادر ہوا کہ پیشی کے لیے اسلامبول میں حاضر کیے جائیں چنانچہ مسجدالحرام کے اندر ان جناب کو گرفتار کر کے چالیس روز تک مکہ معظمہ میں قید رکھا اس کے بعد دریائی راستہ سے دارالسلطنت اسلامبول کی طرف روانہ کیا لیکن دربار تک پہنچنے سے پہلے ہی ساحل دریا پر آپ کا سر مبارک کاٹ کے جسم کو دریا میں پھینک دیا اور سر بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔

بے شمار لاتیں اور گھونسے مجھ پر پڑ رہے تھے اور برابر کہتے جاتے تھے کہ اٹھ اے مشرک آنکل اسے مشرک! میں اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ یہاں تک تشہد کا موقع آیا اور میں نے کہا۔ اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله اب ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا آپس میں الجھنے لگے کہ یہ کیسا مشرک ہے جو وحدانیت خدا اور رسالت خاتم الانبیاء کی شہادت دے رہا ہے ایک گروہ کہتا تھا کہ ہم نہیں جانتے قاضی کہتا تھا کہ یہ رافضی اور مشرک ہے اور قاضی کی بات غلط نہیں ہو سکتی وہ لوگ بحث اور اختلاف میں مصروف تھے اتنے میں میں نے سلام پڑھ کے نماز ختم کی کچھ جان میں جان آئی، ہمت کر کے دفاع کے لیے آمادہ ہوا اور عربی زبان میں ایک مفصل تقریر کر کے جس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ان کو قائل اور لا جواب کیا اور اپنا ہمدرد بنایا اور اس بدنفس اور ناخداشناس قاضی کو ایک جاسوس ثابت کیا جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر ظالم بیگانوں کو اہل اسلام پر غالب و حاکم بنانے کے اسباب مہیا کرنا چاہتا ہے خلاصہ یہ کہ ان لوگوں نے مجھ سے معذرت کی یہاں تک مجھ کو مہمان کرنے کیلیے سخت اصرار کیا لیکن میں نے یہ عذر کر کے کہ سفر کے لیے بالکل تیار ہوں ان سے رخصت لی اور روانہ ہوا۔ یہ تھا ایک نمونہ علمائے اہل سنت کے ان سینکڑوں اقدامات میں سے جنہیں سے انہوں نے بیچارے عوام کو دھوکہ دینے کے لیے معاملہ کو الٹ کے پیش کیا ہے اور مظلوم مسلمانوں کے قتل و اہانت کا باعث ہوتا ہے۔

محترم حضرات!

آپ کو خدا کی قسم انصاف کیجئے اور عادلانہ فیصلہ کیجئے! بھلا کسی تاریخ میں آپ نے پڑھا ہے یا سنا ہے کہ علمائے شیعہ کی جانب سے کبھی کسی سنی عالم بلکہ عام انسان کے لیئے بھی ایسی بدنیتی اور بدکرداری کا مظاہرہ ہوا ہو اور اس جرم میں کہ وہ شیعہ مذہب سے الگ ہے اس کو قتل کرا دیا ہو! خدا کے لیئے بتایئے یہ بھی جرم و گناہ ہو گیا کہ وہ چاروں مذاہب سے خارج ہے آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص چاروں مذہبوں (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) سے انحراف کرے تو کافر ہے اور اس کا قتل واجب ہے؛ آیا جو مذاہب صدیوں کے بعد رائج ہوئے ان کی اطاعت واجب ہے لیکن جو مذہب رسول خدا کے زمانے سے مرکز توجہ تھا وہ باعث کفر اور اس کے پیروؤں کا خون بہانا جائز ہے؛

انصاف پسند لوگوں کی توجہ کیلئے عمدہ بحث

خدا کے لیئے سچ بتلایئے کہ ابوحنیفہ یا مالک ابن انس یا شافعی یا امام احمد بن حنبل کیا رسول اللہ کے زمانے میں تھے اور اپنے مذہب کے اصول و فروع بلاواسطہ آں حضرت سے اخذ کئے تھے!

حافظ: ایسا دعوےٰ تو کسی نے نہیں کیا ہے کہ آئمہ اربعہ نے آں حضرت کی مصاحبت کا شرف حاصل کیا ہو۔

خیر طلب: آیا امیر المومنین علی ابن علی ابی طالب علیہ السلام صحبت رسول میں بیٹھے اور آں حضرت کے علم کا دروازہ تھے یا نہیں؟

حافظ: یہ تو بدیہی بات ہے کہ کبار صحابہ میں سے بلکہ بعض حیثیتوں میں ان سے افضل تھے۔

خیر طلب: تو اس قاعدے کی رو سے اگر ہم کہیں کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی پیروی اس لحاظ سے واجب ہے کہ پیغمبر نے فرمایا ہے علی کی اطاعت میری اطاعت ہے اور آپ آں حضرت کے باب علم تھے، آں حضرت نے امت کو حکم دیا ہے کہ جو شخص میرے علم سے بہرہ اندوز ہونا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ علی کے دروازے پر جائے۔

تو ہمارا یہ دعویٰ سچا ہو گا۔ اور اگر ہم کہیں کہ مذہب شیعہ جو عین محمدی مذہب ہے، اس لیئے کہ خاتم الانبیاء نے اس کے پیشواؤں کو عدیل قرآن فرمایا ہے اور ان سے روگردانی کو موجب ہلاکت قرار دیا جیسا کہ حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ سے جو متفق علیہ فریقین (شیعہ و سنی) ہیں ہم سے ثابت ہے۔ چنانچہ اس سے قبل ان کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے اس سے انحراف بدبختی کا باعث ہے تو ہم حق پر ہوں گے اور ہم دلیل کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں، کہ عترت طاہرہ کی نافرمانی گویا حکم رسول سے سرکشی، صراط مستقیم سے علیحدگی اور حبل المتین سے جدائی ہے۔

اس کے باوجود علماء شیعہ کی طرف سے کسی جاہل اہل سنت کی نسبت بھی ایسے حرکات سرزد نہیں

ہوئے نہ کہ ان کے عالموں کے لیئے ہم نے جماعت شیعہ کو ہمیشہ یہی تعلیم دی ہے کہ اہل سنت ہمارے مسلمان بھائی ہیں ۔ لہٰذا ہم سب کو آپس میں متحد اور متفق رہنا چاہیئے ۔ لیکن اس کے برخلاف آپ علماء برابر مومن و موحد پاک دامن اور اہل بیت رسالت کے پیرو شیعوں کو اہل بدعت ، رافضی ، غالی ، یہودی بلکہ کافر و مشرک کہتے رہتے ہیں اور اسی جرم میں فقہائے اربعہ (ابو حنیفہ ، مالک ابن انس ، محمد ابن ادریس شافعی احمد بن حنبل) میں سے کسی ایک کی تقلید کیوں نہیں کرتے ان کو کافر اور رافضی بناتے ہیں ۔ (اور ان کے پاس کوئی دلیل بھی اس کی موجود نہیں ہے کہ مسلمان لازمی طور پر ان چاروں میں سے کسی ایک کی پیروی کرنے پر مجبور ہیں ہا حالانکہ اس کے برعکس جو لوگ حکم رسولؐ سے اہل بیت رسالتؑ اور عترت طاہرہ کی پیروی کرتے ہیں ، درحقیقت وہی نجات پانے والے ہیں ۔

انہیں بے جا فتاوی اور بیہودہ قسم کی گفتگوؤں سے انہوں نے اپنے عوام کے ہاتھوں میں ایک بہانہ دے دیا کہ جب بھی موقع ہاتھ آئے وہ ساری حرکتیں جو کفار کے ساتھ ہونا چاہیئے بلکہ ان سے بھی بدتر مومن و موحد شیعوں کے ساتھ عمل میں لائی جائیں ۔ جیسے قتل و غارت اور ناموس کی ہتک حرمت وغیرہ ۔

ایرانیوں کیساتھ ترکیوں ، خوارزمیوں ، ازبکوں اور افغانوں کا شرمناک رویہ

حافظ : آپ سے مجھ کو یہ امید نہیں تھی کہ ایسے جھوٹے اور غلط مطالب کے ذریعہ جن کا کبھی دنیا میں وجود ہی نہیں رہا ہے جذبات کو ابھار دیں گے ۔

خیر طلب : آپ کو غلط فہمی ہوئی ۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں بغیر دلیل کے اور وہ بھی ایسے محترم جلسے میں اپنے مسلمان بھائیوں کو غلط الزام دے رہا ہوں ، حالانکہ نمونے کے طور پر ہر رنگ شیعہ فقیہوں کے ساتھ سنی قاضیوں اور عالموں کا جو برتاؤ میں نے پیش کیا ہے اس سے قطع نظر اگر تاریخ میں ترکوں ، خوارزمیوں ، ازبکوں اور افغانوں کے حالات اور ایران پر ان کے مکرر حملوں کے واقعات کا مطالعہ کیجئے تو سمجھ میں آ جائے گا کہ میں صحیح عرض کر رہا ہوں بلکہ شیعہ جماعت کے ساتھ ان کا طرز عمل دیکھ کے آپ کو خجالت ہو گی ۔ کیوں کہ جب بھی ان سے ممکن ہوا اور خارجی لڑائیوں یا اندرونی معاملات کے اثر سے ایرانیوں کے حالات دگرگوں دیکھے تو شمالی شرقی ایران پر شدید حملے کیئے اور کبھی کبھی خراسان ، نیشاپور اور سبزوار حتیٰ کہ شاہ سلطان حسین صفوی کے زمانے میں تو ایک مرتبہ اصفہان تک آ گئے ، اس کے گرد و نواح میں کافی تاخت و تاراج کی اور کسی طرح کے عفت و انسانیت اور اسلام

منافی طرزِ عمل سے دریغ نہیں کیا۔ قتل و غارت، مجبور شیعوں کے اموال کو نذرِ آتش کر دینے اور ان کے ناموس کی ہتک حرمت کرنے کے بعد ایک کثیر تعداد کو اسیر کر کے لے گئے اور کافر قیدیوں کی طرح دنیا کے بازاروں میں فروخت کر دیا۔

چنانچہ اربابِ تاریخ لکھتے ہیں کہ ترکستان کے شہروں میں ایک لاکھ سے زیادہ شیعہ فروخت کئے گئے اور کافر غلاموں بلکہ ان سے بھی بدتر اشخاص کی مانند ان کے ساتھ سخت رویہ برتا جاتا تھا۔ اس طرح کے اقدامات وہ صرف اپنے علماء کے حکم اور فتوے سے عمل میں لاتے تھے۔

ایران میں خان خیوہ کے مظالم اور شیعوں کے قتل و غارت کے لئے علماء اہل سنت کے فتوے

حافظ: اس طرح کی جنگیں اور حملے سیاسی تھے اور مذہبی پیشواؤں کے فتاوے سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

خیر طلب: نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ اس قسم کے حملے قتل و غارت اور ہتک حرمت علمائے اہل تسنن کے فتاوی اور فیصلوں ہی کا نتیجہ تھے چنانچہ مرحوم ناصر الدین شاہ قاجار کے اوائل سلطنت اور میرزا تقی خاں امیر نظام کی وزارت میں جب ایران کی فوج خراسان کے ہنگامے اور سالار کے فتنے میں پھنسی ہوئی تھی امیرِ خوارزم محمد امین خاں ازبک معروف بہ خان خیوہ (خوارزم) کو موقع ہاتھ آیا، اس نے مرو اور خراسان پر ایک کثیر لشکر کیساتھ حملہ کر دیا اور قتل و غارت اور کافی تباہ کاری کے بعد بہت بڑے مجمع کو قید کر کے لے گیا۔

سالار کا معاملہ ختم ہونے کے بعد حکومت، خان خیوہ اور اس کی سرکوبی کی طرف متوجہ ہوئی۔ ایران کے مقتدر اور مدبر وزیر اعظم مرحوم امیر نظام کی تدبیر سے پہلے نرمی اور مدارات سے کام لیا گیا، مرحوم رضا قلی خاں ہزار جریبی متخلص بہ ہدایت کو جو ایرانی دربار کے بڑے عقلمندوں میں سے تھے سفیر بنا کر خان خیوہ کے پاس بھیجا جس کی تفصیل بہت طولانی ہے اور یہاں اس کے ذکر کی گنجائش نہیں، البتہ جو میری گزارش ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت مرحوم ہدایت، خاں خیوہ کے پاس پہنچے تو اپنی گفتگو کے سلسلے میں کہا کہ تعجب ہے کہ ایرانی باشندے جب روم، روس، ہند اور فرنگ وغیرہ جیسے بیرونی ممالک میں جاتے ہیں تو وہاں عزت کے ساتھ رہتے ہیں اور امن و عافیت کے ساتھ واپس آتے ہیں۔ لیکن آپ کے حدودِ سلطنت میں معاملہ برعکس ہے کیونکہ آپ کے آدمی مسلمانوں کو لوٹنے پھونکنے، قتل و غارت اور

ان کو قید کر کے فروخت کرتے ہیں کافر غلاموں کا ایسا سلوک کرتے ہیں اور طرح طرح کی ذلتیں پہنچاتے ہیں حالانکہ سب کے سب مسلمان ایک قبلہ، ایک کتاب (قرآن مجید) ایک پیغمبر اور ایک خدا کے ماننے والے ہیں۔ پھر بھی معلوم نہیں ایسے برتاؤ کا کیا سبب ہے۔

اس نے جواب دیا کہ اس میں ہماری کوئی سیاسی غلطی نہیں ہے بلکہ مذہبی حیثیت سے بخارا اور خوارزم کے علماء مفتی اور قاضی صاحبان فتویٰ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیعہ چونکہ رافضی، کافر اور اہل بدعت ہیں۔ لہٰذا ان کی سزا یہی ہے، چنانچہ کفار کی حیثیت سے ان کو قتل کرنا ان کے اموال غصب کر لینا، ان کو لوٹنا اور قیدی بنانا واجب و لازم ہے جیسا کہ ان واقعات کی مفصل شرح تاریخ روضۃ الصفائے ناصری اور سفارت نامہ خوارزم مطبوعہ طہران مؤلفہ مرحوم رضا قلی خاں ہدایت میں درج ہے۔

شیعوں کے قتل و غارت پر علمائے اہل سنت کے فتوے اور خراسان پر عبداللہ خاں ازبک کے حملے

نیز جس زمانے میں عبداللہ خاں ازبک نے شہر خراسان کا محاصرہ کیا تھا علمائے خراسان نے عبداللہ خان کو ایک مفصل تحریر لکھی اور اس کے حرکات پر اعتراض کئے کہ تم آخر کس لیے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والوں اور قرآن و عترت رسولؐ کے پیروؤں کے قتل و غارت اور ہتک حرمت پر آمادہ ہوئے ہو، اور آنحالیکہ اسلام نے تم کو کفار کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

عبداللہ خاں نے مشہد کے علماء اور باشندوں کا یہ خط جواب کے لئے سنّی عالموں اور قاضیوں کے سپرد کیا جو اس کے ہمراہ تھے ان لوگوں نے تفصیلی جواب لکھا۔ پھر علمائے مشہد نے اس کا جواب الجواب دیا اور ان کو لاجواب کیا (ان خطوط کی تشریح ناسخ التواریخ میں درج ہے جو بہت طولانی ہے) میرے مطلب کا ثبوت یہ ہے کہ سنّی علمائے ازبک نے اپنی تحریر میں لکھا تھا کہ شیعہ چونکہ رافضی اور کافر ہیں۔ لہٰذا ان کا خون اور مال و حرمت مسلمانوں کے لیے مباح ہے۔

افغانستان کے شیعوں سے افغانی امیروں کا سلوک

زمانہ ماضی میں اور بالخصوص میر دوست محمد خاں، کہندل خاں، شاہ شجاع الملک، عبدالمومن خاں، امیر عبدالرحمٰن خاں اور امیر حبیب اللہ خاں کی ریاست و حکومت کے زمانے میں کابل، قندھار، ہرات اور ان

کے اطراف میں شیعہ جماعت کے ساتھ سنی افغانیوں نے جو سلوک کیئے اور خاص و عام بلکہ بے گناہ بچّوں کا بھی جو قتل عام کیا اگر ہم صرف اسی کا تذکرہ کرنا چاہیں تو انتہائی شرمناک اور اہل جلسہ کے لیئے ناقابل برداشت ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ خود آپ حضرات نے بھی تاریخ کے سلسلے میں ان لوگوں کے لرزہ انگیز مظالم کا بخوبی مطالعہ کیا ہوگا، اور محترم باہمت قزلباش حضرات ہندوستان میں بالخصوص پنجاب کے اندر افغانوں کے آثار ظلم کا ایک کھلا ہوا نمونہ ہیں جو مجبوراً جلاوطنی اختیار کر کے یہاں پناہ گیر اور سکونت پذیر ہوئے۔

ارباب تواریخ نے ان سارے واقعات کو درج کیا ہے اور آنے والی نسلوں کو موقع دیا ہے کہ صحیح فیصلہ تک پہنچ سکیں۔

چنانچہ ان میں سے ایک دل سوز واقعہ ۱۲۶۷ھ کا ہے کہ عاشورہ محرم کو جمعہ کے روز قندھار کے شیعہ امام باڑوں میں جمع ہو کر عزاداری سید الشہداؑ و عترت رسولؐ میں سرگرم تھے دفعتہً بہت سے متعصب اہل سنّت طرح طرح کے اسلحے لیئے ہوئے امام باڑے میں گھس پڑے اور نہتے شیعوں کے ایک کثیر مجمع کو یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی انتہائی دردناک طریقے سے قتل کیا اور ان کے اموال لوٹ لیئے برسوں گزر گئے کہ شیعہ ذلت و حقارت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور آزادیٔ عمل سے محروم تھے یہاں تک کہ ایام عاشورہ میں دو دو تین تین افراد تہ خانوں کے اندر جا کر فرزند رسولؐ اور شہدائے کربلا کی عزاداری کرتے تھے (یہاں مصنف دام مجدہم نے میر امان اللہ خاں کی رواداری اور انصاف پروری کی تعریف فرمائی ہے جس کو بنظر اختصار حذف کرتا ہوں ۱۲ مترجم) آپ حضرات تاریخ پر نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ اسی ہندوستان کے اندر مخالفین کی تحریک سے سنّی و شیعہ آویزش کے نتیجہ میں کس قدر خون بہائے گئے اور کتنے صاحبان فضل و تقویٰ اور پاکدامن مومنین جاہلوں کی ہوسناکیوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔

شہید ثالثؒ کی شہادت

ان منحوس واقعات کے غم انگیز خطوں میں سے ایک آگرے کا قبرستان بھی ہے۔ اسی سفر کے سلسلہ میں جس وقت میں وہاں پہنچا تو خدا ہی جانتا ہے کہ متعصب لوگوں کی حماقتوں اور جہالتوں سے کس قدر متاثر ہوا خصوصاً جس وقت صاحب علم و تقویٰ بے نظیر فقیہ و عالم اور رسول اللہ کے پارۂ تن قاضی سید نور اللہ شوستری قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوا کیونکہ آپ بھی ملت اسلامی کے تعصّب و عناد کی قربانیوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے ۱۰۱۹ھ میں اس زمانے کے بڑے بڑے عالموں کی مخالفانہ کوششوں کے نتیجے میں ہندوستان کے جاہل و متعصب مغل بادشاہ جہانگیر کے حکم سے رفض اور تشیع کے الزام پر خود سُنّی علماء کے ہاتھوں ستّر سال کے سن میں شربت شہادت نوش فرمایا۔

آپ کو خود معلوم ہے کہ آگرے میں ان بزرگوار سید اور جلیل القدر عالم کی قبر آج تک شیعہ مسلمانوں کی زیارت گاہ ہے۔

ان کے سنگ قبر پر (جو مرمر سے بنا ہوا ہے) میں نے دیکھا کہ سنگ سیاہ سے نقش کیا ہوا ہے۔

ظالمے جفائے نور اللہ کرد — قرۃ العین نبی را سر برید
سال قتلش حضرت ضامن علی — گفت. نور اللہ سید شد شہید

(۱۰۱۹ھ)

حافظ: آپ بلا وجہ ہم کو مورد الزام قرار دیتے ہیں کیونکہ جہال اور عوام کی زیادتیوں اور جفا کاریوں اور ان لوگوں کے افعال سے جن کا آپ نے ذکر کیا درحقیقت میں خود بہت متاثر ہوں لیکن شیعوں کے اعمال بھی تو اس کے لیئے معاون ہوتے ہیں۔ اور ان کو ایسی حرکتوں پر اُبھارتے ہیں۔

خیر طلب: شیعوں کے کون سے ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں جو ان کے قتل و غارت اور ہتک عزت کے باعث ہو سکیں؟

حافظ: ایک ایک دن میں ہزاروں افراد مُردوں کی قبروں کے سامنے کھڑے ہو کر ان سے حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ کیا شیعوں کا یہ طریقہ مردہ پرستی نہیں ہے؟ علماء آخر کس لیئے ان کو منع نہیں کرتے کہ مُردوں کی زیارت کے نام پر کروڑوں اشخاص ان کی قبروں کے سامنے چہرہ خاک پر رکھ کے اور سجدہ کر کے مردہ پرستی کرتے ہیں۔ در پاک نفس لوگوں کے ہاتھوں میں ایک بہانہ دے دیتے ہیں تاکہ وہ زیادتیاں کریں اور تعجب تو یہ ہے کہ آپ ان اعمال کا نام توحید رکھتے ہیں اور اس قسم کے اشخاص کو موحد کہتے ہیں۔ (جب ہم لوگ مشغول اور سرگرم گفتگو تھے تو حنفی فقیہ مولوی شیخ عبدالسلام کتاب ہدیۃ الزائرین کے جوان کے سامنے رکھی ہوئی تھی اس طرح ورق اُلٹ رہے تھے اور مطالعہ کر رہے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی اعتراض کا پہلو پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں جب حافظ صاحب کا کلام یہاں تک پہنچا تو انہوں نے سر اُٹھایا اور ایک بھرپور وار کرتے ہوئے جیسے کوئی بہت بڑا سہارا ڈھونڈ لیا ہو مجھ سے فرمایا)

شیخ کا اقدام، شبہے کی ایجاد، حملے کیلئے وسیلے کی تیاری ——— اور ——— اس کا دفاع

شیخ: بسم اللہ دیکھئے اسی جگہ (کتاب کی طرف اشارہ) آپ کے علماء اور پیشوا ہدایت دے رہے

ہیں کہ اماموں کے حرم میں زیارت ختم ہونے کے بعد زائرین دو رکعت نماز زیارت پڑھیں تو کیا نماز میں قصد قربت شرط نہیں ہے ؛ ورنہ نماز زیارت معنی چہ ؟ آیا امام کے لیئے نماز پڑھنا شرک نہیں ہے ؟ زائرین کے یہی اعمال کہ امام کی قبر کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوتے ہیں ۔ اور نماز پڑھتے ہیں ان کے شرک پر سب سے بڑی دلیل ہیں اب اس موقع پر آپ کے پاس کیا جواب ہے ؟ یہ سند صحیح و ثابت اور خود آپ ہی کی معتبر کتاب ہے ۔

خیر طلب : چونکہ وقت کافی گذر چکا ہے حضرات کسل مند اور پریشان ہو رہے ہیں ۔ لہٰذا مناسب سمجھئے تو آپ کے اور جناب حافظ صاحب کے بیانات کا جواب کل پر رکھا جائے (تمام سُنّی و شیعہ حاضرین جلسہ نے آوازیں دینا شروع کیں کہ جب تک جناب شیخ صاحب کا جواب نہ دے دیا جائے اور مردہ پرستی کے معنی نہ واضح ہو جائیں ، ہم لوگ یہاں سے نہ جائیں گے ہم کو بالکل تکان اور پریشانی نہیں ہے ۔)

(میں نے ہنستے ہوئے حافظ صاحب کی طرف رُخ کیا اور کہا کہ جناب شیخ صاحب کا جوش چونکہ بہت زور پر ہے اور انہوں نے ایک بہت بڑا حربہ تیار کیا ہے لہٰذا اجازت دیجئے کہ پہلے ان کو جواب دے دوں پھر آپ کا جواب عرض کروں)

حافظ : فرمائیے ہم بھی سننے کے لیئے حاضر ہیں ۔

خیر طلب : جناب شیخ صاحب ! واقعی آپ بچوں کی طرح بہانے ڈھونڈھ رہے ہیں ۔ کیا آپ زیارت کے لیئے گئے ہیں اور زائرین کے عملیات کو قریب سے دیکھا ہے ؟

شیخ : نہیں ، نہ میں گیا ہوں اور نہ میں نے دیکھا ہے ۔

خیر طلب : پھر آپ کہاں سے فرما رہے ہیں کہ زائرین قبر امامؑ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں ؛ جس سے اس نماز و زیارت کو آپ نے مومن و موحد شیعوں کے لیئے شرک کی علامت قرار دیا ہے ۔

شیخ : آپ کی اسی کتاب   کی رو سے ، جس میں لکھتے ہیں کہ امام کے لیئے نماز زیارت پڑھو ۔

خیر طلب : مرحمت فرمائیے دیکھوں کس طرح سے لکھا ہوا ہے ۔ (جب کتاب لیکے دیکھی تو اتفاق سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت کا طریقہ تھا ۔)

خیر طلب : عجب حسن اتفاق ہے کہ آپ نے خود ہی اپنے خلاف ایک تیز دھار کا حربہ مہیا فرما لیا چونکہ خدا ہمیشہ ہمارا مددگار ہے ۔ لہٰذا ہر مقام پر ہماری کمک اور حمایت کے اسباب و وسائل اکٹھا کر دیتا ہے ۔

اولاً بہتر یہ ہے کہ اس کتاب میں جو طریقہ زیارت درج ہے اس کے شروع سے بلا امتیاز ہر حصے کے چند جملے وقت کے لحاظ سے پڑھ جاؤں یہاں تک کہ نماز کی منزل تک پہنچ جاؤں جو آپ کا موضوع بحث ہے تاکہ حضرات حاضرین جلسہ خود ہی فیصلہ فرما لیں اور جس مقام پر شرک کی علامت ملاحظہ فرمائیں فوراً ٹوک دیں اور اگر اوّل

سے آخر تک زیارت نامے ہیں صرف توحید ہی کی علامت نظر آئے تو آپ شرمندہ نہ ہوں بلکہ یہ سمجھ لیں کہ غلط فہمی ہو گئی۔ کتاب باوجودیکہ آپ کے سامنے ہے پھر بھی آپ بغیر دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کیئے ہوئے حملے کر رہے ہیں چنانچہ اسی جگہ سے حضرات اہل جلسہ سمجھ لیں کہ آپ حضرات کے باقی اعتراضات بھی اسی پھس پھسے اعتراض کے مانند صرف دھوکا ہی دھوکا ہیں۔

زیارت کے آداب میں

ملاحظہ فرمائیے! قاعدہ یہ ہے کہ مولا امیر المومنینؑ کا زائر جب کوفہ کی خندق پر پہنچے تو کھڑا ہو کر کہے:

اللہ اکبر اللہ اکبر اھل الکبریاء والمجد والعظمۃ اللہ اکبر اھل التکبیر والتقدیس والتسبیح والآلاء اللہ اکبر مما اخاف واحذر اللہ اکبر عمادی علیہ اتوکل اللہ اکبر رجائی والیہ انیب الخ۔ جب دروازہ نجف پر پہنچے تو کہے الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ الخ جب صحن مطہر کے دروازے پر پہنچے تو حمد باری تعالےٰ کے بعد کہے اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ جاء بالحق من عند اللہ واشھد ان علیا عبد اللہ واخو رسول اللہ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر والحمد للہ علی ھدایتہ وتوفیقہ لما دعا الیہ من سبیلہ الخ

جب در حرم و بقعہ مبارکہ پر پہنچے تو کہے اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ پھر خدا اور رسولؐ اور آئمہ طاہرینؑ سے اذن و اجازت حاصل کرنے کے بعد جب زائر حرم مطہر کے اندر داخل ہو تو مختلف زیارتیں جو پیغمبرؐ اور امیر المومنین علیہما الصلوٰۃ والسلام کے لیئے سلام پر مشتمل ہیں پڑھے۔ اور زیارت سے فارغ ہونے کے بعد حکم ہے کہ چھ رکعت نماز پڑھے دو رکعت ہدیۂ امیر المومنین علیہ السلام کے لیئے اور چار رکعت ہدیہ آدمؑ ابو البشر اور نوحؑ شیخ الانبیاء علیہما السلام کے لیئے جو ان حضرات کے پاس ہی مدفون ہیں۔

نماز زیارت اور دعائے بعد از نماز

آیا نماز ہدیہ شرک ہے؟ آیا ہمارے یہاں والدین اور ارواح مومنین کے لیئے نماز ہدیہ کا دستور نہیں ہے؟

تو کیا یہ تمام قاعدے شرک ہیں؛ اور اگر زائر امیر المومنینؑ کے لیئے وہ رکعت نماز ہدیہ قربتہً الی اللہ بجالائے تو کیا یہ شرک ہے؛

یہ ہر انسان کی انسانیت کا جز ہے کہ جب دوست کی ملاقات کو جاتا ہے تو اس کے لیئے کوئی تحفہ لے جاتا ہے جیسا کہ فریقین کی ساری کتب احادیث میں مومن کو ہدیہ دینے کے ثواب میں رسولؐ اللہ سے پورا ایک باب موجود ہے جب زائرین اپنے محبوب آقا کی قبر کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ بہترین چیز جو حضرت اپنی ساری زندگی میں زیادہ پسند فرماتے تھے، نماز تھی۔ لہذا ہدایت کی گئی ہے کہ زائر قربتہً الی اللہ دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد اس کا ثواب ان حضرات کی رُوح پر فتوح کو ہدیہ کرے تو کیا یہ عمل آپ کی نظر میں شرک ہے؛ آپ نے نماز کا طریقہ پڑھا ہے تو دعائے بعد از نماز کو بھی دیکھ لینا چاہیئے تاکہ آپ کو آپ کے شبہے کا جواب مل جائے۔ اگر آپ نے پڑھ لیا ہوتا تو قطعاً ایراد نہ کرتے؛ اب میں آپ کی اجازت سے حاضرین جلسہ کی توجہ کے لیئے وہ دعا پڑھتا ہوں تاکہ آئندہ شیعوں کے اعمال کو انصاف کی نگاہ سے دیکھیئے اور جان لیجئے۔ کہ ہم موحد ہیں مشرک نہیں ہیں اور کسی حالت میں خدا کو فراموش نہیں کرتے۔ علی علیہ السّلام کو بھی ہم اسی سبب سے دوست رکھتے ہیں کہ آپ خدا کے بندۂ صالح اور رسول اللہؐ کے وصی و خلیفہ ہیں۔

دعا کا دستور یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان حضرات کے سرہانے (برخلاف اس کے جو شیخ صاحب نے فرمایا کہ قبر کی طرف رُخ کر کے پڑھتے ہیں) رو بقبلہ اس صورت میں کہ قبر مبارک بائیں بازو کی طرف ہو ..... یہ دعا پڑھے۔ اللھم انی صلیت ھاتین الرکعتین ھدیۃ منی الی سیدی و مولای ولیک و اخی رسولک امیرالمومنین و سید الوصیین علی ابن ابی طالب صلوات اللہ علیہ و علیٰ آلہ اللھم فصل علی محمد و ال محمد و تقبلھا منی واجزنی علی ذالک جزاء المحسنین اللّٰھم لک صلیت و لک رکعت و لک سجدت وحدک لا شریک لک لانہ لا تجوز الصلوٰۃ والرکوع والسجود الا لک لانک انت اللہ لا الہ الا انت

ماحصل مطلب یہ ہے کہ پروردگار! اس دو رکعت نماز کو میں نے ہدیہ کیا اپنے سیّد و مولا، تیرے ولی اور تیرے رسول کے جانشین امیر المومنین و سید الوصیین علی ابن ابی طالبؑ کی طرف۔ خداوندا محمد و آل محمد پر اپنی رحمت بھیج۔ اس دو رکعت نماز کو میری طرف سے قبول فرما اور اس عمل پر مجھ کو نیکو کاروں کی جزا مرحمت فرما۔ پروردگارا میں نے تیرے لیئے نماز پڑھی، تیرے لیئے رکوع و سجود کیا، تو ہی خدائے واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں کیونکہ نماز اور رکوع و سجود سوا تیرے کسی اور کے لیئے جائز نہیں ہے اور تو ہی وہ خدا ہے بزرگ ہے جس کے سوا

کوئی اور خدا نہیں۔

حضرات محترم! خدا کے لیئے انصاف سے کام لیجئے۔ ایسا زائر جو خاک نجف پر پہلا قدم رکھنے کے بعد نماز زیارت سے فارغ ہونے کی آخری ساعت تک برابر یاد حق میں مشغول رہے، نام خدا زبان پر جاری رکھے عظمت و وحدانیت کے ساتھ اس کا ذکر کرے علیؑ کو بندۂ صالح اور رسول اللہ کا بھائی اور وصی کہے اور زبان حال وقال سے ان مطالب کا اعتراف کرے کیا وہ مشرک ہے؟ پس اگر نماز کا پڑھنا اور وحدانیت خدا کی گواہی دینا شرک ہے تو براہِ کرم ذرا توحید کا طریقہ بتا دیجئے تاکہ ہم لوگ خدا اور رسولؐ کا مذہب چھوڑ کر آپ کے راستہ پر آجائیں۔

شیخ: تعجب ہے آپ دیکھتے نہیں کہ اسی جگہ لکھا ہوا ہے آستانہ کو بوسہ دے کر حرم کے اندر داخل ہو اسی وجہ سے ہم نے سنا ہے کہ زائرین جب اپنے اماموں کے حرم کے دروازوں پر پہنچتے ہیں تو سجدہ کرتے ہیں۔ آیا یہ سجدہ علی کے لیئے نہیں ہے؟ آیا یہ عمل خدا کے بارے میں شرک نہیں ہے۔ کہ اس کے غیر کا سجدہ کریں۔؟

خیر طلب: میں اگر جناب عالی کی جگہ پر ہوتا تو صحیح اور معقول جواب سن لینے کے بعد ساری رات بلکہ اس مناظرے کا سلسلہ ختم ہونے تک دوبارہ بحث نہ کرتا اور خاموش رہتا لیکن تعجب تو آپ سے ہے کہ پھر بھی گفتگو کر رہے ہیں۔ لیکن ایسی گفتگو کہ ہر سننے والے کو ہنسی آجائے۔

(حاضرین کا زوردار قہقہہ)

آئمہؑ کے روضوں پر آستانہ بوسی شرک نہیں ہے

میں مجبور ہوں کہ پھر ایک مختصر جواب پیش کروں تاکہ معلوم ہو جائے کہ آئمہ معصومینؑ کے مقدس آستانوں کا چومنا شرک نہیں ہوا کرتا اور آپ نے بھی مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ چومنے کو سجدہ قرار دے دیا جب آپ خود ہمارے سامنے اس طرح سے کتاب کی عبارت کو پڑھنے کے بعد تحریف کر سکتے ہیں تو معلوم نہیں جس وقت بے پڑھے لکھے عوام کے پاس اکیلے تشریف لے جاتے ہوں گے تو ہم پر کیا کیا تہمتیں لگاتے ہوں گے۔

اس کتاب اور دوسری کتب ادعیہ و زیارات میں ہم کو جو ہدایت دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جیسا آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ زائر اظہار ادب کے لیئے آستانے پر بوسہ دے نہ یہ کہ سجدہ کرے۔

پہلی چیز تو یہ کہ آپ نے کس قاعدے کی رو سے چومنے کو سجدہ کرنا سمجھ لیا؟ دوسرے آپ نے قرآن مجید اور اخبار و احادیث میں کہاں دیکھا کہ پیغمبرؐ یا کسی امامؑ کی درگاہ کی چوکھٹ کو چومنے سے منع کیا گیا ہو یا بوسہ دینے

کو شرک کی علامت قرار دیا گیا ہو! پس جب آپ کے پاس کوئی معقول یا مسکت جواب اس سلسلے میں موجود نہیں ہے تو حاضرین کا وقت ضائع نہ فرمائیے۔

لیکن جو آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے سُنا ہے زائرین سجدہ کرتے ہیں۔ تو یہ بالکل جھوٹ ہے

بسے فرق است دیدن تا شنیدن — شنیدن کے بود مانندِ دیدن

کیا خدائے تعالیٰ سورۂ ۴۹ (حجرات) آیہ ۶ میں ارشاد نہیں فرماتا۔ ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (یعنی جس وقت کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تصدیق کرنے سے پہلے) اس کی تحقیق کر لو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں تم کسی قوم کو اس فاسق کی بات پر کوئی تکلیف پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمان ہونا پڑے") قرآن مجید کے اس فرمان کے مطابق کلام فاسق پر عمل کرنا مناسب نہیں ہے تاکہ ندامت و خجالت کا باعث نہ ہو۔ بلکہ تحقیق اور کشف حقیقت کی کوشش کرنا چاہیئے۔ زحمت سفر برداشت کر کے جائیے اور قریب سے دیکھئے اس کے بعد ایراد و اشکال فرمائیے چنانچہ میں جس وقت بغداد میں ابو حنیفہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی کی قبروں پر گیا اور ان قبروں کے لیئے عوام کا طرز عمل دیکھا (جو بدرجہا اس سے زیادہ سخت ہے جس کی آپ نے شیعوں پر تہمت لگائی ہے) تو کبھی اس کو کسی مجلس یا محفل میں دہرایا بھی نہیں۔ خدائے بزرگ شاہد ہے کہ جب میں معظم میں ابو حنیفہ کی قبر پر پہنچا تو ہندوستان کے برادران اہل سُنت کے ایک گروہ کو دیکھا جو بجائے چوکھٹ کے بار بار زمین کو چوم رہے تھے اور خاک پر لوٹتے تھے لیکن چونکہ میں کینے اور عداوت کی نظر نہیں رکھتا تھا۔ اور اس عمل کی حرمت پر کوئی دلیل بھی نہیں دیکھی ہے لہٰذا اب تک اس کو بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ از روئے محبت ایسا عمل کر رہے تھے نہ کہ از روئے بندگی۔

جناب محترم! آپ یقین کیجیے کہ کسی (عارف یا جاہل) شیعہ زائر نے ہرگز سجدہ نہیں کیا ہے اور نہ کرتا ہے لیکن صرف خدا کے لیئے اور آپ کا یہ فرمانا بالکل تہمت و افترا اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

ایسی صورت میں اگر سجدے ہی کے طرز پر ہو جس کا مطلب خاک پر گرنا اور چہرہ و پیشانی کو زمین پر ملنا ہے (بغیر قصد بندگی کے) تو کوئی حرج نہیں ہے اس لیئے کہ کسی بزرگ ذات کے سامنے تعظیم و تکریم کے خیال سے (نہ کہ اس کی خدائی کی نیت سے خدا کے لیئے شریک قرار دینے کے لیئے جھکنا، زمین) زمین پر گرنا اور خاک پر منہ رکھنا کبھی شرک نہیں ہوتا بلکہ محبوب سے شدید رابطہ تعظیم خاک پر چہرہ رکھنے اور بوسہ دینے کا سبب ہے۔

شیخ: یہ کیونکر ممکن ہے کہ خاک پر گریں اور پیشانی زمین پر رکھیں پھر بھی سجدہ نہ ہو۔

خیر طلب: آپ سمجھتے ہیں کہ سجدے کا تعلق نیت سے ہے اور نیت ایک قلبی چیز ہے اور دلوں اور

دل کی نیتوں کا جاننے والا صرف خدا ہے۔ بظاہر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص یا اشخاص سجدے کی نوعیت سے زمین پر پڑے ہوئے ہیں (اور یہ ٹھیک ہے کہ ایسے انداز میں جو خدائے تعالیٰ سے مخصوص ہے اس کے غیر کے سامنے حاضر ہونا مناسب نہیں ہے چاہے بغیر نیت ہی کے ہو) لیکن چونکہ ہم اس کی دلی نیت سے آگاہ نہیں ہیں لہذا اس کو سجدے پر محمول نہیں کر سکتے سوا مخصوص سجدے کے اوقات کے جب کہ ظاہری صورت کو بھی ہم سجدہ کہتے ہیں۔

بھائیوں کا یوسفؑ کے لیئے خاک پر گرنا اور سجدہ کرنا

پس تعظیم و تکریم کے عنوان سے سجدے کے طرز پر (بغیر نیت سجدہ کے) خاک پر گرنا کفر و شرک نہیں ہے چنانچہ برادران یوسفؑ نے حضرت یوسفؑ کے سامنے اسی طرح کا سجدہ کیا اور دو پیغمبر (یعقوب و یوسف) موجود تھے لیکن ان کو منع نہیں کیا جیسا کہ سورہ ۱۲ یوسف آیت ۱۰۱ سے ظاہر ہے ارشاد ہے ورفع ابویہ علی العرش وخروا لہ سجداً۔ وقال یا ابت ھذا تاویل رویای من قبل قد جعلھا ربی حقا .. .. (یعنی انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور وہ لوگ یوسفؑ کے سامنے سجدے میں گر پڑے تب انہوں نے کہا اے بابا یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں پہلے دیکھ چکا ہوں، واقعی خدا نے اس کو سچ کر دکھایا [1]) نیز کئی مقامات پر کیا قرآن کریم آدم ابوالبشر کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کی خبر نہیں دے رہا ہے؟ چنانچہ اگر آپ کا بیان صحیح مان لیا جائے کہ سجدے کے طرز پر (بغیر نیت عبودیت کے) خاک پر گرنا شرک ہے تو چاہیئے کہ (معاذ اللہ) برادران یوسف اور ملائکہ مقربین سب کے سب مشرک رہے ہوں اور صرف ابلیس ملعون موحد ہو جس نے سجدے سے انکار کیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ سب موحد اور خدا پرست تھے۔

میری گذارش ہے کہ آپ حضرات جاہلانہ اعتراضات اور بے بنیاد سُنی سنائی باتوں کو جنہیں امویوں کے باقی ماندہ خارجیوں، ناصبیوں اور متعصب اشخاص نے نقل کیا ہے ایسی محترم بزم میں جو مخصوص طور پر حق کی گفتگو اور انکشافِ حقیقت کے لیئے منعقد ہوئی ہے موضوع بحث نہ بنائیں تاکہ باعث ندامت و تفضیح وقت نہ ہو اور اپنے بھید کو ظاہر نہ کریں کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ شیعوں کے اوپر آپ کے ایرادات و اعتراضات ہمیشہ اسی قسم کے ہوا کرتے ہیں۔

---

[1] یہ خواب وہ ہے جس کی اسی سورے کے شروع میں خبر دیتا ہے کہ یوسفؑ نے اپنے باپ سے عرض کیا کہ میں نے آفتاب و ماہتاب اور گیارہ ستاروں کو خواب میں دیکھا کہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ اور حضرت یعقوبؑ نے تعبیر دی کہ تم جلد ایک بلند منزل پر پہنچو گے اور تمہارے باپ ماں اور گیارہ بھائی تمہاری تعظیم کریں گے۔

اب ضروری ہے کہ جناب حافظ صاحب کا بھی ایک مختصر جواب دیدوں چونکہ وقت کافی گذر چکا ہے۔ لہٰذا طولانی بحث کا موقع نہیں ہے۔

جسم کی فنا کے بعد روح کی بقا

آپ حضرات چونکہ صاحبان علم میں لہٰذا بہتر ہے کہ غور و فکر کیساتھ بات کہا کریں نہ کہ عادات، خیالات، جذبات اور اسلاف کی گفتگو کے ماتحت۔ جیسا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ شیعہ قبور اموات کے سامنے کس لئے حاجت طلب کرتے ہیں تو کہیں آپ مادہ پرست اور نیچری لوگوں کے ہم عقیدہ تو نہیں ہو گئے ہیں جو مرنے کے بعد زندگی کے قائل نہیں ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اذا مات فات، کیونکہ خداوند عالم سورہ ۲۳ (مومنون) آیت ۳۹ میں ان کے اقوال نقل فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں ان ھی الاحیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین (یعنی سوا ہماری دنیاوی زندگی کے اور کوئی حیات نہیں ہے جس میں ہم مرتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں اور ہم دوبارہ خاک سے نہیں اُٹھائے جائیں گے)۔

حضرات آپ بخوبی واقف ہیں کہ خدا پرستوں کے مضبوط عقائد میں سے ایک عقیدۂ حیات بعد الموت بھی ہے کہ آدمی کی موت حیوانات کے خلاف ہوتی ہے جسم عنصری بے کار ہو جاتا ہے لیکن اس کی روح اور نفس ناطقہ باقی و پائدار ہے اور انہیں اجسام سے ملتے جلتے انتہائی لطیف جسموں کیساتھ عالم برزخ میں زندہ اور متنعم یا معذب رہیگا۔

خصوصاً شہداء اور مقتولین راہ خدا، کیونکہ وہ حضرات اس سے کہیں زیادہ اضافوں کیساتھ زندہ، خدا کی نعمتوں سے متنعم اور اپنی جزا پر شاد و مسرور رہتے ہیں، چنانچہ سورہ ۳ (آل عمران) آیت ۱۶۳ میں ارشاد ہے۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتٰھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ (یعنی یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ شہید ان راہ خدا مردہ ہیں بلکہ وہ ہمیشہ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے پاس نعمات اور روزی پاتے ہیں خدا نے ان پر اپنا جو فضل و کرم نازل کیا ہے اس سے خوش و خرم ہیں اور جو مومنین ابھی ان سے ملحق نہیں ہوئے ہیں۔ اور بعد کو ان کے پیچھے پیچھے پہنچیں گے ان کیلئے خوشخبری دیتے ہیں کہ نہ ان کے لئے کسی قسم کا خوف ہے۔ نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ آیا روزی حاصل کرنا، سرور و شادمانی اور پروردگار کے فضل و کرم سے مستفید ہونا مردوں کے لوازم میں سے ہے۔ یا زندوں کے؟ علاوہ اس کے صریحی طور پر فرماتا ہے۔ احیاء عند ربھم یرزقون یعنی وہ لوگ زندہ ہیں اور قرب الٰہی میں روزی پا رہے ہیں۔ آخر یہ اشخاص کیونکر زندہ ہیں اور روزی کس طرح سے کھاتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جب رزق کھاتے کے لئے منہ رکھتے ہیں۔ تو بات سننے کے لئے کان بھی رکھتے ہیں۔ اور جواب بھی دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے کانوں پر مادی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی وجہ سے ہم ان کی آواز نہیں سنتے۔

بقائے روح میں اشکال اور اس کا جواب

داہل تسنن میں سے ایک جدت پسند جوان معروف بہ داؤد پوری نے جو جلسہ کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے گفتگو سُن رہے تھے اجازت لے کر سوال کے نام سے اس عبارت کے ساتھ ایک شبہ وارد کیا۔

داؤد پوری: مولانا صاحب آپ کا یہ بیان آج کے محیر العقول علمی انکشافات سے میل نہیں کھاتا البتہ گذشتہ زمانوں میں جب علوم طبعی نے ترقی نہیں کی تھی، کچھ لوگ جہالت کی وجہ سے ایک پوشیدہ قوت کے معتقد تھے جس کا نام روح رکھتے تھے لیکن آج جب کہ علم و دانش کا زریں دور ہے۔ اور علوم طبیعی اپنی پوری ترقی پر ہیں اس قسم کے عقائد کا لبادہ بوسیدہ ہو چکا ہے۔ خصوصاً یورپ کے ممالک میں جو علمی ترقیوں کا گہوارہ ہیں۔ ارباب دانش جیسے انگلینڈ کے "ڈاروِن" اور جرمنی کے "بنخر" وغیرہ نے ایسے سڑے ہوئے عقائد اور مخصوص طور پر روح کے وجود اور اس کی بقا کے عقیدے کا باطل ہونا ثابت کر دیا ہے۔

خیر طلب: عزیز من! اس قسم کے اقوال نئے نہیں ہیں اور بقول آپ کے زریں دور سے مخصوص نہیں بلکہ تقریباً دو ہزار چار سو سال ہو گئے ارباب مادّہ و طبیعت کے حلقۂ عمل سے ان کا ظہور ہو رہا ہے۔

اہل مادہ و طبیعت کا ظہور اور حکیم سقراط سے دیمقراطیس کا مقابلہ

یعنی جس زمانے میں دیمقراطیس اور اس کے پیرووں نے یونان میں سقراط، افلاطون، ارسطو اور اسی طرح کے دوسرے حکمائے الٰہی سے مقابلہ کیا، مادّے اور طبیعت کے قائل ہوئے صاحب علم و ارادہ و قدرت و شعور خدا کا انکار کیا اور کہا کہ بغیر "میٹر" یعنی مادّہ و مادیات کے جو حواس خمسہ میں سے کسی ایک سے محسوس ہو سکے کوئی دوسری چیز عالم میں موجود نہیں ہے۔ اور سارے ضروری تاثیرات مادوں کی طبیعت سے پیدا ہیں تو اسی وجہ سے یہ لوگ طبیعی اور مادّی کے نام سے مشہور ہوئے جن کا خلاصہ اور جوہر اصلی آج کمیونسٹ کے نام سے دنیا میں نمایاں ہے، اس طرح کے فاسد عقیدے جو با علم و ارادہ قدرت و شعور خالق کے وجود سے انکار کے لوازم

ہیں سے ہیں اسی کوتاہ نظر فرقے کے اندر ظاہر ہوئے اور علماء و فلاسفۂ الٰہی نے زمانے کے ہر دور میں ان کے علمی منطقی جوابات دیئے ہیں۔ لیکن چونکہ آپ نے یورپ اور ڈارون ونجز کے نام لیئے ہیں۔ لہٰذا میں مجبور ہوں کہ آپ جیسے تجدد پسند حضرات کو برادرانہ نصیحت کرتے ہوئے متوجہ کروں کہ علم وعقل اور منطق کا لازمہ یہ ہے کہ ہر کلام پر آنکھ بند کر کے ایمان نہ لے آیئے۔

اگر آپ نے ڈارون کے فلسفہ کا (جو فرضیات ہیں نہ کہ فلسفہ) مطالعہ کیا ہے۔ تو ضروری ہے کہ اس کتاب اور اقوال وعقائد پر جو انتقادات اور تبصرے لکھے گئے ہیں، ان کو بھی پڑھیئے اس کے بعد دانشمندانہ فیصلہ کر کے بہتر کا انتخاب کیجیئے۔

چونکہ یورپ والوں کا علمی وعملی غلبہ اور سلطنت آپ لوگوں پر زیادہ رہی ہے لہٰذا جس وقت ڈارون اور نجز وغیرہ کی کوئی کتاب آپ لوگوں کے ہاتھ میں آتی ہے۔ تو بہت بزرگ و شاندار نظر آتی ہے۔ اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ درحقیقت سارا یورپ انہیں کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ اور یہ کتاب تمام فلاسفۂ یورپ کے عقائد کا نمونہ ہے۔ درآنحالیکہ ایسا نہیں ہے (اب اگر ایسا ہو بھی جائے تو اس کی کوئی علمی قدر و قیمت نہ ہوگی)۔

یوروپین علمائے الٰہی کے اقوال

جس طرح سے آپ طبیعی ڈارون کا فلسفہ پڑھتے ہیں اسی طرح الٰہی فلاسفہ کی کتابیں بھی پڑھیئے جو عام طور پر دستیاب ہوتی ہیں جیسے فرانسیس "کامیل فلاماریون" کی کتابیں جو یورپ کے مشہور ریاضی علماء میں سے ہے اور اس نے برسوں معرفت نفس میں غور کرنے کے بعد حق تعالیٰ کی واحدانیت کے اثبات، عظمت روح اور موت کے بعد اس کی بقا پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں جیسے "دیوان لاناتور" یعنی "خدا اور طبیعت" اور مرگ و اسرار آں" کی جلدیں جن کا ایرانی اور مصری علماء نے فارسی اور عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

ان کتابوں میں موت کے بارے میں تفصیل کے ساتھ قلم فرسائی کی ہے اور صریحی طور پر کہتے ہیں کہ موت حقیقی کا فنا و نیستی کے معنی میں کوئی وجود نہیں ہے موت مراد ہے ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کا۔ آدمی صرف اپنا قالب بدلتا ہے یعنی اس عنصری جسم سے نکل کر ایک اس سے زیادہ لطیف پیکر اور صورت میں چلا جاتا ہے کیونکہ روح (سرمایۂ حیات) کے لیئے کبھی فنا نہیں بلکہ یہ باقی اور پائیدار ہے یہ نظریہ سالہا سال کے قطعی تجربات کے بعد قائم ہوا ہے کہ روح اس بدن کے علاوہ ایک چیز ہے جو خود معنوی طور پر استقلال رکھتی ہے جسم کے فنا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے اور دیکھ بھال کرتی ہے۔

اس طرح کے علماء اور فلاسفۂ الٰہی مثلاً ہمعصر فیلسوف "برکسون فرانسیسی" فرانس کے مشہور دانشمند شاعر "ویکتور ہوگو" جرمنی محقق "ترمال" اور مشہور فرانسیسی فیلسوف "دکارت" وغیرہ جن کے سارے اقوال نقل کرنا بلکہ ان سب کے ناموں کا تذکرہ کرنا بھی اس موقع پر ممکن نہیں بہت ہیں دانشمندان یورپ ان کے وجود پر فخر کرتے ہیں۔ نہ کہ طبیعی و مادی ڈاروں اور بخنر کے وجود پر۔

اولاً چونکہ آپ جیسے روشن خیال جوان حضرات اہل مغرب کے اثرات کے ماتحت ان کی باتیں سننے پر مجبور ہیں لہٰذا کم از کم یہی کیجئے کہ صرف انگلینڈ کے ڈاروں اور جرمنی کے بخنر ہی کی کتابیں نہ دیکھئے بلکہ دوسرے فلاسفہ اور دانشمندان یورپ کی کتابوں پر بھی توجہ کیجئے۔

دوسرے دونوں فرقے (الٰہی و طبیعی)، کے عقائد پر غور و فکر کیجئے اور ان کی کتابوں پر جو تبصرے اور انتقادات لکھے گئے ہیں۔ ان کو پڑھیئے تاکہ بہتر کا انتخاب کر سکئے۔ اگر آپ از روئے انصاف اور علم و عقل اور منطق کی نظر سے کتب فریقین (الٰہی و طبیعی)، کا مطالعہ کیجئے تو قطعی اور یقینی طور پر تصدیق کیجئے گا کہ انسان کا جسم چونکہ عالم خلق کے عناصر سے پیدا ہوا ہے، لہٰذا فنا ہو جاتا ہے اور روح عالم امر کی مخلوق ہے اس لیئے زندہ ہے اور پایئدار ہے۔ یہ نہ مری ہے اور نہ مرے گی خصوصاً شہدا اور حق و حقیقت، توحید کی راہ میں قتل ہونے والے جو کتب آسمانی اور تعلیمات ربانی کے حکم کے علاوہ روحانی جنبے کے جسمانی حیثیت سے بھی زندہ اور گوش شنوا اور چشم بینا کے مالک ہوتے ہیں۔

چنانچہ زیارت حضرت سید الشہدا علیہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے۔ اشھد انك تسمع کلامی وترد جوابی یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ میرا کلام سنتے ہیں اور مجھ کو جواب دیتے ہیں۔ آیا آپ نے نہج البلاغہ کا خطبہ ۸۳ نہیں پڑھا ہے جس میں رسول اکرم کی عترت طاہرہ کا تعارف کرایا گیا ہے! فرماتے ہیں۔ ایھا الناس خذوھا من خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انہ یموت من مات منا ولیس بمیت و یبلیٰ من یلی منا ولیس ببال یعنی اے لوگو اس مطلب کو خاتم النبیینؐ سے حاصل کرو (یعنی آنحضرت کا ارشاد ہے) کہ ہم میں سے جسکو موت آتی ہے (در حقیقت) وہ مردہ نہیں ہے اور وہ ہم میں سے جو بظاہر بوسیدہ ہوتا ہے وہ (در حقیقت) بوسیدہ نہیں ہے۔ یعنی ہم عالم انوار و ارواح میں ہمیشہ زندہ اور قائم رہتے ہیں۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید اور ملیثمی اور دیار مصر کے مشہور و معروف مفتی شیخ محمد عبدہ ان کلمات کی شرح میں کہتے ہیں، کہ اہل بیت پیغمبرؐ دوسروں کی طرح در حقیقت مردہ نہیں ہیں۔

چنانچہ اگر ہم بظاہر قبور آئمہ معصومین علیہم السلام کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو مردوں کی قبروں کے سامنے نہیں کھڑے ہوتے اور مردوں سے باتیں نہیں کرتے بلکہ ہم زندہ اور صاحبان حیات کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور زندوں ہی سے گفتگو کرتے ہیں پس ہم مردہ پرست نہیں ہیں۔ بلکہ خدا پرست ہیں۔ کیوں کہ خدا ہی ان حضرات کی روحوں اور جسموں کو زندہ اور محفوظ رکھتا ہے۔

آیا آپ حضرات امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ یا سید الشہداء حضرت امام حسین علیہما السلام یا بدر و احد اور کربلا کے شہیدوں کو دین حق کے فدائی اور راہ خدا کے جانباز نہیں سمجھتے، جنہوں نے قریش و بنی امیہ، یزید اور یزیدیوں کے (جن کا سب سے بڑا مقصد حقائق دین کا انکار اور اس کے آثار کا مٹانا تھا) خانماں سوز ظلم کا مقابلہ کیا اور مقدس دین اسلام اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دیں جس طرح سے صحابۂ رسولؐ کی مقاومت اور شہدائے بدر و احد و حنین کی جانبازیاں کفر و شرک کی شکست اور کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی بلندی کا سبب نہیں اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کے عزم و فداکاری نے دین حق کی تقویت میں پورا اثر دکھایا اگر حضرت مقابلہ نہ کرتے تو یزید پلید لعنۃ اللہ دین کی جڑ کاٹ کے اپنے کفریات باطن اور عقائد فاسدہ کو جماعت مسلمین کے اندر جامۂ عمل پہنا دیتا۔

معاویہ و یزید کی خلافت اور اُن کے کفر کی طرف سے مخالفین کا دفاع اور اس کا جواب

شیخ :۔ آپ سے سخت تعجب ہے کہ خلیفۃ المسلمین یزید ابن معاویہ کو کافر اور فاسد العقیدہ کہتے ہیں حالانکہ اتنا نہیں جانتے کہ یزید کو خلیفہ امیر المومنین اور خال المومنین معاویہ بن ابی سفیان نے منصب خلافت پر قائم کیا اور معاویہ کو خلیفۂ ثانی عمر ابن الخطاب اور خلیفۂ ثالث عثمان مظلوم رضی اللہ عنہما نے بلاد شام میں امارت مسلمین کے عہدے پر نصب کیا اور ان کی لیاقت و قابلیت کی وجہ سے لوگوں نے ان کو رضا و رغبت کے ساتھ مقام خلافت کے لیے قبول کیا پس آپ جو خلیفۃ المسلمین کی طرف کفر و ارتداد کی نسبت دے رہے ہیں۔ تو علاوہ اس کے کہ آپ نے تمام مسلمانوں کی اہانت کی جنہوں نے ان کی خلافت کو تسلیم کیا، بہت بڑی توہین ان پچھلے خلفاء کی بھی ہے جنہوں نے عہدۂ امارت اور حقیقۃً ان کی خلافت کی منظوری دی۔ ان سے فقط ایک لغزش و خطا اور ایک ترک اولیٰ صادر ہوا کہ ان کے زمانۂ خلافت میں ریحانۂ رسول اللہؐ کو لوگوں نے قتل کر دیا اور یہ عمل چونکہ عفو اور چشم پوشی کے قابل تھا لہٰذا انہوں نے توبہ کر لی اور خداوند غفور نے بھی اس کو معاف کر دیا چنانچہ امام غزالی اور دمیری نے اس مطلب کو تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ اور یزید کی طہارت و پاکدامانی کو ثابت کر دیا ہے۔

خیر طلب :۔ مجھ کو بالکل اس کی توقع نہیں تھی کہ جناب کا درجۂ تعصب اس حد تک ہو گا، کہ یزید علیہ پلید کے وکیل صفائی بن جائیں گے آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ان کے اسلاف نے ان لوگوں کی امارت کو درست سمجھا لہٰذا لامحالہ

مسلمانوں کا فرض ہے کہ کورانہ اس کو تسلیم کریں اور ان کی اطاعت کریں تو آپ کا یہ بیان بہت کمزور ہے اور صاحبانِ عقل کے لیئے مخصوص طور پر جمہوریت کے اس (نام نہاد) علم و حکمت کے دور میں قابلِ قبول نہیں اور ہمارے دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم کہتے ہیں خلیفہ کو معصوم اور من جانب اللہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ ہم ان دشواریوں سے دوچار نہ ہوں دوسرے آپ کا یہ فرمان کہ امام غزالی یا دمیری وغیرہ نے یزید کے اعمال کی صفائی پیش کی ہے۔ تو وہ بھی آپ ہی کے ایسے تھے جبکہ آپ کا تعصب آپ کے علم و عقل پر غالب آگیا ہے ورنہ کوئی عقلمند انسان اس پر تیار نہیں ہو سکتا کہ یزید پلید کا وکیل صفائی بنے کیونکہ بچاؤ کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔

تیسرے آپ کا یہ قول کہ فقط ایک لغزش اور خطا اس سے صادر ہوئی اور وہ شہادت حضرت سید الشہداء اسلام اللہ علیہ تھی تو پہلی بات یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے پارہ جگر کو ستر چھوٹے بڑے افراد کے ساتھ بغیر کسی قصور کے شہید کرنا اور اسلام کے نوامیس بزرگ رسول خداؐ کی بیٹیوں کو روم و فرنگ کے قیدیوں کے مانند کھلم کھلا اسیر کرنا لغزش اور غلطی نہیں تھی بلکہ گناہان کبیرہ میں سے ہے دوسرے اس کی بداعمالیاں اور کفریات تنہا ان حضرت کی شہادت ہی سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ اس کے کفر و ارتداد کے ثبوت میں مختلف نظیریں موجود ہیں۔

نواب: قبلہ صاحب! میری گذارش ہے کہ اگر یزید کے کفر و ارتداد پر کچھ واضح دلیلیں موجود ہیں تو ہم کو بھی آگاہ فرمائیے ممنون ہوں گے۔

یزید کے کفر و ارتداد پر دلائل

خیر طلب: یزید کے کفر و ارتداد پر دلیلیں بہت روشن اور واضح ہیں۔ چنانچہ اپنے کلمات نظم و نثر میں وہ خود برابر اپنے باطنی کفریات کا اظہار کرتا رہتا تھا مخصوصاً اس کے اشعار خمریہ میں کھلے ہوئے دلائل پائے جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔

شمیسۃ کرم برجہا قعر دنّہا — فمشرقہا الساقی ومغربہا فمی

فان حرمت یوما علی دین احمد — فخذہا علی دین المسیح ابن مریم

خلاصۂ مطلب یہ کہ کہتا ہے، انگور کی شراب دست ساقی کے مشرق سے طالع ہوتی ہے اور میرے دہن کے مغرب میں غروب ہوتی ہے پس اگر شراب دین محمدی میں حرام ہے تو اس کو دین مسیح ابن مریم پر لے لو یعنی مسیح ابن مریم کے دین کی پیروی کرو۔ نیز کہتا ہے۔

اقول لصاحب ضمت الکاس شملہم — وداعی صبابات الہوی یترنم

خذوا بنصیب من نعیم ولذۃ — فکل وان طال المدی یتصرم

ان اشعار میں ظاہر کرتا ہے کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہے، اس عالم کے سوا اور کوئی عالم نہیں ہے لہذا یہاں کی نعمتوں اور لذتوں سے محروم نہ رہنا چاہیے۔ یہ وہ اشعار ہیں جو اس کے دیوان میں درج ہیں اور ابوالفرج ابن جوزی نے کتاب الرّد علی المتعصب العنید میں ان کی شہادت دی ہے۔

من جملہ ان اشعار کے جو اس کے کفر و بے دینی اور الحاد پہ گواہ ہیں وہ شعر بھی ہیں جو سبط ابن جوزی نے تذکرہ میں اور ان کے جد ابوالفرج نے تفصیل سے درج کئے ہیں۔ ان کے مطلع میں کہتا ہے:

علیة هاتی ناولینی وترنمی حدیثك انی لا احب التناجیا

اپنی معشوقہ سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے، اے میری محبوبہ قریب آ اور مجھ کو اپنے دلی مطالب سے کھل کر آگاہ کر کیونکہ میں تیرے آہستہ بولنے کو پسند نہیں کرتا (یہاں تک کہ کہتا ہے)

فان الذی حدثت عن یوم بعثنا احادیث زور تترك القلب ساهیا

یعنی جو شخص قیامت کے قصے سے ڈراتا ہے تو یہ سب جھوٹی باتیں ہیں جو دل کو ساز و آواز کے لطف سے محروم کرتی ہیں۔

چنانچہ ابراہیم بن اسحٰق معروف "دیک الجن"، نے جو جلیل القدر شیعہ فقہا و علماء اور فضلاء روزگار میں سے تھے خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے سامنے یہ سارے اشعار پڑھے تو اس نے بے اختیار یزید پر لعنت کی اور کہا زندیق نے خدا اور حشر و نشر کا پورا انکار کیا ہے۔

منجملہ ان اشعار کے جو اس کے کفر والحاد پر دلالت کرتے ہیں وہ بھی ہیں جو وہ اپنے عیش و ترنم کے موقع پر پڑھا کرتا تھا:

یامعشر الندمان قوموا واسمعوا صوت الاغانی!

واشربوا کاس مدام واترکوا ذکر المعانی

شغلتنی نغمة العیدا ن عن صوت الاذان

وتعوضت عن الحور عجوزا فی الدنان

ماحصل معنی یہ ہیں کہ اپنے ہم مشرب اور ہم پیالہ لوگوں سے کہتا ہے کہ اٹھو اور ساز و آواز پر کان لگاؤ اور شراب ناب کے جام پیو اور دینی خرافات کو چھوڑو، کیونکہ ساز و نغمہ نے مجھ کو اذان کی آواز سے ہٹا کر اپنی طرف جذب کر لیا ہے اور میں بہشت کی حوروں کے عوض بوڑھی مغنیہ عورتوں کو قبول کرتا ہوں۔

کتب مقاتل میں ہر جگہ منقول ہے اور سبط ابن جوزی نے بھی تذکرہ ص۱۴۹ پہ لکھا ہے کہ جب اہل بیت رسالت شام میں لائے گئے تو یزید پلید اپنے محل کے بالا خانے پر جو محلہ جیرون کے سامنے تھا، بیٹھا اور یہ دو شعر پڑھ کے اپنے کفر کو ثابت کیا:

لما بدت تلك الحمول واشرقت	تلك الشموس علی رباجیرون
نعب الغراب فقلت تح اولا تنح	فلقد قضیت من النبی دیونی

خلاصۂ مطلب یہ کہ اسیران آل محمدؐ کی محملیں ظاہر ہوئیں تو ایک کوے نے آواز دی (کیونکہ عرب میں اس آواز کو شگون بد سمجھتے تھے) تو میں نے کہا اے کوے تو بول یا نہ بول میں نے پیغمبرؐ سے اپنے قرضے وصول کر لئے۔

کنایہ اس بات کا ہے کہ پیغمبرؐ نے میرے بزرگ اور اقارب کو بدر و احد اور حنین میں قتل کیا تھا لہذا میں نے بھی اس کا بدلہ لے لیا اور ان کی اولاد کو قتل کیا۔ اور یزید کے کفر کی دلیلوں میں سے یہ بھی ہے کہ جب اس نے فرزند رسولؐ کی شہادت پر جشن کی محفل منعقد کی تو مثلاً اس نے عبداللہ بن الزبعری کے کفر آمیز اشعار پڑھے۔ یہاں تک کہ سبط ابن جوزی ابو ریحان بیرونی اور دوسرے لوگوں نے لکھا ہے کہ اس نے اپنے اجداد میں سے ان لوگوں کی موجودگی اور حیات کی تمنا کی جو سب کے سب مشرک اور کافر محض تھے اور خدا و رسولؐ کے حکم سے بدر کبریٰ کی جنگ میں مارے گئے تھے بظاہر ان میں سے دوسرا اور پانچواں شعر خود یزید ہی کا ہے جو اس نے مسلمانوں، یہودیوں اور نصرانیوں کے مجمع عام کے سامنے پڑھے:

لیت اشیاخی ببدر شھدوا	جزع الخزرج من وقع الاسل
لاھلوا واستھلوا فرحاً	ثم قالوا یا یزید لا تشل
قد قتلنا القوم من ساداتھم	وعدلناہ ببدر فاعتدل،
لعبت ھاشم بالملک فلا	خبر جاء ولا وحی نزل
لست من خندف ان لم انتقم	من بنی احمد ما کان فعل
قد اخذنا من علیؑ ثارنا	وقتلنا الفارس اللیث البطل

(یعنی اے کاش میرے وہ بزرگان قبیلہ جو بدر میں قتل کئے گئے اور قبیلہ خزرج والوں کا (جنگ احد میں) نیزے لگنے کی وجہ سے گریہ و زاری دیکھنے والے موجود ہوتے تو خوشی سے چیختے اور کہتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں کیونکہ ہم نے ان کے بزرگان قوم اور سرداروں کو قتل کیا، اور یہ کام ہم نے بدر کے عوض میں کیا جو پورا ہوا۔ بنی ہاشم نے سلطنت کے ساتھ کھیل کھیلا ورنہ نہ آسمان سے کوئی خبر آئی نہ وحی نازل ہوئی۔ میں خندف کے خاندان سے نہیں تھا، اگر فرزندان پیغمبرؐ سے ان کے افعال کا انتقام نہ لیتا۔ ہم نے علیؑ سے اپنے خون کا بدلہ لے لیا اور شہسوار بہادر شیر کو قتل کیا)۔

آپ کے بعض علماء جیسے ابو الفرج، شیخ عبداللہ بن محمد بن عامر شبراوی شافعی کتاب الاتحاف بحب الاشراف صـ۱۸ میں، خطیب خوارزمی مقتل الحسین جلد دوم میں اور دوسرے لوگ لکھتے ہیں کہ یزید ملعون

ان حضرات کے لب و دندان کے ساتھ چھڑی سے بے ادبی کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

یزید پلید لعین کی لعن پر علمائے اہل سنت کی اجازت

آپ کے اکثر علماء نے اس ملعون زندیق کو کافر سمجھا ہے یہاں تک امام احمد بن حنبل اور آپکے بہت سے اکابر علماء نے اس پر لعنت کرنے کو جائز قرار دیا ہے، خصوصاً عبدالرحمٰن ابوالفرج ابن جوزی نے اس بارے میں ایک مستقل کتاب موسوم بہ "کتاب الرد علے المتعصب العنید المانع عن لعن یزید لعنہ اللہ" لکھی ہے اور ابوالعلاء مصری نے اس باب میں کہا ہے:

ادی الایام تفعل کل نکیر — فما انا فی العجائب مستزید
الیس قریشکم قتلت حسینا — وکان علی خلافتکم یزید

(ماحصل معنی یہ ہے کہ زمانہ، توحید و اہل توحید کی ضد میں برابر شیطانی نقشے بناتا ہے اور اس طرح کے عجائبات اور مکاریوں پر مجھ کو تعجب نہیں کیا ایسا نہیں ہے کہ تمہارے قریش نے حسینؑ کو قتل کیا اور اپنے امور اور خلافت کی باگ ڈور یزید ملعون کے ہاتھ میں دے دی) صرف آپ کے چند متعصب علماء جیسے غزالی نے یزید کی طرفداری کی ہے اور اس ملعون کی صفائی میں مضحکہ خیز اور مہمل عذرات تراشے ہیں درآنحالیکہ عام طور پر آپ کے علماء نے اس کے کفر آمیز اعمال اور ظالمانہ اطوار کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی مسند ریاست پر بظاہر تو خلافت کے عنوان سے قابض تھا لیکن عملی طور پر کوشش کرتا تھا کہ دین و توحید کی بساط ہی الٹ دے اور برے افعال کو نیک اعمال کے عنوان سے عمل میں لاتا تھا۔ چنانچہ دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں اور مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ وہ بہت سے بندر پالے ہوئے تھا جن کو عمدہ قسم کے ریشمی لباس اور گردنوں میں سونے کے طوق پہنا کر گھوڑوں پر سوار کراتا تھا اسی طرح بہت سے کتوں کو طوق پہنائے ہوئے تھا۔ ان کو اپنے ہاتھ سے نہلاتا دھلاتا تھا، سونے کے برتنوں میں ان کو پانی دیتا تھا اور ان کا پس خوردہ خود استعمال کرتا تھا، مکمل طور پر شراب کا عادی تھا اور ہمیشہ مست و مخمور رہتا تھا۔

مسعودی مروج الذہب جلد دوم میں کہتے ہیں کہ یزید کی سیرت فرعون کی سیرت تھی بلکہ فرعون رعیت داری میں یزید سے زیادہ انصاف پرور تھا۔ اس کی سلطنت اسلام کے اندر انتہائی باعث ننگ تھی، کیونکہ اس کی بہت سی بداعمالیوں جیسے شراب نوشی، فرزند رسولؐ کا قتل، وصیؑ پیغمبرؐ علیؑ ابن ابی طالبؑ پر لعنت

کرنا، خانہ خدا (مسجد الحرام) کو جلانا اور برباد کرنا، کثرت کے ساتھ خونریزی (خصوصاً اہل مدینہ کا قتل عام) اور بے شمار فسق و فجور وغیرہ جس کا حساب نہیں ہو سکتا، اس کی عدم مغفرت اور جہنمی ہونے کو ثابت کر رہی ہیں۔

نواب : قبلہ صاحب! یزید کے حکم سے مدینے کے قتل عام کا کیا معاملہ تھا؟ متمنی ہوں کہ اس کو بیان فرمائیے۔

خیر طلب : عام طور پر مورخین اور بالخصوص سبط ابن جوزی تذکرہ ص۶۳ میں لکھتے ہیں کہ ۶۳ھ میں اہل مدینہ کی ایک جماعت شام کی طرف گئی، جب وہاں ان لوگوں کو یزید کی بدکاریوں اور کفریات کا علم ہوا تو مدینہ واپس آ کر اس کی بیعت توڑ دی، بالا علان اس پر لعنت کرنے لگے اور اس کے عامل عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو نکال باہر کیا۔ عبداللہ بن حنظلہ (غسیل الملائکہ) نے کہا اے لوگو ہم لوگ شام سے واپس نہیں ہوئے اور یزید پر خروج نہیں کیا لیکن اس وقت جب ہم نے دیکھا کہ ھو رجل لا دین له ینکح الامھات والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ و یقتل اولاد النبیین۔ (یعنی وہ ایسا بے دین شخص ہے جو ماؤں بیٹیوں اور بہنوں سے حرام کاری کرتا ہے، شراب پیتا ہے، نماز نہیں پڑھتا ہے اور اولاد انبیا کو قتل کرتا ہے۔

یزید کی بیعت توڑنے کے جرم میں اہل مدینہ کا قتل عام

جب یہ خبر یزید کو پہنچی تو اس نے اہل شام کے ایک بھاری لشکر کے ساتھ مسلم ابن عقبہ کو اہل مدینہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، اور ان لوگوں نے تین شبانہ روز مسلسل اہل مدینہ کا قتل عام کیا۔ ابن جوزی اور مسعودی وغیرہ لکھتے ہیں کہ اس قدر کشت و خون کیا گیا کہ راستوں میں خون بہہ نکلا و خاض الناس فی الدماء حتی وصلت الدماء قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم وامتلأت الروضۃ والمسجد (یعنی مدینے کے کوچوں میں اس کثرت سے خون جاری ہوا کہ لوگ خون میں شرابور ہو گئے تھے، یہاں تک کہ خون رسول اللہ ص کی قبر تک پہنچ گیا اور روضۂ رسول ص اور مسجد خون سے بھر گئی)۔

اشراف قریش اور مہاجرین و انصار میں سے سات سو محترم اور سربر آوردہ افراد کو قتل کیا اور عام مسلمانوں میں سے دس ہزار اشخاص تہ تیغ ہوئے، مسلمانوں کی ہتک حرمت اور بے آبروئی کے حالات بیان کرتے ہوئے مجھ کو شرم محسوس ہوتی ہے لہٰذا تذکرہ سبط ابن جوزی ص۱۶۳ کی عبارتوں

میں سے صرف ایک کو نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جس کو ابوالحسن مدائنی سے نقل کرتے ہیں کہ ولدت الف امرأة بعد الحرة من غیر زوج (یعنی واقعۂ حرہ (مدینہ کے قتل عام) کے بعد ایک ہزار کنواری عورتوں کے یہاں بچے پیدا ہوئے (کنایہ یہ کہ فاتح لشکر کی عصمت دری سے وہ عورتیں حاملہ ہوئیں۔)

میں اس سے زیادہ اہل بزم کا وقت لینا اور ان کو متاثر کرنا نہیں چاہتا۔ خیالات کو صاف کرنے کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

شیخ: آپ نے جو کچھ بیان کیا، یہ سب یزید کے فسق و فجور پر دلالت کرتا ہے اور ہر فاسق و گنہگار انسان کا عمل معافی اور چشم پوشی کے قابل ہے یزید نے قطعاً توبہ کر لی اور خدا بھی غفار الذنوب ہے اس نے بخش دیا، پھر آپ کس وجہ سے برابر اس پر لعنت کرتے اور اس کو ملعون کہتے ہیں؟

خیر طلب: بعض دعویداروں کے وکیل اس غرض سے کہ ان کو فیس وغیرہ ملتی رہے چاروناچار آخری وقت تک اپنے مؤکل کی طرف سے پیروی کرتے رہتے ہیں چاہے حق بات ان پر ظاہر ہو ہی جائے۔ لیکن مجھ کو نہیں معلوم کہ جناب عالی کن فوائد کے پیش نظر اس لعین پلید کی وکالت میں اس قدر ثابت قدمی دکھا رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یزید نے توبہ کر لی ہے (حالانکہ یزید کی کفر آمیز گفتگو، اولیائے خدا کی شہادت اور اہل مدینہ کا قتل عام وغیرہ درایت ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ اس نے توبہ کر لی روایت ہے جو ثابت نہیں ہو سکی اور درایت کے مقابلے میں نہیں آ سکتی

آیا مبدا و معاد اور وحی و رسالت سے انکار اور دین سے مرتد ہونا آپ کی نظر میں لعنت کا مستحق نہیں بناتا۔ آیا خدا نے قرآن مجید میں ظالمین پر کھلی ہوئی لعنت نہیں فرمائی ہے؟

آیا آپ یزید کو ظالم نہیں سمجھتے؟

اگر آپ کے ایسے یزید ابن معاویہ کے خاندانی پیروکار وکیل (حاضرین کا پُر زور قہقہہ) کی نگاہ میں یہ دلائل کافی نہیں ہیں تو میں آپ کی اجازت سے آپ کے بزرگ علماء کے منقولات سے دو حدیثیں بھی نقل کرتا ہوں اور اس کے بعد اپنی گذارش ختم کرتا ہوں۔

بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں، علامہ سمہودی نے تاریخ المدینہ میں، ابن جوزی نے کتاب الرد علی المتعصب العنید میں، سبط ابن جوزی نے تذکرۃ خواص الامہ میں۔ امام احمد بن حنبل نے مسند میں اور دوسروں نے حضرت رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ فرمایا من اخاف اهل المدینة ظلما اخافه الله وعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین لا یقبل الله

منه یوم القیٰمۃ صرفاً و لا عدلا (یعنی جو شخص ظلم سے اہل مدینہ کو خوف زدہ کرے خدا اس کو اور روز قیامت خوف زدہ کرے گا، اس پر خدا اور ملائکہ اور سارے انسانوں کی لعنت ہو۔ قیامت کے روز خدا ایسے شخص سے کوئی عمل قبول نہیں کرے گا)۔

نیز فرمایا لعن اللّٰہ من اخاف مدینتی (ای اھل مدینتی) یعنی لعنت خدا کی ایسے شخص پر جو میرے شہر (یعنی اہل مدینہ) کو ڈرائے)۔

کیا مدینے کے اندر یہ سارا قتل عام، ہتک حرمت اور لوٹ مار وہاں کے باشندوں کے لئے ڈر اور خوف کا باعث نہیں تھا؟ اور اگر تھا تو تصدیق کیجئے کہ وہ کمینہ اور پلید خدا و رسولؐ، ملائکہ اور تمام انسانوں کی زبان پر ملعون تھا اور قیامت تک رہے گا۔

آپ کے اکثر علماء نے یزید پلید پر لعنت کی ہے اور اس پر لعن کے جائز ہونے پر کتابیں لکھی ہیں منجملہ اُن کے علامۂ جلیل القدر عبداللہ بن محمد بن عامر شبراوی شافعی کتاب الاتحاف بحب الاشراف ص۲۰ میں لعن یزید کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ جس وقت ملا سعد تفتازانی کے سامنے یزید کا نام لیا گیا تو انہوں نے کہا فلعنۃ اللّٰہ علیہ وعلیٰ انصارہ وعلیٰ اعوانہ (یعنی لعنت ہو خدا کی اس پر اور اس کے اعوان و انصار پر) اور جواہر العقدین علامہ سمہودی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا۔ اتفق العلماء علیٰ جواز لعن من قتل الحسین رضی اللّٰہ عنہ او امر بقتلہ او اجازہ او رضی بہ من غیر تعیین (یعنی عام طور پر علماء نے اس شخص پر لعنت کے جائز ہونے پر اتفاق کیا ہے جس نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا ان کے قتل کا حکم دیا یا اس کی اجازت دی یا اس پر رضامند ہوا بلا تخصیص)۔

اور ابن جوزی، ابو یعلی اور صالح ابن احمد ابن حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ آیات قرآن وغیرہ کے دلائل پیش کرتے ہوئے یہ حضرات لعن یزید کو ثابت کرتے ہیں لیکن جلسہ کا وقت اس سے زیادہ گفتگو کی اجازت نہیں دے رہا ہے۔

نشست کافی لمبی ہو چکی ہے اور آدھی رات سے بھی کئی گھنٹے زیادہ گزر چکے ہیں، ورنہ یہ معمہ حل ہونا بہت ضروری تھا تاکہ آپ حضرات ان مقدمات سے اس عظیم حق کا پتہ لگائیں جو حضرت امام حسینؑ اسلام اور مسلمانوں پر رکھتے ہیں۔ کیونکہ حضرت نے ایسے ظلم اور ظالم کی جڑوں کو اپنی مظلومیت کی طاقت سے اکھاڑ پھینکا، اپنے اہل بیت کے خون سے لاالٰہ الا اللہ کے شجرۂ طیبہ کی آبیاری کی جو بنی امیہ اور بالخصوص یزید پلید کے ظلم سے خشک ہونے کے قریب تھا، اور اسلام و توحید کو ایک نئی زندگی عطا کی۔

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ آپ بجائے اس کے کہ اس بزرگوار کے خدمات کی قدر کرتے

ان کے زائرین کے زیارت کے لیئے جانے پر اعتراض اور نکتہ چینی کرتے ہیں اس کا نام مُردہ پرستی رکھتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ کس لیئے کروڑوں انسان ہر سال ان حضرات کے مرقد مطہر کی زیارت کو جاتے ہیں، مجالس عزا برپا کرتے ہیں اور ان مظلوم کی غریبی پر گریہ کرتے ہیں۔

گمنام جاں نثار

ہم کتب و رسائل اور اخبارات میں پڑھتے ہیں اور سیاحت کرنے والے بتاتے ہیں کہ دنیا کے متمدن ممالک کے مرکزی مقامات جیسے پیرس، لندن، برلن اور واشنگٹن وغیرہ میں "گمنام جاں نثار" کے نام سے کچھ محترم مزارات موجود ہیں۔

کہتے ہیں کہ اس جوانمرد نے وطن کی حفاظت میں ظالموں کے ظلم کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان قربان کی ہے۔ لیکن اس کے جسم و لباس میں کوئی ایسی واضح علامت نہیں پائی گئی جس سے معلوم ہوتا کہ یہ کس قوم و قبیلہ اور شہر کا باشندہ ہے۔

باوجودیکہ وہ ایک گمنام اور بے نام و نشان شخصیت ہے لیکن صرف اس خیال سے کہ اس نے ظلم و ظالم کے مقابلہ میں اپنے خون کی قربانی دی ہے جب کوئی بادشاہ صدر جمہوریہ، وزیر یا کسی طبقے کا کوئی شریف و بزرگ انسان ان شہروں میں وارد ہوتا ہے تو احتراماً اس گمنام ... جاں باز کی زیارت کو جاتا ہے اور پھولوں کا تاج اس کی قبر پر رکھتا ہے۔

قدر دانی کے نام پر ایک غیر معروف سپاہی کا اس قدر احترام اس لیئے کرتے ہیں کہ اقوام عالم کے سامنے اپنی قومی حیثیتوں کا تحفظ کر سکیں۔

لیکن صاحبان انصاف کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ ہم مسلمان لوگ باوجودیکہ بہتر با نام و نشان سر فروش رکھتے ہیں جو سب کے سب عالم و عابد، صاحبان تقوٰے اور بعض ان میں سے قاری و حافظ قرآن تھے اور جنہوں نے دین و توحید، حریم اسلام کے تحفظ اور عدل و انصاف کی راہ میں ظالموں کے ظلم کا مقابلہ کرتے ہوئے جان دی اور ان میں سے زیادہ تر خدا و رسولؐ اور عترت پیغمبرؐ کی امانت تھے لیکن بجائے قدر دانی اور لوگوں کو ان کی زیارت کا شوق دلانے اور ان کی قبروں کے احترام کا حکم دینے کے نکتہ چینی کی کوشش کرتے ہیں اور ایک دوسرے فرقے والے علاوہ عیب جوئی اور اعتراض کے اپنے متعصب علماء کے بھڑکانے سے ان کی قبروں کو برباد کرتے ہیں اور ان کے صندوق بالائے قبر کو

جلا کر قہوہ بناتے ہیں۔

چنانچہ ۱۲۱۶ھ ہجری میں عید غدیر کے روز جب کربلا کے سارے باشندے (سوائے تھوڑے افراد کے) زیارت کے لئے نجف اشرف گئے ہوئے تھے، نجدی وہابیوں نے موقع غنیمت سمجھ کے حملہ کر دیا۔ ضعیف و غیر محفوظ شیعوں کے قتل و غارت میں مشغول ہوئے اور دین کے نام پر فدائیان دین توحید (یعنی سید الشہداء حضرت امام حسینؑ اور آپ کے انصار) کی مقدس قبروں کو برباد اور زمین کے برابر کر دیا (تقریباً پانچ ہزار) باشندگان کربلا، علماء اور ناتوان ضعفاء یہاں تک کہ شیعوں کی عورتوں اور بے گناہ بچوں کو قتل کیا۔ حضرت سید الشہداؑ کا خزانہ لوٹ لیا، جواہرات، سونے کی قندیلیں، قیمتی اشیاء اور بڑے بڑے بیش بہا فرش اُٹھا لے گئے قبر مطہر کے اوپر کا قیمتی صندوق جلا کر اس سے قہوہ بنایا اور ایک کثیر جماعت کو قید کر کے اپنے ہمراہ لے گئے انا للہ و انا الیہ راجعون (افسوس ہے ایسے اسلام پر)۔

واقعی بہت افسوس ناک بات ہے کہ تمام متمدن ممالک علماء، سلاطین اور دانش مندوں کی یہاں تک کہ اپنے گمنام سپاہی کی قبروں کا احترام کریں لیکن مسلمان جو اپنے مایۂ ناز افراد کے قبور کی حفاظت میں سب سے زیادہ اولیٰ اور احق ہیں وہ آدم خور وحشیوں کی طرح ان کے مزارات کو مسمار اور تباہ و برباد کریں حتیٰ کہ مکہ اور مدینہ میں حضرت حمزہ سید الشہداء جیسے شہدائے احد، پیغمبرؐ کے آبا و اجداد جیسے جناب عبد المطلب و عبد اللہ آں حضرتؐ کے اعمام و اہل و قوم، فرزندانِ رسولؐ خدا جیسے سبطِ اکبر حضرت امام حسنؑ مسموم السید الساجدین حضرت امام زین العابدینؑ، باقر العلوم حضرت امام محمد باقرؑ، صادق آل محمدؐ حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام، دوسرے بنی ہاشم، علمائے اعلام اور مفاخر اسلام کی قبروں کو زمین کے برابر کر دیں اور اس کے بعد بھی اپنے کو مسلمان کہیں۔ ہاں اپنے بزرگوں اور بادشاہوں کے مقبرے البتہ بہت شاندار طریقے سے تعمیر کریں۔ حالانکہ ہمارے اور آپ کے علماء نے قبور مومنین کی زیارت پر راغب کرنے کے لئے کس قدر کثرت سے حدیثیں نقل کی ہیں تاکہ اس ذریعے سے مومنین کی قبریں حوادث زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رہیں۔

خود رسول اللہ قبور مومنین کی زیارت کو تشریف لے جاتے تھے اور ان کے لئے مغفرت طلب فرماتے تھے۔ نہ یہ کہ کچھ خفیہ مقاصد کے ماتحت مذہب کے نام پر اپنے ہی ہاتھوں اپنی قابل فخر ہستیوں کی قبریں خراب اور خاک کے برابر کریں اور ان کا نشان بھی دنیا میں باقی نہ رہنے دیں۔ بات ختم کرتا ہوں۔ ورنہ دل میں ابھی بہت کچھ ہے ؎

شرح این ہجراں واین خون جگر　　　این زماں بگزار تا وقت دگر

آلِ محمدؐ شہدائے راہ خدا اور زندہ ہیں

آیا آپ اس جلیل القدر خانوادہ کو جس نے دین اور توحید کی راہ میں جانیں دیں، شہید سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اگر کہئے کہ شہید نہیں ہیں تو اس پر آپ کی کیا دلیل ہے؟ اور اگر شہید ہیں تو پھر آپ اُنہیں مردہ کیوں سمجھتے ہیں؟ حالانکہ قرآن مجید میں کھلا ہوا ارشاد ہے احیاء عند ربھم یرزقون (یعنی وہ زندہ ہیں اور اپنے خدا کے پاس رزق پاتے ہیں ۱۲ مترجم) پس قرآنی آیات اور معتبر احادیث کی بنا پر یہ مقدس ہستیاں زندہ ہیں، مردہ نہیں ہیں۔ چنانچہ ہم لوگ بھی مردہ پرست نہیں ہیں اور مردے پر سلام نہیں کرتے بلکہ زندوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔

علاوہ اس کے کوئی باسواد یا جاہل شیعہ ان حضرات کو حاجت روائی میں خود مختار نہیں سمجھتا بلکہ ان کو خدا کے نیک بندے اور معبود کی طرف ایک بلند مرتبہ واسطہ جانتا ہے (جیسا کہ اسی کتاب کے ص۹ میں مذکور ہے)

ہم صرف اس لئے اپنی حاجتوں کو ان کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ برحق ائمہ اور عالی منزلت صالحین، خدا سے دعا فرمائیں تاکہ وہ ہم نااہل انسانوں پر کرم فرمائے۔ اور اگر زبان سے یہ کہتے ہیں کہ یا علی ادرکنی۔ یا حسین ادرکنی تو اس کی مثال بعینہ اس آدمی کی ایسی ہے جو کسی با اقتدار بادشاہ سے کوئی حاجت رکھتا ہے تو وزیر اعظم کے دروازے پر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ جناب وزیر صاحب میری فریاد کو پہنچیے۔ لیکن یہ کہنے والا وزیر کو ہرگز بادشاہ اور اپنی حاجت روائی میں خود مختار نہیں مانتا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ چونکہ بادشاہ کی نظر میں باعزت ہیں۔ لہذا میری سفارش کر دیجیے تاکہ میرا کام بن جائے۔

شیعہ بھی آل محمد علیہم السلام کو خدا اور خدائی کاموں میں شریک نہیں جانتے ہیں بلکہ ان کو اللہ کے صالح بندے سمجھتے ہیں جو علاوہ اپنی پاک فطرت کے عبادت و تقوے اور دینی خدمات کے نتیجہ میں حق تعالےٰ کے منظور نظر قرار پائے لہذا دونوں عالم میں ان کو امامت و ولایت کے عہدے اور بلند و بالا درجات عطا کیے تاکہ پروردگار کے حکم اور اجازت سے موجودات میں تصرف کر سکیں۔ چونکہ یہ حضرات خدائے ذوالجلال کے امانت دار اور نمائندے ہیں اس بنا پر حاجت مندوں کے ضروریات خدا کی بارگاہ میں پیش

کرتے ہیں، اگر سائل کی حاجت روائی مصلحت کے مطابق ہوتی ہے تو قبول فرماتا ہے ورنہ آخرت میں اس کا عوض دیتا ہے ۔ چنانچہ عملی طور پر ہم ایسا دیکھتے بھی ہیں اور نتائج بھی حاصل کرتے ہیں ۔

یہ مشتے نمونہ از خروارے چند مختصر جملے تھے جو مجبوراً آپ کی اس بات کے جواب میں عرض کئے گئے کہ مردے سے خطاب کیوں کرتے ہو۔ اس مقام پر یہ نکتہ بھی لغیر کہے نہ رہ جائے کہ شیعہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی منزل اس سے بالاتر سمجھتے ہیں کہ دوسرے شہدائے اسلام کی طرح ان کے لئے بھی صرف ایک زندگی ثابت کریں ۔

حافظ : آپ کے بیان میں یہ فقرہ ایک معمہ ہے جس کے حل کی ضرورت ہے ۔ آخر آپ کے اماموں میں اور دوسرے اماموں سے کیا فرق ہے ؟ صرف سیادت کی منزلت اور رسول اکرمؐ سے اُن کی نسبت نے ان کو دوسروں کے مقابلے میں ممتاز بنا دیا ہے ۔

خیر طلب : اس میں کوئی معمہ قطعی نہیں ہے صرف اس مطلب کا تصور آپ کے لئے دشوار ہے کیونکہ ساری زندگی منزل امامت کی معرفت سے دُور رہے ہیں ۔ سب سے پہلے ضرورت اس کی ہے کہ اپنی عادت اور تعصب سے الگ ہو کر علم و عقل اور منطق و انصاف کی نظر سے مقام امامت کا مطالعہ فرمائیے اس کے بعد آپ کو اندازہ ہو گا کہ شیعہ اعتقاد کے لحاظ سے منصب امامت اور آپ کے عقائد کے مطابق امامت کے درمیان ایک بیّن اور واضح فرق ہے ۔ اگر میں اس مقصد کو ثابت کرنے بیٹھوں تو صبح تک انتظار کرنا ہو گا ۔ اب یہ اہم موضوع ایک اطمینانی نشست کے لیے ملتوی کرتا ہوں جس میں گفتگو کا پورا وقت ہو انشاء اللہ ۔

(اس کے بعد ہم لوگوں نے جلسہ برخاست کیا ۔ چونکہ اذان صبح کا وقت قریب تھا اور سلسلۂ گفتگو طولانی ہو چکا تھا لہٰذا لوگوں نے کہا کہ اب امامت کا موضوع کل رات پر رہا ہم نے خوش طبعی اور مزاح کے ساتھ ان حضرات کو کچھ دور چل کر رخصت کیا اور وہ بخیر و عافیت تشریف لے گئے ۔

چوتھی نشست

شب دوشنبہ ۲۶ رجب ۱۳۴۵ھ

آپ نے حقیقت کا انکشاف کر کے ہم پر احسان کیا

"مغرب کے اوّل وقت حضرات اہل سنت میں سے تین نفر تشریف لائے اور کہا کہ جلسہ شروع ہونے سے قبل ہم آپ کی اطلاع کے لئے عرض کرتے ہیں کہ آج غروب آفتاب تک مسجدوں، مکانوں، دفتروں اور بازاروں میں ہر جگہ آپ ہی کا تذکرہ تھا جس جگہ کسی کے ہاتھ میں آج کا اخبار تھا وہاں چاروں طرف کثرت سے لوگ اکٹھا تھے اور آپ کی تقریروں کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ ہم لوگوں کو آپ سے کافی تعلق خاطر پیدا ہو گیا ہے۔ ہم سب کے دلوں میں آپ نے گھر کر لیا ہے اور ہم پر آپ کا بہت بڑا حق ہے کیونکہ آپ ان شبہات کو حل کر رہے ہیں جن کو ہمارے پیشواؤں نے بچپن ہی سے ہم کو اُلٹے طریقے پر سمجھایا تھا۔ ہم اُس کے لئے تہ دل سے معذرت خواہ ہیں کہ ہم شیعہ جماعت کو مشرک سمجھتے تھے ہم کیا کریں ہم کو ہمیشہ سے تعلیم ہی یہی دی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ خداوند غفور ہماری توبہ قبول کرے گا۔ ادھر چند روز سے ہر شب کی بحثیں رسالوں اور اخباروں میں شائع ہو رہی ہیں تو اکثر اخبارات کے خریداروں اور بہت سے لوگوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں، خصوصاً ہم لوگ جو شریک جلسہ اور آپ کی لطیف گفتگو سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں بہت متاثر ہوئے ہیں خاص طور پر گذشتہ شب کیونکہ آپ نے خوب خوب پردے اُٹھائے اور پوشیدہ حقائق کو ظاہر فرمایا امید ہے کہ مزید انکشافات ہوں گے اور اس سے زیادہ حقیقتیں بے نقاب ہوں گی۔

دوسری بات جس کی طرف ہم آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں یہ ہے کہ ہم پر اور ہماری جماعت پر جو چیز سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی ہے وہ جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں آپ کی واضح اور سادہ گفتگو ہے، کیونکہ آپ ہماری ہی زبان میں مطلب کو اس قدر مفصل اور عام فہم طریقے سے بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے تمام بے سواد افراد کو اپنی طرف جذب کر لیتے ہیں، آپ قطعی طور پر یہ پہلو پیش نظر رکھیں کہ ساری جماعت میں فی صد پانچ نفر سے زیادہ صاحبان علم و خبر نہیں ہیں۔ کورکورانہ طور پر بچپن سے جو کچھ سن رکھا ہے اُس نے اُن کے

قلب و دماغ میں جگہ پکڑلی ہے اب تو انہیں صرف سادگاہی کے ذریعے سمجھایا جا سکتا ہے، چنانچہ آپ اسی بات پر عمل کر رہے ہیں اور امید ہے کہ پورا پورا نتیجہ حاصل ہوگا۔

اتنے میں حضرات علماء تشریف لے آئے اور ہم نے گرم جوشی اور خندہ پیشانی کے ساتھ اُن کو خوش آمدید کہا، چائے نوشی اور معمولی خاطر تواضع کے بعد جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔

نواب: قبلہ صاحب! گزشتہ رات طے پایا تھا کہ آج کی شب امامت کے بارے میں گفتگو ہوگی، ہم اس خاص موضوع کو سمجھنے کے لئے بہت مشتاق ہیں اور چونکہ اسی موضوع پر دوسرے مطالب کی بنیاد ہے۔ لہٰذا ہماری تمنا ہے کہ صرف اسی مسئلے کو مورد بحث قرار دیں تاکہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان موضوع امامت میں کیا اختلاف ہے۔

خیر طلب: مجھ کو کوئی عذر نہیں ہے، چنانچہ اگر مولوی صاحبان اس طرف مائل ہوں تو میں حاضر ہوں۔

حافظ: (اُڑے ہوئے رنگ اور اُترے ہوئے چہرے کے ساتھ) ہماری طرف سے بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ آپ جس طرح سے مناسب سمجھیں بیان فرمائیں۔

امامت کے بارے میں بحث

خیر طلب: آپ حضرات کو بخوبی معلوم ہے کہ لغت اور اصطلاح کی حیثیت سے امام کے کئی معنی ہیں۔ لغت میں امام پیشوا کے معنی رکھتا ہے الامام ھوالمتقدم بالناس یعنی امام انسانوں کا پیشوا ہے۔ امام جماعت یعنی نماز جماعت میں لوگوں کا پیشوا۔ امام الناس یعنی اُمور سیاسی یا روحانی وغیرہ میں آدمیوں کا پیشوا۔ امام جمعہ یعنی جو شخص نماز جمعہ میں پیشوائی کرے۔

اہلسنت کے مذاہب اربعہ پر بحث اور کشف حقیقت

اس بنا پر جماعت اہل تسنن یعنی مذاہب اربعہ کے پیرو اپنے پیشواؤں کو امام کہتے ہیں جیسے امام ابوحنیفہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل۔ یعنی وہ فقہا و مجتہدین جو امر دین میں ان کے پیشوا ہیں اور جنہوں نے اپنی عقل و فکر کے ذریعہ اجتہاد یا قیاس کے ساتھ اُن کے لئے حلال و حرام کے احکام معین کئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب ہم آپ کے چاروں اماموں کی فقہی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو اصول و فروع کی حیثیت سے ان میں بہت اختلافات نظر آتے ہیں۔ اس طرح کے آئمہ اور پیشوا تمام ادیان و مذاہب کے اندر رہیں۔ یہاں تک کہ مذہب شیعہ میں بھی علماء فقہاء وہی درجہ رکھتے ہیں جس کے آپ اپنے اماموں کے لئے قائل ہیں۔ لہٰذا وہ حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ کی غیبت میں ہر عہد اور زمانے میں موازین علمی کی رو سے کتاب و سنت اور عقل و اجماع کے ادلۂ اربعہ کے ساتھ فتوے دیتے ہیں۔ پھر بھی ہم ان کو امام نہیں کہتے ہیں کیونکہ امامت عترت طاہرہ میں سے بارہ اوصیا کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایک فرق یہ ہے کہ آپ کے بزرگوں نے بعد کے لئے اجتہاد کا دروازہ بند رکھا ہے یعنی پانچویں صدی ہجری سے جب کہ بادشاہ کے حکم سے علماء و فقہا کی ایجاد کردہ رائیں جمع کی گئیں، صرف چار کے اندر منحصر کر کے مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کو رائج کیا گیا اور لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ ان چاروں میں سے کسی ایک مذہب پر عمل کریں جیسا کہ اب تک رواج ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ مقام تقلید میں ایک فرد کو دوسرے افراد پر کس دلیل و برہان سے ترجیح حاصل ہے۔ حنفیوں کے امام میں کیا خصوصیت ہے جو مالکیوں کو نہیں ملی اور شافعیوں کا امام کیا فضیلت رکھتا ہے جو حنبلیوں کے پاس نہیں۔

اگر ملت اسلامی اس پر مجبور ہے کہ ان چاروں کے فتاویٰ سے باہر نہ جائے تو جماعت مسلمین بہت سخت جمود کے پنجے میں گرفتار ہوگئی ہے اور کبھی ان میں ترقی اور بلندی پیدا نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ مقدس دین اسلام کے خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر دور اور زمانے میں قافلۂ تمدن کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور یہ مقصد لازمی طور پر ایسے فقہا و مجتہدین چاہتا ہے جو ہر عہد میں موازین شرعیہ کے تحفظ کے ساتھ کاروانِ تہذیب کے ہمراہ آگے بڑھیں اور مذہب کی مرکزیت کو محفوظ رکھیں۔

کیونکہ بہت سے امور ایسے ہیں جن کے تجدد کی وجہ سے ان میں تقلید میت کی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ حتمی طور پر زندہ فقیہ اور مجتہد حی کی طرف رجوع کرنا، ان کی دماغی کاوش سے فائدہ حاصل کرنا اور ان کے فتویٰ کو اپنا لائحۂ عمل بنانا ضروری ہوتا ہے۔ باوجودیکہ بعد کے زمانوں میں آپ کے یہاں ایسے عالی منزلت مجتہدین اور فقہاء پیدا ہوئے جو ان چاروں اماموں سے بدرجہا اعلم اور افقہ تھے لیکن معلوم نہیں یہ ترجیح بلا مرجح، مقام اجتہاد کو ان چار نفر کے اندر محصور کر دینا اور دوسروں کے علمی افادات کو ضائع کرنا کس مصلحت کی بنا پر تھا۔ البتہ جماعت شیعہ کے اندر ظہور امام آخر الزمان عجل اللہ فرجہ تک ہر دور اور ہر زمانے میں تمام فقہا اور مجتہدین کو فتاویٰ کا حق حاصل ہے اور ہم مسائل جدیدہ میں ابتداءً تقلید میت کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے۔

مذاہب اربعہ کی پیروی پر کوئی دلیل نہیں ہے

تعجب ہے کہ آپ شیعہ فرقے کو تو بدعتی اور مردہ پرست کہتے ہیں جو اہل بیت رسولؐ میں سے بارہ آئمہ کی ہدایتوں پر آں حضرتؐ ہی کے حکم سے (ان نصوص خاصہ کے ساتھ جو آپ کی کتابوں میں بھی تشریح کے ساتھ مندرج ہیں) عمل کرتے ہیں لیکن معلوم نہیں آپ حضرات کس دلیل سے مسلمانوں کو مجبور کرتے ہیں کہ اصول میں اشعری یا معتزلی مذہب پر اور فروع میں لازمی طور پر مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک پر عمل پیرا ہوں۔ اور اگر ان باتوں پر جو آپ بغیر دلیل کے کہتے ہیں عمل نہ کریں۔ یعنی اشعری یا معتزلی مذہب یا مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کے پیرو نہ بنیں تو رافضی، مشرک اور گردن زدنی قرار پائیں۔

اگر آپ پر ایراد کیا جائے کہ چونکہ ابوالحسن اشعری یا ابوحنیفہ، مالک ابن انس، محمد ابن ادریس شافعی اور احمد ابن حنبل کی پیروی کے لئے پیغمبرؐ کا کوئی فرمان نافذ نہیں ہوا ہے اور یہ بھی من جملہ اور اسلامی علماء و فقہا کے تھے لہذا صرف انہیں کی تقلید پر انحصار کرنا بدعت ہے تو کیا جواب دیجئے گا؟

حافظ: ائمہ اربعہ چونکہ زہد و ورع تقویٰ و امانت اور عدالت کے ساتھ ساتھ فقاہت اور علم و اجتہاد کی منزل پر فائز تھے لہذا ان کی پیروی ہم پر لازم ہو گئی۔

خیر طلب: اول تو جو کچھ آپ نے فرمایا یہ ایسے دلائل نہیں ہیں جو حصر کا سبب بن جائیں کہ روز قیامت تک مسلمان ان کے طریقے کی پیروی کرنے پر مجبور رہوں۔ اس لئے کہ آپ اپنے سارے علماء و فقہا کے لئے ان صفات کے قائل ہیں اور ان چار کے اندر انحصار کرنا بعد کے علماء کی توہین ہے۔ کسی ایک فرد یا افراد کی پیروی پر اسی وقت مجبور کیا جا سکتا ہے جب کہ خاتم الانبیاء سے کوئی ہدایت بالنص مروی ہو۔ حالانکہ آپ کے ائمہ اربعہ کے بارے میں ایسا کوئی حکم یا نص آنحضرتؐ سے منقول نہیں ہے لہذا آپ نے کیونکر مذاہب کو چار کے اندر محدود کر دیا اور ان چار اماموں میں سے ایک کی پیروی کا لازمی ہونا حق سمجھتے ہیں؟

یہ عجیب معاملہ صاحبان عقل و انصاف کے لئے قابل غور ہے

بہت مضحکہ خیز بات ہے کہ چند شب پہلے آپ نے شیعہ مذہب کو سیاسی قرار دیا اور کہا کہ یہ مذہب چونکہ رسول اللہؐ کے زمانے میں نہیں تھا اور خلافت عثمان میں پیدا ہوا ہے لہذا اس کی پیروی

جائز نہیں ہے۔ حالانکہ پرسوں شب میں نے عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کر دیا کہ مذہب شیعہ کی بنیاد رسول اللہ کے زمانے میں آں حضرتؐ ہی کی ہدایت سے قائم ہوئی اور شیعوں کے سردار امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے بچپن ہی سے دامنِ نبوت میں پرورش پائی۔ آں حضرتؐ سے معالم دین کی تعلیم حاصل کی، ان روایات کے مطابق جو آپ کی معتبر کتابوں میں منقول ہیں آنحضرتؐ نے آپ کو اپنے علم کا دروازہ فرمایا اور صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے اور ان کی مخالفت میری مخالفت ہے، ستر ہزار مسلمانوں کے مجمع میں آپ کو امارت و خلافت کے عہدے پر منصوب فرمایا اور عام مسلمانوں کو یہاں تک کہ عمر اور ابوبکر کو بھی حکم دیا اور ان لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔

لیکن آپ کے چاروں مذاہب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کس بنیاد پر قائم ہوتے ہیں؟ آپ کے ان چار اماموں میں سے کس نے رسولؐ خدا سے ملاقات کی ہے یا کس کے بارے میں آنحضرتؐ کی طرف سے کوئی ہدایت جاری ہوئی ہے تاکہ مسلمان آنکھیں بند کر کے ان کی پیروی پر مجبور رہیں؟ جیسا کہ آپ بھی بغیر کسی دلیل کے اپنے اسلاف کے قدم بقدم چلتے ہوئے اُنھی چار اماموں کی پیروی کر رہے ہیں جبکہ امامت مطلقہ پر ایک دلیل بھی نہیں رکھتے سوا اس کے کہ آپ نے فرمایا وہ فقیہ، عالم، مجتہد، زاہد اور صاحبان تقویٰ تھے تو ہر ایک کے زمانے والوں کو صرف اُن کی زندگی میں اُن علماء کے فتاویٰ پر عمل کرنا چاہیے تھا نہ یہ کہ ساری دنیا کے مسلمان روزِ قیامت تک اُن کی اطاعت کے پابند بنا دیے جائیں۔

علاوہ ان باتوں کے اگر رسولؐ اللہ کے صریحی ارشادات کے ساتھ ساتھ یہ صفات بھی ہزاروں گُنا زیادہ آں حضرتؐ کی عترت میں جمع ہو گئی ہوں تو بدرجۂ اولیٰ ان حضرات کا اتباع اور پیروی فرض ہے بہ نسبت اُن لوگوں کے جن کے بارے میں قطعاً کوئی نص یا فرمان نافذ نہیں ہوا ہے۔ آیا وہ مذاہب جن کا رسولؐ کے زمانے میں کوئی نشان نہیں تھا اور آئمہ اربعہ میں سے کوئی ایک بھی آں حضرتؐ کے عہد میں موجود نہیں تھا نہ ان کے بارے میں آں حضرتؐ سے کوئی حکم منقول ہے اور ایک صدی کے بعد دنیا میں رونما ہوئے، ایجاد و بندہ اور سیاسی ہیں؟ یا وہ مذہب جس کے بانی رسولؐ خدا اور جس کا پیشوا آں حضرتؐ کے ہاتھوں میں تربیت پایا ہوا تھا؟ اور اسی طرح باقی گیارہ امام جن سب کے لیے فرداً فرداً حدیثیں مروی ہیں، ان کو عدیل قرآن قرار دیا ہے اور حدیث ثقلین میں صاف ارشاد فرمایا ہے کہ من تمسّک بھما فقد نجیٰ ومن تخلف عنھما فقد ھلک [۱] (جس نے ان دونوں سے تمسک کیا وہ یقیناً نجات یافتہ ہے اور جس نے ان

---

[۱] اسی کتاب کے صفحہ ۹۶، صفحہ ۹۳ میں اس کی اصل اور اسناد کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

دونوں سے روگردانی کی وہ یقیناً ہلاک ہوا ۱۲ مترجم) اور حدیث سفینہ میں فرمایا ہے کہ من تخلف عنھم فقد ھلک [۱] (یعنی اور جس نے ان سے منہ موڑا بس وہ یقیناً ہلاکت میں گرفتار ہوا ۱۲ مترجم)۔

ابن حجر صواعق باب وصیۃ النبی ص۱۳۵ میں آں حضرتؐ سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا کہ قرآن اور میری عترت تمہارے درمیان میری امانت ہیں کہ اگر ان دونوں سے ایک ساتھ تمسک اختیار کروگے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے" پھر ابن حجر کہتے ہیں کہ اس قول کی موید ایک دوسری حدیث ہے جو آں حضرتؐ نے قرآن وعترت کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے۔ فلا تقدموھما فتھلکوا ولا تقصروا عنھما فتھلکوا ولا تعلموھم فانھم اعلم منکم۔ (یعنی قرآن اور میری عترت پر پیش قدمی نہ کرو۔ اور ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہوجاؤگے۔ اور میری عترت کو تعلیم نہ دو۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ جاننے والے ہیں)۔

اس کے بعد ابن حجر نے تبصرہ کیا ہے کہ "یہ" حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آں حضرت کی عترت اور اہل بیت مراتب علمیہ اور وظائف دینیہ میں دوسروں پر تقدم کا حق رکھتے ہیں" حیرت ہے کہ اس بات کا یقین رکھتے ہوئے بھی کہ عترت واہل بیت رسولؐ کو دوسروں پر مقدم ہونا چاہیئے بغیر کسی دلیل وبرہان کے اصول میں ابوالحسن اشعری کو اور فروع میں ان چاروں فقہا کو اس خاندان جلیل پر مقدم قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ محض تعصب وعناد اور ضد کا نتیجہ ہے اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اگر وہ صحیح ہے اور آپ کے یہ چاروں فقیہ امام علم وورع اور تقویٰ وعدالت کی وجہ سے پیشوا قرار پائے تو ان میں سے ایک نے دوسرے پر فسق اور کفر کا فتویٰ کس لئے لگایا ہے؟

حافظ: آپ بہت زیادتی کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ کے منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں، یہاں تک کہ ہمارے فقہا اور اماموں پر تہمت لگاتے ہیں کہ یہ لوگ ایک دوسرے کی تردید وتوہین یا تفسیق وتکفیر پر اتر آئے ہیں۔ آپ کا یہ بیان قطعاً کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اگر ان کے بارے میں کوئی تردید یا تنقید کی گئی ہے تو وہ شیعہ علماء کی طرف سے ہے ورنہ ہمارے علماء کی جانب سے سوا تعظیم وتکریم کے جو ان حضرات کے شایان شان تھی ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا ہے۔

خیر طلب: معلوم ہوتا ہے کہ جناب عالی کو اپنے علماء کی معتبر کتابوں کے مندرجات پر کوئی توجہ نہیں ہے یا جان بوجھ کر انجان بنتے ہیں یعنی جانتے ہوئے مغالطہ دے رہے ہیں، ورنہ آپ کے بڑے بڑے علماء نے ان کی رد میں کتابیں لکھی ہیں یہاں تک کہ خود چاروں اماموں نے ایک دوسرے کو فاسق اور کافر بنایا ہے

---

[۱] اسی کتاب کے صفحہ ۹۴-۹۵ میں اس کے اسناد کی طرف اشارہ ہوچکا ہے

حافظ: فرمائیے وہ علماء کون ہیں اور اُن کی کتابوں کے اندراجات کیا ہیں؟ اگر آپ کی نظر میں ہو تو بیان کیجئے۔

خیر طلب: اصحاب ابو حنیفہ اور ابن حزم (علی ابن احمد اندلسی متوفی ۴۵۶ھ) وغیرہ برابر امام مالک اور محمد بن ادریس شافعی پر طعن کرتے رہے ہیں اور اسی طرح اصحاب شافعی جیسے امام الحرمین اور امام غزالی وغیرہ ابو حنیفہ اور مالک پر طعن کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں جناب عالی سے پوچھتا ہوں کہ فرمائیے امام شافعی، ابو حامد محمد بن محمد غزالی اور جار اللہ زمخشری کیسے اشخاص ہیں؟

حافظ: ہمارے بزرگ ترین فقہا و علماء میں سے، ثقہ اور اہل سنت والجماعت کے امام ہیں۔

اہل تسنن کے علماء اور اماموں کا ابو حنیفہ کو رد کرنا

خیر طلب: امام شافعی کہتے ہیں ما ولد فی الاسلام اشام من ابی حنیفہ (یعنی اسلام کے اندر کوئی شخص ابو حنیفہ سے زیادہ منحوس پیدا نہیں ہوا) نیز کہا ہے نظرت فی کتب اصحاب ابی حنیفہ فاذا فیہا مائۃ وثلثون ورقۃ خلاف الکتاب والسنۃ (یعنی میں نے اصحاب ابو حنیفہ کی کتابوں میں نظر کی تو اُن میں مجھ کو ایک سو تیس ورق کتاب خدا اور سنت رسول ص کے خلاف ملے)۔

ابو حامد غزالی کتاب منخول فی علم الاصول میں کہتے ہیں فاما ابو حنیفہ فقد قلب الشریعۃ ظہر البطن وشوش مسلکہا وغیر نظامہا واردف جمیع قواعد الشرع باصل ھدم بہ شرع محمد المصطفٰی ومن فعل شیئاً من ھذا مستحلا کفر ومن فعلہ غیر مستحل فسق (یعنی درحقیقت ابو حنیفہ نے شریعت کو پلٹ دیا، اس کے راستے کو مشتبہ بنا دیا، اس کے نظام کو بدل ڈالا اور قوانین شرع میں سے ہر ایک کو ایک ایسی اصل کے ساتھ جوڑ دیا جس کے ذریعے رسول اللہ کی شرع کو برباد کر دیا۔ جو شخص عمداً ایسی حرکت کرے اور اس کو جائز سمجھے وہ کافر ہے اور جو شخص ناجائز سمجھتے ہوئے ایسا کرے وہ بدکار ہے) چنانچہ اس بزرگ عالم کے قول کے مطابق ابو حنیفہ یا کافر تھے یا فاسق۔ اس کے بعد اس باب میں ان کی طعن و رد اور تفسیق میں بہت سی باتیں لکھی ہیں جن کا بیان میں ترک کرتا ہوں اور جار اللہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے جو آپ کے ثقات علماء میں سے ہیں ربیع الابرار میں لکھا ہے قال یوسف بن اسباط رد ابو حنیفہ علی رسول اللہ اربعمائۃ حدیث او اکثر (یعنی یوسف بن اسباط نے کہا ہے کہ ابو حنیفہ نے رسول خدا پر چار سو یا اس سے زیادہ حدیثیں رد کیں) نیز یوسف کہتا ہے کہ ابو حنیفہ کہتا تھا کہ اگر

رسول اللہ لاخذ بکثیر من قولی (یعنی اگر رسول اللہ مجھ کو پانتے تو میرے بہت سے اقوال اختیار کرتے (یعنی میری باتوں کی پیروی کرتے) - اسی طرح کے بکثرت مطاعن ابوحنیفہ اور باقی تین اماموں کے بارے میں آپ کے علماء سے منقول ہیں جو غزالی کی کتاب منخول، شافعی کی کتاب نکت الشریفہ زمخشری کی ربیع الابرار اور ابن جوزی کی منتظم وغیرہ دیکھنے سے معلوم ہو سکتے ہیں - یہاں تک کہ امام غزالی منخول میں کہتے ہیں ان اباحنیفة النعمان بن ثابت الکوفی یلحن فی الکلام ولا یعرف اللغة والنحو ولا یعرف الاحادیث (یعنی ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کے کلام میں غلطیاں بہت ہیں - اُن کو لغت و نحو اور احادیث کا علم نہیں تھا) نیز لکھتے ہیں کہ یہ چونکہ علم حدیث سے (جو قرآن کے بعد دین کا ستون اور بنیاد ہے) واقف نہیں تھے لہذا فقط قیاس پر عمل کرتے تھے، حالانکہ اول من قاس ابلیس یعنی سب سے پہلے جس نے قیاس پر عمل کیا وہ شیطان تھا (چنانچہ جو شخص قیاس پر عمل کرے اُس کا حشر ابلیس کے ساتھ ہوگا) -

اور ابن جوزی منتظم میں کہتے ہیں اتفق الکل علی الطعن فیہ یعنی سارے علماء ابوحنیفہ پر طعن کرتے میں متفق ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ طعن کرنے والے تین قسم کے ہیں - ایک گروہ نے ان کو اس لئے مورد طعن قرار دیا ہے کہ یہ اصول عقائد میں متزلزل تھے - دوسری جماعت نے کہا ہے کہ ان کے پاس حافظہ اور ضبط روایات کی قوت نہیں تھی اور تیسری صنف کا اعتراض یہ ہے کہ یہ اپنی رائے اور قیاس سے کام لیتے تھے اور ان کی رائے ہمیشہ صحیح حدیثوں کی مخالفت ہوتی تھی -

غرضیکہ آپ کے اماموں کے بارے میں آپ ہی کے علماء کی طرف سے اس طرح کی گفتگو اور مطاعن بہت ہیں - جن کے بیان کا فی الحال وقت نہیں ہے کیونکہ میں تردید اور انتقاد کی منزل میں نہیں تھا - آپ نے بات کا سلسلہ یہاں تک پہنچا دیا کہ فرمایا جو مطاعن منقول ہیں وہ صرف علمائے شیعہ کی طرف سے ہیں اور جو کچھ تمہارے منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہو! لہذا میں نے یہ بتا دینا چاہا کہ آپ کا اعتراض بے جا ہے اور آپ محض گریز کا راستہ تلاش کرنے کے لئے بغیر عقل و منطق کے مقابلہ کر رہے ہیں ورنہ اصلیت اس کے خلاف ہے - جو کچھ میری زبان پر جاری ہوتا ہے وہ علم و عقل اور منطق کے مطابق اور تعصب سے خالی ہوتا ہے - علمائے شیعہ نے آپ کے چاروں اماموں سے سوا اُن باتوں کے جو خود آپ کے علماء نے لکھی ہیں کوئی نئی چیز منسوب نہیں کی ہے اور نہ اُن کی توہین ہی کرتے ہیں -

لیکن آپ کے علماء کے برخلاف علمائے شیعہ امامیہ کے درمیان ہمارے بارہ آئمہ کے مقامات مقدسہ کی نسبت کسی طرح کا کوئی ایراد یا اعتراض موجود نہیں ہے - اس لئے کہ ہم آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم

اجمعین کو ایک ہی مدرسے کے شاگرد جانتے ہیں جن پر یکساں طور پر فیضِ خداوندی جاری تھا اور یہ حضرات من اولھم الیٰ آخرھم بالعموم قوانینِ الٰہیہ کے مطابق جو خاتم النبیینؐ سے ان کو پہنچے تھے عمل فرماتے تھے۔ رائے و قیاس اور ایجادِ بندہ پر کاربند نہیں تھے بلکہ جو کچھ ان کے پاس تھا وہ پیغمبرؐ کی طرف سے تھا لہٰذا بارہ اماموں کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا (جیسے کہ آپ کے چاروں اماموں کے درمیان سارے عقائد و احکام میں اختلافات موجود ہیں) کیونکہ یہ حضرات امام تھے۔ لیکن امام لغوی نہیں جس کے معنی صرف آگے چلنے والے کے ہوں۔

امامت شیعوں کے عقیدے میں ریاست عالیہ الٰہیہ ہے

بلکہ علم کلام کی اصطلاح میں جیسا کہ محققین علماء نے بیان کیا ہے یہ امامت ریاست عالیہ الٰہیہ کے معنی میں اور اصول دین میں سے ایک اصل ہے اور ہم بھی اسی عقیدے پر ہیں کہ الامامة ھی الریاسة العامة الالٰھیة خلافة عن رسول اللہ فی امور الدین والدنیا بحیث یجب اتباعہ علیٰ کافة الامة (یعنی امامت سارے خلائق پر ایک عمومی ریاست الٰہی ہے بطریق خلافت رسول اللہؐ کی طرف سے امور دین و دنیا میں اس صورت سے کہ اس کی متابعت سارے انسانوں پر واجب ہے)

شیخ: بہتر تھا کہ آپ قطعی اور حتمی طور سے یہ نہ فرماتے کہ امامت اصطلاحی اصول دین میں سے ہے کیونکہ بڑے بڑے علمائے اسلام کہتے ہیں کہ امامت اصول دین میں سے نہیں ہے بلکہ مسلمہ فروعات میں سے ہے، جس کو آپ کے علماء نے بغیر دلیل کے اصول دین کا جزء بنا دیا۔

خیر طلب: میرا یہ بیان صرف شیعوں سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ آپ کے اکابر علماء بھی اسی عقیدے پر ہیں منجملہ ان کے آپ کے مشہور مفسر قاضی بیضاوی کتاب منہاج الاصول میں لبسلسلہ بحث اخبار انتہائی صراحت کے ساتھ کہتے ہیں ان الامامة من اعظم مسائل اصول الدین التی مخالفتھا توجب الکفر والبدعة (یعنی حقیقتاً امامت اصول دین کے بزرگ ترین مسائل میں سے ہے جس کی مخالفت کفر و بدعت کا سبب ہے) ملا علی قوشچی شرح تجرید مبحث امامت میں کہتے ہیں وھی ریاسة عامة فی امور الدین والدنیا خلافة عن النبیؐ۔ (یعنی امامت ایک ریاست عمومی ہے امور دین و دنیا میں بطریق خلافت پیغمبرؐ کی طرف سے) اور قاضی روزبہان جیسے آپ کے انتہائی متعصب عالم نے بھی اسی مفہوم کو نقل کیا ہے کہ امامت ریاست براست اور نیابت و خلافت رسولؐ

ہے اس عبارت کے ساتھ کہ الامامة عند الاشاعرة ھی خلافة الرسول فی اقامة الدین وحفظ حوزة الملة بحیث یجب اتباعه علی کافة الامة (یعنی امامت اشاعرہ کے نزدیک رسول اللہؐ کی خلافت ہے دین کو قائم کرنے اور حلقۂ ملت اسلام کی حفاظت کرنے میں، اس طرح سے کہ ساری امت پر اُس کا اتباع واجب ہے) اگر امامت فروع دین میں سے ہوتی تو رسول اللہ یہ نہ فرماتے کہ جو شخص بغیر امام کو پہچانے ہوئے مرجائے تو اس کی موت طریقہ جاہلیت پر ہے۔ چنانچہ آپ کے اکابر علماء جیسے حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں، ملا سعد تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں اور دوسروں نے نقل کیا ہے کہ پیغمبر نے فرمایا من مات ولم یعرف امام زمانه فقد مات میتة جاهلیة [1]

بدیہی چیز ہے کہ فروع دین میں سے کسی ایک فرع کی معرفت نہ ہونا دین کے تزلزل اور طریقۂ جاہلیت پر مرنے کا سبب نہیں ہو سکتا جیسا کہ بیضاوی صریحی طور پر کہتے ہیں کہ اُس کی مخالفت کفر و بدعت کا سبب قرار پائے۔ پس ثابت ہے کہ امامت اُصول دین میں داخل اور مقام نبوت کا تتمہ ہے۔ لہٰذا امامت کے معنی میں بہت بڑا فرق ہے، آپ جو اپنے علماء کو امام کہتے ہیں جیسے امام اعظم، امام مالک، امام شافعی امام احمد حنبل، امام فخر الدین، امام ثعلبی اور امام غزالی وغیرہ تو یہ لغوی معنی کے لحاظ سے ہے۔ ہم بھی امام جمعہ اور امام جماعت رکھتے ہیں، اماموں کی اس نوع کا دامن وسیع ہے اور ممکن ہے کہ ایک وقت میں سینکڑوں امام موجود ہوں، لیکن اُس معنی میں جو میں نے عرض کیا امام ریاست عامۂ مسلمین کے عہدے پر ہے۔ یہ ہر زمانے میں صرف ایک ہوتا ہے، ایسا امام کہ اس کو حتمی طور پر سارے صفات حمیدہ واخلاق پسندیدہ کا حامل، علم وفضل، شجاعت، زہد، ورع اور تقویٰ میں سارے انسانوں سے بہتر اور منزل عصمت پر فائز ہونا چاہیئے۔ اور کبھی روز قیامت تک زمین ایسے امام کے وجود سے خالی نہ رہے گی۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کا امام جو انسانیت کے تمام صفات عالیہ کا حامل ہو مقامات روحانیت کے بلند ترین مقام پہ ہوگا۔ اور یقیناً ایسے امام کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے منصوص اور رسول اللہؐ کی طرف سے منصوب ہونا چاہیئے کیونکہ یہ سارے مخلوقات حتیٰ کہ انبیائے کرام سے بھی اعلیٰ وارفع ہوتا ہے۔

حافظ: ایک طرف تو آپ غالیوں کی مذمت کرتے ہیں اور دوسری طرف خود ہی امام کے بارے میں غلو کرتے ہیں اور اُس کی منزل کو مقام نبوت سے بالاتر سمجھتے ہیں، حالانکہ عقلی دلائل کے علاوہ قرآن مجید نے بھی انبیا کی منزل کو سب سے بلند قرار دیا ہے اور واجب و ممکن کے درمیان صرف انبیاء ہی کا مقام ہے آپ کا یہ دعویٰ چونکہ بلا دلیل ہے لہٰذا سراسر زبردستی اور ناقابل قبول چیز ہے۔

---

[1] جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اپنے امام زمانہ کو نہ پہچانتا ہو تو درحقیقت وہ اہل جاہلیت کی موت مرا۔

مقام امامت نبوت عامہ سے بالاتر ہے

خیر طلب: ابھی جناب عالی نے دلیل پوچھی بھی نہیں اور یہ فرما دیا کہ دعوے بے دلیل ہے حالانکہ سب سے مضبوط دلیل کتاب محکم آسمانی قرآن مجید ہے جو خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت بیان کرتا ہے کہ (جان و مال و فرزند کے) تینوں امتحانوں کے بعد جیسا کہ تفاسیر میں تشریح کے ساتھ درج ہے خدائے تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ان حضرت کو مزید بلندی عنایت فرمائے۔ چونکہ نبوت و رسالت اولوالعزمی اور خلت کے عہدوں کے بعد جن پر آپ فائز تھے بظاہر کوئی ایسا منصب نہیں تھا جو ان حضرت کو اور زیادہ رفعت عطا کرے سوا منزل امامت کے جو تمام روحانی مقامات سے بالاتر تھی لہذا سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۱۸ میں رسول اللہ کو خبر دیتا ہے واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظالمین (یعنی یاد کیجئے اس وقت کو جب خدا نے ابراہیم کا چند امور میں امتحان لیا اور انہوں نے سب کو پورا کر دکھایا تو فرمایا میں نے تم کو انسانوں کا امام قرار دیا ابراہیم نے عرض کیا کہ یہ امامت میری اولاد کو بھی عطا ہوگی؟ تو فرمایا کہ میرا عہد یعنی امامت ظالم لوگوں کو نہیں پہنچے گی) اس آیۂ مبارکہ سے مقام امامت کے اثبات میں متعدد نتائج اور فوائد حاصل ہوتے ہیں جو عظیم المرتبت عہدۂ امامت کے دلائل میں سے ہیں کہ رتبے اور درجے کے لحاظ سے یہ منصب مقام نبوت سے بلند تر ہے کیونکہ نبوت و رسالت کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو خلعت امامت سے سرفراز فرمایا، چنانچہ اسی دلیل سے مقام امامت مقام نبوت سے بالاتر ثابت ہوتا ہے۔

حافظ: پھر تو آپ کے قول کی بنا پر جب کہ علی کرم اللہ وجہہ کو امام جانتے ہیں ان کی منزل پیغمبر کی منزل سے بالاتر ہونا چاہیئے۔ اور یہ وہی غلات کا عقیدہ ہے جس کو آپ خود بیان کر چکے ہیں۔

خیر طلب: مطلب وہ نہیں ہے جو جناب نکال رہے ہیں کیونکہ آپ کو خود معلوم ہے کہ نبوت خاصّہ اور نبوت عامہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ مقام امامت نبوت عامہ سے بالاتر اور نبوت خاصہ سے پست ہوتا ہے کیونکہ نبوت خاصہ ہی خاتمیت کی بزرگ و برتر منزل ہے۔

نواب: قبلہ صاحب معاف فرمائیے گا اگر میں کبھی کبھی گفتگو میں دخل دے دیتا ہوں کیونکہ بعد کو میں بھول جاتا ہوں اس کے علاوہ ذرا جلد باز بھی ہوں اس لئے ذرا جسارت کر جاتا ہوں۔ یہ فرمائیے کہ انبیاء سب کے سب کیا خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں؟ اور یقیناً رتبے اور منزل میں بھی سب کے سب یکساں ہیں جیسا کہ قرآن مجید

میں ارشاد ہے لا نفرق بین احد من رسلہ (یعنی ہم پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے) تو پھر آپ نے کیونکر فرق قائم کر دیا اور نبوت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے عامہ و خاصہ فرما دیا۔

خیر طلب : ہاں یہ آیت اپنے محل پر صحیح ہے، یعنی تبلیغ کی منزل اور بعثت کے مقصد میں جو کہ مبداء و معاد کی طرف دعوت دینا اور جماعت انسانی کی تربیت کرنا ہے تمام انبیاء آدم سے لے کر خاتم تک یکساں ہیں لیکن فضل و کمال، طریقۂ بعثت، محل بعثت، درجے اور رتبے میں باہم فرق رکھتے ہیں۔

مراتب انبیاء کے اختلاف میں

آیا وہ پیغمبر جو ایک ہزار نفر پر مبعوث ہوا ہو اُس پیغمبر کے ساتھ جو تیس ہزار یا زیادہ افراد پر مبعوث ہوا ہو یا ایسے پیغمبر کے ساتھ جو تمام انسانوں پر مبعوث ہوا ہو برابر کی حیثیت رکھتا ہے؟ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ کیا اول درجے کا معلم چھٹے درجے کے معلم کے برابر ہے؟ اونچے درجوں کا استاد کالج کے پرنسپل کے مساوی ہے؟ کھلی ہوئی بات ہے کہ چونکہ یہ ایک مرکز اور حکومت کی جانب سے متعین ہیں، ایک پروگرام کے تحت کام کر رہے ہیں اور ان کا مقصد اور نظریہ انسانوں کی تعلیم و تربیت ہے لہذا اس حیثیت سے باہم یکساں ہیں لیکن معلومات اور مقام و منزلت کے لحاظ سے ہرگز یکساں نہیں ہیں۔ اپنی ملازمانہ حیثیت کے علاوہ ذاتی معلومات اور فضل و کمال کے لحاظ سے ایک دوسرے سے فرق اور امتیاز رکھتا ہے۔ چنانچہ انبیائے کرام بھی تبلیغ کی جہت سے یکساں ہیں لیکن رتبے، عہدے اور علم کی حیثیت سے آپس میں تفاوت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اسی سورے کی آیت ۲۵۴ میں ارشاد ہے تلك الرسل فضلنا بعضھم علی بعض منھم من کلم اللّٰہ ورفع بعضھم درجات۔ یعنی ہم نے انبیا میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور ترجیح دی اُن خصوصیات اور فضائل کی بنا پر جن میں دوسرے اُن کے مرتبے پر نہیں پہنچے ہیں اگرچہ نبوت میں سب مساوی تھے۔ پھر فضیلت کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ فرمایا کہ اُن میں سے کچھ ایسے ہیں جن سے خدا نے گفتگو فرمائی (جیسے ابوالبشر آدمؑ کہ اُن سے خطاب فرمایا اور سورۂ بقرہ آیت ۳۳ میں خبر دیتا ہے یا آدم اسکن انت و زوجك الجنۃ، سورہ ۲۰ طٰہٰ آیت ۱۲ میں ہے کہ حضرت موسیٰ سے فرمایا انا ربك فاخلع نعلیك۔ اور سورہ النجم آیت ۱۰ میں شب معراج حضرت خاتم الانبیاء کو وحی کرنے کا ذکر فرمایا کہ فاوحی الی عبدہ ما اوحی لہذا انبیاء مراتب اور درجات میں باہم مساوی نہیں ہیں۔ اور اُن میں سے بعض کے درجات بلند فرمائے۔

خود آپ کے عالم و فاضل مفسر جار اللہ زمخشری تفسیر کشاف میں کہتے ہیں کہ اس بعض سے مراد ہمارے پیغمبر ہیں، جو بہت سے فضائل اور بے شمار خصائص کے ساتھ انبیاء پر فضیلت رکھتے ہیں، اور جن میں سب کے اسم خاتمیت کی منزل ہے۔

نواب: میں بہت خوش اور ممنون ہوا کہ آپ نے یہ معما حل فرما دیا اب میرا ایک اور سوال ہے جو اگرچہ موضوع سے خارج ہے لیکن علما کی اجازت سے چاہتا ہوں کہ نبوت خاصہ کی خصوصیت بھی مختصر ہی طریقے سے سہی سادہ اور عام فہم الفاظ میں بیان فرما دیجئے۔ چونکہ برسوں سے میری خواہش اور تمنا تھی کہ حضرات علماء کے سامنے یہ سوال پیش کروں لیکن کثرت مشاغل کی وجہ سے بھول جاتا تھا لہٰذا اس وقت جو موقع ہاتھ میں آ گیا ہے اس کو غنیمت سمجھتا ہوں۔

خیر طلب: نبوت خاصہ کے خصائص بکثرت اور اس سلسلے میں بے شمار دلائل موجود ہیں کہ انبیاء میں سے کیونکر ایک کامل فرد نبوت خاصہ کی حامل ہوتی ہے اور در اصل وہی خاتمیت کی منزل ہے۔ لیکن یہ جلسے نبوت خاصہ کو اور وہ بھی پاک طینت مسلمانوں کے سامنے ثابت کرنے کے لئے منعقد نہیں کئے گئے ہیں اور اگر ہم نبوت خاصہ کی بحث میں پڑنا چاہیں تو امامت کے موضوع سے ہٹ جائیں گے اور جلسے کا سارا وقت اسی میں صرف ہو جائے گا۔ لہٰذا محض اس خیال سے کہ آپ کا سوال رد نہ ہو بمقتضائے ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ (یعنی جو پورا حاصل نہ ہو سکے وہ پورا ترک بھی نہیں کیا جاتا۔ مترجم ۱۲) ایک مختصر اشارہ کر رہا ہوں۔

خصوصیت نبوت خاصہ

اگر آپ اصل خلقت انسانیت کی طرف تھوڑی توجہ فرمائیے تو اس مقصد تک پہنچنے کا راستہ بخوبی کھل جاتا ہے اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے کمال بشریت کو کمال نفس میں قرار دیا ہے اور کمال نفسانی انسان کو بغیر تزکیۂ نفس کے حاصل نہیں ہوتا اور تزکیۂ نفس ناممکن ہے جب تک قوت عاقلہ کی رہنمائی میں علم و عمل کی دونوں طاقتوں کے ساتھ پرواز نہ کرے یہاں تک کہ مقام انسانیت کی بلندی تک پہنچ جائے۔ جیسا کہ اس کلام میں ارشاد ہے جو مولی الموحدین حضرت امیر المومنینؑ کی طرف منسوب ہے۔ فرمایا ہے۔ خلق الانسان ذا نفس ناطقه ان زکٰها بالعلم والعمل فقد شابهت جواهر اوائل عللها و اذا اعتدل مزاجها و فارقت الاضداد فقد شارك بها السبع الشداد و صار موجوداً بما هو انسان دون ان یكون موجوداً بما هو حیوان (یعنی انسان علاوہ جسم مادی کے) نفس ناطقہ

کا حامل بنایا گیا ہے (جو حقیقت انسانیت ہے) اگر علم و عمل سے اس کا تزکیہ ہو جائے تو عالم علوی کے موجودات کی شبیہ بن جاتا ہے جو اُس کی خلقت کا اصلی مبدا ہے اور جب مقام اعتدال پر پہنچ جاتا اور مواد طبیعی سے پاک ہو جاتا ہے تو عوام علویہ والوں کا شریک ہوتا ہے اور اُس وقت حیوانیت سے بلند ہو کر حقیقی انسانیت کی منزل پر فائز ہوتا ہے ا ھ "صورتے در زیر دارد آنچہ در بالاستے"۔ آدمی اس ہیئت جسمانی کے علاوہ نفس ناطقہ رکھتا ہے اور وہی نفس موجودات پر برتری کا باعث ہوتا ہے لیکن ایک شرط کے ساتھ اور وہ یہ کہ اپنے نفس کو علم و عمل کی دونوں قوتوں کے ساتھ پاک و پاکیزہ بنائے کیونکہ انسان میں یہ دو موثر عامل پرندوں میں دو بازوؤں کے مانند ہیں جن کے ذریعہ وہ پرواز کرتے ہیں چنانچہ اُن کے پروں میں جتنی زیادہ طاقت ہوتی ہے اسی قدر اُن کی بالا روی اور بلند پروازی بڑھ جاتی ہے۔

آدمی بھی اپنے علم و عمل میں جتنا قوی تر ہوتا ہے اسی قدر کمال نفسانی پر فائز ہوتا ہے۔ کیا خوب لکھتے ہیں استاد شیریں سخن شیخ سعدی شیرازی ؎

طیران مرغ دیدی تو ز پائے بند شہوت ۔۔۔ بدر آئے تا بہ بینی طیران آدمیت

غرضیکہ عالم حیوانیت سے نکل کے انسانیت کی بلند منزل پر پہنچنا پورے طور پر کمال نفس سے وابستہ ہے اور جس شخص نے تکمیل نفس کی منزل میں علمی و عملی قویٰ کو اپنے اندر جمع کر لیا اور اُن کے خواص ثلاثہ تک پہنچ گیا تو وہ مقام نبوت کے ادنیٰ مرتبہ کو پا گیا اور جس وقت ایسا آدمی ذات حق تعالےٰ کی خاص توجہ کا مورد بن جاتا ہے تو خلعت نبوت سے سرفراز کر دیا جاتا ہے۔

البتہ نبوت بھی (جیسا کہ ابواب نبوت میں مکمل اور مفصل ذکر ہو چکا) مختلف مدارج رکھتی ہے یہاں تک کہ نبی اُس مرتبے پر پہنچ جائے جو مذکورہ خصائص قوائے ثلاثہ کا سب سے بلند درجہ ہے کہ جس سے قوی تر عالم امکان میں تصور ہی نہ کیا جا سکے اور یہ مرتبہ امکانی مراتب میں سب سے اونچا ہوتا ہے جس کو حکماء عقل اوّل کہتے ہیں اور جو معلول اوّل و صادر اول ہے وجود امکانی کے مراتب میں اس سے بالاتر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ اور یہی وجود ہے اُس خاتم الانبیاء کا جن کا مقام اور منزلت مقام واجب سے پست اور تمام مراتب امکانیہ سے مافوق ہے۔ جب آں حضرتؐ اس منزل پر فائز ہو گئے تو آپ کی ذات مبارک پر نبوت ختم ہو گئی۔

اور امامت مقام خاتمیت سے ایک درجہ پست اور تمام مراتب نبوت سے بلند ایک منزل ہے اور امیر المومنین علی علیہ السلام چونکہ اوج نبوت کے حامل تھے اور خاتم الانبیاءؐ کے ساتھ اتحاد نفسانی بھی رکھتے تھے لہٰذا خلعت امامت سے آراستہ اور انبیائے سلف پر افضل ہوئے داتنے میں موذن کی آواز آئی اور مولوی صاحبان نماز پڑھنے چلے گئے۔ واپسی میں چائے وغیرہ کے بعد حافظ صاحب نے

بات شروع کی)۔

حافظ: آپ اپنے بیانات میں برابر مطلب کو مشکل اور پیچیدہ تر بناتے جا رہے ہیں۔ ابھی ایک مشکل حل نہیں ہوئی تھی کہ دوسرا اشکال پیدا کر دیا۔

خیر طلب: ہمارے درمیان تو کوئی مشکل اور پیچیدہ امر نہیں ہے۔ بہتر ہو گا کہ جو کچھ آپ کی نگاہ میں مشکل نظر آتا ہے بیان فرمائیے تاکہ اس کا جواب عرض کروں۔

حافظ: اپنے اس بیان کے آخر میں آپ نے چند بہت مشکل جملے فرمائے ہیں جن کا حل ناممکن ہے۔ اول یہ کہ علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ مقام نبوت کے حامل تھے۔ دوسرے یہ کہ پیغمبرؐ کے ساتھ اتحاد نفسانی رکھتے تھے۔ تیسرے انبیائے کرام پر افضلیت۔ آپ کے یہ زبانی دعوے صرف آپ کے حکم سے مان لیے جائیں یا ان کے ثبوت میں کوئی دلیل بھی ہے؟ اگر بے دلیل ہیں تو قابل قبول نہیں اور اگر کوئی دلیل ہے تو اس کو بیان فرمائیے۔

خیر طلب: آپ نے میرے بیانات کے متعلق جو یہ فرمایا کہ مشکل اور پیچیدہ ہیں اور ان کا حل کرنا ممکن نہیں تو یقیناً آپ اور آپ کے ایسے ان حضرات کی نظر میں جو حقائق کو گہری نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہتے یہی صورت ہے لیکن محقق اور منصف علماء کے سامنے حقیقت ظاہر و آشکار ہے۔

اب میں آپ کے ہر ایک اشکال کا جواب پیش کرتا ہوں تاکہ عذر کا راستہ بند ہو جائے اور آپ یہ نہ فرمائیے کہ مشکل و پیچیدہ ہیں اور ان کا حل ناممکن ہے۔

حدیث منزلت سے حضرت علیؑ کے لئے مقام نبوت کے اثبات میں دلائل

اولاً اس بات کی دلیل کہ حضرت علیؑ شان نبوت کے حامل تھے۔ حدیث شریف منزلت ہے جو کمال صحت اور تواتر کے ساتھ ہمارے اور آپ کے طرق سے الفاظ کی مختصر کمی بیشی کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ خاتم الانبیاءؐ نے بار بار اور مختلف جلسوں میں کبھی امیر المومنین علی علیہ السلام سے فرمایا اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (یعنی آیا تم خوش نہیں ہو اس پر کہ مجھ سے تمہاری وہی منزلت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوا اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا) اور کبھی امت سے فرمایا علی منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الخ

حافظ: اس حدیث کی صحت ثابت نہیں ہے اور اگر صحیح فرض بھی کر لی جائے تو خبر واحد ہے اور

خبر واحد کا کوئی اعتبار نہیں۔

خیر طلب: یہ جو آپ نے حدیث کی صحت میں شک وارد کیا ہے تو غالباً کتب اخبار کے مطالعے میں کمی کی وجہ سے ہے یا آپ نے قصداً غلط کہا ہے اور عقل و منطق کے پابند نہیں بننا چاہتے ورنہ اس حدیث کی صحت مسلمات میں سے ہے اور اس خبر شریف کے صحیح ہونے سے انکار اور اس کو خبر واحد کہنا جیسا کہ میں عرض کر چکا اسی سبب سے ہو سکتا ہے کہ کتب اخبار پر آپ کی نظر نہیں ہے یا پھر عناد اور بغض مجبور کر رہی ہو حالانکہ میں یہی اُمید کرتا ہوں کہ ہمارے اس جلسے میں کسی ہٹ دھرمی اور عناد سے کام نہیں لیا جائیگا۔

حدیث منزلت کے اسناد طرق عامہ سے

میں مجبور ہوں کہ مطلب کی وضاحت اور حاضرین و غائبین جلسہ کی زیادتی بصیرت کے لئے جس قدر مجھ کو اس وقت یاد ہے اس حدیث مبارک کے بعض اسناد آپ ہی کی معتبر کتابوں سے پیش کر دوں تاکہ آپ سمجھ لیں کہ یہ خبر واحد نہیں ہے بلکہ آپ کے بڑے بڑے جید علماء جیسے سیوطی اور حاکم نیشاپوری وغیرہ نے متعدد طریقوں اور کثیر و متواتر اسناد کے ساتھ اس کو ثابت کیا ہے۔

(۱) ابو عبداللہ بخاری نے اپنی صحیح بخاری جلد سیم کتاب مغازی باب غزوہ تبوک ص۵۴ اور کتاب بدء الخلق ص۱۸۵ میں بسلسلہ مناقب علی علیہ السلام (۲) مسلم بن حجاج نے اپنی صحیح مسلم مطبوعۂ مصر ۱۲۹۰ھ جلد دوم کتاب فضل الصحابہ باب فضائل علی علیہ السلام ص۲۳۶ و ص۲۳۷ میں (۳) امام احمد بن حنبل نے مسند جلد اول وجہ تسمیہ حسنین ص۹۸، ۱۱۸، ۱۱۹ میں اور اسی کتاب کے حاشیہ جزء پنجم ص۳۱ میں۔ (۴) ابو عبدالرحمٰن نسائی نے خصائص العلویہ ص۱۹ پر اٹھارہ حدیثیں نقل کی ہیں (۵) محمد بن سورۂ ترمذی نے اپنی جامع میں (۶) حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ جلد دوم ص۵۰۷ میں۔ (۷) ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ باب ۹ ص۳۴، ۷۳ میں (۸) حاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری نے مستدرک جلد سیم ص۱۰۹ میں (۹) جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص۶۵ میں (۱۰) ابن عبدربہ نے عقد الفرید جلد دوم ص۱۹۴ میں (۱۱) ابن عبدالبر نے استیعاب جلد دوم ص۴۷۳ میں (۱۲) محمد بن سعد کاتب الواقدی نے طبقات الکبریٰ میں (۱۳) امام فخر الدین رازی نے تفسیر مفاتیح الغیب میں (۱۴) محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں (۱۵) سید مومن شبلنجی نے نور الابصار ص۶۸ میں (۱۶) کمال الدین ابو سالم محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل ص۱۷ میں (۱۷) میر سید علی بن شہاب الدین ہمدانی نے مودۃ القربیٰ آخر مودت ہفتم میں (۱۸) نور الدین علی بن محمد مالکی مکی معروف بہ ابن صباغ نے فصول المہمہ ص۲۲، ۱۲۵ میں (۱۹) علی بن برہان الدین

شافعی نے سیرۃ الحلبیہ جلد دوم ص۲۶ میں (۲۰) علی بن الحسین مسعودی نے مروج الذہب جلد دوم ص۴۹ میں (۲۱) شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ص۱۷۹ میں اور بالخصوص باب ۶ میں اٹھارہ حدیثیں بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن مغازلی، خوارزمی اور حموینی سے نقل کی ہیں (۲۲) مولوی علی متقی نے کنز العمال جلد ششم ص۱۵۲، ۱۵۳ میں (۲۳) احمد بن علی خطیب نے تاریخ بغداد میں (۲۴) ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں (۲۵) موفق بن احمد خوارزمی نے مناقب میں (۲۶) ابن اثیر جزری علی بن محمد نے اسد الغابہ میں (۲۷) ابن کثیر دمشقی نے اپنی تاریخ میں (۲۸) علاء الدولہ احمد بن محمد نے عروۃ الوثقیٰ میں (۲۹) ابن اثیر مبارک بن محمد شیبانی نے جامع الاصول فی احادیث الرسول میں (۳۰) ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں (۳۱) ابو القاسم حسین بن محمد (راغب اصفہانی) نے محاضرات الادباء جلد دوم ص۲۱۲ میں اور آپ کے دوسرے محققین اعلام نے اس حدیث شریف کو بالفاظ مختلفہ اصحاب رسول کی ایک بڑی جماعت سے نقل کیا ہے جیسے (۱) خلیفہ عمر بن الخطاب (۲) سعد بن ابی وقاص (۳) عبداللہ بن عباس (خیر امت) (۴) عبداللہ بن مسعود (۵) جابر بن عبداللہ انصاری (۶) ابوہریرہ (۷) ابوسعید خدری (۸) جابر بن سمرہ (۹) مالک بن حویرث (۱۰) براء بن عازب (۱۱) زید بن ارقم (۱۲) ابورافع (۱۳) عبداللہ بن ابی اوفی (۱۴) ابی سریحہ (۱۵) حذیفہ بن اسید (۱۶) انس بن مالک (۱۷) ابوہریرہ سلمی (۱۸) ابوایوب انصاری (۱۹) سعید بن مسیب (۲۰) حبیب بن ابی ثابت (۲۱) شرجیل بن سعد (۲۲) ام سلمیٰ زوجۂ رسولؐ (۲۳) اسماء بنت عمیس (زوجۂ ابوبکر) (۲۴) عقیل بن ابی طالب (۲۵) معاویہ بن ابی سفیان اور اصحاب کی ایک اور جماعت جن کے نام گنوانے کی نہ وقت میں گنجائش ہے نہ سب حافظے میں ہی محفوظ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ سبھی نے حضرت خاتم الانبیاءؐ سے الفاظ کے مختصر تفاوت کے ساتھ مختلف مواقع پر روایت کی ہے کہ فرمایا یا علی انت منی بمنزلۃ ھرون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (یعنی یا علی تم مجھ سے بمنزلہ ہارون ہو موسیٰ سے سوا اس کے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا) آیا آپ کے یہ سارے خاص خاص علمائے حق میں سے مشتے نمونہ از خروارے میں نے چند نام پیش کئے ہیں اور جنہوں نے اس حدیث مبارک کو مسلسل اسناد کے ساتھ اصحاب رسولؐ کی کثیر جماعت سے نقل کیا ہے آپ کے نزدیک اثبات یقین و تواتر کے لئے کافی نہیں ہیں؟ کیا آپ تصدیق کریں گے کہ آپ کو غلط فہمی تھی، یہ خبر واحد نہیں ہے بلکہ متواترہ حدیثوں میں سے ہے۔ چنانچہ خود آپ کے محققین علماء نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ جیسے جلال الدین سیوطی نے رسالہ الازہار المتناثرہ فی الاحادیث المتواترہ میں اس حدیث شریف کو متواترات میں سے لکھا ہے، اور ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین میں بھی تواتر کی تصدیق کی گئی ہے چونکہ آپ اپنی عادت کی بنا پر اس حدیث مبارک

کی صحت سند میں شک وشبہ وارد کر رہے ہیں لہٰذا بہتر ہوگا کہ اپنے بہت بڑے عالم محمد بن یوسف گنجی شافعی کی کتاب کفایت الطالب فی مناقب علی بن ابی طالب باب ۲ کا مطالعہ فرمایئے جس میں اُن حضرت کے دیگر فضائل کے ساتھ ساتھ چند مستند حدیثیں ذکر کرنے کے بعد صفحہ ۱۰۹ میں تبصرہ فرمایا ہے اور حقائق کو بیان کیا ہے۔ اس لیئے کہ اگر آپ ہمارے قول کو تسلیم نہیں کرتے تو اس (غیر متعصب) شافعی عالم کا بیان آپ کے اوپر حجت تمام کردے گا لکھتے ہیں۔ هذا حديث متفق على صحته رواه الائمة الاعلام الحفاظ كابى عبد الله البخارى فى صحيحه ومسلم بن حجاج فى صحيحه وابى داؤد فى سننه وابى عيسى الترمذى فى جامعه وابى عبد الرحمن النسائى فى سننه وابن ماجة القزوينى فى سننه واتفق الجميع على صحته حتى صار ذالك اجماعاً منهم قال الحاكم النيشاپورى هذا حديث دخل فى حد التواتر (یعنی یہ وہ حدیث ہے جس کی صحت متفق علیہ ہے ائمہ اعلام وحفاظ نے اس کی روایت کی ہے، جیسے ابو عبداللہ بخاری نے اپنی صحیح میں مسلم بن حجاج نے اپنی صحیح میں، ابو داؤد نے سنن میں، ابو عیسیٰ ترمذی نے جامع میں ابوالرحمٰن نسائی نے سنن میں، ابن ماجہ قزوینی نے سنن میں اور ان سب نے اس کی صحت پر اتفاق کیا ہے یہاں تک کہ اس پر ان کا اجماع ہوگیا ہے۔ اور حاکم نیشاپوری نے کہا ہے کہ یہ وہ حدیث ہے جو تواتر کی حد میں داخل ہو چکی ہے) میرا خیال ہے کہ اب کوئی ابہام اور اس حدیث شریف کی صحت وتواتر پر مزید دلائل پیش کرنے کی ضرورت باقی نہ ہوگی۔

حافظ: میں بے ایمان اور ضدی آدمی نہیں ہوں کہ آپ کے دلائل وبراہین کے مقابلے میں جو انتہائی معتبر ہیں مجادلے سے کام لوں۔ لیکن ذرا عالم فقیہ ابوالحسن آمدی کی گفتگو پر بھی غور کیجئے جو متکلم اور متبحر علماء میں سے ہیں اور جنہوں نے اس حدیث کو چند دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔

خیر طلب: مجھ کو آپ جیسے نکتہ رس اور منصف عالم سے سخت تعجب ہے کہ آپ کے ان سارے اکابر علماء کے اقوال نقل کرنے کے بعد جو سب کے سب ثقہ اور آپ کے یہاں عام طور پر قابل اطمینان ہیں، آپ آمدی کے قول پر توجہ کر رہے ہیں جو ایک شریر وبد عقیدہ اور تارک الصلوٰۃ شخص تھا۔

شیخ: انسان اپنا عقیدہ ظاہر کرنے میں آزاد ہے۔ اور اگر کسی شخص نے کوئی عقیدہ ظاہر کیا ہے تو اس پر بدی کی تہمت نہ لگانا چاہیئے۔ بلکہ آپ جیسے شریف اور مجسمۂ اخلاق انسان کے لیئے تو بہت بڑی بات ہے کہ منطقی جواب کے بدلے بدکلامی کے ساتھ ایک فقیہ عالم کو متہم کیجئے۔

خیر طلب: آپ کو دھوکا ہوا ہے۔ میں کسی کے لیئے بدکلامی نہیں کرتا اور آمدی کے زمانے میں تو میں تھا بھی نہیں۔ لیکن اُس کے بُرے عقائد کو آپ ہی کے بڑے بڑے علماء نے نقل کیا ہے۔

شیخ: ہمارے علماء نے کس مقام پر اُن کا بدی اور فاسد عقیدے کے ساتھ تذکرہ کیا ہے؟

آمدی کی مفصل کیفیت

خیر طلب: ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں لکھا ہے السیف الامدی المتکلم علی بن ابی علی صاحب التصانیف وقد نفی من دمشق لسوء اعتقاده وصح انه کان یترک الصلوٰۃ (یعنی سیف آمدی متکلم علی بن ابی علی جو صاحب تصانیف تھا اس کو دمشق سے نکال دیا گیا تھا کیونکہ اس کا اعتقاد خراب تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ یہ تارک الصلاۃ تھا) نیز ذہبی نے جو آپ کے بزرگ علماء میں سے ہیں میزان الاعتدال میں اس قضیے کو نقل کیا ہے اور مزید برآں تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مسلم ہے کہ آمدی اہل بدعت میں سے تھا۔

اگر آپ گہری نظر سے دیکھیں تو سمجھ میں آ جائے گا کہ اگر آمدی اہل بدعت اور شریر و بے ایمان نہ ہوتا تو ہرگز اپنی بدباطنی کو اس طرح ظاہر نہ کرتا کہ تمام صحابہ رسولؐ یہاں تک کہ اپنے خلیفہ عمر بن الخطاب (کیونکہ حدیث کے راویوں میں سے ایک یہ بھی ہیں) اور آپ کے تمام ثقات علماء اسلام کے برخلاف آواز بلند کرے۔

سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ حضرات شیعوں کو تو ملامت کرتے ہیں کہ صحیحین کی حدیثیں کس لئے قبول نہیں کرتے (حالانکہ ایسا نہیں ہے، اگر صحیح الاسناد حدیثیں ہوں تو آپ کی صحاح کے اندر ہونے کے بعد بھی ہمارے لئے قابل قبول ہیں) لیکن جس مسلم حدیث کو بخاری و مسلم اور دوسرے ارباب صحاح نے اپنی اپنی صحیحوں میں نقل کیا ہے اس کو آمدی عادتاً رد کرتا ہے اور آپ کے لئے قابل اعتبار بن جاتا ہے اگر آپ کے نزدیک آمدی میں کوئی عیب نہیں تھا تو یہی بات اس پر طعن کرنے کے لئے کافی تھی کہ اس نے آپ کی صحیحین کے برخلاف عقیدے کا اظہار کیا بلکہ درحقیقت خلیفہ عمر اور بخاری و مسلم کو جھٹلایا۔

اگر آپ چاہیں کہ اس حدیث منزلت کے بارے میں زیادہ جانچ پڑتال کریں، مکمل دلائل اور اپنے بڑے بڑے علماء کی روایتوں سے تمام اسناد کاملہ کا مطالعہ کریں، مزید معلومات حاصل کریں اور آمدی جیسے لوگوں پر نفرین کریں تو جلیل القدر کتاب "طبقات الانوار" مؤلفہ عالم باعمل نقاد اخبار و احادیث محقق و متبحر علامہ سید حامد حسین صاحب لکھنوی اعلی اللہ مقامہ کی جلدیں ملاحظہ فرمایئے اور بالخصوص حدیث منزلت والی جلد کی طرف رجوع کیجئے تاکہ آپ کے سامنے یہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ اس بزرگ شیعی عالم نے اس حدیث کے اسناد و مدارک کو کس طرح آپ کے طرق سے جمع کر کے ان کی تشریح کی ہے۔

حافظ: آپ نے فرمایا کہ اس حدیث کے راویوں میں سے ایک خلیفہ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔
کیا یہ ہوسکتا ہے کہ اگر آپ کے پیش نظر ہو تو اس کی سند بیان فرمایئے؟

حدیث منزلت کی سند عمر ابن خطاب سے

خیر طلب: ابوبکر محمد بن جعفری الطبری نے اور ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی نے کتاب مجالس میں، محمد بن عبد الرحمٰن ذہبی نے ریاض النضرہ میں، مولوی علی متقی نے کنز العمال میں، ابن صباغ مالکی نے خصائص سے نقل کرتے ہوئے فصول المہمہ ص ۱۲۵ میں، امام الحرم نے ذخائر العقبیٰ میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم ص ۲۵۸ میں نقض العثمانیہ شیخ ابوجعفر اسکافی سے مختصر اختلاف الفاظ کے ساتھ ابن عباس (خیر امت) سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک روز عمر ابن خطاب نے کہا علی کا نام چھوڑو (یعنی اس قدر علیؑ کی غیبت نہ کرو) اس لئے کہ میں نے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا علیؑ میں تین خصلتیں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھ کو (یعنی عمر کو) حاصل ہوتی تو میرے لئے ہر اس چیز سے زیادہ محبوب ہوتی جس پر آفتاب چمکتا ہے، پھر کہا کنت انا وابوبکر وابو عبیدۃ بن الجراح ونفر من اصحاب رسول اللہ وھو متکئ علی علی بن ابی طالب حتی ضرب بیدہ منکبیہ ثم قال انت یا علی اول المومنین ایمانا واولھم اسلاما ثم قال انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ وکذب علی من زعم انہ یحبنی ویبغضک (یعنی میں، ابوبکر، ابوعبیدہ جراح اور چند اصحاب رسولؐ حاضر تھے، رسول اللہؐ علی ابن ابی طالب پر تکیہ کیے ہوئے تھے یہاں تک کہ علیؑ کے شانوں پر ہاتھ مارا اور فرمایا علیؑ تم ایمان کی حیثیت سے تمام مومنین سے اوّل ہو اور اسلام کی حیثیت سے تمام مسلمین سے آگے ہو، پھر فرمایا یا علیؑ تم مجھ سے وہی منزلت رکھتے ہو جو ہارون کو موسےٰ سے تھی اور جھوٹ باندھتا ہے مجھ پر جو یہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو دوست رکھتا ہے درآنحالیکہ تم سے دشمنی رکھتا ہو) آیا آپ کے مذہب میں خلیفہ عمر کا قول رد کرنا جائز ہے؟ اگر جائز نہیں ہے تو پھر کس لئے آمدی جیسے آدمی کی فضول بات پر عقیدہ اور توجہ رکھتے ہیں؟

سنّی مذہب میں خبر واحد کا حکم

ابھی آپ کے ایک اور جملے کا جواب باقی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ حدیث خبر واحد ہے

اور خبر واحد کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر ہم رجال کے اس معیار کے ساتھ جو ہمارے یہاں ہے اس طرح کی بات کہیں تو ٹھیک بھی ہے لیکن آپ کی زبان سے ایسے الفاظ سن کر تعجب ہوتا ہے کیونکہ آپ کے مذہب میں تو خبر واحد کا حجت ہونا ثابت ہے۔ اس لئے کہ آپ کے محققین علماء خبر واحد کے منکر کو کافر یا فاسق سمجھتے ہیں چنانچہ ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی نے "ہدایت السعداء" کے مضمرات فی کتاب الشہادات میں کہا ہے ومن انکر الخبر الواحد والقیاس وقال انه لیس بحجة فانه یصیر کافرا ولو قال هذا الخبر الواحد غیر صحیح وهذا القیاس غیر ثابت لا یصیر کافرا ولکن یصیر فاسقا (یعنی جو شخص خبر واحد اور قیاس کا انکار کرے اور کہے کہ یہ حجت نہیں ہے، تو وہ قطعاً کافر ہو جاتا ہے اور اگر کہے کہ یہ خبر واحد صحیح نہیں ہے اور یہ قیاس ثابت نہیں ہے تو وہ کافر نہیں ہوتا لیکن فاسق ہو جاتا ہے)۔

حافظ: مجھ کو آپ کی خوش بیانی اور ہماری کتابوں کے وسیع مطالعے سے بہت خوشی ہوئی پر خلاف اسکے کہ جیسا سن چکا ہوں کہ حضرات علمائے شیعہ ہماری کتابوں کو دست پناہ یا کپڑے وغیرہ سے اٹھاتے ہیں تاکہ ان کا ہاتھ کتاب کی جلد سے مس نہ ہو تو یہ پھر کہاں ممکن ہے کہ ان کا مطالعہ کریں۔

خیر طلب: اس دعوئی پر آپ کے پاس قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے، اس لئے کہ در اصل بیگانوں، بیگانہ پرستوں اور اندرونی شیاطین کے خفیہ ہاتھ برابر اس کوشش میں رہتے ہیں کہ پانی کو کیچڑ بنائیں اور مسلمانوں کے باہمی نفاق سے خود نفع اٹھائیں لہذا اس قسم کی جھوٹی باتیں گھڑ کے مشہور کرتے ہیں تاکہ ایک کو دوسرے سے بدگمانی پیدا ہو، اور ان کا مطلب حل ہوتا رہے۔ ہمارا اور آپ کا مستقل فرض ہے کہ لوگوں کو قرآن مجید کی ہدایات عالیہ کی طرف متوجہ کرتے رہیں کہ مثلاً اس بارے میں سورۂ ۴۹ (حجرات) آیت ۶ میں ارشاد ہے ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (یعنی جس وقت کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی اطلاع لے کر آئے تو پہلے اس کی تحقیق کر لو ورنہ کہیں (دھوکے میں آکر) نادانی کی وجہ سے کسی قوم کو نقصان نہ پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہونا پڑے) نہ یہ کہ ہم خود ہی ان ہدایتوں سے غافل رہیں اگر یہ اہم فرمان آپ حضرات کا نصب العین ہوتا تو دشمنوں کی باتیں آپ پر اثر انداز نہ ہوتیں جس سے آج ندامت ہو۔ ہم لوگ تو کفار و مشرکین اور مرتدین کی کتابوں کو بھی دست پناہ یا کپڑے سے نہیں اٹھاتے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ مسلمان بھائیوں کی کتابوں کو حقارت کی نظر سے دیکھیں بلکہ آپ کے کہنے کے خلاف ہم تو آپ کے علماء کی معتبر کتابیں بہت غور سے دیکھتے ہیں اور ان کی صحیح الاسناد احادیث کو بھی قبول کرتے ہیں۔ علمی و منطقی اختلافات عقیدے اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ شیعہ طالب علم صرف و نحو، معانی و بیان، منطق، لغت

تفسیر اور کلام کے علوم زیادہ تر آپ ہی کے علماء کی کتب و تالیفات سے حاصل کرتے ہیں! پھر اُن کتابوں کو دست پناہ اور کپڑے سے کس طرح اٹھا بیٹھ گئے! البتہ آپ کی منقولہ احادیث کے بعض راوی مقدوح ہیں اور اُن کے اقوال قابلِ اعتبار نہیں جیسے انس، ابو ہریرہ اور سمرہ وغیرہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا (چنانچہ آپ کے بعض علماء بھی مثلاً ابو حنیفہ وغیرہ ان لوگوں کو مردود سمجھتے ہیں) ہم بھی اس طرح کے راویوں سے منسوب حدیثوں کو مردود اور نا قابلِ قبول جانتے ہیں۔

ورنہ آپ کے محققین علماء کی معتبر علمی کتابیں ہمارے سامنے رہتی ہیں اور بالخصوص میں نے تو پیغمبرؐ اور ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی سیرت میں زیادہ تر علمائے اہل سنت ہی کی معتبر کتابوں کا مطالعہ اور ان سے اخذ سند کیا ہے۔

میرے ذاتی کتب خانے میں آپ کے بڑے بڑے علماء کی تفاسیر، کتب اخبار اور معتبر تواریخ کی تقریباً دو سو جلدیں قلمی اور مطبوعہ موجود ہیں جن سے میں استفادہ کرتا رہتا ہوں۔

اب یہ ضرور ہے کہ علمی طور پر ہم ایک مبصر صراف کی حیثیت رکھتے ہیں کہ ان میں سے کھرے کھوٹے کو چھانٹ سکیں اور فخر الدین رازی جیسے حضرات کے شبہات و اشکالات اور ابن حجر، روزبہان، آمدی اور ابن تیمیہ جیسے افراد کے مغالطوں سے دھوکا نہ کھائیں اور اُن کی غلط کاریوں کا اثر قبول نہ کریں۔

آپ یقین کیجئے کہ مجھ کو آئمہ معصومینؑ، اہل بیت رسالت اور ودائع رسول اللہ کے مقامات مقدسہ کا یقین اور درجات معرفت کی تکمیل زیادہ تر آپ ہی کے علماء کی معتبر کتابوں کا مطالعہ کرنے سے ہوتی ہے۔

حافظ: ہم مطلب سے دور جا پڑے۔ یہ فرمایئے کہ آپ کے مقصد پر اس حدیث منزلت کی دلالت کس صورت سے ہے اور اس بات کا ثبوت کہاں سے ملتا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ شانِ نبوت کے حامل تھے؟

خیر طلب: اس حدیث شریف سے جو تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے امیر المومنینؑ کے لئے تین خصوصیتیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو مقام نبوت ہے جو معنوی اور باطنی حیثیت سے حضرت کو حاصل تھا۔ دوسرے رسولؐ اللہ کے بعد آں حضرت کی خلافت و وزارت کا منصب اور تیسرے ساری اُمت اور صحابہ وغیرہ پر اُن حضرت کی افضلیت اس لئے کہ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو بمنزلہ ہارون بیان فرمایا اور حضرت ہارون منزل نبوت اور حضرت موسیٰ کی خلافت پر فائز اور تمام بنی اسرائیل سے افضل تھے۔

نواب: قبلہ صاحب معاف فرمایئے گا کیا حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون نبی تھے؟

خیر طلب: ہاں مقام نبوت پر فائز تھے۔

نواب: تعجب ہے میں نے اب تک نہیں سنا تھا۔ آیا قرآن میں بھی کوئی آیت ایسی ہے جو اس

مطلب کی شاہد ہو؟

خیر طلب: ہاں کئی آیتوں میں خدائے تعالےٰ نے اُن جناب کی نبوت کی تصریح فرمائی ہے۔

نواب: ممکن ہو تو ہمارے معلومات میں اضافے کے لئے اُن آیتوں کی تلاوت فرما دیجئے تاکہ ہم بھی مستفید ہوں۔

خیر طلب: سورہ ۴ (نساء) آیت ۱۶۱ میں ارشاد ہے انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ واوحینا الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وعیسٰی وایوب ویونس وھٰرون وسلیمان واتینا داؤد زبورا (یعنی یقیناً ہم نے تمہاری طرف وحی کی جس طرح نوح اور ان کے بعد والے انبیاء کی طرف وحی کی اور ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، اسباط، عیسٰی، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی اور داؤد کو زبور عطا کی) اور سورۂ ۱۹ (مریم) آیت ۵۲ میں فرماتا ہے۔ واذکر فی الکتاب موسیٰ انہ کان مخلصًا وکان رسولًا نبیا ونادیناہ من جانب الطور الایمن وقربناہ نجیا ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھٰرون نبیا (یعنی اور یاد کرو کتاب میں موسیٰ کو یقیناً وہ خالص کئے ہوئے پیغمبر اور نبی تھے اور ہم نے ان کو طور ایمن کی جانب سے ندا دی اور ان کو ہم راز بنا کے نزدیک کیا اور ان کو اپنی رحمت سے ہارون سا بھائی عطا کیا جو نبی تھے)۔

حافظ: پھر تو آپ کے اس قاعدے اور استدلال کی رو سے محمدؐ و علیؑ دونوں پیغمبر اور خلق پر مبعوث تھے۔

خیر طلب: جس قسم کی تقریر آپ نے فرمائی ہے میں نے یہ نہیں کہا، البتہ آپ خود جانتے ہیں کہ انبیاء کی تعداد و شمار میں بہت اختلاف ہے۔ ایک لاکھ بیس ہزار تک اور اس سے زیادہ بھی لکھا ہے لیکن وہ سب اپنے اپنے زمانے کے مقتضا سے ایک ایک گروہ کی صورت میں کسی صاحب کتاب و احکام پیغمبر کے تابع تھے جن میں سے پانچ نفر اولوالعزم تھے، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ جن کی منزل سب سے بالاتر تھی اور یہی مقام خاتمیت ہے۔

منازل ہارونی کا اثبات حضرت علیؑ کے لئے

جناب ہارون اُن پیغمبروں میں سے تھے جو امر نبوت میں مستقل نہیں تھے بلکہ اپنے بھائی حضرت موسیٰ کی شریعت کے پابند تھے۔ حضرت علیؑ بھی نبوت کی بلندی پر پہنچے ہوئے تھے لیکن مستقل طور پر نبی نہیں تھے، بلکہ شریعت خاتم الانبیاء کے پابند تھے۔

اس حدیث شریف میں رسولؐ کا مقصد اور غرض اُمت کو یہ سمجھانا ہے کہ جس طرح ہارون نبوت کی منزل پر

فائز تھے لیکن حضرت موسےٰ جیسے ایک اولوالعزم پیغمبر کے تابع تھے حضرت علیؑ بھی اوج نبوت کے حامل اور مقام و منصب امامت کے ساتھ خاتم الانبیاء کی شریعت باقیہ کے مطیع تھے اور یہ چیز اپنی جگہ پر اُن حضرت کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اس حدیث کے ساتھ اپنی زبان مبارک سے علیؑ ابن ابی طالب کے لئے اُن سارے منازل و مراتب کو ثابت کر دیا جو ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے حاصل تھے۔ اگر حضرت محمدؐ خاتم الانبیاء نہ ہوتے تو یقیناً آپ آں حضرتؐ کے امر پیغمبری میں بھی شریک ہوتے، چنانچہ جملہ انہ لا نبی بعدی سے ظاہر فرما رہے ہیں کہ اگر میرے بعد نبوت کا سلسلہ قائم رہتا تو علیؑ اس عہدے پر فائز ہوتے۔ لہذا نبوت کو مستثنےٰ کر دیا اور مراتب ہارونی میں سے نبوت کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اُن حضرت میں ثابت ہے، اسی طرح محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل ص۱۹ کے شروع میں منزلت ہارونی کے بیان میں چند اسرار کے انکشاف اور توضیحات کے بعد تبصرہ کیا ہے اور کہتے ہیں فتلخیص منزلۃ ھارون من موسیٰ انہ کان اخاہ و وزیرہ و عضدہ و شریکہ فی النبوۃ و خلیفتہ علی قومہ عند سفرہ وقد جعل رسول اللہ علیا منہ بھذہ المنزلۃ واثبتھا لہ الا النبوۃ فانہ استثناھا فی آخر الحدیث بقولہ صلی اللہ علیہ انہ لا نبی بعدی فبقی ما عدا النبوۃ المستثناۃ ثابتاً لعلیؑ من کونہ اخاہ و وزیرہ و عضدہ و خلیفتہ علی اھلہ عند سفرہ الی تبوک وھذہ من المعارج الشراف والمدارج الازلاف فقد دل الحدیث بمنطوقہ ومفہومہ علی ثبوت ھذہ المزیۃ العلیۃ لعلیؑ وھو حدیث متفق علی صحتہ (یعنی بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ موسیٰ سے ہارون کی منزلت یہ تھی کہ اُن کے بھائی، وزیر، قوت بازو شریک نبوت اور اُن کی قوم پر سفر کے وقت اُن کے خلیفہ تھے پس رسول اللہؐ نے بھی حدیث شریف میں علیؑ کو مقام و منزلت ہارون کا مالک قرار دیا سوا نبوت کے جس کو آخر حدیث میں اپنے قول انہ لا نبی بعدی سے مستثنیٰ فرما دیا۔ لہذا آپ کے لئے نبوت کے علاوہ ہر بات ثابت ہے جیسے آں حضرتؐ کا بھائی وزیر، قوت بازو اور سفر تبوک میں قوم پر آں حضرتؐ کا خلیفہ ہونا اور یہ خصوصیت آپ کے بلند مراتب اور اعلیٰ مدارج میں سے ہے۔ پس یہ حدیث اپنے مضمون اور مفہوم کے لحاظ سے حضرت علیؑ کے لئے اس بزرگ فضیلت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس کی صحت پر سب کو اتفاق ہے) اور یہی بیان فصول المہمہ ص۲۹ میں ابن صباغ مالکی کا بھی ہے۔ نیز آپ کے اور بڑے بڑے علماء نے بھی اس کو لکھا اور اس حقیقت کی تصدیق کی ہے جن میں سے ہر ایک کے نام اور عقیدے کا ذکر کرنا ان کے اس تنگ وقت میں بہت مشکل ہے۔

حافظ: میرا خیال ہے کہ یہ استثنا عدم نبوت کا ہے نہ کہ اصل نبوت کا۔

خیر طلب: آپ نے بہت بے لطفی کی بات کی کہ اپنے اسلاف کی پیروی کرتے ہوئے یہ ایراد وارد کیا اور اتنے کھلے ہوئے مطلب کا انکار کیا، حالانکہ آپ کو شافعی کے بیان پر توجہ کرنا چاہیے تھا جس کو میں نے ابھی پیش کیا کہ کہتے ہیں فبقی ماعدا النبوۃ المستثناۃ ثابتا لعلیؑ اور یہ بیان خود نص ہے اس بارے میں کہ حدیث شریف میں مستثنیٰ نبوت ہے نہ کہ عدم نبوت۔ دوسرے ان کے اس قول میں کہ فانہ استثناھا فی اٰخر الحدیث بقولہ انہ لا نبی بعدی میں استثناھا کی ضمیر منصوب نبوت کی طرف پھرتی ہے اس طرح کی عبارتیں آپ کے علماء کی کتابوں میں بہت ہیں جو سب نبوت کے استثنا پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ عدم نبوت پر، اور جو لوگ عدم نبوت کے قائل ہوئے ہیں ان کے پیش نظر سوا عناد، ہٹ دھرمی اور تعصب کے کچھ نہیں تھا نستجیر باللہ من التعصب فی الدین (یعنی ہم دین کے معاملے میں تعصب سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ مترجم)۔

حافظ: میرا خیال ہے کہ آپ کا یہ دعوےٰ کہ اگر ہمارے پیغمبر خاتم الانبیاء نہ ہوتے اور نبوت کا سلسلہ آگے بڑھتا تو علیؑ اس منصب پر فائز ہوتے، آپ ہی کی ذات سے مخصوص ہے ورنہ کسی اور نے ایسی بات نہیں کہی ہے۔

خیر طلب: یہ دعویٰ فقط میرے اور علمائے شیعہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ آپ کے بڑے بڑے علما بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں۔

حافظ: ہمارے علماء میں سے کس نے ایسا دعویٰ کیا ہے؟ اگر پیش نظر ہو تو بیان فرمائیے۔

خیر طلب: آپ کے بزرگ علماء اور محل وثوق علمائے رجال میں سے ایک ملا علی بن سلطان محمد ہروی قاری ہیں کہ جب ان کی خبر وفات مصر میں پہنچی ہے تو علمائے مصر نے چار ہزار سے زیادہ مجمع کے ساتھ ان کے لئے نماز غیبت پڑھی ہے یہ بکثرت تصنیفات و تالیفات کے مالک ہیں۔ چنانچہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث منزلت کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فیہ ایماء الی انہ لو کان بعدہ نبیا لکان علیا یعنی اس حدیث میں اشارہ ہے اس طرف کہ اگر خاتم الانبیا کے بعد کوئی اور نبی ہوتا تو وہ علیؑ ہوتے۔

اور آپ کے جن علمائے بزرگ نے اس مقصد کا اقرار کیا ہے ان میں سے علامہ شہیر جلال الدین سیوطی نے کتاب بغیۃ الوعاظ فی طبقات الحفاظ کے آخر میں جابر ابن عبداللہ انصاری تک راویوں کا سلسلہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اکرمؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا کہ اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی و لو کان لکنتہ خلاصہ یہ کہ اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا

تو اسے علیؑ وہ تم ہوتے۔

نیز میر سید علی ہمدانی فقیہ شافعی نے مودۃ ششم "مودۃ القربیٰ" کی حدیث دوم میں انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ان اللہ اصطفانی علی الانبیاء فاختارنی واختار لی وصیا وخیرہ ابن عمی وصی لیشد عضدی کما یشد عضد موسیٰ باخیہ ھٰرون وھو خلیفتی ووزیری ولوکان بعدی نبیا لکان علی نبیا ولکن لانبوۃ بعدی (یعنی درحقیقت خدا نے مجھ کو سارے انبیاء پر برگزیدہ کیا پس مجھ کو منتخب کیا اور میرے لیئے ایک وصی اختیار کیا اور میرے ابن عم (علیؑ) میرے خلیفہ اور وزیر ہیں اور اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً علیؑ نبی ہوتے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

پس ان مختصر دلائل کے ساتھ ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ کے لیئے نبوت کا قول صرف ہماری ہی طرف سے نہیں ہے۔ بلکہ خود رسولؐ خدا سے منقول ہے جیسا کہ خود آپ کے علماء نے بھی تصدیق کی ہے کہ آں حضرتؐ کے ارشاد کی بنا پر حضرت علی علیہ السلام مقام نبوت پر پہنچے ہوئے تھے، اور یہ کوئی پیچیدہ اور مشکل امر بھی نہیں تھا جس سے آپ کو تعجب ہوا اور چونکہ مراتب ومنازل ہارونی سے استثنائے متصل کے ساتھ نبوت مستثنیٰ ہوگئی لہذا جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں آپ ہی کے علماء کی شہادت کی بنا پر اس کے علاوہ ہر منصب علیؑ کے لیئے باقی اور ثابت رہتا ہے جن میں سب سے بلند منزل خلافت اور افضلیت ہے۔ کیونکہ خلافت ہارون کے لیئے قرآن مجید صراحت کر رہا ہے۔ سورۂ ۷ (اعراف) آیت نمبر ۱۳۸ میں ارشاد ہے وقال موسیٰ لاخیہ ھٰرون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین (یعنی موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم میں میرے خلیفہ اور جانشین رہو، نیک راستے کی ہدایت کرو اور فساد برپا کرنے والوں کے طریقے پر نہ چلو)۔

حافظ: باوجودیکہ گذشتہ آیات میں آپ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ہارون اپنے بھائی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ امر نبوت میں شریک تھے، پھر کیونکر ان کو خلیفہ قرار دے دیا حالانکہ یہ مسلّم ہے کہ کسی انسان کے شریک کی منزل اس سے بلند ہے کہ اس کا خلیفہ اور جانشین بنے اور اگر شریک کو خلیفہ قرار دے دیں تو گویا اس کے مقام اور مرتبے سے گرا دیا کیونکہ مقام نبوت مقام خلافت سے بالاتر ہے۔

خیر طلب: آپ حضرات میں سے کچھ لوگ بغیر غور وفکر کے اس شبہ میں مبتلا ہو گئے ہیں، حالانکہ اگر آپ تھوڑا سا غور فرما لیتے تو میرے جواب کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ آپ خود جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی نبوت اصالتاً اور حضرت ہارون کی نبوت ان کی تابع تھی گویا کہ یہ ان حضرت کے خلیفہ تھے، اس تقریب کے ساتھ ساتھ کہ حضرت ہارون امر تبلیغ میں اپنے برادر بزرگوار حضرت موسیٰ کے شریک کار بھی تھے۔ چنانچہ خود حضرت موسیٰ کے سوال سے ظاہر ہے جیسا کہ سورہ ۲۰ (طٰہٰ) میں آیت نمبر ۲۶ سے لے کر آیت نمبر ۳۳ تک

آپ کا قول نقل کیا گیا ہے قال رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرًا من اھلی ھرون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری (یعنی پروردگار میرے لئے میرے سینے کو کشادہ کر دے میرے لئے میرے کام کو آسان بنا دے (جو تبلیغ رسالت ہے) میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ میری بات کو لوگ سمجھیں اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر قرار دے، اس کے ذریعے میری پشت کو مضبوط کر اور اس کو میرے امر (تبلیغ رسالت) میں میرا شریک بنا دے) اسی طرح حضرت علی علیہ السلام ہی وہ یکتا جوانمرد تھے جو مقام نبوت خاصہ کے علاوہ تمام مراحل کاملہ اور صفات مخصوصہ میں رسول اکرمؐ کے ساتھ شریک تھے۔

حافظ: میرا تعجب برابر بڑھتا جا رہا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ آپ علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں ایسا غلو کرتے ہیں کہ صاحبان عقل کی عقلیں دنگ اور حیران ہو جاتی ہیں، منجملہ ان کے یہی جملے ہیں جو ابھی آپ نے بیان کئے کہ علی کرم اللہ وجہہ پیغمبرؐ کے تمام صفات وخصائص کے حامل تھے۔

خیر طلب: اول تو اس طرح کی باتیں غلو نہیں ہیں بلکہ عین واقع اور حقیقت ہیں کیونکہ پیغمبرؐ کا جانشین قاعدہ عقلی کے رو سے تمام صفات میں پیغمبر کا نمونہ اور شبیہہ ہونا چاہیئے۔ دوسرے اس معاملے میں تنہا ہم ہی اس حقیقت کے مدعی نہیں ہیں بلکہ خود آپ کے بڑے بڑے علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں اس عقیدے کا اقرار کیا ہے۔

علیؑ تمام صفات میں پیغمبرؐ کے شریک و مماثل تھے

چنانچہ امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اور عالم فاضل سید احمد شہاب الدین نے جو آپ کے بزرگ علماء میں سے ہیں کتاب توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل میں تشریح کے ساتھ اس مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ عبارت لکھتے ہیں ولا یخفی ان مولانا امیر المومنین قد شابہ النبی فی کثیر بل اکثر الخصائل المرضیۃ والفعال الزکیۃ وعاداتہ وعباداتہ واحوالہ العلیۃ وقد صح ذالک لہ بالاخبار الصحیحۃ والاثار الصریحۃ ولا یحتاج الی اقامۃ الدلیل والبرھان ولا یفتقر الی ایضاح حجۃ وبیان وقد عد بعض العلماء لبعض الخصال لامیر المومنین علی التی ھو فیھا نظیر سیدنا النبی الامی (یعنی پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے یہ مطلب کہ ہمارے مولا امیر المومنین (علیہ السلام) بہت سے بلکہ زیادہ تر اچھی خصلتوں، پاکیزہ افعال، عادات عبادات اور اعلیٰ حالات میں رسول اللہ سے مشابہت رکھتے ہیں، یہ بات اخبار صحیحہ اور آثار صریحہ کے ذریعہ پایۂ صحت

کو پہنچی ہوئی ہے، اس کے لئے الگ سے کوئی دلیل و برہان قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ توضیح حجت اور بیان کی احتیاج ہے۔ بعض علماء نے امیرالمومنینؑ کے اُن خصائل میں سے چند کو شمار کیا ہے جن میں آپ پیغمبر خاتمؐ کی نظیر ہیں)۔

منجملہ اُن کے اصل و نسب میں ایک دوسرے کی نظیر ہیں۔ ونظیرہ فی الطہارۃ بدلیل قولہ تعالیٰ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا یعنی آیۂ تطہیر کی دلیل سے علیؑ طہارت میں پیغمبرؐ کی نظیر ہیں (جو پنج تن آل عبا محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام کے لئے نازل ہوئی ہے)۔

ونظیرہ فی ایۃ ولی الامۃ بدلیل قولہ تعالیٰ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون اور آیت مذکورہ میں ولایت اُمت کی حیثیت سے بدلیل انما ولیکم اللہ الخ آں حضرتؐ کی نظیر ہیں (جو باتفاق فریقین حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ اسی کتاب میں تفصیل سے اس کا ذکر آیا ہے)۔

ونظیرہ فی الاداء والتبلیغ بدلیل الوحی الوارد علیہ یوم اعطاء سورۃ براۃ لغیرہ فنزل جبریل قال لا یؤدیھا الا انت او من ھو منک فاستعادھا منہ فاداھا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الموسم یعنی ادائے رسالت اور تبلیغ دین میں سورۂ برأت کے موضوع اور خاتم الانبیاءؐ پر نزول کی دلیل سے آں حضرتؐ کی نظیر ہیں (کیونکہ آں حضرتؐ نے سورۂ برأت کی آیتیں ابوبکر کو دیں کہ انکو لے جائیں اور موسم حج میں اہل مکہ کے سامنے تلاوت کریں، جیسا کہ اسی کتاب میں درج ہے) کہ جبرئیل نازل ہوئے اور عرض کیا کہ رسالت کی تبلیغ کوئی شخص نہیں کر سکتا سوا آپ کے یا اُس شخص کے جو آپ ہی سے ہو، چنانچہ آں حضرتؐ نے آیات سورۂ برأت کو ابوبکر سے لے کر بحکم الٰہی علیؑ کے سپرد کیا اور آپ نے موسم حج میں اُن کی تبلیغ کی۔

ونظیرہ فی کونہ مولی الامۃ بدلیل قولہ (صلی اللہ علیہ والہ) من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ۔ اور مولائے اُمت ہوتے میں آنحضرتؐ کی نظیر ہیں بدلیل ارشاد رسولؐ اغدیر خم میں جیسا کہ اس کتاب میں تفصیل سے ذکر موجود ہے) کہ میں جس شخص کے امور میں اولیٰ بہ تصرف ہوں پس یہ علیؑ بھی اس کے امور میں اولیٰ بہ تصرف ہیں۔

ونظیرہ فی مماثلۃ نفسیھما وان نفسہ قامت مقام نفسہ وان اللہ تعالیٰ اجری نفس علی مجری نفس النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال " ومن حاجک فیہ من بعد ما جاءک

من العلم فقل تعالوا ندع ابناء نا وابناء کم ونساء نا ونساء کم وانفسنا وانفسکم اور اتحاد نفسانی میں آں حضرتؐ کی نظیر ہیں کیونکہ علیؑ کا نفس رسولؐ کے نفس کا قائم مقام ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ نے آیۂ مباہلہ میں (باتفاق فریقین جیسا کہ اس کتاب میں تشریح سے ذکر ہوا ہے) علیؑ کو بمنزلۂ نفس آنحضرتؐ قرار دیا ہے۔ ونظیرہ فی فتح بابہ فی المسجد کفتح باب رسول اللہ وجواز دخول المسجد جنبا کحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السواء اور مسجد کے اندر آپ کا دروازہ بابِ رسولؐ کے مانند کھلا رہنے میں (کیونکہ پیغمبرؐ کے حکم سے سوا خانۂ پیغمبرؐ و علیؑ کے تمام گھروں کے دروازے جو مسجد میں کھلتے تھے بند کر دیے گئے تھے) اور حالت جنابت میں مانند رسولؐ مسجد کے اندر داخل ہونے کی اجازت میں آں حضرتؐ کی نظیر ہیں۔

برادران اہل سنت میں ایک ہمہمہ پیدا ہوا میں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو ان کی طرف سے جواب ملا۔

نواب: اتفاق سے اسی گذشتہ جمعہ کو ہم مسجد میں نماز پڑھنے گئے تو جناب حافظ صاحب نے خطبے میں بعض احادیث کو نقل کرتے ہوئے یہ مسجد کا دروازہ کھلا رکھنے کی فضیلت خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص بتائی، اس وقت جب آپ نے فرمایا کہ یہ علی کرم اللہ وجہہ کی خصوصیت ہے تو حاضرین کو حیرت ہو گئی اور ہماری یہ باتیں اسی قضیے کے سلسلے میں تھیں۔ التماس ہے کہ یہ معما حل فرمائیے۔

خیر طلب: (حافظ صاحب کی طرف رُخ کر کے) کیا آپ نے ایسی کوئی تقریر فرمائی ہے؟

حافظ: ہاں چونکہ ہماری صحیح حدیثوں میں ثقہ اور سچے صحابی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تمام دروازے جو مسجد میں کھلے ہوئے تھے بند کر دیے جائیں سوا در خانۂ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جن کے متعلق فرمایا کہ ابوبکر مجھ سے اور میں ابوبکر سے ہوں۔

خیر طلب: یقیناً آپ کی نظر سے گذر چکا ہو گا کہ بنی امیہ نے اس بات کی سعی بلیغ کی تھی کہ ہر اس فضیلت کے مقابلے میں جو مولا امیر المومنین علیہ السلام کے لیے مخصوص ہو خفیہ کام کرنے والوں اور معاویہ کے دسترخوان کی کاسہ لیسی کرنے والوں جیسے ابوہریرہ، مغیرہ اور عمرو بن عاص وغیرہ کے ذریعہ ایک حدیث گھڑ لیں، اور ان کا یہ عمل برابر جاری تھا، ابوبکر کے ماننے والوں نے بھی اپنی اس انتہائی محبت اور ربط کی وجہ سے جو خلیفہ ابوبکر سے رکھتے تھے ان احادیث کو تقویت پہنچائی چنانچہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد اوّل میں اور خصوصیت کے ساتھ جلد سوم ص۱۷ میں ان واقعات کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے اور کہتے ہیں کہ من جملہ موضوع احادیث کے سوا باب ابوبکر کے دوسرے دروازوں کا بند کرنا بھی ہے "بدیہی بات ہے کہ اس موضوع حدیث کے مقابلے میں بکثرت صحیح حدیثیں موجود ہیں جو شیعوں کی ان معتبر کتابوں کے علاوہ ہیں جن میں

یہ حدیث تواتر اور اجماع کے ساتھ ہے) خود آپ کے اکابر علماء کی معتبر کتب صحاح میں اس قید کے ساتھ کہ یہ صحیح حدیثوں میں سے ہے، نقل کیا گیا ہے کہ لوگوں کے گھروں کے تمام دروازے جو مسجد میں کھلتے تھے رسول اللہ نے بند کروا دیئے تھے سوا در خانۂ علی علیہ السلام کے۔

نواب: چونکہ یہ واقعہ معرض اختلاف میں پڑ گیا ہے۔ جناب حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ خصائص ابوبکر رضی اللہ عنہ میں سے ہے اور جناب عالی فرماتے ہیں کہ خصائص مولانا علی کرم اللہ وجہہ میں سے ہے، لہٰذا ممکن ہو تو ہماری کتابوں سے بعض اسناد کی طرف اشارہ فرمائیے تاکہ سننے والے حافظ صاحب کے اسناد سے مطابقت کر کے بہتر کا انتخاب کر لیں۔

حکم رسولؐ سے مسجد میں تمام گھروں کے دروازے بند کر دیئے گئے سوا خانۂ علیؑ کے دروازے کے

خیر طلب: احمد ابن حنبل نے مسند جلد اوّل ص۱۷۵، جلد دوم ص۲۶ اور جلد چہارم ص۳۶۹ میں، امام ابو عبدالرحمٰن نسائی نے سنن میں اور خصائص العلوی ص۱۳، ۱۴ میں، حاکم نیشاپوری نے مستدرک جلد سوم ص۱۱۷، ۱۲۵ میں اور سبط ابن جوزی نے تذکرہ ص۲۴، ۲۵ میں مفصل بیانات کے ساتھ اس حدیث کو ترمذی اور احمد کے طریق سے ثابت کیا ہے ابن اثیر جوزی نے اسنی المطالب ص۱۲ میں، ابن حجر مکی نے صواعق ص۷۶ میں، ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری جلد ۷ ص۱۲ میں، طبرانی نے اوسط میں، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ جلد ۷ ص۲۰۵ میں، ابن کثیر نے اپنی تاریخ جلد ہفتم ص۳۴۲ میں، متقی ہندی نے کنز العمال جلد ششم ص۴۰۸ میں ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد نہم ص۶۵ میں، محب الدین طبری نے ریاض جلد دوم ص۱۹۲ میں ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص۴۵۱ میں حافظ ابونعیم نے فضائل الصحابہ میں اور حلیۃ الاولیاء جلد ۴ ص۱۸۳ میں جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص۱۱۶ جمع الجوامع، خصائص الکبریٰ اور تعالی المصنوعہ جلد اوّل ص۱۸۱ میں، خطیب خوارزمی نے مناقب میں حموینی نے فرائد میں، ابن مغازلی نے مناقب میں مناوی مصری نے کنوز الحقائق میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ ص۸۷ میں باب ۱۷ کو اسی مضمون کے لئے مخصوص کیا ہے، شہاب الدین قسطلانی نے ارشاد الساری جلد ششم ص۸۱ میں، حلبی نے سیرۃ الحلبیہ جلد سوم ص۲۷۴ میں اور محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول ص۱۷ میں، یہاں تک کہ عام طور پر کبار صحابہ میں سے آپ کے بڑے بڑے علماء نے جیسے خلیفہ عمر بن الخطاب

عبداللہ بن عباس، عبداللہ ابن عمر، زید بن ارقم، براء بن عازب، ابو سعید خدری، ابو حازم اشجعی سعد بن ابی وقاص اور جابر ابن عبداللہ انصاری وغیرہم نے مختلف عبارتوں کے ساتھ رسول اللہ سے نقل کیا ہے کہ آں حضرتؐ نے حکم دے کہ مسجد میں سارے دروازوں کو بند کروا دیا سوا درِ خانۂ علیؑ کے اور خصوصیت کے ساتھ آپ کے بعض اکابر علماء نے بنی امیہ سے فریب کھائے ہوئے لوگوں کی بصیرت افروزی کے لئے کامل توضیحات دیے ہیں، مثلاً محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب کے باب ۵۰ کو اسی موضوع سے مخصوص رکھا ہے اور مستند احادیث نقل کرتے کے بعد ایک بیان اس عنوان کے ساتھ دیا ہے کہ "ھذا حدیث عالی" اس محل پہ کہتے ہیں کہ چونکہ اصحاب کے مکانات کے متعدد دروازے مسجد میں کھلتے تھے اور رسولؐ اللہ نے مساجد کے اندر حالت حیض وجنابت میں داخل ہونے اور ٹھہرنے کو منع فرمایا لہذا حکم دیا کہ مسجد کی طرف تمام گھروں کے دروازے بند کر دیے جائیں البتہ علیؑ کے گھر کا دروازہ کھلا رکھا جائے اس عبارت کے ساتھ کہ سدوا الابواب کلھا الا باب علی بن ابی طالب و اوما بیدہ الی باب علی علیہ السلام یعنی تمام دروازوں کو بند کر دو البتہ خانۂ علیؑ کا دروازہ کھلا رہنے دو اور دست مبارک سے درِ خانۂ علی علیہ السلام کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ یہ حالت جنابت میں مسجد کے اندر داخل ہونے اور ٹھہرنے کا جواز حضرت علی علیہ السلام کا خاص شرف تھا لہذا یہ عمل اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہر جنب وحائض کا مسجدوں میں داخلہ اور توقف ہو سکے۔ انما خص بذالک لعلم المصطفیٰ بانہ یتحری من النجاسۃ ھو و زوجتہ فاطمۃ و اولادہ صلوات اللہ علیھم وقد نطق القرآن بتطھیرھم فی قولہ عزوجل انما یرید اللہ الخ خلاصہ مطلب یہ کہ پیغمبرؐ کا علیؑ کو مخصوص قرار دینا آپ کے لئے اس معنی سے ایک خصوصیت عظمیٰ تھی کہ آں حضرتؐ اس بات کا قطعی علم رکھتے تھے کہ علیؑ و فاطمہؑ اور ان کی اولاد نجاست سے دور اور پاک ہیں، چنانچہ آیۂ تطہیر اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ یہ خاندان جلیل جملہ رجس ونجاسات سے منزہ ہے۔ جو مکمل توضیح اس شافعی عالم نے پیش کی ہے اس کا جناب حافظ صاحب اس حدیث سے موازنہ کریں جو انہوں نے نقل کی ہے۔ اگر ابوبکر کی طہارت پر ان کے پاس کوئی دلیل ہے تو ہمارے سارے معتبر اسناد کو نظر انداز کرتے ہوئے اس خبر کو بیان کریں درآنحالیکہ بخاری ومسلم نے بھی اپنی صحیحین میں اس مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے اس باب میں کہ جنب مسجد میں داخل ہونے اور ٹھہرنے کا حق نہیں رکھتا ہے کیونکہ رسولؐ اکرم نے فرمایا ہے لا ینبغی لاحد ان یجنب فی المسجد الا انا و علی یعنی کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ مسجد میں جنب ہو سوا میرے اور علی کے)۔

معتبر اسناد کے ساتھ اس قسم کی حدیثیں ثابت کرتی ہیں کہ سوا باب علی علیہ السلام کے جملہ دروازے مسدود

کردیے گئے تھے، کیونکہ علاوہ بابِ پیغمبرؐ و علیؑ کے اگر کوئی اور دروازہ کھلا رکھا گیا ہوتا تو ان دونوں بزرگواروں (محمدؐ و علیؑ علیہما السلام) کے علاوہ دوسرے کے لئے بھی حالت جنابت میں مسجد کے اندر آنا اور توقف کرنا جائز ہونا چاہیئے تھا حالانکہ آں حضرتؐ صریحی طور پر فرماتے ہیں۔ لا ینبغی لاحد ان یجنب فی المسجد الا انا و علی۔

پس یہ احادیث برہان قاطع ہیں (کیونکہ بخاری و مسلم نے بھی نقل کیا ہے) اُن حدیثوں کے رد پر جن کو بنی اُمیہ اور عقیدتمندان ابوبکر اور دوسروں نے نقل کیا ہے کہ دوسروں کے لئے بھی دروازہ کھلا رکھا گیا تھا۔

قطعاً اور یقیناً مسلم ہے کہ مسجد کے اندر فتح باب علی علیہ السلام کے خصائص میں سے تھا اگر آپ اجازت دیں تو اس بارے میں اپنے معروضات کو ختم کرتے ہوئے خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب سے ایک حدیث پیش کروں، جس کو حاکم نے مستدرک جلد سیم ص۱۲۵ میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ ضمن باب۵۶ ص۲۱۰ میں ذخائر العقبیٰ امام الحرم سے اور انہوں نے مسند امام احمد ابن حنبل سے، خطیب خوارزمی نے مناقب ص۲۶۱ میں، ابن حجر نے صواعق ص۷۶ میں، سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں، ابن اثیر جزری نے اسنی المطالب میں اور دوسرے حضرات نے بھی الفاظ کی مختصر کمی و بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے کہ خلیفہ عمر نے کہا لقد اوتی (علی) ابن ابی طالب ثلاث خصال لان تکون لی واحدۃ منهن احب الی من حمر النعم زوجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنتہ وسد الابواب الا بابہ وسکناہ المسجد مع رسول اللہ یحل لہ فیہ ما یحل لہ، واعطاہ الرایۃ یوم خیبر (یعنی درحقیقت یقیناً علیؑ ابن ابی طالب کو تین خصلتیں ایسی عطا ہوئیں کہ اگر اُن میں سے ایک بھی مجھ کو حاصل ہوتی تو میرے لئے سُرخ بالوں والے حیوانات (اونٹوں) سے بہتر ہوتی (۱) پیغمبرؐ نے اُن کے ساتھ اپنی دختر کی تزویج کی (۲) (مسجد کے) تمام دروازے بند کر دیئے سوا ان کے دروازے کے، مسجد میں پیغمبرؐ کے ساتھ آرام کیا اور مسجد میں جو کچھ پیغمبر کے لئے جائز ہے وہ اُن کے لئے بھی جائز ہے (۳) اور خیبر کے روز اُن کو (اسلام کا) علم عطا فرمایا۔

میرا خیال ہے کہ جناب نواب صاحب اور دوسرے برادرانِ عزیز کے نزدیک معاملہ حل ہو گیا ہوگا اور کوئی عذر کا راستہ باقی نہ ہوگا۔ جناب حافظ صاحب کو بھی پورا اطمینان ہو گیا ہوگا۔ بہتر ہے کہ ہم اپنی سابق گفتگو اور سید شہاب الدین کے بقیہ بیانات کی طرف پھر رجوع کریں جو اپنی تحقیقات کے آخر میں کہتے ہیں ومن تتبع احوالہ فی الفضائل المخصوصۃ وتفحص احوالہ فی الشمائل المنصوصۃ یعلم انہ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بلغ الغایۃ فی اقتفاء آثار سیدنا المصطفیٰ واتی النہایۃ فی اقتباس انوارہ حیث لم یجد فیہ غیرہ مقتضی۔ انتہی (یعنی اگر کوئی شخص آپ کے مخصوص

فضائل اور منصوص شمائل میں حالات کا تفحص و تجسس کرے تو وہ دیکھے گا کہ آپ رسولؐ اللہ کے قدم بہ قدم ہوتے اور آں حضرتؐ کے انوار کا نمونہ بننے میں کمال کی آخری منزل پر پہنچے ہوئے رہیں اور ان خصوصیات میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں) یہ مولانا امیرالمومنین علیہ السلام کے مدارج عالیہ اور فضائل مخصوصہ کے سلسلے میں خود آپکے علماء کے بیانات اور اعتراف کا صرف ایک نمونہ تھا تاکہ آپ حضرات سمجھ لیں کہ نہ میں نے غلو کیا ہے اور نہ بیجان دعوے پیش کرتا ہوں بلکہ جملہ شیعہ اول سے آخر تک بغیر دلیل و برہان کے کوئی بیان پیش نہیں کرتے ہمارے تمام دلائل و براہین وہی ہیں جن کی جڑ اور بنیاد آپ لوگوں کے پاس خود آپ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جس وقت آپ عوام اور ناواقف لوگوں کے درمیان بیٹھتے ہیں تو اپنے اسلاف کی پیروی میں اپنی حیثیت محفوظ رکھنے کے لئے عادتاً ایک طرفہ فیصلہ کرتے ہوئے رطب و یابس کو باہم مخلوط کر کے ہمتیں لگاتے ہیں اور ان کی نگاہوں میں اصلیت کو مشتبہ بنا تے ہیں پس ان مقدمات کو ذکر کرنے کے بعد ثابت ہوا کہ علی علیہ السلام ساری حیثیتوں میں رسولؐ اللہ کے شریک و نظیر تھے جیسے کہ ہارون حضرت موسیٰؑ کی نسبت تھے۔ لہٰذا جب موسیٰؑ نے ہارون کو تمام بنی اسرائیل کے درمیان اس منصب کے لیے ہر ایک سے زیادہ اہل اور لائق اور سب سے افضل پایا تو پروردگار عالم سے درخواست کی کہ اُن کو میرے کام میں شریک قرار دے تاکہ وہ میرے وزیر بنیں اسی طرح خاتم الانبیاءؐ نے بھی چونکہ ساری اُمت کے درمیان اس عہدے کے لیے کسی کو علیؑ سے زیادہ قابل و لائق نہیں دیکھا جو کل اُمت سے افضل ہو لہٰذا خدائے تعالیٰ سے درخواست کی کہ جس طرح تو نے ہارون کو موسیٰؑ کا وزیر و شریک بنایا علی کو میرا وزیر و شریک قرار دے۔

نواب: قبلہ صاحب آیا اس بارے میں کچھ روایتیں اور بھی منقول ہیں؟

خیر طلب: ہاں علاوہ شیعوں کے اجماع کے اس موضوع پر آپ کی معتبر کتابوں میں بھی بہت سی روایتیں مروی ہیں۔

نواب: اُن روایات میں سے جس قدر ممکن ہو ہم لوگوں کو بھی سنا دیجئے، ہم بہت ممنون ہوں گے۔

خیر طلب: میں حاضر ہوں، اگر آپ حضرات بھی مائل ہوں (اشارہ اہل سنت کے علماء کی طرف)۔

حافظ: کوئی حرج نہیں، کیونکہ نقل حدیث اور اسی طرح اس کا سننا بھی عبادت ہے۔

علیؑ کو اپنا وزیر بنانے کیلئے پیغمبرؐ کا سوال

خیر طلب: ابن مغازلی فقیہ شافعی نے مناقب میں، جلال الدین سیوطی نے تفسیر در منثور میں امام المحدثین احمد ثعلبی نے تفسیر کشف البیان میں اور وسیط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامہ ضمن نزول آیۂ ولایت میں نیز ص۱۴ میں ابوذر غفاری

اور اسماء بنت عمیس (زوجہ ابوبکر) سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ایک روز ہم لوگوں نے مسجد میں نماز ظہر پڑھی اور رسول اللہ بھی موجود تھے کہ ایک سائل نے اٹھ کر سوال کیا کسی نے اس کو کچھ نہیں دیا۔ علی علیہ السلام نماز میں رکوع کے اندر تھے ہاتھ سے اپنی انگلی کی طرف اشارہ کیا سائل نے آپ کی انگلی سے انگوٹھی اتار لی، پیغمبر نے یہ معاملہ دیکھا تو سر مبارک آسمان کی طرف بلند فرمایا اور عرض کیا اللھم ان اخی موسیٰ سئلک فقال رب اشرح لی صدری ویسر لی امری - الایۃ الی قولہ - واشرکہ فی امری فانزل علیہ قرآناً ناطقا سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما یعنی پروردگارا میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے سوال کیا اور کہا خدایا میرے لئے میرا سینہ کشادہ کردے اور میرے لئے میرے کام کو (تبلیغ رسالت میں) آسان کردے۔ یہاں تک کہ کہا میرے بھائی ہارون کو میرا شریک کار بنادے۔ پس ان حضرت پر یہ آیت نازل فرمائی کہ (اے موسیٰ) ہم نے تمہاری دعا قبول کی تمہارے بھائی ہارون کی شرکت و وزارت سے تمہارا بازو مضبوط کرتے ہیں اور تم دونوں کو عالم میں ایسی قدرت وحکومت دیتے ہیں کہ وہ تم پر قابو نہ پاسکیں۔ پھر عرض کیا اللھم وانا محمد صفیک ونبیک فاشرح لی صدری ویسر لی امری واجعل لی وزیرا من اھلی علیاً اشدد بہ ازری (یعنی خداوندا میں محمدؐ تیرا برگزیدہ اور پیغمبر ہوں پس میرا سینہ کشادہ کردے، میرے لئے میرا امر آسان بنادے اور میرے لئے میرے اہل میں سے ایک وزیر قرار دے اور وہ علی ہوں، ان کے وجود سے میری پشت مضبوط فرمادے)۔ ابوذر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ابھی پیغمبر کی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ جبرئیل نازل ہوئے آیۂ انما ولیکم اللہ ورسولہ، الخ آں حضرت کو پہنچائی، انتہیٰ۔ معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ کی دعا مستجاب ہوئی اور علیؑ (مانند ہارون کے موسیٰ کے لئے) وزارت رسولؐ پر برقرار ہوئے۔ محمد بن طلحہ شافعی مطالب السؤل ص۱۹ میں مفصل شرح کے ساتھ اس مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

حافظ ابونعیم اصفہانی نے کتاب منقبۃ المطہرین میں، شیخ علی جعفری نے کنز البراہین میں امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، سید شہاب الدین نے توضیح الدلائل میں، جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں اور آپ کے دوسرے اکابر علماء نے جن کے ناموں کی تفصیل تنگئ وقت کی وجہ سے نظر انداز کرتا ہوں اپنی تصنیفات وتالیفات میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ بعض نے اسماء بنت عمیس (زوجہ ابوبکر) سے اور بعض نے دوسرے صحابہ سے یہاں تک کہ ابن عباس (حبر امت) رضوان اللہ علیہ سے بھی روایت کی ہے کہ اخذ رسول اللہ بیدی وبید علی بن ابی طالب فصلی اربع رکعات یعنی رسولؐ خدا نے میرا ہاتھ اور علی کا ہاتھ پکڑا پھر چار رکعت نماز پڑھی اور ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے عرض کیا اللھم سئلک موسیٰ بن عمران وانا محمد اسئلک ان تشرح لی صدری وتیسر لی امری وتحل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی علیاً

اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری یعنی خداوندا موسیٰ ابن عمران نے تجھ سے سوال کیا (اپنے بھائی ہارون کی وزارت اور امر نبوت و تبلیغ رسالت میں شرکت کے لئے) اور میں محمدؐ تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرا سینہ کشادہ کر دے، میرے امر کو آسان بنا دے، میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھیں اور میرے اہل میں سے میرے لئے ایک وزیر علیؑ کو قرار دے اُن سے میری پشت کو مضبوط کر اور ان کو میرے کام میں شریک قرار دے (جو رسالت اور حقائق کا پہنچانا ہے) - ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے ایک منادی کی آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا یا احمد قد اوتیت ما سئلت یعنی اے احمد تم نے جو کچھ مانگا ہم نے تم کو عطا کیا۔ اس وقت رسول اللہ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاؤ اور اپنے خدا سے دعا کرو تاکہ تم کو کچھ عطا فرمائے۔ پس علیؑ نے ہاتھوں کو بلند کر کے عرض کیا۔ اللّٰھم اجعل لی عندک عھداً واجعل لی عندک ودا - یعنی پروردگارا میرے لئے اپنے نزدیک ایک عہد قرار دے اور میرے لئے اپنے پاس محبت و مودت معین فرما۔ پس جبرئیل نازل ہوئے اور یہ آیۂ شریفہ (آخر سورہ مریم کی) لائے ان الذین امنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمٰن ودا (یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیکو کار بنے خدائے رحمان ان کو محبوب قرار دیتا ہے (یعنی ان کی محبت و مودت کو مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کرتا ہے) اصحاب نے یہ معاملہ دیکھ کر تعجب کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مما تعجبون ان القرآن اربعۃ ارباع فربع فینا اھل البیت خاصًا وربع حلال وربع حرام وربع فرائض واحکام واللہ انزل فی علیؑ کرائم القرآن (یعنی تم کس چیز سے تعجب کرتے ہو؟ قرآن کے چار حصے ہیں ایک ربع ہم اہلبیت کے لئے مخصوص ہے ایک ربع حلال میں ایک ربع حرام میں اور ایک ربع فرائض و احکام میں ہے (خدا کی قسم قرآن مجید کی بزرگ آیتیں علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں)۔

شیخ: اگر اس حدیث کو صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو علی کرم اللہ وجہہ سے اس کو کوئی خصوصیت نہیں بلکہ یہی حدیث دو عظیم الشان خلیفہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی صادر ہوئی ہے چنانچہ قزعہ بن سوید نے ابن ابی ملیکہ سے اس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ابوبکر وعمر منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔

خیر طلب: اگر آپ حضرات تھوڑا غور کر لیتے اور رجال روایت کی طرف رجوع کرتے تو اپنے کو خواہ مخواہ زحمت میں نہ ڈالتے کہ کبھی آمدی کے قول سے اور کبھی انتہائی جھوٹے اور جعل ساز قزعہ بن سوید کے قول سے استدلال کریں، حالانکہ خود آپ کے بڑے بڑے علماء نے اس کو مردود اور اس کی نقل کی ہوئی حدیثوں کو ناقابل قبول ٹھہرایا ہے۔ خصوصاً علامہ ذہبی نے کتاب میزان الاعتدال کے اندر حالات قزعہ بن سوید عکار بن ہارون کے ترجمے میں اس حدیث کا انکار کیا ہے اور کہتے ہیں ھذا کذب (یعنی یہ جھوٹ ہے ۱۲ مترجم) پس جب قزعہ آپ کے علماء کے

نزدیک مردود ہے تو وہ حدیث بھی مردود ہے جو اُس سے منقول ہو۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو مان بھی لیا جائے تو آپ حضرات فرعہ کی روایت کا ذرا اس سلسلۂ روایت سے موازنہ کیجئے جس کو تمام علمائے شیعہ سے قطع نظر جنہوں نے مسلم حیثیت سے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے ہم نے خود آپ ہی کے بزرگ ترین علماء سے نقل کیا ہے۔ اس وقت انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے کہ ان دونوں حدیثوں میں سے کون سی ماننے کے قابل ہے۔

(جب گفتگو یہاں تک پہنچی تو اُن حضرات نے گھڑیوں پر نظر کی اور کہا کہ ہم لوگ بات چیت میں ایسے محو ہو گئے کہ اپنی طرف خیال ہی نہ کیا۔ مدت ہوئی کہ آدھی رات گذر چکی ہے۔ بہتر ہو گا کہ اسی موضوع پر بقیہ بحث کل شب پر رکھی جائے۔ اس کے بعد اُٹھے اور شب بخیر کہہ کے بعافیت تشریف لے گئے)۔

پانچویں نشست

(شب سہ شنبہ ۲۷ رجب ۱۳۴۵ھ ہجری)

(آج مولوی صاحبان اول شب میں اور زیادہ مجمع کے ساتھ تشریف لائے اور چائے وغیرہ کے بعد حافظ صاحب نے بحث کا افتتاح کیا)۔

حافظ: آج میں کافی دیر تک آپ کی کل رات والی تقریروں پر غور کرتا رہا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ آپ ماشاء اللہ بہت زیادہ زبان آور ہیں، اپنی جادو بیانی کے علاوہ آپ چاہتے ہیں کہ حسن تقریر کے ساتھ بات کا بتنگڑ بنا کے یہ ثابت کر دیں کہ اس حدیث منزلت میں پیغمبرؐ بزرگوار نے اپنے بیان مبارک سے علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلا فصل کا اعلان فرمایا ہے حالانکہ یہ حدیث ایک خصوصی پہلو رکھتی ہے اور غزوہ تبوک کے سفر میں ارشاد ہوئی تھی جس کی عمومیت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

منزلت کا لفظ عموم کا فائدہ دیتا ہے

خیر طلب: اگر حضرات حاضرین جلسہ میں سے کسی نے یہ اشکال پیش کیا ہوتا تو حیرت نہ ہوتی لیکن آپ جیسی شخصیت سے سخت تعجب ہے کہ اہل زبان اور ادبیات عرب اور اصول و قواعد کے عالم ہونے کے باوجود کس لئے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں حالانکہ خود جانتے ہیں کہ اہل زبان کے متعارف کلمات میں ہر موقع پر استشناد

اور مستثنیٰ منہ عموم پر دلالت کرتا ہے اور اس حدیث شریف میں بالخصوص کلمۂ منزلت جو عَلَم کی طرف مضاف ہے قطعی اور یقینی طور پر صحت استثناء کی دلیل سے عموم کا فائدہ دیتا ہے اس لئے کہ الا انہ لا نبی بعدی میں استثنائے متصل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو معلوم ہے کہ اصولیین نے اس چیز کی تصریح کر دی ہے کہ اسم جنس مضاف عموم کا فائدہ دیتا ہے خصوصاً جس وقت الف لام کے ساتھ ہو پس آنحضرتؐ کے کلام میں لفظ منزلت جو عَلَم کی طرف مضاف ہے مفید عموم ہے اگرچہ بعض علماء اس نظریے کے خلاف گئے ہیں لیکن بڑے بڑے اور کامل اصولی علماء ہمارے ہی عقیدے کے حامل ہیں کہ مفرد جو معرفہ کی طرف مضاف ہو بنا بر اعم عموم کے لئے ہے اور اس حکم میں اس بات کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کہ معرفہ علم ہو یا ضمیر اور استثناء کا وجود عموم پر دلالت کی شرط نہیں ہے بلکہ صحت استثناء عموم میں کافی ہے۔

پس اس بنا پر انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی عموم پر دلالت کرتا ہے اور جملہ لا نبی بعدی حمل بر معنی ہے جو الا النبوۃ ہے اور حمل بر معنی کا قاعدہ مشہور اور معمول بہا قواعد میں سے ہے جو فصحاء و بلغاء کے کلمات نظم و نثر میں عام طور پر مشتعل ہے۔

حافظ: میرا خیال ہے کہ جناب عالی ذرا گہری نظر ڈالیں تو اس طرف متوجہ ہوں گے کہ انہ لا نبی بعدی جملہ خبریہ ہے اور اس کو منازل ہارونی سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا لہذا ان چیزوں سے ہٹ کے صراحت سے علیحدگی حمل بر معنی اور حذف کلمۂ نبوت کا کیا مطلب ہے؟

خیرطلب: بڑی بے لطفی کی بات ہے کہ آپ نے کج بحثی کا راستہ اختیار کیا ہے حالانکہ آپ جیسے شریف انسان سے یہ بات کچھ بھلی نہیں معلوم ہوتی۔ اگر آپ سابق جملوں پر تھوڑا غور فرمائیں تو سمجھ میں آجائے گا کہ جملہ خبریہ کا جواب عرض ہو چکا۔ اب آپ نے جو یہ فرمایا کہ کس لئے معنی پر حمل کیا اور ظاہری لفظ سے مطلب لیا نہیں کیا تو آپ اس کو خود بہتر جانتے ہیں اور تجاہل عارفانہ کر رہے ہیں کیونکہ علمائے علم بیان کی نظر میں یہ چیز عام ہے کہ کلام کے اختصار اور حسن بیان کے لئے کلمے کو حذف کرتے ہیں اور بلغاء و فصحاء کے فقرات و کلمات میں کثرت سے اس کی نظیریں موجود ہیں جن سے آپ خود اچھی طرح واقف ہیں۔

اس کے علاوہ ہم کو اُس وقت اس تحقیق کی ضرورت ہوگی جب حدیثوں میں نبوت کا لفظ آیا ہو حالانکہ آنحضرتؐ نے کلمۂ نبوت کے ساتھ علی علیہ السلام کے لئے مکرر اس منزلت کا اثبات کیا ہے اور کبھی اختصار کلام اور حسن بیان کی غرض سے کلمۂ نبوت کو حذف کر کے مقصد کا اظہار فرمایا ہے۔ بعض اوقات میں جملہ انہ لا نبی بعدی اور حذف کلمۂ نبوت سے اور کسی وقت کلمۂ الا النبوۃ کے کھلے ہوئے بیان سے حقیقت کو ثابت فرمایا چنانچہ آپ کے بزرگ علماء نے دونوں کو درج کیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند حدیثیں پیش کرتا ہوں تاکہ حجت تمام ہو جائے۔

محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۷۰ میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۹ میں ابن کثیر

نے اپنی تاریخ میں عائشہ بنت سعد سے، انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے رسول خدا سے، سبط ابن جوزی نے تذکرہ صہ۱۲ میں مسند امام احمد اور مسلم وغیرہ سے اور انہوں نے ابوبردہ سے، امام احمد ابن حنبل نے مناقب میں، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی نے (جو ارباب صحاح ستہ میں سے ہیں) خصائص العلوی میں چار حدیثیں اپنے اسناد کے ساتھ سعد بن ابی وقاص سے اور عائشہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور خطیب خوارزمی نے مناقب میں جابر ابن عبداللہ انصاری سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے علیؑ سے فرمایا اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا النبوة (یعنی آیا تم راضی نہیں ہو اس پر کہ مجھ سے تمہاری وہی منزلت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی علاوہ نبوت کے)۔

اور میر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ مودۃ ششم میں ایک حدیث انس ابن مالک سے نقل کی ہے جس کو مکمل طور پر کل شب میں عرض کر چکا[1] اس کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے ولوکان بعدی نبیا لکان علی نبیا و لکن لانبوة بعدی۔

میرا خیال ہے کہ نمونے کے لئے اسی قدر کافی ہو گا تاکہ آپ حضرات مغالطہ نہ دیں بلکہ سمجھ لیں کہ مستثنیٰ نبوت ہے نہ کہ عدم نبوت! اور اس معتبر حدیث سے ثابت ہے کہ جس طرح موسیٰ کلیم اللہ نے اپنی چالیس روز کی غیبت میں امت کا معاملہ اس کے ہاتھ میں نہیں چھوڑا اور ہارون کو جو تمام بنی اسرائیل سے افضل تھے اپنا خلیفہ اور وصی مقرر فرمایا تاکہ امر نبوت آپ کی عدم موجودگی میں مختل نہ ہو، پیغمبر خاتم کا بھی جن کی شریعت کامل تر، جن کے ہدایات ہمہ گیر اور جن کے قوانین روز قیامت تک باقی اور پائدار ہیں بدرجہ اولیٰ یہ فریضہ تھا کہ جاہل لوگوں کو ان کے حال پر نہ چھوڑیں۔ نادان خلقت کو حیرانی میں نہ ڈالیں اور شریعت کو جہال کے ہاتھوں میں نہ دے دیں تاکہ ہر شخص اس میں اپنی منشا کے مطابق تصرفات کرے۔ ایک شخص رائے اور قیاس پر عمل کرے تو دوسرا شریعت اور طریقت کے درمیان فرق قائم کرے اور تخریب پسند عناصر کو موقع ہاتھ آئے کہ ایک خالص اور سادہ ملت کو تہتر حصوں میں تقسیم کریں۔ لہٰذا اس حدیث شریف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ علی مجھ سے بمنزلہ ہارون ہیں موسیٰ سے یعنی سارے مدارج ہارونی کو ان حضرت کے لئے ثابت فرمایا کہ من جملہ ان کے تمام صحابہ و امت پر آپ کی افضلیت اور عہدۂ وزارت و خلافت پر آپ کی تعیین ہے۔ یعنی جس طرح سے ہارون کو موسیٰ نے اپنی غیبت میں خلیفہ قرار دیا تھا علی علیہ السلام بھی میری عدم موجودگی میں میرے خلیفہ ہیں۔

حافظ: آپ نے اس حدیث کی عظمت میں جو کچھ فرمایا وہ تصور سے بالاتر ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ تھوڑا غور فرمائیں تو اس بات کی تصدیق کریں گے کہ اس حدیث میں کوئی عمومیت نہیں ہے کیونکہ یہ صرف غزوہ تبوک سے مخصوص ہے جب کہ ایک معین مدت کے لئے رسول خدا نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا خلیفہ نامزد فرمایا تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صہ۱۵۶۔

حدیث منزلت تبوک کے علاوہ بھی کئی مرتبہ وارد ہوئی ہے

خیر طلب: آپ کا یہ فرمانا اس وقت صحیح ہوتا جب یہ حدیث صرف غزوۂ تبوک ہی میں صادر ہوئی ہوتی، حالانکہ اس حدیث کے فقرے متعدد دبار اور مختلف مقامات پر پیغمبرؐ کی زبان مبارک سے سنے گئے ہیں منجملہ اُن کے پہلی مواخات میں جب کہ مکہ معظمہ کے اندر مہاجرین والنصار کے درمیان برادری قائم فرمائی اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں جب علی علیہ السلام کو اپنا بھائی منتخب فرمایا تو ارشاد ہوا۔ انت منی بمنزلۃ ھٰرون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔

حافظ: یہ ایک عجیب سا بیان ہے کیونکہ اب تک میں نے جہاں تک دیکھا اور سُنا ہے، حدیث منزلت غزوۂ تبوک میں صادر ہوئی تھی کیونکہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو اپنی جگہ پر چھوڑا جس سے آپ دل تنگ ہوئے تو آنحضرتؐ نے اُن جناب کو ان الفاظ سے تسکین دی۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے اپنے بیان میں دھوکا کھایا ہے۔

خیر طلب: نہیں مجھ کو غلط فہمی نہیں ہوئی بلکہ اس پر یقین رکھتا ہوں۔ علاوہ علمائے شیعہ کے اتفاق کے آپ کی بھی بہت سی معتبر کتابوں میں منقول ہے۔ من جملہ اُن کے (فریقین کے نزدیک مقبول القول) مسعودی نے مروج الذہب جلد دوم ص۴۹ میں، حلبی نے سیرۃ الحلبیہ جلد دوم ص۲۶، ۱۲۰ میں، امام ابو عبدالرحمٰن نسائی نے خصائص العلوی ص۱۹ میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ ص۱۳، ۱۴ میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۹، ۱۷ میں مسند امام احمد حنبل سے، عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں، اور خوارزمی نے مناقب میں اس حدیث کو نقل کیا ہے یہاں تک کہ مواخات کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی ایسا ہوا ہے لیکن جلسے کا وقت ان سب کو نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

پس آپ حضرات تصدیق فرمائیے کہ یہ حدیث شریف کوئی محدود حیثیت نہیں رکھتی۔ بلکہ اس کی عمومیت ثابت ہے کیونکہ رسول اللہ نے اس کے ذریعے سے جس موقع پر مناسب سمجھا اپنے بعد علیؑ کی خلافت کو اس عبارت کے ساتھ مضبوط فرمایا۔ علی منی بمنزلۃ ھٰرون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی، چنانچہ اُن موارد میں سے ایک غزوۂ تبوک بھی تھا۔

حافظ: یہ کیونکر ممکن ہے کہ اصحاب رسولؐ نے اس حدیث کو عمومی حیثیت سے سُنا ہو اور علیؑ کو خلافت کے عنوان سے پہچان لیا ہو اس کے باوجود آں حضرتؐ کے بعد مخالفت کر کے دوسرے کی خلافت کو قبول کیا اور اس کی بیعت کی؟ -

خیر طلب: آپ کے جواب کے لئے میرے پاس بہت سے مطالب اور شواہد موجود ہیں۔ لیکن بہترین دلیل جو

اس موقع کے لئے مناسب ہے وہی جناب ہارون کا قضیہ ہے۔

حضرت موسیٰ کا اپنے بھائی ہارون کو خلیفہ بنانا اور سامری کا بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کا فریب دینا

آیات قرآن کی صراحت ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے جناب ہارون کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا پھر بنی اسرائیل کو جمع فرمایا (جو بعض روایات کی بنا پر ستر ہزار تھے) اور ان کو تاکید کی کہ حضرت ہارون کی اطاعت کریں کیونکہ وہ آپ کے خلیفہ اور جانشین ہیں اس کے بعد کوہ طور پر خدا کی مہمانی میں گئے ۔ ابھی مہینہ بھی ختم نہیں ہوا تھا کہ سامری کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اور بنی اسرائیل میں اختلاف ظاہر ہو گیا۔ سامری نے سونے کا بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے ثابت الخلافت خلیفہ ہارون کو چھوڑ کر گروہ در گروہ دغاباز سامری کے گرد اکٹھا ہو گئے، ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ انہیں عقیدتمند بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے حضرت موسیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ہارون میری غیبت میں میرے خلیفہ ہیں، ان کے حکم کی تعمیل کرنا اور مخالفت نہ کرنا، ستر ہزار افراد سامری کے بہکانے سے گوسالہ پرست ہو گئے، جناب ہارون نے ہر چند فریاد کی اور ان کو اس عمل شنیع سے منع فرمایا لیکن کسی نے نہیں سنا بلکہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے چنانچہ سورہ، (اعراف) کی آیت ۱۴۹ صراحت کر رہی ہے کہ جب حضرت موسیٰ واپس تشریف لائے تو جناب ہارون نے ان سے اپنا درد دل بیان کیا کہ ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی یعنی ان لوگوں نے مجھ کو حقیر و ذلیل بنا دیا اور دجب میں نے ان کی مخالفت کی اور روکا تو) قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔ آپ حضرات کو خدا کا واسطہ ذرا تعصب سے ہٹ کے انصاف کیجئے کہ بنی اسرائیل کا یہ عمل، حضرت موسیٰ کے احکام سے سرتابی، ان کے منصوص خلیفہ جناب ہارون کو تنہا چھوڑ دینا اور شعبدہ باز سامری کے بہکانے سے گوسالہ پرست ہو جانا۔ کیا خلافت ہارون کے باطل ہونے اور سامری اور اس کے بچھڑے کے برحق ہونے کی دلیل بن سکتی ہے؟ آیا بنی اسرائیل کے بت پرست لوگوں کی حرکتیں اس چیز کی دلیل قرار دی جا سکتی ہیں کہ اگر خلافت ہارون برحق ہوتی اور لوگوں نے حضرت موسیٰ سے اس بارے میں کوئی نص سنی ہوتی تو ہرگز ان کو تنہا نہ چھوڑتے اور سامری اور اس کے گوسالے کے پیچھے نہ دوڑتے!

آپ حضرات قطعی طور پر جانتے ہیں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے جناب ہارون قرآن مجید کے حکم سے حضرت موسیٰ کے منصوص خلیفہ تھے، بنی اسرائیل نے خود انہیں حضرت کی زبان سے آپ کے بارے میں کھلی ہوئی نص سنی تھی لیکن بالآخر حضرت موسیٰ کے چلے جانے کے بعد مکار سامری کو موقع ہاتھ آیا اور اس نے سونے کا بچھڑا تیار کر کے

جان بوجھ کر قصداً بنی اسرائیل کو فریب دیا اور ان لوگوں نے بھی یہ جانتے ہوئے کہ جناب ہارون حضرت موسےٰ کے خلیفہ و جانشین ہیں اپنی بیوقوفی یا دوسرے مقاصد کی بنا پر سامری کی پیروی کی اور جناب ہارون کو یکہ و تنہا چھوڑ دیا۔

امیر المومنین کے حالات کی مطابقت ہارون کے ساتھ

اسی طرح وفات رسولؐ کے بعد انہیں لوگوں نے جو بار بار آں حضرتؐ سے صراحۃً اور کنایۃً سن چکے تھے کہ علیؑ میرے خلیفہ ہیں جس طرح سے ہارون موسےٰ کے خلیفہ تھے، خواہش نفس اور اقتدار کی ہوس میں، بعض نے بنی ہاشم کی عداوت میں اور ایک گروہ نے اس کینہ و عناد اور حسد و بغض کی وجہ سے جو وہ علیؑ کی ذات سے رکھتے تھے آپ کو چھوڑ دیا اور مخصوص حالات پیدا کئے۔ چنانچہ امام غزالی نے سر العالمین مقالۂ چہارم کے شروع میں اس مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور کھل کے لکھتے ہیں کہ انہوں نے حق کو پس پشت ڈال دیا اور پچھلی جہالت کی طرف پلٹ گئے[1]۔ اسی جہت سے ہارون اور امیر المومنینؑ کے درمیان پوری مشابہت تھی۔ چنانچہ خود آپ کے محققین علماء اور مورخین جیسے دینور کے مشہور قاضی ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ باہلی دینوری نے الامامۃ والسیاسۃ جلد اول ص۱۳ میں سقیفہ کا قضیہ تفصیل سے لکھا ہے یہاں تک کہ کہتے ہیں جس وقت علیؑ کے دروازے پر آگ لے گئے، جبر و تشدد کے ساتھ حضرتؑ کو مسجد میں لائے اور کہا کہ بیعت کرو ورنہ ہم تمہاری گردن ماردیں گے، تو حضرتؑ نے اپنے کو قبر رسولؐ تک پہنچایا اور وہی کلمات کہے جو قرآن مجید نے موسیٰ کے مواجہے میں حضرت ہارون کی زبان سے نقل کئے ہیں کہ ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔

گویا کہ اس حدیث میں پیغمبرؐ علیؑ کو ہارون کی شبیہہ فرما رہے ہیں تو اس کا ایک پہلو امت کو یہ بتانا بھی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسےٰ کی غیبت میں جو سلوک جناب ہارون کے ساتھ کیا تھا وہی سلوک میری وفات کے بعد لوگ علیؑ کے ساتھ کریں گے۔ لہٰذا علی علیہ السلام نے جس وقت امت کی زبردستی اور بازیگروں کی سیاست بازی دیکھی کہ آپ کے قتل پر بھی آمادہ ہیں تو پیغمبرؐ کی قبر مبارک سے خطاب کرتے ہوئے وہی آیت تلاوت فرمائی جس میں خدا نے موسیٰ کے سامنے ہارون کی فریاد کا ذکر فرمایا ہے۔

(اہل جلسہ نے اپنے اپنے سر جھکا لئے اور تھوڑی دیر تک سب کے اوپر سکتے کی سی کیفیت طاری رہی)

نواب: قبلہ صاحب اگر علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی خلافت ثابت تھی تو پیغمبرؐ ان الفاظ اور اشارات و کنایات کے ساتھ کس لئے فرماتے تھے، صاف صاف آپ کی خلافت کا اعلان کیوں نہیں کر دیا کہ فرما دیتے

---

[1] اسی کتاب کے جلسہ نہم کی طرف رجوع کیجئے جس میں بسلسلۂ حدیث غدیر امام غزالی کی اصل عبارت نقل کی گئی ہے۔

علیؑ میرے خلیفہ ہیں، تاکہ کوئی عذر باقی نہ رہتا۔

خیر طلب: میں نے عرض کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے دونوں طریقوں سے حقیقت کا اظہار فرمایا ہے ورنہ خلافت کے بارے میں کھلی ہوئی حدیثیں خود آپ کی معتبر کتابوں میں بھی کثرت سے موجود ہیں، لیکن اس طرح کے کنایات میں صراحت سے زیادہ لطافت ہوتی ہے۔ اہل ادب جانتے ہیں کہ "الکنایۃ ابلغ من التصریح" (یعنی کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے ۱۲ مترجم) اور وہ بھی اس قسم کا کنایہ جس میں معانی و مطالب کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔

نواب: جیسا کہ آپ فرما رہے ہیں خلافت کے بارے میں اُن کھلی ہوئی حدیثوں سے جو ہمارے علماء کی کتابوں میں موجود ہیں اگر پیش نظر ہوں تو ہم کو بھی مستفیض فرمائیے تاکہ حقیقت ظاہر ہو جائے اس لیے کہ ہم سے مکرر یہ بتایا گیا ہے کہ قطعاً ایسی کوئی حدیث جو اُن جناب کی خلافت کو واضح کرتی ہو موجود نہیں ہے۔

خیر طلب: حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت پر کھلی ہوئی حدیثیں آپ کی معتبر کتابوں میں بہت ہیں۔ لیکن جلسے کے وقت کا لحاظ کرتے ہوئے اُن میں سے چند جو اس وقت مجھ کو یاد ہیں پیش کرتا ہوں۔

حدیث الدار یوم الانذار اور پیغمبرؐ کا علیؑ کو خلافت پر معین فرمانا

تمام احادیث سے اہم حدیث الدار ہے اس لیے کہ پہلے ہی دن جب کہ خاتم الانبیاءؐ نے اپنی نبوت کو ظاہر فرمایا تو علیؑ کی خلافت کا اعلان بھی فرما دیا۔ چنانچہ (رئیس الحنابلہ) امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند جزء اول ص ۱۱۱، ۱۵۹ و ص ۳۳۳ میں، امام ثعلبی نے تفسیر آیۂ انذار میں، صدر الائمہ موفق بن احمد خوارزمی نے مناقب میں، محمد بن جریر طبری نے اسی آیت کی تفسیر میں اور تاریخ الامم جزء دوم ص ۲۱۷ میں مختلف طریقوں سے ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم ص ۲۶۳، ص ۲۸۱ میں نقض العثمانیہ ابو جعفر اسکافی سے نقل کرتے ہوئے ابن اثیر نے کامل جزء دوم ص ۲۲ میں مرسل طریقے سے، حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں، بیہقی نے سنن و دلائل میں، ابو الفداء نے اپنی تاریخ جزء اول صفحہ ۱۱۶ میں، حلبی نے سیرۃ الحلبیہ جزء اول ص ۲۸۱ میں، امام عبد الرحمٰن نسائی نے خصائص العلوی ص ۶ حدیث ۶۵ میں، حاکم ابو عبد اللہ نے مستدرک جزء سوم ص ۱۳۲ میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۳۱ میں مسند امام احمد اور تفسیر ثعلبی سے محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایۃ الطالب باب ۵۱ میں، اور آپ کے دوسرے اکابر علماء نے الفاظ و عبارات کی مختصر کمی و بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے کہ جس وقت سورہ ۲۶ (شعراء) کی آیت ص ۲۱۴ "وانذر عشیرتک الاقربین" نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے قریش میں سے چالیس نفر اشراف و رؤسا اور اپنے اعزہ کو اپنے چچا جناب ابو طالب کے گھر میں دعوت

دی اور ان کے سامنے گوسفند کی ایک ران، تھوڑی روٹی اور ایک صاع دودھ پیش فرمایا، وہ لوگ ہنسے اور کہا کہ محمدؐ نے تو ایک آدمی کی خوراک بھی مہیا نہیں کی (کیونکہ ان لوگوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو تنہا ایک اونٹ کا بچہ کھا جاتے تھے) آں حضرتؐ نے فرمایا کلوا بسم اللہ خدائے تعالےٰ کے نام کے ساتھ کھاؤ، چنانچہ جب انہوں نے کھایا اور سیر ہو گئے تو آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ھذا ما سحرکم بہ الرجل محمدؐ نے اس غذا سے تم پر جادو کیا ہے۔ اس وقت آں حضرتؐ ان کے درمیان کھڑے ہوئے اور ان تمہیدوں کے بعد جن کو مکمل طور پر نقل کرنے سے طول ہوگا اس طرح اپنے مقصد کا اظہار فرمایا یا بنی عبد المطلب ان اللہ بعثنی بالخلق کافۃ والیکم خاصۃ وانا ادعوکم الی کلمتین خفیفتین علی اللسان وثقیلتین علی المیزان تملکون بھما العرب والعجم وتنقاد لکم بھما الامم وتدخلون بھما الجنۃ وتنجون بھما من النار شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ فمن یجیبنی الی ھذا الامر ویوازرنی الی القیام بہ یکن اخی ووزیری ووارثی وخلیفتی من بعدی (یعنی اے اولاد عبد المطلب خدائے تعالےٰ نے مجھ کو تمام خلقت پر بالعموم اور تمہاری طرف بالخصوص مبعوث فرمایا ہے۔ میں تم کو ایسے دو کلموں کی طرف دعوت دیتا ہوں جو زبان پر سبک اور آسان اور ترازوے اعمال پر سنگین وگراں ہیں، تم ان دو کلموں کے کہنے سے عرب وعجم کے مالک بن جاؤ گے۔ ساری قومیں تمہاری مطیع ومنقاد ہوں گی۔ ان کے ذریعے سے تم جنت میں جاؤ گے اور جہنم سے نجات پا جاؤ گے اور یہ دونوں کلمے خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دینا ہیں، پس جو شخص (سب سے پہلے) اس امر میں مجھ کو لبیک کہے اور اس کام میں میری اعانت کرے وہ میرا بھائی، میرا وزیر، میرا وارث اور میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا)۔ اس آخری جملے کی تین بار تکرار فرمائی اور تینوں مرتبہ سوا علیؑ کے کسی نے جواب نہیں دیا۔ آپ نے عرض کیا انا انصرک ووزیرک یا نبی اللہ یعنی میں آپ کی مدد اور حمایت کروں گا اے پیغمبر خدا۔

پس آنحضرتؐ نے ان کو خلافت کی خوشخبری دی۔ آب دہان مبارک ان کے دہن میں ڈالا اور فرمایا۔ ان ھذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم۔ یعنی یہ علیؑ میرے بھائی اور تمہارے درمیان میرے وصی وخلیفہ ہیں اور انہیں میں سے بعض کتابوں میں ہے کہ خود علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا انت وصیی وخلیفتی من بعدی یعنی یا علیؑ تم میرے بعد میرے وصی اور خلیفہ ہو۔

علاوہ شیعہ اور سنی علمائے اسلام کے دوسری قوموں کے بعض مورخین نے جنہوں نے تاریخ اسلام لکھی ہے مذہبی تعصب نہ رکھنے کی وجہ سے (کیونکہ وہ نہ سنی تھے اور نہ شیعہ) اس جلسۂ دعوت کی کیفیت نقل کی ہے منجملہ ان کے انگریز مورخ اور فیلسوف تو ماس کارلیل (ٹامس کارلائل) نے جو اٹھارہویں صدی عیسوی میں یورپ کے اندر عالمگیر

شہرت کا مالک تھا اپنی مشہور کتاب میں جس کا مصریوں نے "الابطال وعبادۃ المسیطولہ" کے نام سے عربی ترجمہ کیا ہے خانہ جناب ابوطالبؑ میں قریش کے جلسہ ہمانی کی تفصیل لکھتی ہے، یہاں تک کہ لکھتا ہے، "پیغمبرؐ کی تقریر کے بعد علیؑ نے اپنی جگہ سے اُٹھ کے ایمان کا اعلان کیا اور وہ خلافت کا بزرگ منصب اُن کو حاصل ہوا" پیرس کے دارالفنون کا معلم موسیو پول ہوترور فرانسیسی ایک مختصر رسالے میں جو اس نے حضرت خاتم النبیینؐ کے حالات میں لکھا ہے اور وہ پیرس کے اندر ۱۸۸۲ء میں چھپ چکا ہے، نیز انگلینڈ کا جرجیس صال اور ہاشم نصرانی شامی مقالۃ الاسلام مطبوعہ ۱۸۹۱ء میں صفحہ ۸۳ سے ۸۶ تک باوجود اس تعصب اور مخالفت کے جو اس کو اسلام اور مسلمانوں سے تھی اور خصوصیت کے ساتھ مسٹر جان ڈیون پورٹ جو ایک عالی قدر اور با انصاف مؤلف تھا اپنی قیمتی کتاب "محمد و قرآن" میں روشن خیالی اور پاک دلی کے ساتھ اس کا اقرار کرتا ہے کہ پیغمبرؐ نے تبلیغ رسالت کی ابتداہی میں علیؑ کو اپنا بھائی، وزیر، وصی اور خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔ اس حدیث شریف کے علاوہ اور بہت سے مقامات واوقات میں اس مقصد کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

خلافت علیؑ کے بارے میں واضح حدیثیں

(۱) امام احمد ابن حنبل مسند میں اور میر سید علی ہمدانی شافعی مودۃ القربیٰ آخر مودت چہارم میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا یا علی انت تبرء ذمتی وانت خلیفتی علی امتی (یعنی اے علیؑ تم میری طرف سے برائت ذمہ کرو گے اور تم میری امت پر میرے خلیفہ ہو)۔

(۲) امام احمد نے مسند میں متعدد طریقوں اور متفاوت الفاظ کے ساتھ، ابن مغازلی فقیہ شافعی نے مناقب میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے علی علیہ السلام سے فرمایا انت اخی ووصیی وخلیفتی وقاضی دینی (یعنی اے علیؑ تم میرے بھائی، وصی، خلیفہ اور میرا قرض ادا کرنے والے ہو)۔

(۳) ابوالقاسم حسین بن محمد (راغب اصفہانی) نے محاضرات الادباء ومحاورات الشعراء والبلغاء (مطبوعہ مطبع عامرہ شرفیہ سید حسین آفندی ۱۳۲۶ھ، جلد دوم ص ۲۱۳ میں انس ابن مالک سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ان خلیلی ووزیری وخلیفتی وخیر من اترک بعدی یقضی دینی وینجز موعدی علی بن ابی طالب (یعنی درحقیقت میرے دوست، وزیر، خلیفہ اور بہترین شخص جن کو میں اپنے بعد چھوڑے جاتا ہوں جو میرے قرض کو ادا کریں گے اور میرا وعدہ وفا کریں گے، علی ابن ابی طالب ہیں)۔

(۴) میر سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ اوائل مودت ششم میں خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب سے نقل کرتے ہیں کہ جب پیغمبرؐ نے اصحاب کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا تو فرمایا ھذا علی اخی فی الدنیا والاخرۃ وخلیفتی

فی اھلی ووصی فی امتی ووارث علمی وقاضی دینی مالہ منی مالی منہ نفعہ نفعی وضرہ ضرری
من احبہ فقد احبنی ومن البغضہ فقد البغضنی (یعنی یہ علی دنیا و آخرت میں میرے بھائی ......
...... میرے اہل میں میرے خلیفہ، میری امت میں میرے وصی، میرے علم کے وارث اور میرے قرض کو
ادا کرنے والے ہیں جو حقوق انہیں مجھ سے حاصل ہیں وہی حقوق مجھے ان سے حاصل ہیں ان کا نفع میرا نفع اور ان کا
نقصان میرا نقصان ہے جس نے انکو دوست رکھا اس نے دراصل مجھکو دوست رکھا اور جس نے انکو دشمن رکھا اس نے درحقیقت
مجھکو دشمن رکھا۔

(۵) اسی مودت ششم میں انس ابن مالک سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس کو میں پہلے پیش کر چکا ہوں اس کے آخر
میں ذکر کرتے ہیں کہ رسول خدا نے صریحاً فرمایا وھو خلیفتی ووزیری یعنی علیؑ میرے خلیفہ اور وزیر ہیں۔

(۶) محمد ابن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ترد علی
الحوض رایۃ علی امیر المومنین وامام الغر المحجلین والخلیفۃ من بعدی (یعنی حوض کوثر
کے کنارے میرے پاس امیر المومنینؑ نورانی چہرے اور ہاتھ والوں کے پیشوا اور میرے بعد میرے خلیفہ علیؑ کا علم آئے گا)۔

(۷) بیہقی، خطیب خوارزمی اور ابن مغازلی شافعی نے اپنے مناقب میں نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے علی علیہ السلام
سے فرمایا انہ لا ینبغی ان اذھب الا وانت خلیفتی وانت اولی بالمومنین من بعدی (یعنی
یہ درست نہیں ہے کہ میں لوگوں کے درمیان سے اٹھ جاؤں بغیر اس کے کہ تم (اے علیؑ) میرے خلیفہ اور میرے
بعد تمام مومنین سے اولی ہو)۔

(۸) امام ابو عبد الرحمن نسائی نے جو ائمہ صحاح ستہ میں سے ہیں خصائص العلوی ضمن حدیث ۲۳ میں جس نے
ابن عباس سے تفصیل کے ساتھ حضرت علیؑ کے مناقب نقل کئے ہیں، درجات ہارونی کا ذکر کرنے کے بعد لکھا
ہے۔ کہ رسول اللہ نے علی سے فرمایا انت خلیفتی یعنی فی کل مومن من بعدی، تم میرے خلیفہ ہو یعنی ہر مومن پر میرے بعد۔
بدیہی بات ہے کہ اس جملے اور آخری فقرے سے علی علیہ السلام کو سارے منازل و مراتب ہارونی عطا کرنے کے
بعد آپ کی امارت پر نص جلی فرمائی ہے۔ یعنی تم اے علیؑ میری امت اور تمام مومنین میں میرے بعد میرے خلیفہ ہو۔
اس حدیث اور دوسری مروی احادیث کے اندر پیغمبرؐ کے بیان میں لفظ من یا من بیانیہ ہے یعنی میری موت
کے بعد، یا من ابتدائیہ ہے یعنی تم میری امت میں میری وفات کے اول وقت سے میرے خلیفہ ہو۔ بہر حال دونوں
صورتوں میں ان جملوں سے حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل ثابت اور متحقق ہو گئی کہ حضرت نص جلی و نص خفی کے ساتھ
رسول اللہ کے بعد تمام امت پر خلیفۃ الرسولؐ تھے۔

(۹) حدیث خلفت ہے جو مختلف طریقوں سے نقل ہوئی ہے، من جملہ ان کے امام احمد بن حنبل مسند میں،

میر سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ میں ابن مغازلی شافعی مناقب میں اور دیلمی فردوس میں مختصر تفاوت الفاظ کے ساتھ سلسلہ روایات و اسناد صحیحہ سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا خلقت انا وعلیؑ من نور واحد قبل ان یخلق اللّٰہ تعالیٰ آدم باربعۃ عشر الف عام فلما خلق اللّٰہ تعالیٰ آدم رکب ذالک النور فی صلبہ فلم یزل فی شیٔ واحد حتی افترقا فی صلب عبدالمطلب ففی النبوۃ و فی علی الخلافۃ (یعنی میں اور علیؑ دونوں خلقت آدم سے چودہ ہزار سال پہلے ایک نور سے پیدا کئے گئے، آدم کی پیدائش کے بعد خدا نے اس نور کو ان کی صلب میں قرار دیا پس ہم ہمیشہ بالکل ایک رہے یہاں تک کہ عبدالمطلب کے صلب میں ایک دوسرے سے جدا ہوئے چنانچہ مجھ میں نبوت اور علیؑ میں خلافت آئی)۔

(۱۰) حافظ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ہجری کتاب الولایۃ میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے اوائل خطبۂ غدیر میں فرمایا وقد امرنی جبرئیل عن ربی ان اقوم فی ھذا المشھد واعلم کل ابیض و اسود ان علی ابن ابی طالب اخی ووصیی وخلیفتی والامام بعدی۔ پھر فرمایا معاشر الناس ذالک فان اللّٰہ قد نصبہ لکم ولیا واماما وفرض طاعتہ علیٰ کل احد ما من حکمہ جائز قولہٗ ملعون من خالفہ مرحوم من صدقہ (یعنی جبرئیل نے پروردگار کی طرف سے مجھ کو حکم دیا کہ اس مقام پر ٹھہر جاؤں اور ہر سفید و سیاہ کو آگاہ کردوں کہ علی ابن ابی طالب میرے بھائی میرے وصی، میرے خلیفہ اور میرے بعد امام ہیں اے جماعت مردم خدا نے تم پر علیؑ کو ولی (اولیٰ بہ تصرف) اور امام مقرر فرمایا اور اُن کی اطاعت ہر فرد پر واجب کی، ان کا حکم نافذ ہے اور ان کا قول صحیح ہے۔ ملعون ہے وہ شخص جو اُن کی مخالفت کرے اور خدا کا رحم ہے اس پر جو ان کی تصدیق کرے)۔

(۱۱) شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ میں مناقب احمد سے اور وہ ابن عباس (حبرِ امت) سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جو علاوہ نام خلافت کے اُن حضرت کے بہت سے مخصوص صفات پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک الگ الگ آپ کے مقام خلافت کے اثبات پر ایک قرینہ ہے لہٰذا آپ حضرات کی اجازت سے پوری حدیث پیش کرتا ہوں تاکہ حجت تمام ہو جائے اور سب صاحب سمجھ لیں کہ خاتم الانبیاءؐ کی منزل رسالت کے بعد علی علیہ السلام کا مرتبہ تمام مقامات سے بالاتر ہے۔ خلاصہ یہ کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللّٰہ نے فرمایا۔ یا علی انت صاحب حوضی و صاحب لوائی وحبیب قلبی ووصیی ووارث علمی وخلیفتی وانت مستودع مواریث الانبیاء من قبلی وانت امین اللّٰہ فی ارضہ وحجۃ اللّٰہ علی بریتہ وانت رکن الایمان وعمود الاسلام وانت مصباح الدجی ومنار الھدیٰ والعلم المرفوع لاھل الدنیا یا علی من اتبعک نجی ومن تخلف عنک ھلک وانت الطریق الواضح والصراط المستقیم وانت قائد الغر المحجلین ولیعسوب المومنین وانت مولی

من انا مولاہ وانا مولیٰ کل مؤمن ومومنۃ لا یحبک الا طاھر الولادۃ ولا یبغضک الا خبیث الولادۃ وما عرجنی ربی الی السماء وکلمنی ربی الا قال یا محمد اقرء علیا منی السلام وعرفہ انہ امام اولیائی ونور اھل طاعتی ھنیئاً لک ھذہ الکرامۃ یا علی۔ (یعنی اے علیؑ تم میرے حوض کے مالک، میرے علم کے حامل، میرے دلی دوست، میرے وصی، میرے علم کے وارث اور میرے خلیفہ ہو تم مجھ سے قبل کے سارے انبیاء کی میراثوں کے امانت دار ہو، تم زمین پر خدا کے امین اور تمام مخلوق پر اللہ کی حجت ہو، تم ایمان کے رکن اور اسلام کے محافظ ہو، تم ظلمت کے چراغ، ہدایت کے نور اور اہل دنیا کے لئے بلند کئے ہوئے علم ہو۔ اے علیؑ جو تمہاری پیروی کرے وہ نجات یافتہ ہے اور جو شخص تم سے روگردانی کرے وہ ہلاک ہونے والا ہے، تم راہ روشن اور صراط مستقیم ہو تم سفید چہرے والوں کے پیشوا اور مومنین کے سلطان ہو۔ تم ہر اس شخص کے مولا و آقا ہو جس کا میں مولا و آقا ہوں اور میں ہر مومن و مومنہ کا مولا و آقا ہوں تم کو وہی دوست رکھتا ہے جو حلال زادہ ہے اور تم کو وہی شخص دشمن رکھتا ہے جو حرام زادہ ہے۔ خدا مجھ کو آسمان پر نہیں لے گیا اور مجھ سے کلام نہیں کیا لیکن یہ کہ فرمایا اے محمدؐ علیؑ کو میرا اسلام پہنچاؤ اور ان سے بتادو کہ وہ میرے دوستوں کے امام اور میرے فرمانبرداروں کے نور ہیں۔ پھر آں حضرتؐ نے فرمایا کہ مبارک ہو تم کو یہ کرامت یا علیؑ)۔

(۱۲) ابو المؤید موفق الدین اخطب خطباء خوارزم نے کتاب فضائل امیر المومنین (طبع ۱۳۱۳ھ ہجری) ص ۲۴ میں انیسویں فصل کے ضمن میں اپنے اسناد کے ساتھ حضرت خاتم الانبیاء سے نقل کیا ہے کہ فرمایا۔ میں جس وقت معراج میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا تو خطاب ہوا کہ اے محمدؐ تم نے لوگوں کی آزمائش کی تو کس شخص کو سب سے زیادہ اپنا فرمانبردار پایا؟ میں نے عرض کیا علیؑ کو قال صدقت یا محمد ارشاد ہوا تم نے سچ کہا اے محمدؐ پھر فرمایا فھل اتخذت لنفسک خلیفۃ یؤدی عنک ویعلم عبادی من کتابی مالا یعلمون قال قلت یارب اختر لی فان خیرتک خیرتی قال اخترت لک علیا فاتخذہ لنفسک خلیفۃ ووصیا ونحلتہ علمی وحلمی وھو امیر المومنین حقا لم ینلھا احد قبلہ ولیست لاحد بعدہ (یعنی آیا تم نے اپنے لئے کوئی خلیفہ منتخب کیا ہے جو تمہارے مقاصد کو لوگوں تک پہنچائے اور میری کتاب میں سے میرے بندوں کو ان باتوں کی تعلیم دے جو اُن کو نہیں معلوم ہیں؟ میں نے عرض کیا پروردگار تو جس کو انتخاب فرمائے اُسی کو میں بھی منتخب کرتا ہوں، خطاب ہوا کہ میں نے تمہارے لئے علیؑ کو منتخب کیا پس اُن کو تمہارا خلیفہ اور وصی قرار دیتا ہوں اور اُن کو اپنے علم و حلم سے آراستہ کیا۔ وہ حقیقی امیر المومنین ہیں کہ پہلے والوں میں سے اور بعد والوں میں سے کوئی شخص اس منزلت پر فائز نہیں ہو سکتا)۔

اس طرح کی حدیثیں آپ کی معتبر کتابوں میں بہت ہیں لیکن جتنی اس وقت مجھ کو یاد تھیں وہ میں نے پیش کر دیں تاکہ جناب حافظ صاحب یہ جان لیں کہ میں شاخ و برگ کا اضافہ نہیں کرتا ہوں، بلکہ اصل واقعہ اور حقیقت بیان کرتا ہوں۔ جیسا کہ خود آپ کے بعض انصاف پسند اکابر علماء نے بھی اس مطلب کی تصدیق کی ہے جیسے نظام بصری۔ چنانچہ صلاح الدین صفدی نے وافی بالوفیات ضمن الف ذیل حالات ابراہیم بن سیار بن ہانی بصری معروف بہ نظام معتزلی میں کہا ہے کہ نص النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ان الامام علی و عینہ و عرفت الصحبۃ ذالک ولکن کتمہ عمر لاجل ابی بکر رضی عنہما (یعنی رسول اللہ نے علیؑ کی امامت پر نص فرمائی ہے اور ان کو امام معین فرمایا ہے، اور صحابہ بھی اس بات سے اچھی طرح واقف تھے لیکن عمر نے ابوبکر کی خاطر علیؑ کی امامت و خلافت پر پردہ ڈالا)

افسوس ہے کہ ہم نے رسولؐ کا زمانہ نہیں دیکھا ہے لیکن آج جب ہم حق کا راستہ ڈھونڈھنا چاہتے ہیں تو مجبور ہیں کہ آیات قرآن اور متفق علیہ یقینی صحیح و صریح حدیثوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں قطعی طور پر جو ذات خدا کو محبوب تھی اور آیات قرآن مجید اور کثیر و متواتر احادیث رسولؐ کے دلائل سے جس کو علم و فضل میں مقدم اور ساری امت سے افضل اور برتر ثابت کیا گیا ہے، ہم بھی بجا طور پر اس کی پیروی اور اطاعت کرتے ہیں۔

آپ ہی کی معتبر کتابوں میں جو حدیثیں درج ہیں ان میں بہت سے مقامات پر صراحت کے ساتھ خلافت و ولایت اور وصایت کے الفاظ آئے ہیں، اس کے علاوہ چونکہ علی علیہ السلام خصائص و فضائل کے مجموعہ تھے۔ جیسا کہ گزشتہ شبوں میں ہم نے کچھ اشارے کئے ہیں کہ آپ سوا نبوت خاصہ کے پیغمبر خاتم الانبیاءؐ کے ساتھ تمام خصوصیات میں شریک اور ساری امت سے افضل تھے اور آیات قرآنیہ اور بکثرت اخبار متواترہ کے مطابق افراد بشر میں سے کوئی شخص ان بزرگوار کے فضائل و کمالات میں سے عشر عشیر بلکہ ہزار میں سے ایک پر بھی فائز نہیں ہے جیسا کہ خطیب خوارزمی نے مناقب میں بروایت ابن عباس جمہور سے، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ میں۔ ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ میں سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ میں اور میر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ مودت ہنجم میں خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب سے نقل کیا ہے اور سب نے الفاظ کے مختصر پس و پیش کے ساتھ لکھا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ لو ان الریاض اقلام والبحر مداد و الجن حساب والانس کتاب ما احصوا فضائل علی ابن ابی طالب (یعنی اگر سب درخت قلم بن جائیں۔ سمندر روشنائی ہو جائے سارے جنات حساب کریں اور کل انسان لکھنے والے ہوں جب بھی علیؑ ابن ابی طالب کے فضائل شمار نہیں کر سکتے۔ کیا خوب کہا ہے فارسی کے شاعر نے ؎

کتاب فضل ترا آب بحر کافی نیست　　　　که تر کنی سر انگشت و صفحه بشماری

لہذا حضرت منصب خلافت اور جانشینی رسولؐ کے لئے سب سے بڑھ کر سزاوار اور سب سے زیادہ حقدار تھے۔

شیخ صاحب پھر بھی بولتے ہیں

شیخ عبدالسلام : (حافظ محمد رشید صاحب کی طرف رُخ کر کے کہا) اجازت دیجیئے کہ مختصر طور پر میں بھی کچھ باتیں پیش کروں اور آپ بھی تھوڑی دیر دم لے لیں (پھر میری طرف مخاطب ہوئے کہ) جناب ہم لوگ مولانا علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل کے ہرگز منکر نہیں ہیں لیکن صرف انہیں حضرت پر انحصار کر دینا نامعقول بات ہے کیونکہ پیغمبر کے خاص صحابہ یعنی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک صاحب فضائل تھا اور سب کے سب آپس میں برابر تھے آپ چونکہ یک رُخی گفتگو کر رہے ہیں جس سے ممکن ہے کہ حاضر و غائب حضرات پر حقیقت مشتبہ ہو جائے اور وہ یہ سمجھیں کہ جو کچھ آپ فرما رہے ہیں وہی درست ہے لہذا اجازت دیجیئے کہ ان حضرات کے فضائل میں جو احادیث ہیں کچھ اُن میں سے بھی بیان کر دوں تاکہ خفی بے نقاب ہو جائے۔

خیر طلب : ہم خاص طور پر اشخاص کی طرف توجہ نہیں رکھتے بلکہ عقل و علم اور منطق کے پابند ہیں۔ ہم خود سے یک رُخی گفتگو نہیں کرتے بلکہ قرآنی آیتیں اور فریقین کی متفق علیہ صحیح و صریح حدیثیں ہم کو یک طرفہ پتہ دے رہی ہیں۔ البتہ صحابہ کے بارے میں بھی خدا گواہ ہے کہ جاہلانہ محبت اور دشمنی نہیں رکھتا میں نے ہرگز ایک طرفہ تعصب اختیار نہیں کیا اور نہ کروں گا اور حضرات حاضرین جلسہ سے بھی درخواست ہے کہ جس جگہ پر میرا کوئی تعصب دیکھیں یا کوئی ایسی بات سنیں جو عقل و برہان اور منطق کے مطابق نہ ہو تو مہربانی کر کے توجہ دلا دیں ممنون ہوں گا۔

یہاں فضیلت صحابہؓ سے انکار نہیں لیکن افضل کا انتخاب ہونا چاہیئے

البتہ یہ بالکل درست ہے کہ متفق علیہ اور مقبول الفریقین احادیث کو بیان کیجیئے میں جان و دل سے قبول کروں گا کیونکہ میں نیکو کار پاک صحابہ کی فضیلت سے انکار نہیں کرتا ہو سکتا ہے کہ اُن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر کسی فضیلت کا حامل ہو لیکن ضرورت تو اس کی ہے کہ ایسی ہستی تلاش کی جائے جو فریقین (سُنّی و شیعہ) کے نزدیک ساری امت سے افضل ثابت ہو، اس لئے کہ ہماری بحث صاحب فضل کے بارے میں نہیں ہے، کیونکہ فضلاء بہت ہیں بلکہ یہ پتہ لگانا ضروری ہے کہ رسول اکرمؐ کے بعد کون شخص تمام اُمت سے افضل تھا تاکہ ہم اُس کو عقل و نقل کی روشنی میں مقدم سمجھیں اور اُسی کی پیروی کریں۔

شیخ : یہ تو آپ خواہ مخواہ کی قید لگا رہے ہیں کیونکہ آپ کی کتابوں میں تو ایک حدیث بھی خلفاء کے فضائل میں موجود نہیں ہے لہذا ہم متفق علیہ احادیث کہاں سے پیش کر سکتے ہیں۔

خیر طلب : اولاً یہ اعتراض تو خود آپ ہی کی طرف پلٹتا ہے کہ پہلی شب کو بغیر مطالعہ کیئے ہوئے کیوں بات چیت کی۔ اگر آپ کو یاد ہو تو شب اوّل جناب حافظ صاحب ہی نے یہ شرط رکھی تھی کہ مباحثے کے دوران میں ہمارا استدلال قرآن مجید کے آیات اور فریقین کے متفق علیہ احادیث سے ہو گا، میں بھی چونکہ آپ کی معتبر کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کر چکا تھا لہٰذا اس کو قبول کر لیا۔ آپ اور سارے حاضرین جلسہ گواہ ہیں کہ پہلی رات سے اب تک میں اس قرارداد سے الگ نہیں ہوا اور ثبوت میں صرف قرآن مجید کی آیتوں اور آپ کے موثق علماء کی معتبر کتابوں سے صحیح وصریح احادیث ہی کو پیش کر رہا ہوں اور آئندہ جس وقت تک یہ جلسے قائم رہیں گے اور آپ حضرات کی ملاقات سے مشرف ہوتا رہوں گا، انشاء اللہ اس معاہدے سے باہر نہ جاؤں گا۔ ثانیاً جس وقت آپ نے یہ شرط معین کی تھی تو اس پر غور نہیں کیا تھا کہ ایک وقت خود ہی اس مصیبت میں پھنس جائیے گا؛ پھر بھی میں اس قرارداد کو سخت گیری کا بہانہ نہیں بناتا ہوں، میں حاضر ہوں کہ آپ کی یک طرفہ صحیح اور صریح حدیثوں کو جو گھڑی ہوئی نہ ہوں اور عقلی ونقلی دلائل کے موافق ہوں سنوں اور پھر ہم اور آپ مل کر انصاف کے ساتھ حق فیصلہ کریں، چنانچہ اگر حضرت علی علیہ السلام کی کثرت فضائل سے تقابل ہو جائیے گا تو ہم مان لیں گے۔

شیخ : نصوص خلافت کے سلسلے میں آپ نے حدیثیں نقل کیں لیکن اس سے غافل رہے کہ اس قسم کی احادیث خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیئے بہت آئی ہے۔

خیر طلب : اس بات کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ خود آپ کے اکابر علماء جیسے ذہبی، سیوطی اور ابن ابی الحدید وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ بنی امیہ اور ابوبکر کے ماننے والوں نے ابوبکر کے فضائل میں کثرت سے حدیثیں گھڑی ہیں، نمونے کے طور پر جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے ان بہت میں سے کوئی ایک حدیث نقل فرمائیے" تاکہ منصف اور غیر متعصب فیصلہ کرنے والے اس پر فیصلہ دیں۔

فضیلت ابوبکرؓ میں نقل حدیث اور اس کا جواب کہ یہ وضعی ہے

شیخ : ایک معتبر حدیث عمر بن ابراہیم بن خالد سے وہ عیسیٰ بن علی بن عبداللہ بن عباس سے وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا عباس سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا نے اس بزرگوار سے فرمایا یا عم ان اللہ جعل ابابکر خلیفتی علی دین اللہ فاسمعوا لہ واطیعوا تفلحوا (یعنی اے چچا درحقیقت خدائے تعالیٰ نے ابوبکر کو اللہ کے دین پر میرا خلیفہ بنایا ہے پس ان کی بات سنو اور اطاعت کرو تاکہ نجات پاؤ)۔

خیر طلب : اس سے قطع نظر کہ یہ حدیث یک طرفہ ہے اور ہمارا معاہدہ یہ نہیں تھا کہ ایسی حدیثوں سے استدلال

کریں، یہی یک طرفہ حدیث اگر مردود نہ ہوتی تو ہم اس کے بارے میں بحث کرتے۔

شیخ: کس طرح مردود ہے؟ آپ سبھی مطالب کو زبانی باتوں سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

خیر طلب: آپ کو دھوکا ہوا ہے۔ ہم لفاظی کرنے والے نہیں ہیں بلکہ صاحبان عمل ہیں۔ اس حدیث کو ہم نے رد نہیں کیا ہے بلکہ خود آپ کے بڑے بڑے علماء نے رد کیا ہے، اس لیے کہ اس کے راوی ان کی نظر میں سخت جھوٹے اور جعل ساز ہیں اور اسی وجہ سے اس کو باطل اور درجۂ اعتبار سے ساقط سمجھتے ہیں، چنانچہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابراہیم بن خالد کی کیفیت لکھتے ہوئے اور خطیب بغدادی نے عمر بن ابراہیم کا حال درج کرتے ہوئے اپنی تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ انّہ کذّاب (یعنی یہ بہت بڑا جھوٹا ہے ۱۲ مترجم) پس کذاب اور دروغگو شخص کی حدیث باطل، مردود اور ناقابل قبول ہوا کرتی ہے۔

شیخ: اخبار صحیحہ میں ثقہ صحابی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبرئیل پیغمبرؐ پر نازل ہوئے اور عرض کیا کہ خدا آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں ابوبکر سے راضی ہوں ان سے پوچھو کہ آیا وہ بھی مجھ سے راضی ہیں یا نہیں؟

خیر طلب: یہ بہت ضروری چیز ہے کہ مقدمے کے طور پر ہم اس بات کو سمجھ لیں کہ نقل احادیث میں ہم کو بہت محتاط رہنا چاہیئے تا کہ صاحبان عقل کے اعتراض سے محفوظ رہیں ضمناً آپ کی توجہ اور یاددہانی کے لیئے ایک حدیث نقل کرتا ہوں جو آپ کے اکابر علماء جیسے ابن حجر نے اصابہ میں اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں خود ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کثرت علیّ الکذّاب ومن کذب علیّ متعمّداً فلیتبوّء مقعدہ من النار فکلما حدثتم بحدیث منی فاعرضوہ علیٰ کتاب اللہ (یعنی بہت ہو گئے مجھ پر جھوٹ باندھنے والے اور جو شخص مجھ پر عمداً جھوٹ بولے اس کی قیام گاہ آتش جہنم ہے، جس وقت تمہارے سامنے میری طرف سے کوئی حدیث بیان کی جائے تو اس کو قرآن کے سامنے پیش کرو۔ (یعنی اگر مطابق قرآن ہو تو قبول کرو ورنہ رد کر دو)۔ نیز فریقین کی متفق علیہ حدیث ہے جیسا کہ امام فخرالدین رازی نے بھی تفسیر کبیر جلد سوم ص ۳۷۱ میں آں حضرتؐ سے نقل کیا ہے کہ فرمایا اذا روی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علیٰ کتاب اللہ تعالےٰ فان وافقہ فاقبلوہ والا فردوہ .... (یعنی جس وقت تمہارے لئے میری طرف سے کوئی حدیث نقل کی جائے تو اس کو کتاب خدا پر پیش کرو۔ پس اگر وہ قرآن کے موافق ہو تو قبول کرو ورنہ رد کر دو) چنانچہ آپ کے اکابر علماء کی کتابوں میں وارد ہے کہ رسول اللہؐ کی زبانی حدیثیں گھڑنے والوں میں یہی ابوہریرہ مردود بھی تھے جن سے آپ نے یہ حدیث نقل کی ہے اور بلاوجہ انکو ثقہ بتایا ہے۔

شیخ: آپ کے ایسے جلیل القدر مبلغ و عالم اولاد رسولؐ سے یہ امید نہیں تھی کہ اصحاب پیغمبرؐ کی نسبت طعن اور رد کیجئے گا۔

خیر طلب: اول تو آپ چاہتے ہیں کہ صحابی کی لفظ سے مجھ کو مرعوب کریں حالانکہ یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ صرف صحابی ہونے کو فضل و شرف کا ضامن سمجھتے ہیں، یقیناً رسولؐ کی مصاحبت موثر اور فضل و شرف کا باعث

ہے۔ لیکن اس شرط سے کہ مصاحب آں حضرتؐ کا مطیع و فرمانبردار بھی ہو۔ لیکن اگر آں حضرت کے احکام وہدایات کے خلاف عمل کرے اور ہوا و ہوس کا تابع ہو تو قطعاً مردود اور کبھی ملعون اور نار جحیم وعذاب الیم کا مستحق ہوگا۔ کیا وہ منافقین جن کی بدکرداری کی شہادت اور جہنمی ہونے کی خبر قرآن مجید کی آیتیں دے رہی ہیں رسول کے مصاحبین میں سے نہیں تھے کہ ملعون اور دوزخی قرار پائے۔ پس آپ تعجب نہ کریں کہ ابوہریرہ بھی انہیں مردود و ملعون اور جہنم کے مستحق لوگوں میں سے ہوں۔

شیخ: اوّل تو اُن کا مردود ہونا ثابت نہیں ہے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ بعض کے نزدیک مردود بھی ہوں، تو اُن کے جہنمی ہونے پر کیا دلیل ہے؟ کیا ہر مردود ملعون اور دوزخی ہوتا ہے؟ ملعون تو وہ شخص ہے جو قرآن کریم کی نص صریح یا پیغمبرؐ کے ارشاد سے ملعون ہو۔

ابوہریرہ کی کیفیت اور اُن کی مذمّت

خیر طلب: ابوہریرہ کے مردود ہونے پر دلائل بکثرت اور اظہر من الشمس ہیں جن کی خود آپ کے اکابر علماء نے بھی تصدیق کی ہے من جملہ اُن کے دلائل مردودیت کے یہ ہے کہ بقول رسولؐ ملعون ابن ملعون شخص فرزند ابی سفیان کے سابقون و منافقین اور دورنگے آدمیوں میں سے تھے کیونکہ صفین میں بعض بعض روز نماز تو امیر المومنین کے پیچھے پڑھ لیتے تھے لیکن تر لقمے معاویہ کے مرغن دستر خوان سے اڑاتے تھے، چنانچہ زمخشری نے ربیع الابرار میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اور دوسروں نے بھی نقل کیا ہے کہ جب اُن سے اس دورخی سیاست کا سبب پوچھا جاتا تھا تو کہتے تھے۔ مضیرۃ معاویہ ادسم والصلوٰۃ خلف علی افضل (یعنی معاویہ کا مضیرہ[1] اور کھانا کافی روغن دار ہوتا ہے اور نماز علیؑ کے پیچھے افضل ہے) یہاں تک کہ شیخ المضیرہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔

علیؑ حق اور قرآن سے جُدا نہیں ہیں

حالانکہ (علاوہ اجماع علمائے شیعہ کے) خود آپ کے علماء جیسے شیخ الاسلام حموینی نے فرائد باب ۳۷ میں خوارزمی نے مناقب میں، طبرانی نے اوسط میں، گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں، ابن قتیبہ نے الامامہ والسیاسۃ جلد اول ص ۶۸ میں امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ میں، ابو یعلی نے مسند میں، متقی ہندی نے کنز العمال

---

[1] مضیرہ ایک کھانا ہے جو دودھ کے ساتھ تیار ہوتا ہے اور یہ معاویہ کی مخصوص غذا تھی۔

جلد ششم ص۱۵۷ میں، سعید بن منصور نے سنن میں، خطیب بغداد نے اپنی تاریخ جلد ۱۴ ص۳۲۱ میں، حافظ ابن مردویہ نے مناقب میں، سمعانی نے فضائل الصحابہ میں، امام فخر رازی نے تفسیر کبیر جلد اول ص۱۱۱ میں، ابوالقاسم حسین بن محمد (راغب اصفہانی) نے محاضرات الادباء جلد دوم ص۱۱۳ میں اور دوسرے علماء نے بھی انہیں ابوہریرہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا علیؑ مع الحق والحق مع علی یدور معہ کیف دار (یعنی علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے جو آپ کے ساتھ ہی ساتھ مڑتا ہے) اس کے بعد بھی بر علیؑ کو چھوڑ کے معاویہ کے گرد و پیش چکر لگائیں تو کیا مردود نہیں ہیں؟ جو شخص معاویہ کے افعال شنیعہ اور اس کا ظلم و ستم دیکھ کے خاموش رہے بلکہ مزید برآں دنیاوی منافع حاصل کرنے اپنا پیٹ بھرنے اور جاہ و منصب تک پہنچنے کے لئے ان کا حاشیہ نشین اور مددگار ہو تو کیا وہ مردود نہیں ہے؟

وہ ابوہریرہ جو خود نقل کرتے ہیں جیسا کہ آپ ہی کے اکابر علماء جیسے حاکم نیشاپوری نے مستدرک جلد سوم ص۱۲۴ میں امام احمد حنبل نے مسند میں، طبرانی نے اوسط میں، ابن مغازلی فقیہ شافعی نے مناقب میں، متقی ہندی نے کنز العمال جلد ششم ص۱۵۳ میں، شیخ الاسلام حموینی نے فرائد میں ابن حجر مکی نے صواعق ص۵۷ میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ میں جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص۱۱۶ میں، امام ابو عبدالرحمن نسائی نے خصائص العلوی میں اور دوسروں نے اُن سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا علی مع القرآن والقرآن مع علی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض علی منی وانا من علی من سبہ فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللہ (یعنی علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے، یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض (کوثر) پر میرے پاس آئیں علیؑ مجھ سے اور میں علیؑ سے ہوں، جو شخص علیؑ کو سب و شتم کرے اس نے مجھ کو سب و شتم کیا اور جس نے مجھ کو سب و شتم کیا اس نے خدا کو سب و شتم کیا) اور ساتھ ہی خود دیکھتے ہیں کہ معاویہ بالاعلان اور کھلم کھلا بالائے منبر اور نماز جمعہ کے خطبے میں علیؑ اور حسن و حسین علیہم السلام پر لعنت کرتا ہے نیز حکم دیتا ہے کہ تمام منبروں اور جلسوں میں اُن حضرات پر لعنت کریں، تو جو شخص ایسے ملاعین کا ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو، ان کے عمل سے خوش ہو، پھر ان لوگوں کے ساتھ رہنے سہنے کے علاوہ حدیثیں گھڑ کے ان کی مدد کرے اور لوگوں کو اُن حضرات پر لعنت کرنے کے لئے برانگیختہ اور مجبور کرے کیا وہ مردود نہیں ہے؟ -

شیخ: آیا یہ عقل میں آتا ہے کہ ہم ان تہمتوں کو قبول کر لیں کہ ایک پاک دل صحابی حدیثیں وضع کر کے لوگوں کو علی کرم اللہ وجہہ پر لعنت اور سب و شتم کے لئے مجبور کرے؟ کیا اس قسم کی تہمتیں شیعوں کی تراشی ہوئی نہیں ہیں؟

خیر طلب: یقیناً عقل میں نہیں آتا کہ ایک پاک دل صحابی ایسی حرکت کرے گا۔ اور اگر صحابہ میں سے کسی فرد نے ایسا کیا ہے تو یہ قطعی دلیل ہے اس بات پر کہ اس کا دل پاک نہیں تھا اور وہ حتمی طور پر منافق و مردود اور ملعون ہوگا اس لئے کہ خدا اور رسولؐ کو سب و شتم کرنے والا قطعاً مردود و ملعون اور جہنمی ہے، کیونکہ اس پر بکثرت احادیث کی نص

موجود ہے جیسا کہ اجماع علمائے شیعہ کے علاوہ خود آپ کے اکابر علماء نے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا جو شخص علیؑ کو سب کرے اس نے مجھ کو اور میرے خدا کو سب کیا۔ لیکن آپ نے جو یہ فرمایا کہ اس قسم کی تہمتیں شیعوں کی تراشی ہوئی ہیں تو غالباً آپ نے دھوکے میں یہ سمجھ لیا کہ اپنے کسی عالم سے گفتگو کر رہے ہیں جو اپنا مطلب نکالنے کے لئے جھوٹ کے پل باندھتے اور پاک نفس شیعوں پر تہمتیں عائد کر کے بے خبر عوام کو گمراہ کرتے ہیں اور روز قیامت خدا کے سامنے باز پرس ہونے کا کوئی خوف نہیں رکھتے۔

شیخ: حقیقتاً جب آپ اصحاب رسولؐ پر حدیثیں وضع کرنے کی تہمت لگاتے ہیں تو ہم کیا امید کریں کہ اہل اسلام کے ممتاز افراد اور بزرگ علمائے اہل سنت والجماعت کی طرف بری نسبت نہ دیجیے گا۔ آپ شیعہ لوگوں کی سب سے بڑی ہنرمندی بزرگوں کو برا الزام، تہمت اور گالی دینا ہے۔

خیر طلب: آپ نے بہت زیادتی کی جو ہماری طرف ایسی نسبتیں دیں کیونکہ چودہ سو برسوں کی سنی اور شیعوں کی اسلامی تاریخیں آپ کی گفتگو کے خلاف گواہی دے رہی ہیں۔

مخالفین کے مقابلے میں شیعوں کی مظلومیت

اسلام کے صدر اول اور امویوں کے زمانۂ اقتدار سے لے کر اس وقت تک برابر ائمہ معصومین و اہل بیت طاہرین علیہم السلام کی بزرگ ہستیوں اور ان کے مظلوم شیعوں کو فحش باتیں کہنا، لعنت کرنا، گالی دینا اور تہمت لگانا دستور تھا یعنی امویوں کی سنت وجماعت کے پیرو اسیاسی شعبدہ باز مسلمانوں کا مخصوص طریقہ رہا ہے اور اب تک آپ کے علماء میں سے نمایاں شخصیتیں اپنی معتبر کتابوں میں بے خبر عوام کو بہکاتے اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ وجدائی ڈالنے کے لئے مظلوم شیعوں پر سینکڑوں تہمتیں اور بے سر پیر کے الزامات عائد کر کے ان کو رافضی، کافر، مشرک اور غالی کہہ کر اور اپنے سابق پیشواؤں کے قدم بہ قدم لعن و سب کر کے بے خبر اور صاف دل سنی بھائیوں کی نگاہوں میں ان کو قابل نفرت ثابت کرتے ہیں۔

شیخ: کس سنی عالم نے اپنی کتاب میں شیعوں پر تہمت لگائی اور جھوٹ باندھا ہے؟ اگر آپ اس بات کو ثابت نہ کر سکے تو قطعاً آپ کی شکست سمجھی جائے گی۔ کیونکہ ہمارے علماء نے جو کچھ کہا اور لکھا ہے وہ بالکل حقیقت ہے شیعہ اپنے فاسد اعمال وعقائد کو چھوڑ دیں تاکہ محفوظ رہیں اور ان کی گرفت نہ کی جائے۔

شیعوں پر سُنّی علماء کی جھوٹی نسبتیں اور تہمتیں

خیر طلب: آپ نے مجھ کو مجبور کیا ہے کہ جس قدر مجھ کو یاد ہے اُس میں سے مشتے نمونہ از خروارے اُن ہزاروں دروغ بافیوں بہتانوں اور تہمتوں میں سے اس محترم مجمع کے سامنے کچھ بیان کروں جو آپ کے اکابر علمائے شیعوں پر عائد کی ہیں تاکہ ناواقف لوگوں کے خیالات صاف ہوں، اس کے بعد فیصلہ روشن ضمیر مسلمانوں کے پاکیزہ نفس پر چھوڑ دوں۔

شیعوں پر ابن عبد ربہ کی تہمتیں

آپ کے بزرگان علمائے ادب میں سے ایک صاحب شہاب الدین ابو عمر احمد بن محمد بن عبد ربہ قرطبی اندلسی مالکی متوفی ۳۲۸ھ تھے جنہوں نے عقد الفرید جلد اول ص ۲۶۹ میں موحد و پاک دل شیعوں کو جو اسلام و ایمان کے جوہر کے حامل ہیں، اس امت کے یہودی بتایا ہے اور لکھا ہے کہ جس طرح یہودی نصاریٰ کو دشمن رکھتے ہیں اسی طرح شیعہ بھی اسلام کو دشمن رکھتے ہیں۔ اس کے بعد اسی عنوان کے ساتھ شیعوں پر بہت سی تہمتیں لگائی ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ شیعہ یہودیوں کی طرح تین طلاقوں کا عقیدہ نہیں رکھتے ہیں۔ نیز طلاق کے بعد عدہ کے قائل نہیں ہیں۔

اس وقت جو شیعہ حضرات جلسے میں موجود ہیں بلکہ خود آپ اور تمام وہ سنی صاحبان جو شیعوں کے ساتھ بود و باش رکھتے ہیں کیا ابن عبد ربہ صاحب کی ان تہمتوں پر نہ ہنسیں گے؟ اس لئے کہ ہماری تمام فقہی کتابیں اور عملی رسالے تین طلاق کے مسائل اور طلاق کے بعد عدہ رکھنے کے طریقے سے بھرے ہوئے ہیں جو علاوہ طلاق اور عدہ بعد از طلاق شیعوں کے عملدرآمد کے اس ادیب بے ادب کے جھوٹ پر بھی بہت بڑی دلیل ہیں۔

نیز کہتے ہیں کہ شیعہ یہودیوں کی طرح جبرئیل کو دشمن رکھتے ہیں اس وجہ سے کہ وحی کو ہٹا کر پیغمبر کے پاس کیوں لائے درانحالیکہ علیؑ کے پاس لانا چاہیئے تھا (جلسے میں بیٹھے ہوئے سب شیعہ ہنس پڑے)۔

ملاحظہ فرمایئے کہ شیعہ حضرات اس بات کو سن کر ہی ہنس دیئے تو یہ کب ممکن ہے کہ ایسے مہمل عقیدے کو اپنے دل میں جگہ دیں۔

اگر یہ شخص افریقہ کے گوشے سے آگے بڑھتا یا شیعوں کی کتابیں مہیا کرنے اور پڑھنے کی زحمت کرتا تو خود شرمندہ ہوتا، اور ایسی تہمت نہ لگاتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عمداً ایسا کیا ہو تاکہ ناواقف لوگوں سے حقیقت پوشیدہ رہے اور مسلمانوں کے درمیان جدائی پڑ جائے۔

ہم شیعہ حضرت محمد مصطفےٰ خاتم الانبیاء کو ایک مستقل اور برحق پیغمبر جانتے ہیں کہ آنحضرت پر وحی نازل ہونے میں ہرگز کوئی دھوکا نہیں ہوا اور جبرئیل امین کی منزل اس سے بالاتر جانتے ہیں جس کی طرف اس بے حقیقت شخص نے نسبت دی ہے اور اُن علیؑ بن ابی طالب کے معتقد ہیں جن کی وصایت اور خلافت رسولؐ کے لئے جبرئیل امین نے خدائے تعالیٰ کی طرف سے اعلان کیا ہے [1]

---

[1] ایک مرتبہ جب میں ریل کے ذریعہ چند شیعہ زائروں کے ہمراہ کاظمین سے سامرہ جا رہا تھا تو ہمارے ڈبے میں موصل والوں کی ایک سنی جماعت بھی اپنے قاضیوں اور علماء میں سے دو شخصوں کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ وہ دونوں مسلسل ہم لوگوں پر نکتہ چینی اور تمسخر کر رہے تھے اور تہمتیں لگا رہے تھے۔ ان کو یہ پتا نہیں تھا کہ میں عربی زبان سے واقفیت رکھتا ہوں اور ہم لوگ بھی خاموش بیٹھے رہے یہاں تک کہ ان میں سے ایک قاضی صاحب نے کہا کہ یہ رافضی لوگ بہت ہی فاسد اخلاق و عادات رکھتے ہیں اور سب کے سب بدعتی اور مشرک ہیں۔ مثلاً ان کی ایک عجیب بدعت یہ ہے کہ نماز میں جب سلام دیتے ہیں تو ہاتھوں کو بلند کرتے ہیں اور تین مرتبہ کہتے ہیں خان الامین یعنی امین نے خیانت کی۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ امین کون تھا اور اس کی خیانت کیا تھی؟ شیخ نے کہا کہ شیعہ مذہب والے کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علیؑ و جعفر کوہ حرا میں سو رہے تھے کہ جبرئیل امین خدا کی جانب سے مامور ہوئے کہ نبوت کی وحی علی کو پہنچائیں لیکن انہوں نے خیانت کی اور ان کے عوض خاتم الانبیاء کو پہنچا دی۔ یہی وجہ ہے کہ سارے شیعہ جبرئیل کے دشمن ہیں اور ہر نماز کے بعد تین مرتبہ کہتے ہیں کہ جبرئیل نے خیانت کی یعنی وحی کو علیؑ کے بدلے خاتم الانبیاءؐ کے سپرد کر دیا۔ یہ سن کر مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے کہا شیخ صاحب! جھوٹ اور تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟ کہا کبیرہ ہے۔ میں نے کہا پھر جناب عالی نے اس سفید داڑھی کے ساتھ کس لئے دو بڑے گناہ کئے اور شیعوں پر یہ غلط الزام لگایا؟ انتہائی تمکنت کے ساتھ جواب دیا کہ میں ٹھیک کہتا ہوں۔ میں نے اُن موصلی حضرات سے پوچھا کہ آپ فارسی جانتے ہیں؟ ان میں سے دو تین آدمیوں نے کہا ہاں، تو میں نے دس بارہ نفر بوڑھے اور جوان زائرین کو جو موضوع بحث سے واقف نہیں تھے ایک ایک کر کے آواز دی اور پوچھا کہ آپ لوگ سلام نماز کے بعد جب کانوں تک ہاتھ بلند کرتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم قبولیت نماز کے لئے تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے ہیں۔ میں نے کہا شیخ صاحب اب آپ کو کچھ شرم آئی یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ تم نے ان لوگوں کو سکھا دیا ہے۔ میں نے کہا ذرا خدا کا خوف کیجیے۔ میں تو آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہوں۔ نہ اپنی جگہ سے اٹھا ہوں نہ ایک لفظ زبان سے نکالا ہے۔ پھر میں نے اُن موصلی حضرات کی طرف رُخ کیا اور کہا کہ میں التماس کرتا ہوں کہ آپ صاحبان اُٹھ کر دوسرے ڈبوں میں جایئے اور اُن شیعہ زائرین سے جو اس گاڑی میں سفر کر رہے ہیں، دریافت کیجیے۔ چند ہوشیار اشخاص جو زبان سے واقف تھے گئے اور واپس آ کر غصے کے عالم میں شیخ صاحب پر برس پڑے کہ اس جھوٹ اور افترا سے آپ کا کیا مطلب تھا؟ ہم لوگوں نے تمام دیہاتی اور شہری زائرین سے سوال کیا اور سب نے بالعموم یہی جواب دیا کہ ہم اللہ اکبر کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم نے کلمۂ خان الامین کے متعلق پوچھا تو

(باقی حاشیہ ص ۱۸۷ پر)

نیز کہتے ہیں کہ شیعہ یہودیوں کے مانند ہیں جو سنت رسولؐ پر عمل نہیں کرتے اور جس وقت کسی سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں۔ السلام علیکم یعنی موت ہو تم پر۔ (شیعہ حضرات نے قہقہہ لگایا) شیعوں کا باہمی طرزِ عمل اور برادرانِ اہل سنت کے ساتھ معاشرت کا طریقہ ان کی غلط بیانی پر سب سے بڑی دلیل ہے۔

سب سے زیادہ تعجب تو اس بات پر ہے کہ کہتے ہیں، شیعہ یہودیوں کی طرح تمام مسلمانوں کا خون حلال سمجھتے ہیں اور اسی طرح مسلمانوں کا مال ہضم کر لینا جائز جانتے ہیں۔ حالانکہ آپ خود شیعوں کے اعمال کی گواہی دے سکتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہم کفار تک کے جان و مال تک کو حلال نہیں جانتے تو مسلمان بھائیوں کے جان و مال پر کیونکر تصرف کریں گے شیعہ مذہب میں حق الناس پر دست درازی بہت بڑا گناہ سمجھا گیا ہے اور قتلِ نفس بھی گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔

آپ کے بزرگ علماء میں سے صرف ایک کے بعض اقوال پیش کئے گئے ہیں جلسے کا وقت اجازت نہیں دیتا کہ ان کے ہزلیات پر اس سے زیادہ توجہ کی جائے۔

ابن حزم کی تہمتیں

آپ کے اکابر علماء میں سے ایک صاحب ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ تھے جنہوں نے اپنی مشہور کتاب الفصل فی الملل والنحل میں عجیب عجیب تہمتوں اور دروغ بافیوں کے ساتھ شیعوں پہ حملے کئے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اُس کتاب کی پہلی جلد ملاحظہ فرمایئے تو دیکھئے گا کہ اس میں کتنی مضحکہ خیز باتیں درج ہیں۔ من جملہ ان کے صاف صاف کہتے ہیں کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں بلکہ کافر اور ایسے دروغ گو ہیں جنہوں نے یہود و نصاریٰ کی پیروی اختیار کی ہے اور جلد چہارم صفحہ ۱۸۲ میں کہتے ہیں کہ شیعہ نو عورتوں کے ساتھ نکاح جائز سمجھتے ہیں۔ اس مرد کذاب کی افترا پردازی اور اس عجیب تہمت کے خلاف سب سے بڑی دلیل شیعوں کی صدیوں پرانی استدلالی کتابیں اور علمیہ رسالے ہیں جن میں ہر جگہ یہی حکم ہے کہ چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح دائمی حرام ہے، اس کے متعلق تو فقہا اور صاحبانِ علم و عقل کے علاوہ تمام جاہل اور صحرانشین شیعہ بھی جانتے ہیں کہ جیسا اس نے لکھا ہے ہرگز کبھی ایسا حکم موجود نہیں تھا۔ اگر آپ اس کتاب کے وہ حصے دیکھئے جن میں اس نے اس طرح کے غلط اقوال، تہمتیں، فحش چیزیں اور بُری باتیں شیعوں سے منسوب کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۶) انہوں نے کہا کہ ہم تو اس قسم کے کلمے سے واقف بھی نہیں ہیں ـــــ شیخ صاحب نے کہا میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ شیعہ اسی طرح کہتے ہیں ـــــ وہ جوان لوگ چونکہ تحقیق کر چکے تھے۔ لہٰذا شیخ صاحب کو سخت و سست کہنا شروع کیا کہ ایک عالم کو جب تک کسی چیز کی تحقیق نہ کرے اُس وقت تک زبان سے نہ کہنا چاہئے۔ اس طرح کی حرکتیں اُن تہمتوں میں سے ایک نمونہ ہیں جو بعض سُنّی عالم شیعوں پر تھوپتے ہیں تاکہ عام برادرانِ اہل سنت کو ہم سے بدظن کر دیں۔

ہیں تو واقعاً آپ کو شرمندگی ہوگی۔ یہاں نمونے کے طور پر اسی قدر کافی ہے۔

ابن تیمیہ کی تہمتیں

آپ کے سارے علماء سے زیادہ بدتہذیب بلکہ بے دین احمد ابن عبدالحلیم حنبلی معروف بابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ تھا جو شیعوں بلکہ مولا امیرالمومنین علیہ السلام اور عترت طاہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی حیرت انگیز بغض اور کینہ رکھتا تھا۔ اگر کوئی اس شخص کی کتاب منہاج السنۃ کی جلدیں پڑھے تو اس کی شدید عداوت دیکھ کر مبہوت ہو جاتا ہے، جس نے اسی ذہنیت کی بنا پر قطع نظر اس سے کہ حضرت امیرالمومنین اور اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے بارے میں تمام نصوص صریحہ اور فضائل عالیہ کی تردید و تکذیب کرتا ہے، مظلوم شیعوں پر ایسے عجیب و غریب جھوٹ اور تہمتیں باندھی ہیں کہ ہر سننے والا متحیر اور انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ اگر میں ان میں سے ہر ایک کا جواب دینا چاہوں تو گفتگو کا سلسلہ بہت سی نشستوں کا محتاج ہوگا لیکن اس غرض سے کہ جناب شیخ صاحب یہ سمجھ لیں کہ تہمت اور جھوٹ شیعہ علماء کی نہیں بلکہ انہیں کے بعض علماء کی خصوصیات میں سے ہے نمونے کے طور پر بعض باتیں پیش کر رہا ہوں۔ اور تعجب تو یہ ہے کہ ان جھوٹے الزامات کے باوجود جو خود شیعوں پر عائد کرتا ہے بے خبر عوام کو بہکانے کے لئے جلد اول ص۱۵ پر یہ بھی لکھتا ہے کہ اہل قبلہ فرقوں میں شیعوں سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں ہے چنانچہ اسی وجہ سے صاحبان صحاح نے ان کی روایتوں کو نقل نہیں کیا ہے۔

جلد اول ص۲۳ میں کہتا ہے کہ شیعہ اصول دین چار مانتے ہیں، توحید، عدل، نبوت اور امامت حالانکہ فرقۂ امامیہ کی کتب کلامیہ بالعموم دستیاب ہوتی ہیں جن میں ہر جگہ لکھا ہوا ہے اور میں نے بھی پچھلی شبوں میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شیعوں کے عقیدے میں تین اصول دین یعنی توحید، نبوت اور معاد ہیں، عدل کو توحید کا اور امامت کو نبوت کا جزمانا گیا ہے۔

جلد اول ص۱۳۱ میں کہتا ہے کہ شیعہ مسجدوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، ان کی مسجدیں جمع سے خالی رہتی ہیں۔ ان میں جمعہ و جماعت قائم نہیں کرتے، اور اگر کبھی نماز پڑھتے بھی ہیں تو فرادیٰ پڑھتے ہیں (شیعوں کا پرزور قہقہہ)۔

جناب شیخ! خود آپ نے اور تمام حاضر و غائب برادران اہل سنت نے کیا شیعوں کی مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوئی اور ان میں منعقد ہونے والی جماعتیں نہیں دیکھی ہیں؟ بالخصوص ہمارے عراق و ایران میں جو شیعیت کے مرکز ہیں۔ اور ان کے علاوہ ہر ایک شہر کے اندر شاندار مساجد عبادت گذاروں سے پُر رہتی ہیں۔ بلکہ شیعوں کے جس قریہ اور دیہات میں جائیے گا وہاں ایک مسجد نظر آئے گی جس میں ماہ رمضان المبارک کے علاوہ بھی روز و شب نمازیں اور جماعتیں ہوتی ہوئی ملیں گی۔

آپ جیسے اہل علم حضرات علماء شیعہ کی استدلالی کتب فقہ دیکھیں اور اسی طرح برادران اہل سنت ہمارے فقہاء کے علمیہ رسائل کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ نماز جماعت اور مساجد میں جانے کا کس قدر ثواب نقل کیا گیا ہے۔ یہاں تک

کہ گھروں کی نسبت مسجدوں کے اندر نماز پڑھنے کا ثواب چند در چند زیادہ لکھا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے جہاں تک ممکن ہو شیعہ کوشش کرتے ہیں کہ نمازیں مسجدیں میں اور جماعت کے ساتھ ادا کریں۔

اس کے بعد اندازہ کیجئے کہ اس رسوا کن اور کذاب شخص نے شیعوں کی طرف کتنی جھوٹی نسبتیں دی ہیں۔

نیز اسی صفحے میں کہتا ہے کہ مسلمانوں کی طرح شیعہ حج بیت اللہ کو نہیں جاتے ہیں بلکہ ان کا حج قبروں کی زیارت کرنا ہے حج قبور کو حج خانہ کعبہ سے بالاتر جانتے ہیں بلکہ ان لوگوں کو سب و لعن کرتے ہیں جو حج قبور کو نہیں جاتے ہیں (شیعوں کا قہقہہ)۔

حالانکہ اگر شیعوں کے کتب و رسائل عبادات کو کھول کر دیکھئے تو نظر آئے گا کہ اس عبادت کے سلسلے میں ایک مخصوص فصل قائم کی گئی ہے (بنام کتاب الحج - باب الحج) اس سے قطع نظر کہ ہر فقیہ کی ایک کتاب مناسک حج میں موجود ہے جس میں شیعوں کو ادائیگی حج کے لئے خاص طور پر ہدایتیں دی گئی ہیں، یہاں تک کہ آئمہ معصومین علیہم السلام سے اس قسم کی حدیثیں بھی نقل کی گئی ہیں کہ مسلمان (شیعہ و سنی) اگر مستطیع ہو اور حج بیت اللہ کو ترک کرے تو دائرہ اسلام سے خارج ہے اور موت کے وقت یقال لہ مت ای میتۃ ان شئت یہودیا وان شئت نصرانیا وان شئت مجوسیا (یعنی اس تارک حج سے کہا جاتا ہے تو جیسی موت چاہے مر، چاہے یہودی چاہے نصرانی اور چاہے مجوسی دین پر)۔

آیا عقل باور کرتی ہے کہ ایسی ہدایتوں کے بعد شیعہ قوم حج بیت اللہ کو ترک کر دے گی؟ آپ ایک جاہل دیہاتی شیعہ سے جو عتبات عالیات سے مشرف ہوتا ہے اور قبور آئمہ اطہار کی زیارت بجا لاتا ہے سوال کیجئے کہ عمل حج کہاں بجا لانا چاہیئے؟ تو سوا مکۂ معظمہ کے اور کوئی جگہ نہ بتائے گا۔

اس کے بعد یہ خدا ناشناس انسان ایک بزرگ شیعہ عالم شیخ اجل واعظم محمد بن نعمان مفید علیہ الرحمہ پر بہتان رکھتا ہے کہ ان کی ایک کتاب "مناسک الحج المشاہد" کے نام سے ہے، حالانکہ شیخ علیہ الرحمہ کی کتاب "منسک الزیارات" کے نام سے ہے جو عام طور پر پائی جاتی ہے اور جس میں دوسرے مزارات کی طرح آئمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے مقدس آستانوں سے مشرف ہونے اور زیارت بجا لانے کے قواعد درج ہیں۔

اگر آپ کتب زیارات کا مطالعہ کریں تو ان کے شروع میں لکھا ہوا ملے گا کہ پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی مقدس قبروں کی زیارت مستحب عبادتوں میں سے ہے (نہ واجب)۔

اور اس ناخدا ترس آدمی کی غلط بیانی پر سب سے بڑی دلیل شیعوں کا عمل ہے جو ہر سال ہزاروں کی تعداد میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوتے ہیں اور وہاں سے واپسی کے بعد حاجی کہے جاتے ہیں جو ان کے لئے باعث فخر ہوتا ہے۔[1]

---

[1] خود حقیر مترجم بھی بحمدہ اس شرف سے مشرف ہو چکا ہے اور بچشم خود دیکھا ہے کہ علاوہ عراق و یمن اور ہند و پاکستان وغیرہ کے صرف ایران سے پندرہ ہزار شیعہ حاجی آئے ہوئے تھے ۱۲ مترجم عفی عنہ۔

اب ذرا اس مرد کذاب کی افترا پردازیوں پر غور کیجئے۔

جلد اول ص۱۱ میں کہتا ہے کہ شیعہ اپنے کتوں کے نام ابوبکر اور عمر رکھتے ہیں اور برابر اُن پر لعنت کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ابوبکر اور عمر پر لعنت کی (تعجب کے ساتھ شیعوں کا قہقہہ)۔

واقعاً انسان کو اس شخص کے عناد و تعصب اور بددیانتی پر تعجب ہوتا ہے کہ اس حد تک جھوٹی باتیں اور تہمتیں مظلوم شیعوں سے منسوب کرتا ہے۔ حالانکہ شیعوں کی تمام کتب احکام و اخبار میں اس کے عقیدے کے خلاف کتے کو نجس العین قرار دیا گیا ہے اور ہر مقام پر بتایا گیا ہے کہ اگر کسی مسلمان کے گھر کے اندر کتا ہو تو اُس گھر والوں پر خدا کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔ شیعہ مسلمانوں کو سوا چند مواقع کے (یعنی شکار، گھر کی حفاظت اور گلہ بانی کے لیے) مخصوص شرائط کے ساتھ جن کی وضاحت کر دی گئی ہے، کتا پالنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ یزید سے سبط رسول سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سگ بازی کرتا تھا اور بغیر مذکورہ اسباب کے گھر میں کتا رکھتا تھا۔

اگر ہم کسی شیعہ یا سنی مسلمان کو دیکھتے ہیں کہ اپنے گھر کے اندر کتا پالے ہوئے ہے (بغیر ان وجوہ کے جو مستثنیٰ ہیں) تو ہم اُس کو نہ پکا دیندار سمجھتے ہیں نہ اس سے عقیدت رکھتے ہیں ایسی صورت میں کیونکر ممکن ہے کہ ان سخت تاکیدوں کے باوجود کہ جس گھر میں کتا آزاد ہو وہ گھر نجس ہے، شیعہ اپنے مکان میں کتا رکھیں اور پھر اُن کو صحابہ رسول کے نام سے موسوم کر کے یا سب و لعن کریں۔ افسوس ہے اس طرح کے مسلمان پر۔ خدا کی پناہ اس تعصب و کینہ اور ہٹ دھرمی سے۔

اگر آپ کسی جاہل اور ان پڑھ ہی شیعہ کا پتہ دے دیجئے جس نے ایسی حرکت کی ہو تو ہم اس شخص کی ساری باتیں مانے لیتے ہیں۔ اور اگر آپ ایسا نہ کر سکیں (اور ہرگز نہ کر سکیں گے) تو کینہ پرور ہٹ دھرم اور متعصب لوگوں پر لعنت کیجئے جو اہل علم کا بھیس بدل کے بے خبر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور عداوت کا بیج بوتے ہیں۔

نیز دوسری جلد میں لکھتا ہے کہ شیعہ لوگ چونکہ امام آخر الزمان کے منتظر رہتے ہیں لہٰذا اکثر مقامات پر جیسے سامرہ کے سرداب میں روزانہ گھوڑے یا خچر وغیرہ کی ایک سواری حاضر کرتے ہیں اور اپنے امام کو پکارتے ہیں کہ سواری حاضر ہے ہم سب سلح خدمت کے لئے مستعد ہیں خروج کیجئے۔ ماہ رمضان المبارک کی آخری تاریخوں میں مشرق کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوتے ہیں اور اُن حضرت کو آواز دیتے ہیں کہ خروج کریں اور ان لوگوں میں چند اشخاص نماز ترک کر دیتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو حضرت ظاہر ہو جائیں اور ہم نماز میں مشغول ہوں تو خدمت سے محروم رہ جائیں (سنی و شیعہ حاضرین کا پر زور قہقہہ)۔

مجھ کو اس شخص کی ان ناہنجار باتوں اور بے شمار مضحکہ خیز تہمتوں پر زیادہ تعجب نہیں ہے جس نے دور افتادہ بیابانوں کے ایک گوشے میں بیٹھ کر ایسے ہزلیات پیش کئے ہیں بلکہ تعجب تو آج کے مصر اور دمشق وغیرہ کے علماء پر ہے جو تمام شہروں میں شیعوں کے ساتھ رہتے سہتے ہیں۔ بالخصوص سامرہ میں جہاں کے تمام باشندے برادران اہل سنت ہیں یہاں تک کہ سرداب مقدس کے خدام بھی سب کے سب سنی ہیں، بغیر اُن سے تحقیق کئے ہوئے اور بزرگ علماء سے سنے ہوئے

ابن تیمیہ جیسے لوگوں کے ہزلیات کی پیروی کرتے ہوئے اس طرح کے خرافات ولغویات اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں۔ ؎۱

یہ تھے اکابر علمائے اہل تسنن کی ان تہمتوں، دروغ بافیوں اور اہانتوں کے چند نمونے جو انہوں نے شیعہ جماعت کے سر تھوپی ہیں۔

اگر میں اس طرح کے اُن سارے اقوال کی فہرست پیش کرنا چاہتا جو ابن حجر مکی، حافظ اور قاضی روزبہان وغیرہ کے ایسے علماء سے صادر ہوئے ہیں تو ضرورت تھی کہ بہت سی راتوں تک آپ کا وقت لوں اور اس قسم کے علماء کی فضول باتیں سننے میں آپ کی عمر عزیز ضائع کروں جو دوسروں کے رہنما بننے کے مشتاق تھے، اس لئے کہ اُن کی اکثر کتابوں نے دنیا میں کافی شہرت حاصل کی درآنحالیکہ آپ کے مؤلفین کے علم و اطلاع کے پیش نظر تحقیق کی کسوٹی پر ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

شہرستانی کی غلط کاریاں

مثلاً محمد ابن عبدالکریم شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ کی ملل ونحل ہے جو ارباب تحقیق کی نظر میں ایک پیسے کے برابر بھی قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ جس وقت کوئی شخص اُس کے صفحات کھولتا ہے تو دیکھتا ہے کہ علاوہ اس کے کہ علی پرستی، عقیدہ تناسخ وتشبیہ اور ایسے خرافات کو ہم سے منسوب کیا ہے جو عقل و شرع کے خلاف اور شیعوں کے نفوس اُن سے کوسوں دور ہیں اور بھی کیسی کیسی ناروا نسبتیں اور بے جا تہمتیں شیعوں کو دی ہیں۔ چنانچہ ان سے ظاہر ہے کہ اُس کو تحقیق حقائق اور غور و تامل کی قوت حاصل نہ تھی۔

نیز واضح ہے کہ تاریخی واقعات پر بھی کافی علم و اطلاع نہیں رکھتا تھا۔ دنیا کے ایک کونے میں بیٹھ کر جس نے جو کچھ کہا بغیر کافی تحقیق کے محض خیال پر اُس کو لکھ مارا اور اس کا نام کتاب ملل ونحل رکھ دیا۔

جس وقت کوئی عقلمند انسان کتاب کے کسی حصے میں غلط اور جھوٹی باتیں پاتا ہے تو اُس کی نظر میں ساری کتاب پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کی کیا ذمہ داری ہے کہ اُس نے کتاب کے دوسرے حصوں میں بھی اسی طرح خیالی قلم فرسائی نہ کی ہوگی۔ نمونے کے طور پر ایک سادہ تاریخی واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہوں تاکہ محترم ناظرین اسی جزئی معاملے سے

؎۱ مثلاً عبداللہ القصیمی مصری الصراع بین الاسلام والوثنیہ میں، محمد ثابت مصری الجولۃ فی ربوع شرق الادنیٰ میں، موسیٰ جار اللہ ترکستانی الرد شیعہ فی نقد عقاید الشیعہ میں اور احمد امین مصری فجر الاسلام وضحی الاسلام میں وغیرہ وغیرہ۔

کتاب کے کل مطالب کا وزن سمجھ لیں اور اس نااہل مؤلف کو پہچان لیں۔

وقایع وحالات اثنا عشریہ کے ضمن میں لکھتا ہے کہ حضرت امام محمد تقی کے بعد حضرت امام علی ابن ہادی محمد النقی ہیں اور ان کا روضہ اقدس قم میں ہے۔ حالانکہ ہر عالم وجاہل حتیٰ کہ دشمن اور بچے بھی جانتے ہیں کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی قبر مبارک اپنے فرزند ارجمند حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے پہلو میں سامرہ کے اندر ہے جو بہت عالی شان طلائی گنبد اور حرم کی مالک ہے اور جس کو مطلا کرنے کا فخر مرحوم ناصر الدین شاہ قاچار کو حاصل تھا۔

میرے خیال میں اب اس سے زیادہ کلام کو طول دینے کی ضرورت نہیں ہے میں نے نمونے کے طور پر ہزار میں سے ایک کی طرف اشارہ کر دیا ہے تاکہ جناب شیخ صاحب یہ نہ فرمائیں کہ شیعہ جھوٹ بولتے ہیں اور تہمت لگاتے ہیں بلکہ یہ سمجھ لیں کہ یہ کام خود انہی کے علماء کا ہے۔

اور اب یہ بتانے کی غرض سے کہ تنہا میں نے ہی جناب ابوہریرہ صاحب کی شان میں جسارت نہیں کی ہے اور کوئی الزام نہیں دیا ہے بلکہ اکابر علمائے اہل سنت نے بھی ان کے حالات وواقعات کو درج کیا ہے، اختصار کے ساتھ ان میں سے چند باتوں کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

ابوہریرہ کی مذمّت میں روایات اور اُن کے حالات

ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۳۵۸ نیز جلد چہارم میں اپنے شیخ اور استاد امام ابوجعفر اسکافی سے نقل کرتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان نے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کو مامور کیا تھا کہ علی علیہ السلام پر طعن اور آپ سے بیزاری اختیار کرنے کی قبیح روایتیں گھڑی جائیں اور لوگوں میں مشہور کی جائیں، چنانچہ وہ اشخاص برابر اسی کام میں مشغول رہتے تھے اور برائیوں کی اشاعت کیا کرتے تھے، من جملہ ان کے (جو طعن ومذمت علی علیہ السلام میں احادیث قبیحہ وضع کرتے تھے) ابوہریرہ، عمرو عاص اور مغیرہ بن شعبہ بھی تھے۔

ان فقروں کی پوری تفصیل دیتے ہوئے ص۳۵۹ میں اعمش سے روایت کی ہے کہ جس وقت ابوہریرہ معاویہ کے ساتھ مسجد کوفہ میں وارد ہوئے اور استقبال کرنے والوں کی کثرت دیکھی تو دونوں پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنے لگے (تاکہ لوگ متوجہ ہو جائیں) اس کے بعد کہا اے اہل عراق کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں خدا اور رسول پر جھوٹ بولوں گا اور اپنے لئے جہنم کی آگ مول لوں گا سنو مجھ سے جو کچھ میں نے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ فرمایا ان لکل نبی حرما والمدینۃ حرمی فمن احدث فیہا حدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین قال واشہد باللہ ان علیا احدث فیہا حدثا (یعنی ہر پیغمبر کا ایک حرم ہے اور میرا حرم مدینہ ہے۔ جو شخص مدینے

میں نئی بات پیدا کرے تو اس پر اللہ اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ اس کے بعد ابوہریرہ نے کہا کہ میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ علی نے مدینے میں نئی بات پیدا کی (یعنی لوگوں کو اُبھارا) لہٰذا قول رسول کے مطابق علیؑ پر لعنت کرنا چاہیئے)۔ جب معاویہ کو یہ خبر پہنچی (کہ ابوہریرہ نے ان کی ایسی خدمت انجام دی اور وہ بھی علیؑ کے دارالخلافہ کوفہ میں) تو کسی کو بھیج کر اُن کو بلوایا، ان کی خاطر مدارات کی، انعام دیا اور مدینے کا گورنر بنا دیا، انتہی۔ آیا یہ اعمال اُن کی مردودیت کی دلیل نہیں ہیں؟ اور کیا یہ مناسب ہے کہ جس نے معاویہ کی خوشامد میں خلفائے راشدین کی ایک فرد بلکہ اُن سب میں اکمل وافضل اور اشرف ہستی کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا ہو، ایسے آدمی کو محض اس بنا پر آپ نیک اور ممدوح سمجھیں کہ وہ کبھی رسول اللہ کے صحابہ میں رہ چکا ہے۔

شیخ : شیعوں کے پاس اُن کے ملعون ہونے پر کیا دلیل ہے جو اُن کو مردود و ملعون کہتے ہیں؟

خیر طلب : ہمارے پاس بہت سی دلیلیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ پیغمبر کو گالی دینے والا باتفاق فریقین حتماً ملعون و مردود اور جہنمی ہے، بنا بر اُس حدیث کے جو میں پہلے عرض کر چکا اور جس کو خود آپ کے اکابر علماء نے بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو شخص علی کو گالی دے اُس نے مجھ کو گالی دی اور جس نے مجھ کو گالی دی اُس نے خدا کو گالی دی، اظاہر ہے کہ ابوہریرہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے جو علاوہ مولانا و مولی الموحدین امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر خود سب و لعن کرنے کے، جیسا کہ عرض کر چکا حدیثیں گھڑ گھڑ کے اور سب لوگوں کو بھی اُن حضرت پر سب و شتم کرنے کے لئے مجبور کرتے تھے۔

مسلمانوں پر ظلم اور اُن کے قتل عام میں بُسر ابن ارطاۃ کے ساتھ ابوہریرہ کی شرکت

من جملہ اُن دلائل کے یہ بھی ہے کہ آپ کے بڑے بڑے مورخین جیسے طبری، ابن اثیر، ابن ابی الحدید، علامہ سمہودی، ابن خلدون اور ابن خلکان وغیرہ نے لکھا ہے کہ جس وقت معاویہ بن ابی سفیان نے سفاک و خونخوار، قسی القلب اور شقی النفس بُسر بن ارطاۃ کو شام کے چار ہزار جنگ آزما سپاہیوں کے ساتھ مدینے کے راستے سے اہل یمن اور شیعیان امیرالمومنین علیہ السلام کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تو ان لوگوں نے مدینہ، مکہ، طائف، تبالہ (تہامہ کا ایک شہر) نجران، قبیلہ ارحب (جو ہمدان کے قبیلوں میں سے تھا) صنعا، حضرموت اور اُن کے اطراف میں انتہائی درجہ کی اہانت، سفاکی، قتل عام، ظلم اور تعدی دکھائی، بوڑھے اور جوان بنی ہاشم اور شیعیان امیرالمومنین میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا حتیٰ کہ رسول اللہ کے ابن عم اور امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف سے والی یمن عبیداللہ ابن عباس کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی قتل کر دیا۔ یہاں تک کہ اُس ملعون کے حکم سے اس سفر میں قتل ہونے والوں کی تعداد تیس ہزار نفر سے بھی زیادہ بتائی گئی ہے۔ اُن لوگوں سے تو زیادہ تعجب نہیں ہے اس لئے کہ بنی اُمیہ اور اُن کے پیرو اس سے بھی زیادہ کر چکے ہیں، لیکن حیرت تو آپ کے منظور نظر جناب ابوہریرہ

پر رہے جو اس لشکر کشی میں خونخوار و سفاک بُسر بن ارطاۃ کی معیت اور معاونت میں حاضر اور ان دردناک مظالم کے نگران تھے خصوصیت کے ساتھ اُس ظلم و جور میں جو مدینہ منورہ والوں پر ڈھایا گیا اور وہ بے گناہ اور نہتے لوگ جیسے جابر ابن عبداللہ انصاری اور ابو ایوب انصاری وغیرہ سب کے سب ترساں و لرزاں کچھ ادھر اُدھر بھاگ گئے اور کچھ گھروں میں چھپ گئے لیکن اُن کے گھروں کو بھی مثلاً ابو ایوب انصاری کے مکان کو جو رسول اللہؐ کے خاص صحابہ میں سے تھے آگ لگا دی گئی، ابوہریرہ یہ سب دیکھ رہے تھے اور کچھ نہ بولتے تھے بلکہ اُس کے معاون و مددگار تھے۔

پھر اس رسوائے زمانہ لشکر کے مکۂ معظمہ کی طرف کوچ کرنے کے بعد ابوہریرہ اُسی عنوان نیابت کے ساتھ خاص طور پر وہاں مقیم رہے چنانچہ بعد کو بسر ابن ارطاۃ کے ساتھ یہ کارگزاری اور ہمدردی دکھانے کے صلے میں معاویہ کی طرف سے مدینہ کے گورنر بنائے گئے۔ آپ کو خدا کا واسطہ انصاف سے بتایئے کہ اس دنیا پرست انسان نے جو تین سال تک[1] رسول اللہؐ کی زیارت و مصاحبت سے مشرف رہا! ور پانچ ہزار سے زیادہ حدیثیں آں حضرتؐ سے نقل کیں کیا وہ مشہور احادیث جن کو تمام علمائے فریقین جیسے علامہ سمہودی نے تاریخ المدینہ میں، احمد بن حنبل نے مسند میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ صفحہ ۱۶۳ میں اور دوسرے علماء نے سلسلۂ اسناد کے ساتھ رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے نہیں سنی تھیں کہ آں حضرت مکرر فرماتے تھے۔ من اخاف اهل المدينة ظلما اخافه الله وعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين لا يقبل الله منه يوم القيامة صرفا ولا عدلا لعن الله من اخاف مدينتي - لا يريد اهل المدينة احد بسوء الا اذابه الله في النار ذوب الرصاص (یعنی جو شخص اہل مدینہ کو ظلم سے ڈرائے اُس کو خدا ڈرائے اور اُس پر خدا و ملائکہ اور سارے انسانوں کی لعنت ہو، خدا اس سے قیامت کے روز کوئی چیز قبول نہیں کرے گا۔ خدا لعنت کرے اس شخص پر جو میرے مدینہ والوں کو ڈرائے۔ جو شخص بھی اہل مدینہ کے ساتھ کوئی بد ارادہ کرے گا خدا اُس کو سیسے کی طرح آگ میں پگھلائے گا)۔

پس ایسی صورت میں کیونکر اُس لشکر میں شریک ہوئے جس نے مدینے والوں پر اس قدر ظلم و تعدی کی اور اُن میں خوف و ہراس پھیلایا، قطع نظر اس سے کہ حدیثیں وضع کر کے خلیفہ برحق و وصی رسولؐ اور آنحضرتؐ کی عترت طاہرہ کی مخالفت کی اور لوگوں کو ایسے شخص پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے کی ترغیب دی جس کو سب و شتم کرنا پیغمبرؐ نے اپنے اوپر سب و شتم کرنا قرار دیا تھا۔ خدا کے لئے انصاف کیجئے کہ جو شخص رسول خداؐ کے نام سے جھوٹی حدیثیں تصنیف کرنے میں مشغول رہا ہو کیا وہ

---

[1] طبقات ابن سعد اصابہ ابن حجر اور اکابر علمائے اہل تسنن کی دوسری معتبر کتابوں میں درج ہے کہ ابوہریرہ فتح خیبر میں مسلمان ہوئے اور بروایت بخاری (باب علامات النبوۃ فی الاسلام میں) تین سال سے زیادہ رسول اللہ کی ملاقات سے موفق نہیں رہے۔ ابن حجر نے اصابہ میں، حاکم نے مستدرک میں، ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ اٹھتر سال کی عمر میں ۵۷ھ میں وادی عقیق کے اندر مرے اور ان کا جنازہ مدینے لا کر بقیع میں دفن کیا گیا۔

خدا و رسولؐ کی بارگاہ میں مردود نہ ہوگا۔

شیخ: آپ بے لطفی فرماتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے سب سے زیادہ موثق صحابی کو بے دین اور وضاع و جعلساز کہتے ہیں۔

ابوہریرہ کا مردود ہونا اور عمرؓ کا اُن کو تازیانہ مارنا

خیر طلب: تنہا میں نے ہی ابوہریرہ کے حق میں یہ لطفی نہیں برتی بلکہ سب سے پہلے جس شخص نے اس طرح کی بے لطفی اُن کے ساتھ کی وہ خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب تھے، کیونکہ ارباب تاریخ مثلاً ابن اثیر نے حوادث سنہ ۲۳ھ میں ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ مصر میں نیز اور حضرات نے نقل کیا ہے کہ جب خلیفہ عمر نے سنہ ۲۱ھ میں ابوہریرہ کو بحرین کا گورنر بنایا تو لوگوں نے اُن کو خبر دی کہ انہوں نے کثرت سے مال جمع کیا ہے اور بہت سے گھوڑے خریدے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اُن کو سنہ ۲۳ھ میں معزول کر دیا، یہ جیسے ہی دربار خلافت میں پہنچے تو خلیفہ نے کہا یا عدوّ اللہ وعدوّ کتابہ اسرقت مال اللہ یعنی اے دشمن خدا اور دشمن کتاب خدا کیا تو نے مال خدا کی چوری کی؟ انہوں نے کہا میں نے ہرگز چوری نہیں کی بلکہ لوگوں نے مجھ کو نذرانے دیئے۔

نیز ابن سعد طبقات جلد چہارم صفحہ ۹۰ میں، ابن حجر عسقلانی اصابہ میں اور ابن عبد ربہ عقد الفرید جلد اوّل میں لکھتے ہیں کہ خلیفہ نے کہا اے دشمن خدا جس وقت میں نے تجھ کو بحرین کا حاکم بنایا تھا تو تیرے پاؤں میں جوتیاں تک نہیں لیکن اب میں نے سنا ہے کہ تو نے ایک ہزار چھ سو دینار کے گھوڑے خریدے ہیں، یہ دولت تو کہاں سے لایا؟ انہوں نے کہا کہ یہ لوگوں کے نذرانے ہیں جن کا نفع بہت ہوگیا۔ خلیفہ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور اُٹھ کر ان کی پشت پر اتنے تازیانے مارے کہ خون بہنے لگا، اس کے بعد حکم دیا کہ بحرین میں جو اس نے دس ہزار دینار جمع کئے ہیں وہ اس سے وصول کر کے بیت المال کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔

اور صرف زمانہ خلافت ہی میں اُن کو نہیں مارا بلکہ مسلم اپنی صحیح جلد اوّل صفحہ ۳۴ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے زمانے میں عمر ابن خطاب نے ابوہریرہ کو اس قدر مارا کہ یہ پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑے۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد اوّل اوائل صفحہ ۳۶۰ میں کہتے ہیں قال ابوجعفر (الاسکافی) وابوھریرۃ مدخول عند شیوخنا غیر مرضی الروایۃ ضربہ عمر بالدرۃ وقال قد اکثرت من الروایۃ احری بک ان تکون کاذبا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ (یعنی ابوجعفر اسکافی (شیخ معتزلہ) نے کہا ہے کہ ابوہریرہ ہمارے شیوخ کے نزدیک بیہودہ شخص ہے۔ اس کی روایت ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے، عمر نے اس کو تازیانے سے مارا اور کہا تو نے روایت میں زیادتی کی ہے اور یقیناً تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھوٹی باتیں منسوب کی ہیں)۔

ابن عساکر تاریخ کبیر اور متقی کنز العمال جلد ۲۳۹ میں نقل کرتے ہیں کہ خلیفہ عمر نے اُن کو تازیانے سے مارا اور ڈانٹ ڈپٹ کی اور رسول اللہ سے حدیث نقل کرنے کو منع کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ تو آں حضرت سے روایت زیادہ نقل کرتا ہے اور اسی لائق ہے کہ آں حضرت کی طرف سے جھوٹ بولے (یعنی تیرے ایسے نالائق سے یہی ہو سکتا ہے کہ آں حضرت سے غلط باتیں منسوب کرے) لہذا تجھ کو چاہیئے کہ رسول کی زبان سے حدیث نقل کرنا چھوڑ دے ورنہ میں تجھ کو زمین دوس (یمن میں ایک قبیلہ ہے اور ابو ہریرہ وہیں کے رہنے والے تھے) یا بندروں کی سرزمین پر یعنی اس پہاڑی علاقے میں جہاں بندر کثرت سے رہتے ہیں بھیج دوں گا۔

نیز ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۳۶۰ مطبوعہ مصر میں اپنے اسناد امام ابو جعفر اسکافی سے نقل کیا ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا الا ان اکذب الناس ... او قال اکذب الاحیاء علی رسول اللہ ابو ھریرۃ الدوسی (یعنی آگاہ ہو کہ رسول خدا پر آدمیوں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا یا یہ فرمایا کہ زندوں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا ابو ہریرہ دوسی ہے (دوس یمن میں ایک قبیلہ ہے)۔

ابن قتیبہ تاویل مختلف الحدیث میں، حاکم مستدرک جلد سوم میں، ذہبی تلخیص المستدرک میں اور مسلم اپنی صحیح جلد دوم فضائل ابو ہریرہ میں سب کے سب نقل کرتے ہیں کہ عائشہ نے بار بار ان کی تردید کی اور کہتی تھیں کہ ابو ہریرہ بہت بڑا جھوٹا ہے اور رسول خدا سے منسوب کر کے بہت حدیثیں گھڑتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ابو ہریرہ کو تنہا ہمیں نے مردود نہیں کہا ہے بلکہ خلیفہ عمر، مولانا امیرالمومنین، ام المومنین عائشہ اور صحابہ و تابعین کے نزدیک بھی یہ مردود تھے۔ چنانچہ شیوخ معتزلہ اور ان کے بعد حنفیوں کے علماء بالعموم ابو ہریرہ کی حدیثوں کو مردود جانتے ہیں اور جس حکم کی سند ابو ہریرہ تک منتہی ہوتی ہے اس کو باطل سمجھتے ہیں، چنانچہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں بالخصوص جلد چہارم کے اندر اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

آپ کی جماعت کے بڑے پیشوا امام اعظم ابو حنیفہ کہتے تھے کہ صحابہ رسول عام طور پر ثقہ اور عادل تھے، میں ہر ایک سے ہر سند کے ساتھ حدیث لے لیتا ہوں لیکن جس حدیث کی سند ابو ہریرہ، انس ابن مالک اور سمرہ بن جندب تک منتہی ہوتی ہو اس کو قبول نہیں کرتا، لہٰذا آپ حضرات ہم پر یہ اعتراض نہ کیجئے کہ ابو ہریرہ صحابی پر کیوں نکتہ چینی کرتے ہو! ہم انہیں ابو ہریرہ پر نقد و تبصرہ کرتے ہیں جن کو خلیفہ ثانی عمر نے تازیانے مارے اور بیت المال کا چور اور کذاب کہا ہے۔ ہم انہیں ابو ہریرہ کی گرفت کرتے ہیں جن پر ام المومنین عائشہ، امام اعظم ابو حنیفہ، کبار صحابہ، تابعین اور بڑے بڑے معتزلی اور حنفی شیوخ و علماء نے تنقید کی ہے اور مردود کہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہم انہیں ابو ہریرہ کی تنقید کرتے ہیں جن کو مولانا و مولی الموحدین امیرالمومنین اور آئمہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام نے جو عدیل قرآن ہیں کذاب اور مردود فرمایا ہے۔ ہم انہیں ابو ہریرہ کی عیب گیری کرتے ہیں جو پیٹ کے بندے تھے۔ اور

امیرالمومنینؑ کی افضلیت سے واقف ہوتے ہوئے اُن حضرت سے کنارہ کشی کر کے معاویہ کے چرب و نرم دسترخوان کے حاشیہ نشین بنتے تاکہ لوگ ان کی حدیث سازی کے بل پر امام المتقین اور خلیفۃ المسلمین کو (جن کو آپ بھی خلفائے راشدین میں سے مانتے ہیں) سب وشتم اور لعنت کریں۔

اب اس سے زیادہ جلسے کا وقت لینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ نیز اس کی معافی چاہتا ہوں کہ آپ کا اتنا وقت صرف کیا۔ چونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ ہم بے لطفی کرتے ہیں لہذا میں نے چاہا کہ یہ ثابت کر دوں کہ ہم تنہا نہیں ہیں بلکہ خلفاء و صحابہ اور خود آپ کے بڑے بڑے علماء بھی ان کی مردودیت کے مقر اور معترف ہیں۔ پس جب ایسے جعلساز اور وضاع افراد نے جاہ و منصب تک پہنچنے اور اپنی دنیا آباد کرنے کے لئے رسول اللہؐ کے نام سے حدیثیں گھڑ گھڑ کے صحیح احادیث میں مخلوط کر دی ہیں تو ایسی صورت میں ہر حدیث پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے، چنانچہ اسی وجہ سے آنحضرت نے فرمایا ہے کلما حدثتم بحدیث منی فاعرضوہ علیٰ کتاب اللہ (ترجمہ گذر چکا ۱۲ مترجم)۔

(چونکہ ہم ایک خاص موضوع میں سرگرم بحث تھے۔ لہذا مولوی صاحبان کی نماز میں قدرے تاخیر ہو گئی۔ جب گفتگو یہاں تک پہنچی تو وہ حضرات اٹھ گئے نماز عشا اور چائے کے بعد بات چیت شروع ہوئی)۔

خیر طلب: سابق بیانات کے پیش نظر اب ہم اور آپ مجبور ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول احادیث میں سے کوئی حدیث سامنے آئے تو پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کریں، اگر قرآن کی کسی اصل سے مطابق ہو تو قبول کریں ورنہ رد کر دیں۔

اس فرضی حدیث کا جواب کہ خدا نے فرمایا میں ابوبکرؓ سے راضی ہوں، وہ بھی مجھ سے راضی ہیں، یا نہیں

یہ حدیث جو آپ نے نقل کی ہے (اگرچہ یک طرفہ ہے پھر بھی) ہم قرآن مجید سے اس کی مطابقت کرتے ہیں اگر کوئی نقص مانع نہ ہو گا تو ہم قطعاً مان لیں گے۔ چنانچہ ایک جماعت نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ خدائے تعالیٰ سورۂ ۵۰ (ق) آیت ۱۵ میں فرماتا ہے ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید (یعنی ہم نے انسان کو خلق کیا ہے، اس کے نفس میں جو وسوسے آتے ہیں اُن سے اچھی طرح واقف ہیں اور رگِ گردن سے زیادہ اس سے قریب ہیں) آپ حضرات واقف ہیں کہ حبل الورید ایک مشہور مثل ہے جو انتہائی قربت کے معنی میں مستعمل ہے اور اس کا اضافہ بیانی ہے اور ممکن ہے کہ اضافہ لامی زینت کے لئے ہو اور اس آیۂ شریفہ کا اصل مفہوم

اس طرف راجع ہے کہ خدائے تعالےٰ کا علم انسان کے حالات پر اس طرح حاوی ہے کہ سینوں کے اندر چھپی ہوئی باتوں اور دلوں کے اسرار میں سے کوئی شے اُس کی ذات اقدس پر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔

اور سورہ عنا (یونس) آیت ۶۲ میں ارشاد ہے وما تکون فی شان وما تتلوا منہ من قرآن ولا تعملون من عمل الا کنا علیکم شھودا اذ تفیضون فیہ وما یعزب عن ربک من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء ولا اصغر من ذالک ولا اکبر الا فی کتاب مبین (یعنی اے ہمارے رسولؐ) تم کسی حال میں ہو، قرآن کی کوئی آیت تلاوت کرو اور تم اور تمہاری امت کوئی عمل بھی بجا لاؤ ہم اسی وقت اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اور زمین و آسمان میں کوئی ذرہ بھی تمہارے خدا سے پوشیدہ نہیں ہے اور اس میں سے ہر چھوٹا بڑا ذرہ جو کچھ بھی ہے کتاب مبین (اور لوح علم الٰہی) میں درج ہے)۔

ان آیات شریفہ کے حکم اور عقلی دلائل کی تائید کے پیش نظر کوئی قول وفعل خدا سے مخفی نہیں رہتا اور پروردگار عالم اپنے علم حضوری کے ساتھ بندوں کے تمام اعمال وافعال اور اقوال کا عالم ہے۔ اب ذرا اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیے جو آپ نے بیان کی کہ ان دونوں آیتوں اور دوسری آیات شریفہ کے ساتھ ہم اس کو کس طرح مطابق کریں اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ ابوبکر کی رضامندی اور نا رضامندی خدا سے پوشیدہ ہو یہاں تک کہ وہ خود اُن سے دریافت کرنے کا محتاج ہو۔ علاوہ اس کے حق تعالےٰ کی خوشنودی خوشنودی خلق سے وابستہ ہے، بندہ جب تک رضا کی منزل تک نہ پہنچے قطعاً خدا کا محبوب نہیں ہوسکتا، پس خدا کیونکر ابوبکر سے رضامندی کا اعلان کر رہا ہے حالانکہ ابھی اُس کو یہ نہیں معلوم کہ ابوبکر مقام رضا پر پہنچے اور خدا سے راضی ہیں یا نہیں!

ابوبکرؓ اور عمرؓ کی فضیلت میں احادیث اور اُن کا ردّ

شیخ: اب اس میں تو کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ان اللہ یتجلی للناس عامۃ و یتجلی لابی بکر خاصۃ (یعنی خدا تمام انسانوں کے لئے عام طور پر اور ابوبکر کے لئے خاص طور پر جلوہ دکھائے گا) نیز فرمایا ہے ما صب اللہ فی صدری شیئا الا صبہ فی صدر ابی بکر (یعنی خدا نے میرے سینے میں کوئی چیز نہیں ڈالی لیکن یہ کہ وہی چیز ابوبکر کے سینے میں بھی ڈالی) نیز فرمایا انا وابوبکر کفرسی رھان (یعنی میں اور ابوبکر اُن دو گھوڑوں کی مثل ہیں جو گھوڑ دوڑ میں ایک دوسرے کے برابر ہوں) نیز فرمایا ان فی السماء الدنیا ثمانین الف ملک یستغفرون لمن احب ابابکر وعمر وفی السماء الثانیۃ ثمانین الف ملک یلعنون من ابغض ابابکر وعمر۔ (یعنی آسمان دنیا میں اسی ہزار فرشتے اُس شخص کے لئے استغفار کرتے ہیں جو ابوبکر وعمر کو دوست رکھے

اور دوسرے آسمان میں اسی ہزار فرشتے لعنت کرتے ہیں اُس شخص پہ جو ابوبکر و عمر کو دشمن رکھے) نیز فرمایا ہے ابوبکر و عمر خیر الاولین والآخرین (یعنی ابوبکر و عمر اولین و آخرین میں سب سے بہتر ہیں) اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی عظمت منزلت اس حدیث سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ فرمایا خلقنی اللہ من نورہ و خلق ابا بکر من نوری وخلق عمر من نور ابی بکر و خلق امتی من نور عمر و عمر سراج اهل الجنة (یعنی خدا نے مجھ کو اپنے نور سے ابوبکر کو میرے نور سے عمر کو ابوبکر کے نور سے اور میری اُمت کو عمر کے نور سے پیدا کیا اور عمر اہل جنت کے چراغ ہیں)۔

اس طرح کی حدیثیں ہماری معتبر کتابوں میں بہت وارد ہیں جن میں سے نمونے کے طور پر میں نے بعض کی طرف اشارہ کر دیا ہے تاکہ آپ پر مقام خلفاء کی حقیقت واضح اور روشن ہو جائے۔

خیر طلب: سب سے پہلے تو ان احادیث کے نمایاں مطالب خود ہی ان کے فساد اور کذب پر پوری دلالت کر رہے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان مبارک سے ایسے مضامین صادر نہیں ہوئے اس لئے کہ پہلی حدیث تجسم کو ثابت کر رہی ہے اور خدائے تعالے کی جسمانیت پر عقیدہ رکھنا قطعاً کھلا ہوا کفر ہے۔ دوسری حدیث بتاتی ہے کہ رسول اللہ پر جو کچھ نازل ہوتا تھا ابوبکر اس میں شریک تھے تیسری حدیث کا یہ مطلب ہے کہ خاتم الانبیاء کو ابوبکر پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی۔ کیونکہ دونوں آپس میں مساوی تھے۔ چوتھی اور پانچویں دونوں حدیثیں اُن بے شمار حدیثوں کے خلاف پڑتی ہیں جن پر فریقین کا اجماع ہے کہ اہل عالم میں سب سے بہتر محمد و آل محمد سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ اور آخری حدیث قرآن مجید کی مخالف ہے۔ کیونکہ سورہ ۷۶ (دہر) آیت ۱۳ میں ارشاد ہے لا یرون فیها شمسا و لا زمهریرا بہشت آفتاب و ماہتاب کا جگہ نہیں ہے بہشت کے شجر و حجر مکانات اور در و دیوار سب روشن اور نورانی ہیں، یہ دنیا والے ہیں جو چراغ کے محتاج ہیں ورنہ اہل جنت کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

علاوہ ان کھلی ہوئی باتوں کے خود آپ کے بڑے بڑے علمائے درایت و رجال جیسے عالم جلیل مقدسی نے تذکرة الموضوعات میں، فیروز آبادی شافعی نے کتاب سفر السعادات میں، حسن بن کثیر ذہبی نے میزان الاعتدال میں، ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں، ابوالفرج ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں اور جلال الدین سیوطی نے اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں ان احادیث کے موضوع اور فرضی ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں صاف صاف کہتے ہیں کہ سلسلۂ روات و اسناد کے لحاظ سے یہ حدیثیں جعلی اور گھڑی ہوئی ہیں اس لئے کہ علاوہ اُن نااہل، جعلساز اور جھوٹے افراد کے جو ان کے راویوں کے سلسلے میں موجود ہیں ان کا باطل ہونا عقلی قواعد اور قرآنی آیات سے بھی ظاہر اور واضح ہے۔

شیخ: اچھا اس حدیث میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسول خدا نے فرمایا ابوبکر و عمر سید اکهول اهل

الجنۃ (یعنی ابوبکر اور عمر دونوں جنت کے بوڑھوں کے سردار ہیں)

اس حدیث کا جواب کہ ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں جنّت کے بوڑھوں کے سردار ہیں

خیر طلب: اس حدیث میں بھی اگر ہم تھوڑا غور و فکر کریں تو قطع نظر اس سے کہ خود آپ کے علمائے درایت و رجال اس کو وضعی احادیث میں سے سمجھتے ہیں، اس کی عبارت بھی یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ رسول کا ارشاد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ چیز مسلمات میں سے ہے کہ جنت ضعیفوں اور بوڑھوں کی جگہ نہیں ہے اور وہاں دنیا کی طرح تدریجی ارتقاء نہیں ہے کہ آدمی جوانی سے پیری کی عمر کو پہنچے تاکہ کمال سیادت پر فائز ہو۔

ہماری اور آپ کی روایات میں اس مطلب کی تصدیق کرنے والے کافی اخبار موجود ہیں جن میں سے ایک اشجعیہ کا واقعہ ہے کہ ایک بوڑھی عورت خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئی آں حضرت نے دوران گفتگو میں فرمایا کہ ان الجنۃ لا تدخلھا العجائز (یعنی بوڑھی عورتیں بہشت میں داخل نہ ہوں گی)، وہ عورت بہت متاثر ہوئی اور رو کر عرض کیا یا رسول اللہ پھر تو میں جنت میں نہ جاؤں گی۔ یہ کہہ کر باہر گئی تو آں حضرتؐ نے فرمایا اخبروھا انھا لیست یومئذ بعجوز (یعنی اس کو اطلاع دے دو کہ اس روز وہ بوڑھی نہ ہو گی۔ بلکہ سارے بوڑھوں کو خلعت، جوانی سے آراستہ کر کے بہشت میں داخل کریں گے۔ اس کے بعد سورہ ۵۶ (واقعہ) کی آیت ۳۶ تلاوت فرمائی کہ خدا فرماتا ہے انا انشأناھن انشاء فجعلناھن ابکارا عربا اترابا لاصحاب الیمین (انشاء صیغہ ماضی میں تحقیق و وقوع کی جہت سے ہے یعنی ہم نے بہشت کی عورتوں کو انتہائی حسن و زیبائی کے ساتھ پیدا کیا ہے جن کو ہمیشہ کے لئے باکرہ اور دوشیزہ، اپنے شوہروں کی عاشق و وفادار، نازو انداز والی، شیریں کلام، ہمسن اور اصحاب یمین کے لئے مخصوص قرار دیا ہے) اور ہمارے اور آپ کے طریقوں سے مروی حدیث میں وارد ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا یدخل اھل الجنۃ الجنۃ جردا مردا بیضا جعادا مکحلین ابناء ثلاث و ثلثین (یعنی اہل بہشت جب بہشت میں داخل ہوں گے تو ہمیشہ کے لئے بے ریش و بروت نوجوان، سفید فام گھونگھریالے بالوں والے آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے تینتیس ۳۳ سال کی عمر میں ہوں گے)۔

شیخ: آپ کے یہ بیانات اپنی جگہ پر صحیح ہیں لیکن اہل بہشت کے لئے یہ ایک حدیث مخصص ہے۔

خیر طلب: میں جناب عالی کے ارشاد کا مطلب نہیں سمجھا۔ یہ حدیث مخصص کیا چیز ہے! یعنی خدا ایک جماعت کو جنت میں بوڑھا ہی داخل کرے گا تاکہ ابوبکر و عمر کو ان کا سردار بنائے؟ حالانکہ اگر فرض کیا جائے کہ ابوبکر و عمر جنت میں داخل ہوں گے تو خدا ان کو بھی جوان بنا دے گا نہ یہ کہ دوسروں کو بوڑھا بنائے تاکہ ان دونوں کی سرداری ثابت ہو۔ اس کے علاوہ میں نے عرض کیا کہ خود آپ کے اکابر علماء نے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے اور رسول اکرمؐ نے ہماری رہنمائی کے لئے

ایک معیار معین فرمایا ہے تاکہ ہمارے خیال کو یکسوئی حاصل ہو جائے جیسا پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جو حدیث بھی قرآن سے مطابقت نہ کرے وہ مردود ہے، لہٰذا ہمارے علمائے رجال اور صاحبان درایت بھی ایسی بہت سی حدیثوں کو جو رسول و آئمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے نام سے خود ہمارے طریق سے وارد ہوئی ہیں آں حضرت کے اس حکم کے ماتحت کہ اذا روی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ فان وافقہ فاقبلوہ والا فردوہ (یعنی جس وقت مجھ سے کوئی حدیث تمہارے لئے روایت کی جائے تو اس کو قرآن مجید کے سامنے پیش کرو، اگر اس کے موافق ہو تو قبول کرو ورنہ ردّ کر دو) رد کر دیتے ہیں اور قبول نہیں کرتے۔

اور اس سے قبل عرض کر چکا ہوں کہ خود آپ کے بڑے بڑے ارباب جرح و تعدیل علماء نے بھی موضوع احادیث کی ردّ میں مبسوط کتابیں تالیف و تصنیف کی ہیں۔ مثلاً شیخ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (صاحب قاموس) نے کتاب سفر السعادۃ میں، جلال الدین سیوطی نے کتاب اللئالی میں، ابن جوزی نے موضوعات میں، مقدسی نے تذکرۃ الموضوعات میں اور شیخ محمد بن درویش مشہور بہ حوت بیروتی نے کتاب اسنی المطالب ص۱۲۳ میں لکھا ہے کہ حدیث ابوبکر و عمر سیدا کھول اھل الجنۃ کی سند میں یحیی بن عنبسہ بھی ہے اور ذہبی کہتے ہیں کہ یحیی ضعیف راویوں میں سے ہے۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یحیی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ پس علاوہ اُن دلائل کے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے خود آپ کے نقاد علماء کے بیان سے بھی جو ارباب جرح و تعدیل ہیں یہ حدیث موضوع ثابت ہوتی ہے۔ درحقیقت قوی احتمال یہی ہے کہ یہ بکری یا اموی گروہ کی گھڑی ہوئی ہے کیونکہ وہ بنی ہاشم اور عترت طاہرہ و اہل بیت رسول ص کو حقیر و ضعیف بنانے کے لئے ان احادیث میں سے جو خاندان رسالت کی مدح اور عظمت میں فریقین کے نزدیک ثابت ہیں ہر حدیث کے مقابلے میں ایک فرضی حدیث تیار کر دیتے تھے اور ابوہریرہ جیسے لوگ بھی بنی امیہ کے باطل اقتدار کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کے لئے برابر اس کام میں کوشش کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اُس کینے اور عداوت کی بنا پر جو لوگ آل محمد سے رکھتے تھے اُس معتبر حدیث شریف کے مقابلے میں جس کو علاوہ اجماع علمائے شیعہ کے آپ کے اکابر علماء نے بھی نقل کیا ہے یہ حدیث بھی وضع کی گئی۔

نواب: وہ مسلّم حدیث کون سی ہے جس کے مقابلے میں یہ حدیث گھڑی گئی۔

اس حدیث کا ذکر کہ حسنؑ و حسینؑ دونوں جوانان اہل جنّت کے سردار ہیں

خیر طلب: وہ معتبر اور مسلّم حدیث شریف یہ ہے کہ رسول خدا نے فرمایا الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ وابوھما خیر منھما اور آپ کے بہت سے علماء نے اس کو نقل کیا ہے جیسے خطیب خوارزمی نے مناقب میں، میر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ مودت ہشتم میں، امام ابو عبدالرحمٰن نسائی نے تین حدیثیں خصائص العلوی میں

ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ ص۱۵۹ میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب۵۴ میں ترمذی و ابن ماجہ اور امام احمد ابن حنبل سے سبط ابن جوزی نے تذکرہ ص۱۳۳ میں، امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، ترمذی نے سنن میں اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب۹۷ میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ امام اہل حدیث ابوالقاسم طبرانی نے معجم الکبیر کے اندر شرح حال امام حسن علیہ السلام میں بہت سے صحابۂ پیغمبر سے اس حدیث شریف کے سارے طرق کو جمع کیا ہے مثلاً امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ خلیفۂ ثانی عمر ابن خطاب، حذیفۂ یمانی، ابوسعید خدری، جابر ابن عبداللہ انصاری، ابوہریرہ، اسامہ بن زید اور عبداللہ ابن عمر۔ اس کے بعد محمد بن یوسف نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک حسن حدیث ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا الحسن و الحسین سیدا شباب اھل الجنۃ وابوھما خیر منھما اور بعض روایتوں میں ہے افضل منھما (یعنی حسنؑ و حسینؑ دونوں جوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں اور ان کے باپ ان سے بہتر و افضل ہیں) اور اس حدیث کے اسناد کا باہمی تسلسل اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ نیز حافظ ابونعیم اصفہانی نے حلیہ میں، ابن عساکر نے تاریخ کبیر جلد چہارم ص۲۰۶ میں حاکم نے مستدرک میں، ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ ص۸۲ میں، غرضیکہ آپ کے اکابر علماء نے بالاتفاق کہا ہے کہ یہ حدیث رسولؐ خدا کی زبان مبارک پر جاری ہوئی ہے۔

شیخ: اچھا اس حدیث سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ما ینبغی لقوم فیھم ابوبکر ان یتقدم علیہ غیرہ۔ یہ حدیث خود عام حیثیت سے امت پر ابوبکر کی فوقیت کی دلیل ہے اس لئے کہ فرمایا کسی قوم کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ابوبکر اس کے درمیان موجود ہوں اور وہ دوسرے کو ان پر مقدم کرے۔

خیر طلب: مجھ کو افسوس ہے کہ آپ حضرات ہر ایک حدیث کو بغیر غور و فکر کے کیوں قبول کر لیتے ہیں۔ اگر یہ حدیث رسولؐ اللہ کی فرمائی ہوئی تھی تو اس پر خود کیوں عمل نہیں فرماتے تھے کہ ابوبکر کی موجودگی میں علی علیہ السلام کو مقدم رکھتے تھے؟ مباہلے کے موقع پر کیا ابوبکر موجود نہیں تھے جو علی کو ان پر مقدم فرمایا؟ جنگ تبوک میں ابوبکر کے ایسے تجربہ کار بوڑھے کی موجودگی میں کس لئے علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا؟ سفر مکہ میں ابلاغ رسالت اور سورہ برأت کی قرأت کے لئے کس واسطے ابوبکر کو معزول کر کے علیؑ کو نصب فرمایا؟ مکے میں ابوبکر کے ہوتے ہوئے کس وجہ سے بت شکنی کے لئے علیؑ کو اپنے ہمراہ لے گئے یہاں تک کہ اپنے شانے پر سوار کیا اور ہبل بت کو توڑنے کا حکم دیا؟ ابوبکر کی موجودگی میں اہل یمن کی حکومت و ہدایت کے لئے علیؑ کو کیوں بھیجا؟ اور ان سب کے علاوہ ابوبکر کے ہوتے ہوئے علیؑ کو اپنا وصی کس واسطے بنایا؟

شیخ: ایک بہت مضبوط حدیث رسولؐ اللہ سے مروی ہے جس کا ہرگز انکار نہیں ہو سکتا کہ عمرو بن عاص نے کہا کہ ایک روز میں نے پیغمبرؐ سے عرض کیا۔ یا نبی اللہ دنیا کی عورتوں میں آپ سب سے زیادہ کس کو چاہتے ہیں؟ فرمایا عائشہ کو۔ میں نے عرض کیا مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا عائشہ کے باپ ابوبکر۔ پس اس لحاظ سے کہ آپ پیغمبرؐ کے محبوب ہیں تمام امت پر فوقیت کا حق رکھتے ہیں اور یہ خود خلافت ابوبکر رضی اللہ پر ایک قاطع دلیل ہے۔

اس حدیث کا جواب کہ ابوبکرؓ اور عائشہؓ پیغمبرؐ کے محبوبؓ تھے

خیر طلب: یہ حدیث علاوہ اس کے کہ بکری گروہ کی ساختہ و پرداختہ ہے، فریقین کے نزدیک مسلم اور معتبر احادیث کے بھی خلاف ہے لہٰذا اس کی مردودیت ثابت ہے۔

اس حدیث میں دو پہلوؤں سے غور کرنا چاہیئے۔ اوّل ام المومنین عائشہ کی جہت سے اور دوسرے خلیفہ ابوبکر کی جہت سے۔ چنانچہ عائشہ کی محبوبیت میں اس حیثیت سے کہ رسول اللہ کے نزدیک ساری عورتوں سے زیادہ محبوب ہوں اشکال ہے جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں یہ قول صحیح و معتبر احادیث کے خلاف ہے جو فریقین (شیعہ و سنی) کی معتبر کتابوں میں درج ہیں۔

شیخ: کن حدیثوں کے معارض ہے؟ ممکن ہو تو بیان کیجئے تاکہ ہم مطابقت کر کے عادلانہ فیصلہ کریں۔

خیر طلب: آپ کے قول کے برخلاف آپ کے علماء رواۃ کے طرق سے بکثرت حدیثیں حضرت صدیقہ کبریٰ ام الائمہ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے بارے میں منقول ہیں۔

فاطمہؑ زنان عالم میں سب سے بہتر ہیں

منجملہ اُن کے حافظ ابوبکر بیہقی نے تاریخ میں، حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں، امیر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں اور آپ کے دوسرے علماء نے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم بار بار فرماتے تھے فاطمہ خیر نساء امتی یعنی فاطمہؑ میری اُمت کی عورتوں میں سب سے بہتر ہیں۔

امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، حافظ ابوبکر شیرازی نے نزول القرآن فی علی میں محمد ابن حنفیہ سے اور انہوں نے امیر المومنین علیہ السلام سے ابن عبدالبر نے استیعاب میں بسلسلۂ نقل حالات فاطمہ سلام اللہ علیہا و ام المومنین خدیجہ عبدالوارث ابن سفیان اور ابوہریرہ سے اور حالات ام المومنین خدیجہ کے ضمن میں ابو داؤد سے ابوہریرہ و انس ابن مالک سے نقل کرتے ہوئے شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۵۵ میں، امیر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ مودت سیزدہم میں انس ابن مالک سے نیز بہت سے ثقات محدثین نے اپنے طرق کے ساتھ انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ رسولؐ اکرم نے فرمایا خیر نساء العالمین اربع مریم بنت عمران و اسیہ بنت مزاحم و خدیجہ بنت خویلد و فاطمہ بنت محمد علیہم السلام۔ (یعنی عالمین کی عورتوں میں سب سے بہتر چار ہیں۔ مریم دختر عمران و آسیہ دختر مزاحم خدیجہ دختر خویلد اور فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) خطیب تاریخ بغداد میں نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا نے ان چار

عورتوں کو دنیا کی عورتوں میں سب سے بہتر شمار فرمایا ہے، اس کے بعد فاطمہؑ کو دنیا و آخرت میں ان پر فضیلت دی ہے۔

محمد ابن اسمٰعیل بخاری صحیح میں اور امام احمد حنبل مسند میں عائشہ بنت ابوبکر سے نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہؑ سے فرمایا یا فاطمہ البشریٰ فان اللہ اصطفیک وطھرک علیٰ نساء العلمین وعلیٰ نساء الاسلام وھو خیر دین (یعنی اے فاطمہ خوشخبری اور بشارت ہو تم کو کہ خدا نے تم کو برگزیدہ کیا عالمین کی عورتوں پر بالعموم اور زنان اسلام پر بالخصوص پاکیزہ قرار دیا اور اسلام ہر دین سے بہتر ہے)۔

نیز بخاری نے اپنی صحیح جزء چہارم ص۶۴ میں، مسلم نے اپنی صحیح جزء دوم باب فضائل فاطمہؑ میں، حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں، عبدی نے جمع بین الصحاح الستہ میں، ابن عبدالبر نے استیعاب ضمن حالات حضرت فاطمہؑ میں، امام ابن حنبل نے مسند جزء ششم ص۲۸۲ میں، محمد بن سعد کاتب نے طبقات جلد دوم، مرض و لبستر بیماری میں ارشادات رسولؐ کے ذیل میں اور جلد ہشتم میں جناب فاطمہؑ کے حالات نقل کرتے ہوئے ایک طولانی حدیث کے سلسلے میں (جس کو مکمل طور پر نقل کرنے کی وقت میں گنجائش نہیں) ام المومنین عائشہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا یا فاطمہ الا ترضین ان تکونی سیدۃ نساء العالمین یعنی اے فاطمہؑ آیا تم خوش نہیں ہو اس سے کہ زنان عالمین کی سردار ہو۔

ابن حجر عسقلانی نے اسی عبارت کو اصابہ میں حالات جناب فاطمہؑ کے ضمن میں نقل کیا ہے۔ یعنی تم عالمین کی عورتوں میں سب سے بہتر ہو۔ نیز بخاری و مسلم نے اپنی صحیحین میں امام ثعلبی نے تفسیر میں، امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، طبرانی نے معجم الکبیر میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب ۳۲ میں تفسیر ابن ابی حاتم و مناقب و حاکم و وسیط و واحدی حلیۃ الاولیاء حافظ ابونعیم اصفہانی و فرائد حموینی سے، ابن حجر مکی نے صواعق کے آیہ چہاردہم کے ذیل میں احمد سے، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول ص۸ میں، طبری نے تفسیر میں، واحدی نے اسباب النزول میں، ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں، محب الدین طبری نے ریاض میں، مومن شبلنجی نے نور الابصار میں، زمخشری نے تفسیر میں، سیوطی نے در المنثور میں، ابن عساکر نے تاریخ میں، علامہ سمہودی نے تاریخ المدینہ میں، فاضل نیشاپوری نے تفسیر میں، قاضی بیضاوی نے تفسیر میں، امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں، سید ابوبکر شہاب الدین علوی نے رشفۃ الصادی من بحر فضائل بنی النبی الہادی باب اول میں ص۲۲ سے ص۲۳ تک تفسیر بغوی و ثعلبی و سیرۂ ملا و مناقب احمد و کبیر و اوسط طبرانی و سدی سے، شیخ عبداللہ بن محمد بن عامر شبراوی شافعی نے کتاب الاتحاف ص۵ میں حاتم و طبرانی و احمد سے جلال الدین سیوطی نے احیاء المیت میں تفاسیر ابن منذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ و معجم الکبیر طبرانی سے، اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے یہاں تک کہ عام طور پر آپ کے جملہ اکابر علما نے (سوا چند تھوڑے سے متعصبین، بنی امیہ کے پیرو اور دشمنان اہل بیتؑ کے) ابن عباس خیر امت، اور دوسروں سے نقل کیا ہے کہ جس وقت سورہ ۴۲ (شوریٰ) کی آیت ۲۳ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ ومن یقترف حسنۃ نزد لہ فیھا حسناً (یعنی کہہ دو (امت سے) کہ میں تم سے اجر رسالت سوا اس کے اور کچھ نہیں چاہتا کہ میرے گھر والوں سے محبت رکھو، اور جو شخص نیک کام انجام دے گا ہم اس کی نیکی میں اضافہ کر دیں گے) نازل ہوئی تو اصحاب کی ایک جماعت نے عرض کیا یا رسول اللہ من

قرابتک الذین فرض اللہ علینا مودتھم قال علی وفاطمۃ والحسن والحسین یعنی آپ کے قرابتدار کون ہیں جن کی دوستی اور مودت خدا نے ہم پر واجب فرمائی ہے؟ (یعنی اس آیۂ مبارک میں) تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ افراد علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ اور بعض روایات میں وابناھما وارد ہے یعنی ان کے دونوں فرزند۔

اسی طرح کے اخبار و احادیث آپ کی معتبر کتابوں میں بہت وارد ہوئے ہیں جن سب کو ذکر کرنے کی وقت میں گنجائش نہیں ہے اور آپ کے علماء کے نزدیک یہ مطلب حد شیاع تک پہنچا ہوا ہے۔

محبت اہل بیتؑ کے وجوب میں شافعی کا اقرار

یہاں تک کہ ابن حجر ایسے متعصب نے بھی صواعق محرقہ ص۸۸ میں، حافظ جمال الدین زرندی نے معراج الوصول میں الشیخ عبداللہ شبراوی نے کتاب الاتحاف ص۲۹ میں، محمد بن علی صبان مصری نے اسعاف الراغبین ص۱۱۹ میں اور دوسرے علماء نے امام محمد بن ادریس شافعی سے جو آپ کے آئمہ اربعہ میں سے اور شافعیوں کے رئیس و پیشوا ہیں نقل کیا ہے کہ آپ کہتے تھے۔

یا اہل بیت رسول اللہ حبکم   فرض من اللہ فی القرآن انزلہٗ

کفاکم من عظیم القدر انکم   من لم یصل علیکم لاصلوٰۃ لہ

(یعنی اے اہل بیت رسول خدا آپ کی محبت اور دوستی خدا کی جانب سے واجب ہوئی ہے جو قرآن میں نازل ہوئی ہے (آیت مذکورہ کی طرف اشارہ) آپ کی عظمت منزلت میں یہی کافی ہے کہ جو شخص آپ (آل محمدؐ) پر صلوات نہ بھیجے اس کی نماز قبول نہ ہوگی) اب میں آپ حضرات سے انصاف کے ساتھ پوچھتا ہوں کہ آیا وہ ایک طرفہ حدیث جس کو آپ نے نقل کیا ہے، ان ساری صحیح و صریح اور متفق بین الفریقین شیعہ و سنی بے شمار حدیثوں اور آیتوں کے مقابلے میں آسکتی ہیں؟ آیا اس کو عقل قبول کرتی ہے کہ جس کی محبت و مودت کو خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید میں لوگوں پر فرض قرار دیا ہو رسولؐ اللہ اس کو چھوڑ دیں اور دوسروں کو اس پر ترجیح دیں!

آیا آنحضرتؐ کے لئے ہوا و ہوس کا تصور ہو سکتا ہے کہ ہم کہیں آپ اپنی خواہش نفس کی بنا پر عائشہ کو جن کی افضلیت پر کوئی دلیل نہیں ہے (سوا اس کے کہ رسولؐ خدا کی زوجہ اور تمام ازواج پیغمبرؐ کی طرح اُمّ المومنین تھیں) جناب فاطمہؑ سے زیادہ دوست رکھتے ہوں گے جن کی محبت و مودت کو خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرض اور واجب قرار دیا ہے۔ جن کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی ہے اور جن کو بحکم قرآن مباہلے میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہے! آپ خود جانتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء ہوائے نفس کی پیروی نہیں کرتے اور سوائے خدا کے کسی پر نظر نہیں رکھتے، بالخصوص خاتم الانبیاء حضرت رسول خدا جو حقیقتاً حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے حامل تھے اور قطعاً اُسی کو دوست رکھتے تھے جس کو خدا دوست رکھتا تھا اور اسی شخص کو دشمن رکھتے تھے

جس کو خدا دشمن رکھتا تھا۔

یہ کیوں کر ممکن ہے کہ آں حضرت اُن فاطمہ کو چھوڑ دیں جن کی محبت و مودت کو خدا نے فرض اور واجب کیا اور دوسرے کو ان پر ترجیح دیں۔ پس اگر جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو دوست رکھتے تھے تو محض اسی وجہ سے کہ خدا ان کو محبوب رکھتا تھا۔

آیا عقل باور کرتی ہے کہ آں حضرت اپنی بیویوں میں سے ایک بیوی کو محبت کے معاملے میں اُس ذات پر ترجیح دیں جن کے متعلق خود یہ فرماتے تھے کہ خدا نے ان کو برگزیدہ کیا اور ان کی محبت کو انسانوں پر فرض قرار دیا ہے؟ اب آپ کو چاہیئے کہ یا تو ان تمام اخبار صحیحہ وصریحہ کو جو اکابر علمائے فریقین کے یہاں مقبول ہیں اور آیات قرآن مجید ان کی تائید کر رہی ہیں رد کیجئے یا جو یہ حدیث آپ نے بیان کی ہے اس کو ٹھے شدہ جعلی حدیثوں میں شمار کیجئے تاکہ یہ تناقص ختم ہو جائے۔ اور خلیفہ ابوبکر کے بارے میں جو آپ نے فرمایا کہ آں حضرت نے ارشاد فرمایا میرے نزدیک مردوں میں سب سے زیادہ محبوب ابوبکر ہیں تو یہ ان بکثرت معتبر روایات کے خلاف ہے جو خود آپ ہی کے بڑے بڑے ثقہ راویوں اور عالموں کے طریقوں سے منقول ہیں کہ پیغمبر کے نزدیک اُمت کے مردوں میں سب سے زیادہ محبوب علی علیہ السلام تھے۔

پیغمبرؐ کے نزدیک علیؑ تمام مردوں سے زیادہ محبوب تھے

چنانچہ شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودت باب ۵۵ میں ترمذی سے بریدہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کان احب النساء الی رسول اللہ فاطمۃ ومن الرجال علی (یعنی پیغمبر کے نزدیک عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب فاطمہؑ اور مردوں میں علی علیہ السلام تھے)۔

محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب باب ۹۱ میں اُمّ المومنین عائشہ کی سند سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ماخلق اللہ خلقا کان احب الی رسول اللہ من علی ابن ابی طالب (یعنی خدا نے کسی ایسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا جو رسولؐ اللہ کے لئے علیؑ سے زیادہ محبوب ہو) اس کے بعد کہتے ہیں کہ یہ وہ حدیث ہے جس کو ابن عساکر نے اپنے مناقب میں اور ابن عساکر دمشقی نے ترجمہ حالات علی علیہ السلام میں روایت کیا ہے۔

محی الدین و امام الحرم احمد بن عبداللہ شافعی ذخائر العقبیٰ میں ترمذی سے نقل کرتے ہیں کہ عائشہ سے لوگوں نے پوچھا کہ رسولؐ خدا کے نزدیک کون عورت سب سے زیادہ محبوب تھی؟ انہوں نے کہا فاطمہؑ۔ پھر پوچھا کہ مردوں میں آنحضرتؐ کو کون محبوب تر تھا؟ تو کہا کہ زوجھا علی ابن ابی طالب یعنی ان کے شوہر علیؑ ابن ابی طالب۔

نیز محلص ذہبی اور حافظ ابوالقاسم دمشقی سے اور وہ عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ما رأیت رجلاً احب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من علی ولا احب الیہ من فاطمۃ (یعنی میں نے کسی مرد کو رسولؐ کے

نزدیک علی سے زیادہ محبوب نہیں دیکھا اور نہ فاطمہؑ سے محبوب تر دیکھا۔

نیز حافظ جنجندی سے اور وہ معاذۃ الغفاریہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ میں عائشہ کے یہاں خدمت رسولؐ میں مشرف ہوئی اور علی علیہ السلام گھر کے باہر موجود تھے، آں حضرت نے عائشہ سے فرمایا ان ھذا احب الرجال الی واکرمھم علی فاعرفی حقہ واکرمی مثواہ (یعنی یہ علیؑ میرے نزدیک مردوں میں سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ باعزت ہیں لہٰذا ان کا حق پہچانو اور ان کے مرتبے کی تعظیم و توقیر کرو) شیخ عبداللہ بن محمد بن عامر شبراوی شافعی جو آپ کے جلیل القدر علماء میں سے ہیں کتاب الاتحاف بحب الاشراف ص۹ میں، سلیمان بلخی ینابیع المودت میں اور محمد بن طلحہ شافعی مطالب السؤل ص۶ میں ترمذی سے اور وہ جمیع بن عمیر سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں اپنی پھوپھی کے ہمراہ اُم المومنین عائشہ کے پاس گیا اور ہم لوگوں نے ان سے پوچھا کہ رسول خداؐ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب شخص کون تھا؟ عائشہ نے کہا کہ عورتوں میں فاطمہ اور مردوں میں ان کے شوہر علیؑ بن ابی طالب۔

اسی روایت کو میر سید علی ہمدانی شافعی نے مودۃ القربیٰ مودت یازدہم میں اتنے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے کہ جمیع نے کہا میں نے اپنی پھوپھی سے دریافت کیا تو یہ جواب ملا۔

نیز خطیب خوارزمی نے مناقب فصل ششم کے آخر میں جمیع بن عمیر سے اور انہوں نے عائشہ سے اس خبر کو نقل کیا ہے۔ ابن حجر مکی صواعق محرقہ فصل دوم کے آخر میں حضرت علی علیہ السلام کے فضائل میں چالیس حدیثیں نقل کرنے کے بعد عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کانت فاطمہ احب النساء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ و زوجھا احب الرجال (یعنی پیغمبرؐ کے نزدیک عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب فاطمہؑ اور مردوں میں سب سے زیادہ محبوب اُن کے شوہر علیؑ بن ابی طالب تھے) نیز محمد بن طلحہ شافعی مطالب السئول ص۸ میں اس موضوع پر چند مفصل روایتیں نقل کرنے کے بعد اس عبارت کے ساتھ اپنے عقیدے اور تحقیق کا اظہار کرتے ہیں۔ فثبت بھذہ الاحادیث الصحیحۃ والاخبار الصریحۃ ان فاطمۃ کانت احب الی رسول اللہ من غیرھا وانھا سیدۃ نساء اھل الجنۃ وانھا سیدۃ نساء ھذہ الامۃ وسیدۃ نساء اھل المدینۃ۔ (یعنی احادیث صحیحہ اور اخبار صریحہ سے ثابت ہوا کہ فاطمہؑ رسول اللہؐ کو اپنے علاوہ ہر ایک شخصیت سے زیادہ محبوب تھیں اور یقیناً وہ بہشت کی عورتوں کی سردار اس اُمت کی عورتوں کی سردار اور مدینے کی عورتوں کی سردار تھیں)۔

پس یہ مطلب عقلی و نقلی دلائل سے ثابت ہے کہ علی و فاطمہ علیہما السلام سارے مخلوقات میں رسول اللہؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ اور پیغمبرؐ کے نزدیک علیؑ کی محبوبیت اور دوسروں پر فوقیت کے ثبوت میں ان تمام روایات سے زیادہ اہم مشہور و معروف حدیث طیر ہے جس سے مکمل طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ آں حضرتؐ کو ساری امت میں سب سے زیادہ محبوب تھے اور یقیناً آپ خود بھی خوب جانتے ہیں کہ حدیث طیر فریقین (سنی و شیعہ) کے درمیان اس قدر مشہور ہے کہ اس کی سند نقل کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن محترم حاضرین جلسہ کی وسعت نظر کے لئے تاکہ اُن پر حقیقت مشتبہ نہ رہ جائے اور ان کو

یہ خیال پیدا نہ ہو کہ شیعہ اس قسم کی حدیثوں کو وضع کرتے ہیں اس کے بعض اسناد جو اس وقت میری نظر میں ہیں عرض کرتا ہوں۔

حدیث طیر

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور سجستانی نے اپنی معتبر صحاح میں، امام ابن حنبل نے مسند میں ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ میں اور سلیمان بلخی نے ینابیع المودۃ کے باب ۸ کو حدیث طیر اور اس کے روایات کے نقل سے مخصوص کیا ہے اور احمد بن حنبل، ترمذی، موفق ابن احمد، ابن مغازلی، سنن ابو داؤد، رسول کے غلام سفینہ، انس ابن مالک اور ابن عباس سے روایت کی ہے یہاں تک کہ کہتے ہیں حدیث طیر کو چوبیس راویوں نے انس ابن مالک سے نقل کیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ مالکی نے فصول المہمہ میں اس عبارت کے ساتھ لکھا ہے کہ وذالک انہ صح النقل فی کتب الاحادیث الصحیحۃ والاخبار الصریحۃ عن انس بن مالک جس کا مطلب یہ ہے کہ کتب احادیث صحیحہ اور اخبار صریحہ میں انس ابن مالک سے حدیث طیر کی نقل مسلسل طور پر صحیح ہے۔ سبط ابن جوزی نے تذکرہ ص۲۳ میں فضائل احمد و سنن ترمذی سے اور مسعودی نے مروج الذہب جلد دوم ص۴۹ میں حدیث کے آخری حصے کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں پیغمبر کی دعا اور اس کی قبولیت ہے امام ابو عبدالرحمن نسائی نے خصائص العلوی حدیث ہم میں اور حافظ ابن عقدہ و محمد بن جریر طبری دونوں میں سے ہر ایک نے اس حدیث کے تواتر اسانید میں کہ اس کو پینتیس صحابہ نے انس سے روایت کیا ہے ایک مخصوص کتاب لکھی ہے اور حافظ ابو نعیم نے اس باب میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے خلاصہ یہ کہ آپ کے سارے اکابر علماء نے اس حدیث شریف کی تصدیق کی ہے اور اپنی معتبر کتابوں میں درج کیا ہے، چنانچہ صاحب زہد و ورع محقق و ثقہ علامہ سید حامد حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ نے جن کے علم و عمل اور تقوی کو جو ہندوستان میں اظہر من الشمس تھا آپ حضرات قریب ہونے کی وجہ سے اچھی طرح جانتے ہیں اپنی کتاب طبقات الانوار بڑی بڑی جلدوں میں سے ایک عظیم و ضخیم جلد حدیث طیر سے مخصوص کر رکھی ہے اور اس میں آپ کے بزرگ علماء کی خاص کتابوں میں سے تمام معتبر اسناد جمع کر دیے ہیں۔ اس وقت میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اس حدیث کو کتنی سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے البتہ اس قدر یاد ہے کہ اس کے اسناد پڑھنے کے وقت میں ان سید بزرگوار کی زحمتوں اور اہم دینی خدمتوں کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا تھا کہ ایک چھوٹی سی حدیث کو صرف آپ کے طریقوں سے کس طرح تواتر کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ ان تمام اخبار کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہے کہ جملہ شیعہ و سنی مسلمانوں نے ہر دور اور ہر زمانے میں اس حدیث کی صحت کا اقرار و اعتراف اور تصدیق کی ہے کہ ایک روز کوئی عورت ایک بھنا ہوا طائر ہدیے کے طور پر جناب رسول اللہ کی خدمت میں لائی، آں حضرت نے اس کو تناول فرمانے سے پہلے بارگاہ الہی میں دست دعا بلند فرمائے اور عرض کیا اللھم ائتنی باحب خلقک الیک حتی یاکل معی من ھذا الطیر فجاء علی فاکل معہ (یعنی پروردگارا جو شخص میرے اور تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے زیادہ

محبوب ہو اُس کو میرے پاس بھیج دے تاکہ اس بھنے ہوئے طائر میں سے میرے ساتھ نوش کرے، اُس وقت علی علیہ السلام آئے اور آں حضرت کے ساتھ اس کو تناول کیا۔

اور آپ کی بعض کتابوں میں جیسے فصول المہمہ مالکی، تاریخ حافظ نیشاپوری، کفایت الطالب گنجی شافعی اور مسند احمد وغیرہ جن میں انس بن مالک سے روایت کی ہے اس طرح ذکر کیا کہ انس نے کہا، پیغمبرؐ اس دعا میں مشغول تھے کہ علیؑ گھر میں آئے میں نے بہانہ کر دیا اور اس کو پوشیدہ رکھا، تیسری مرتبہ آپ نے پاؤں دروازے پر مارا تو رسولؐ خدا نے فرمایا ان کو آنے دو۔ جوں ہی علیؑ پہنچے آں حضرت نے فرمایا ماحبسك عني يرحمك الله خدا تم پر رحمت نازل کرے کس چیز نے تم کو میرے پاس آنے سے باز رکھا؟ تو آپ نے عرض کیا کہ میں تین مرتبہ دروازے پر حاضر ہوا اور اب کی تیسری دفعہ میں آپ کی خدمت تک پہنچا۔ آں حضرت نے فرمایا اے انس تم کو کس چیز نے اس حرکت پر مجبور کیا کہ علیؑ کو میرے پاس آنے سے منع کیا؟ میں نے عرض کیا کہ سچی بات یہ ہے کہ جب میں نے آپ کی دعا سُنی تو یہ تمنا پیدا ہوئی کہ میری ہی قوم کا کوئی شخص اس درجے پر فائز ہو۔ اب میں آپ حضرات سے سوال کرتا ہوں کہ آیا خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول خاتم الانبیاءؐ کی دعا قبول فرمائی یا رد کر دی؟

شیخ: بدیہی چیز ہے کہ خدا نے قرآن کریم میں چونکہ دعائیں قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ گرامی منزلت پیغمبر ہرگز کوئی بے جا درخواست نہیں کرتے لہٰذا قطعاً آں حضرتؐ کی خواہش اور دعا کو منظور اور قبول فرماتا تھا۔

خیر طلب: پس اس صورت میں خدائے جل وعلا نے اپنی مخلوق میں سے محبوب ترین فرد کو اختیار و انتخاب کر کے اپنے پیغمبرؐ کے پاس بھیجا اور وہ ساری اُمت کے درمیان بزرگ و برتر محبوب جو کل مخلوقات میں سے چنا ہوا اور خدا و رسول کے نزدیک اُمت میں سب سے زیادہ محبوب تھا علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ چنانچہ خود آپ کے بڑے بڑے علماء نے اس بات کی تصدیق کی ہے، مثلاً محمد بن طلحہ شافعی نے جو آپ کے فقہاء اور اکابر علماء میں سے تھے مطالب السئول باب اول فصل پنجم کے اوائل میں ص۱۵ پر حدیث رایت اور حدیث طیر کی مناسبت سے تقریباً ایک صفحے میں شیریں بیانی اور دل نشین تحقیقات کے ساتھ تمام اُمت کے درمیان خدا و رسولؐ کی محبوبیت کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کی عظمت و منزلت کو ثابت کیا ہے اور ضمناً کہتے ہیں واراد النبي ان يتحقق الناس ثبوت هذه المنقبة السنية والصفة العلية التي هي اعلى درجات المتقين لعلي الخ (یعنی پیغمبرؐ نے ارادہ فرمایا کہ اس روشن منقبت اور بلند صفت کا جو پرہیزگاروں کے درجات میں سب سے بالاتر ہے (یعنی خدا اور رسول کا محبوب ہونا) علیؑ کے اندر قائم ہونا لوگوں کی نگاہوں میں ثابت ہو جائے)۔

نیز شام کے حافظ و محدث محمد بن یوسف گنجی شافعی متوفی ۶۵۸ھ کفایت الطالب فی مناقب علی بن ابی طالب علیہ السلام باب ۳۳ میں حدیث طیر کو اپنے معتبر اسناد کے ساتھ چار طریقوں سے انس اور سفینہ سے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ محاملی نے اپنی جزء نہم میں اس حدیث کو درج کیا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ اس حدیث میں کھلی ہوئی دلالت ہے اس بات پر کہ علی علیہ السلام

خدا کی بارگاہ میں کل مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور اس مقصد پر سب دلیلوں سے اہم دلیل یہ ہے کہ خدا نے اپنے رسولؐ کی دُعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے لہٰذا جب رسُول اللہؐ نے دعا کی تو خدا نے بھی فوراً قبول فرمایا اور محبوب ترین خلق کو آنحضرت کی طرف بھیج دیا اور وہ علی علیہ السلام تھے۔

اس کے بعد کہتے ہیں کہ انس سے منقول حدیث طیر کو حاکم ابو عبداللہ حافظ نیشاپوری نے چھیاسی راویوں سے نقل کیا ہے اور ان سب نے انس سے روایت کی ہے، پھر ان چھیاسی افراد کے نام بھی لکھے ہیں (شائقین کفایت الطالب[1] باب ۳۳ کی طرف رجوع فرمائیں) اب ذرا آپ حضرات انصاف فرمائیں کہ آیا جو حدیث آپ نے نقل کی ہے وہ معارض حدیثوں اور اور بالخصوص حدیث رایت اور اس باعظمت حدیث طیر کے مقابلے میں آسکتی ہے؟ قطعاً جواب نفی میں ہوگا پس ایک آپ کی یکطرفہ حدیث سے ان احادیث کے مقابلے میں جن کو آپ کے اکابر علماء نے سوا چند متعصب کینہ پرور لوگوں کے نقل کیا ہے اور اُن کی صحت کی تصدیق کی ہے ہرگز سند نہیں لی جا سکتی بلکہ وہ ارباب تحقیق اور صاحبان جرح و تعدیل کے نزدیک مردود اور ناقابلِ اعتبار ٹھہرتی ہے۔

شیخ: میرا خیال ہے آپ نے یہ طے کر لیا ہے کہ جو کچھ ہم کہیں گے اُس کو نہ مانیئے گا اور کافی اصرار کے ساتھ اسکو رد کیجئے گا۔

بیانِ حقیقت

خیر طلب: مجھ کو آپ ایسے عالم انسان سے سخت تعجب ہے کہ اتنے حاضرین جلسہ کے سامنے مجھ پر ایسا غلط الزام عائد کر رہے ہیں۔ کس وقت آپ حضرات نے علم و عقل اور منطق کے مطابق کوئی دلیل قائم کی جس کے مقابلے میں میں نے ضد سے کام لیا اور اُس کو قبول نہیں کیا تاکہ اس کے نتیجے میں آپ کی سرزنش کا مستحق قرار پاؤں؟ میں خدا کی توفیق اور تائید سے محروم ہو جاؤں اگر میرے اندر ہٹ دھرمی اور جاہلانہ تعصب و عناد کا شائبہ بھی ہو، یا برادران اہل سنت کے ساتھ عمومی یا خصوصی طور پر کوئی عداوت کا نظریہ رکھتا ہوں۔

میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ یہود و نصاریٰ، اہل ہنود اور برہمنوں، ایران میں ناقابل بہائیوں ہندوستان میں قادیانیوں یا مادہ اور طبیعت کے پجاریوں اور دوسرے مخالفین کے ساتھ بھی مناظروں میں کبھی میں نے ضد وغیرہ سے کام نہیں لیا، ہر مقام پر اور ہر وقت خدا پر نظر رکھی اور ہمیشہ میرا مقصد علم و عقل اور منطق و انصاف کے رو سے حقیقت کو ظاہر کرنا رہا ہے۔ جب میں نے کافر و مرتد اور نجس لوگوں سے ہٹ دھرمی نہیں کی ہے تو آپ کے ساتھ ایسا کیونکر کر سکتا ہوں کیونکہ آپ لوگ ہمارے اسلامی بھائی ہیں ہم سب ایک دین ایک قبلہ ایک کتاب کے ماننے والے اور ایک پیغمبرؐ کے احکام کے تابع ہیں مقصد صرف یہ ہے کہ ابتداء سے آپکے

---

[1] غالباً یہ باب ۳۳ ہے جیسا کہ اس سے قبل کے حوالے میں موجود ہے۔ ۱۲ مترجم۔

دماغ میں جو غلط فہمیاں راسخ اور عادت کی بنا پر طبیعت ثانیہ بن چکی ہیں اُن کی کدورت منطق اور انصاف کے چھینٹوں سے برطرف کر دی جائے۔

خدا کے فضل سے آپ عالم ہیں اگر عادت، اسلاف کی پیروی اور تعصب سے تھوڑا الگ ہو کر انصاف کے دائرے میں آ جائیں تو ہم مکمل طور پر صحیح نتیجے تک پہنچ جائیں۔

شیخ: ہم نے شہر لاہور میں ہندوؤں اور برہمنوں کے ساتھ آپ کے مناظروں کا طریقہ روزنامہ اور ہفتہ وار اخبارات میں پڑھا تھا جس سے ہم کو بہت خوشی ہوئی تھی اور باوجودیکہ ابھی آپ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن ایک قلبی تعلق محسوس کرنے لگے تھے۔ امید ہے کہ خدا ہم کو اور آپ کو توفیق دے تاکہ حق اور حقیقت ظاہر ہو جائے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ اگر روایات میں کوئی شبہ ہو تو جیسا خود آپ نے فرمایا ہے قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اگر آپ خلیفہ ابوبکر کی فضیلت اور خلفائے راشدین کے طریقہ خلافت میں احادیث کو مشتبہ سمجھتے ہیں تو کیا آیات قرآن کریم کے دلائل میں بھی شک وشبہ وارد کیجئے گا!

خیر طلب: خدا وہ دن نہ لائے کہ میں قرآنی دلائل یا صحیح احادیث میں شک کروں، فقط چیز یہ ہے کہ ہر قوم وملت یہاں تک کہ دین سے منحرف اور مرتد لوگوں سے بھی جب ہمارا مقابلہ ہوا ہے تو وہ بھی اپنی حقانیت پر قرآن مجید کی آیتوں سے استدلال کرتے تھے چونکہ قرآن مجید کے آیات ذو معانی ہیں لہذا خاتم الانبیا نے لوگوں کی افراط وتفریط اور مغالطوں کو روکنے کے لئے قرآن کو امت کے درمیان تنہا نہیں چھوڑا بلکہ باتفاق علمائے فریقین (شیعہ وسنی) جیسا کہ پچھلی شبوں میں عرض کر چکا ہوں: انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی ما ان تمسکتم بهما فقد نجوتم اور بعض روایات میں ارشاد ہے لن تضلوا ابداً (یعنی درحقیقت میں تمہارے درمیان دو بزرگ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، کتاب خدا اور میری عترت اگر ان دونوں (کتاب وعترت) سے تمسک رکھو گے تو نجات پاؤ گے اور ہرگز گمراہ نہ ہو گے (رجوع ہو اس کتاب کے ص۹۲، ص۹۳ کی طرف)

لہذا قرآن کے مفہوم وحقیقت اور شان نزول کو خود رسول اللہ سے جو قرآن کے حقیقی شارح ہیں اور آں حضرت کے بعد عدیل قرآن سے جو آں حضرتؐ کی عترت اور اہل بیت ہیں دریافت کرنا چاہیے۔ جیسا کہ سورہ ۲۱ (انبیاء) آیت ۷ میں ارشاد ہے فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (یعنی (اے ہمارے رسول امت سے کہہ دیجئے کہ) اگر تم خود نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر اور صاحبان علم (یعنی آل محمد جو سب سے زیادہ عالم ہیں) سے دریافت کرو)۔

اہلِ ذکر آلِ محمدؐ ہیں

اہل ذکر سے مراد حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد میں سے ائمہ علیہم السلام ہیں جو عدیل قرآن ہیں چنانچہ شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ مطبوعہ اسلامبول باب ۳۹ ص۱۱۹ میں امام ثعلبی کی تفسیر کشف البیان سے بروایت جابر ابن عبداللہ انصاری

نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا قال علی ابن ابی طالب نحن اھل الذکر یعنی علی علیہ السلام نے فرمایا ہم (خاندان رسالت) اہل ذکر ہیں اچونکہ ذکر قرآن کا ایک نام ہے اور اس جلیل القدر خاندان والے اہل قرآن ہیں اسی وجہ سے ہمارے اور آپ کے علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں نقل کیا ہے کہ علی علیہ السلام فرماتے تھے۔ سلونی قبل ان تفقدونی سلونی عن کتاب اللہ فانہ لیس من اٰیۃ الا وقد عرفت بلیل نزلت ام نہار ام فی سھل ام فی جبل واللہ ما نزلت اٰیۃ الا وقد علمت فیما نزلت واین نزلت وعلی من نزلت وان ربی وھب لی لسانا طلقا وقلبا عقولا (یعنی پوچھو مجھ سے قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ کتاب خدا کے متعلق مجھ سے دریافت کرو کیونکہ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کو میں نہ جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں ہموار زمین میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ میں۔ خدا کی قسم کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ہے لیکن یہ کہ یقیناً جانتا ہوں کہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی اور کس پر نازل کی گئی ہے اور درحقیقت خدا نے مجھ کو فصیح زبان اور دانش مند دل عنایت فرمایا ہے) پس قرآن کی جس آیت سے بھی استدلال کیا جائے اس کو حقیقی مفہوم اور مفسرین کے بیان سے مطابق ہونا چاہیئے ورنہ اگر کوئی شخص اپنی طرف سے اور اپنے ذوق و فکر اور عقیدے کے رو سے آیات قرآنی کی تفسیر کریگا تو سوا اختلاف بیان اور خیالات کی پراگندگی کے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔ اب اس تمہید کے پیش نظر میری درخواست ہے کہ اپنی منتخبہ آیات بیان فرمایئے اگر مقصد سے مطابقت کرے گی تو جان و دل سے قبول کر کے اپنے سر پر جگہ دوں گا۔

خلفائے اربعہ کے طریقہ خلافت میں نقل آیت اور اس کا جواب

شیخ: سورہ ۴۸ (فتح) آیت ۲۹ میں کھلا ہوا ارشاد ہے محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود (یعنی محمدؐ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھی کافروں پر بہت سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر شفیق و مہربان ہیں، ان کو تم زیادہ تر رکوع و سجود کے عالم میں دیکھو گے جو فضل و رحمت اور اُسکی خوشنودی کے طلبگار ہیں، اُن کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان پڑے ہوئے ہیں) یہ آیہ شریفہ ایک طرف سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضل و شرف کو ثابت کر رہی ہے اور دوسری طرف سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقۂ خلافت کو معین کرتی ہے، بخلاف اس کے کہ جیسا کہ شیعہ فرقے والے دعویٰ کرتے ہیں کہ علی کرم اللہ وجہہ پہلے خلیفہ ہیں۔ یہ آیت صراحت کے ساتھ علی کو چوتھا خلیفہ ظاہر کرتی ہیں۔

خیر طلب: آیۂ شریفہ کے ظاہر سے تو کوئی ایسی چیز جو خلفائے راشدین کے طریقۂ خلافت اور ابوبکر کی فضیلت پر دلالت کرتی ہو نظر نہیں آتی، البتہ ضرورت اس کی ہے کہ آپ وضاحت کیجئے کہ یہ صراحت آیت میں کس مقام پر ہے جس کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔

شیخ: خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و شرافت پر آیت کی دلالت یہ ہے کہ آیت کے شروع میں کلمۂ والذین معہ سے اس مرد بزرگ کی منزلت کی طرف اشارہ ہوا ہے جو آپ کو لیلۃ الغار میں پیغمبر کے ساتھ حاصل تھی، اور خلفائے راشدین کا طریقہ خلافت بھی اس آیت میں پوری صراحت کے ساتھ واضح ہے کیونکہ والذین معہ سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جو شب ہجرت غار ثور میں پیغمبر کے ہمراہ تھے، اشداء علی الکفار سے عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ مراد ہیں جو کفار پر بہت سخت گیری کرتے تھے، رحماء بینھم عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ ہیں جو بہت رقیق القلب اور رحم دل تھے۔

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں۔

امید ہے کہ یہ چیز آپ کے بے لوث خیال کے موافق ہوگی اور آپ تصدیق کیجئے گا کہ حق ہمارے ساتھ ہے جو علی کو چوتھا خلیفہ جانتے ہیں نہ کہ خلیفۂ اول، کیونکہ خدا نے بھی قرآن میں ان کا ذکر چوتھے نمبر پر کیا ہے۔

خیر طلب: میں حیرت میں ہوں کہ جواب کس انداز میں عرض کروں تاکہ خودغرضی کا الزام عائد نہ ہو، اگر بغیر تعصب کے انصاف کی نظر سے دیکھیے تو تصدیق فرمایئے گا کہ کوئی غرض کارفرما نہیں ہے بلکہ مقصد صرف اظہار حقیقت ہے۔ علاوہ اس کے کہ ارباب تفسیر نے یہاں تک کہ خود آپ کے علماء نے بڑی بڑی تفسیروں میں اس آیۂ شریفہ کے شان نزول میں یہ مطلب بیان نہیں کیا ہے اگر یہ آیت قرآنی امر خلافت کے بارے میں ہوتی تو روز اول وفات رسولؐ کے بعد حضرت علی علیہ السلام بنی ہاشم اور کبار صحابہ کے اعتراضات کے مقابلے میں فرضی شاخ و برگ پیدا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ یہ آیت پیش کر کے مسکت جواب دے دیا جاتا۔ پس معلوم ہوا کہ آیت کے جو معنی آپ نے بیان کئے ہیں وہ ایجاد بندہ ہیں جو مدتوں بعد حضرت ابوبکر و عمر کے طرف داروں نے تصنیف کئے ہیں۔

اس لئے کہ خود آپ کے اکابر مفسرین جیسے طبری، امام ثعلبی، فاضل نیشاپوری، جلال الدین سیوطی، قاضی بیضاوی، جار اللہ زمخشری اور امام فخر الدین رازی وغیرہ نے بھی یہ تفسیر بیان نہیں کی ہے پس میں نہیں جانتا کہ آپ کہاں سے یہ بات کہہ رہے ہیں اور یہ معنی کس وقت سے اور کن اشخاص کے ہاتھوں پیدا ہوئے؟ اس کے علاوہ خود آیۂ شریفہ میں علمی، ادبی اور عملی موانع موجود ہیں جو ثابت کر رہے ہیں کہ جو شخص اس قول کا قائل ہوا ہے اس نے بے کار ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور اس بات کی طرف متوجہ نہیں ہوا ہے جس کو خود آپ کے بڑے بڑے علماء نے اپنی تفسیروں کے شروع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا من فسر القرآن برایہ فمقعدہ فی النار (یعنی جو شخص قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے تو اس کا ٹھکانا آگ میں ہے) اگر آپ کہئے کہ تفسیر نہیں ہے تاویل ہے تو آپ حضرات باپ تاویل کو مطلقاً مسدود جانتے ہیں، علاوہ اس کے یہ آیت شریفہ علم و ادب اور اصطلاح کے رو سے آپ کے مقصد کے برخلاف نتیجہ دے رہی ہے۔

شیخ: مجھ کو یہ امید نہیں تھی کہ جناب عالی اتنی واضح آیت کے مقابلے میں بھی استقامت دکھائیں گے البتہ اگر آپ اس آیت میں کوئی ایراد حقیقت کے برخلاف رکھتے ہیں تو بیان کیجئے تاکہ اصلیت ظاہر ہو۔

نواب: قبلہ صاحب میری خواہش ہے کہ جس طرح اب تک آپ نے ہماری درخواستوں کو قبول کیا ہے، اور مطالب کو ایسے سادہ انداز میں بیان کیا ہے کہ تمام حاضرین جلسہ اور غیر حاضر اشخاص اُن سے بہرہ مند ہوتے ہیں اس مقام پر بھی گفتگو میں انتہائی سادگی کا لحاظ فرمایئے، ہم سب آپ کے ممنون ہوں گے۔ کیونکہ یہی وہ آیت ہے جو برابر ہمارے سامنے پڑھی جاتی رہی ہے اور ہم سب کو اس کے ذریعہ حکم قرآن کا محکوم اور پابند بنایا گیا ہے۔

خیر طلب: پہلی چیز تو یہ ہے کہ آیت کی عظمت اور شعبدہ بازوں کے نقل قول نے آپ حضرات کو ایسا مبہوت بنا رکھا ہے کہ آیت کے حقیقی معنی اور رموز و اسرار سے غافل ہو گئے ہیں، اگر آپ خود اپنی جگہ پر اس کے نحوی ترکیبات اور ادبی معانی پر تھوڑی توجہ کر لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ آپ کے مقصد اور مراد سے ہرگز مطابقت نہیں کر رہی ہے۔

شیخ: التماس ہے کہ آپ ہی ضمائر و ترکیبات کو بیان کیجئے تاکہ ہم دیکھیں کیونکر مطابقت نہیں کرتا ہے۔

خیر طلب: ترکیبی جہت سے تو آپ خود بہتر سمجھتے ہیں کہ اس آیہ مبارکہ کی ترکیب یقینی طور پر دو حال سے خارج نہیں ہے۔ یا محمد مبتدا ہے، رسول اللہ عطف بیان، والذین معہ عطف بر محمدؐ، اشداء اس کی خبر اور جو کچھ اُس کے بعد ہے وہ خبر بعد از خبر ہے۔ یا والذین معہ مبتدا ہے، اشداء اس کی خبر اور جو کچھ اُس کے بعد ہے وہ خبر بعد از خبر ہے۔

ان قواعد کے رو سے اگر ہم آپ کے عقیدے اور قول کے مطابق آیت کا ترجمہ کرنا چاہیں تو دو طرح کے معنی ظاہر ہوتے ہیں، کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علیؑ ہیں۔

اور اگر والذین معہ مبتدا ہو، اشداء اُس کی خبر اور جو کچھ اُس کے بعد ہے خبر بعد از خبر تو آیت کے معنی اس طرح ہوتے ہیں کہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی ہیں۔ بدیہی چیز ہے جس کو ہر مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ کلام کا یہ طریقہ غیر معقول اور نظم ادب سے خارج ہے۔

علاوہ اس کے اگر آیہ شریفہ سے خلفائے اربعہ مراد ہوتے تو ضرورت تھی کہ کلمات کے درمیان واو عطف رکھا جاتا تاکہ آپ کے مقصود سے مطابق ہو جائے، حالانکہ صورت اس کے برخلاف ہے۔

آپ کے جملہ مفسرین نے اس آیہ شریفہ کو تمام مومنین کے حق میں قرار دیا ہے یعنی کہتے ہیں کہ یہ تمام مومنین کی صفتیں ہیں۔ اور ظاہر آیت خود دلیل ہے کہ یہ کل مطالب ایک شخص کی صفتیں ہیں جو ابتدا سے پیغمبرؐ کے ساتھ تھا نہ کہ چار نفر، اور اگر ہم کہیں کہ وہ ایک فرد امیر المومنین علی علیہ السلام تھے تو یہ دوسروں کی نسبت عقل و نقل کے مطابق کہیں زیادہ قابل قبول ہے۔

آیۂ غار سے استدلال اور اُس کا جواب

شیخ: تعجب ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں کج بحثی نہیں کرتا حالانکہ اس وقت آپ مجادلہ ہی کر رہے ہیں۔ کیا ایسا

نہیں ہے کہ خدا سورہ ۹ (توبہ) آیت ۴۰ میں صاف صاف فرماتا ہے ۔ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ و ایدہ بجنود لم تروھا (یعنی یقیناً خدا نے اُن کی (رسول اللہ کی) مدد کی جب کفار نے اُن کو مکے سے خارج کر دیا، اُن دو میں سے ایک (یعنی رسول اللہ) جو دونوں غار کے اندر تھے جس وقت اپنے ہم سفر سے (یعنی ابوبکر سے جو مضطرب تھے) فرمایا ہے تھے غم نہ کرو یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے ۔ اس وقت خدا نے اُن پر (یعنی رسول اللہ پر) اپنی طرف سے سکون و وقار نازل فرمایا اور ان کی اُن غیبی لشکروں سے امداد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا)۔

یہ آیت علاوہ اس کے کہ آیت ماقبل کی موید ہے اور والذین معہ کا مقصد ثابت کرتی ہے کہ ابوبکر غار میں شب ہجرت رسول اللہ کے ساتھ تھے خود یہ مصاحبت اور پیغمبرؐ کی ہمراہی تمام اُمت پر ابوبکر کے فضل و شرف کی ایک بڑی دلیل ہے اس لئے کہ پیغمبرؐ چونکہ علم باطن سے جانتے تھے کہ ابوبکر اُن کے خلیفہ ہیں اور خلیفہ کا وجود اُن کے بعد ضروری ہے اور اپنی ذات کے مانند اُن کی بھی حفاظت کرنا چاہیئے لہذا اُن کو اپنے ہمراہ لے گئے تاکہ دشمن کے ہاتھ میں گرفتار نہ ہو جائیں ۔ اور یہ برتاؤ مسلمانوں میں سے کسی اور کے ساتھ نہیں کیا، پس اسی جہت سے اُن کے لئے تقدم خلافت کا حق ثابت ہوا۔

خیر طلب: اگر آپ حضرات کسی وقت سنیت کا لباس اتار کے اور تعصب و عادت سے الگ ہو کر ایک غیر جانبدار اور غیر متعصب انسان کے مانند اس آیہ شریفہ کے پہلوؤں پر غور کریں تو تصدیق کریں گے کہ جو نتیجہ آپ کے پیش نظر ہے وہ اس آیت سے حاصل نہیں ہوتا۔

شیخ: بہتر ہے کہ اگر مقصد کے خلاف کچھ منطقی دلائل ہیں تو بیان فرمایئے ۔

خیر طلب: میری خواہش ہے کہ اس موضوع سے چشم پوشی فرمایئے کیونکہ بات سے بات پیدا ہوتی ہے، اس وقت ممکن ہے کہ بعض غیر منصف لوگ اس کو عداوت کی نظر سے دیکھیں، آپس میں رنجش پیدا ہو اور یہ خیال قائم کیا جائے کہ ہم مقام خلفاءؓ کی اہانت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ہر فرد کی حیثیت اپنی جگہ پر محفوظ ہے اور ان کے لئے بے جا تفسیر و تاویل کی احتیاج نہیں۔

شیخ: میری درخواست ہے کہ بغلیں نہ جھانکئے اور مطمئن رہیئے، منطقی دلائل رنجش نہیں پیدا کرتے ہیں بلکہ ان سے پردے ہٹتے ہیں۔

خیر طلب: چونکہ آپ نے بغلیں جھانکنے کا نام لیا ہے لہذا میں مجبور ہوں کہ ایک مختصر جواب پیش کر دوں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ میں بغلیں نہیں جھانک رہا تھا بلکہ گفتگو میں ادب کا لحاظ مقصود تھا ۔ امید ہے کہ میری باتوں میں عیب جوئی نہ کیجئے گا اور انصاف کی نظر سے دیکھئے گا اس لئے کہ اس بحث کا جواب محققین علماء نے مختلف طریقوں سے دیا ہے ۔

اولاً آپ کا یہ جملہ سنت حیرت انگیز اور سطحی تھا کہ رسول اللہ چونکہ یہ جانتے تھے کہ ابوبکر اُن کے بعد خلیفہ ہوں گے اور خلیفہ کا تحفظ آں حضرتؐ پر لازم تھا لہذا اُن کو اپنے ہمراہ لے گئے۔

آپ کے اس بیان کا جواب بہت سادہ ہے کیونکہ اگر پیغمبرؐ کے خلیفہ صرف ابوبکر ہی ہوتے تو ایسا احتمال پیدا کیا

جا سکتا تھا لیکن آپ تو خود خلفائے راشدین کی خلافت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور وہ چار نفر تھے۔ اگر آپ کی یہ دلیل صحیح ہے اور خطرات سے خلیفہ کو محفوظ رکھنا لازم تھا تو پیغمبرؐ کا فرض تھا کہ چاروں خلفاء کو جو مکے میں موجود تھے اپنے ساتھ لے جائیں، نہ یہ کہ ایک کو لے جائیں اور دوسرے تین افراد کو چھوڑ دیں، بلکہ ان میں سے ایک کو تلواروں کے خطرے سے گھرے ہوئے مقام پر مقرر کریں، اور اپنے بستر پر لٹائیں جب کہ یقینی طور پر اس رات پیغمبرؐ کا بستر خطرناک اور دشمنوں کے حملے کی زد میں تھا۔[1]

دوسرے اس بیان کی بنا پر جو طبری نے اپنی تاریخ جز سیم میں درج کیا ہے ابوبکر آں حضرتؐ کی روانگی سے واقف ہی نہ تھے بلکہ جس وقت علی علیہ السلام کے پاس آئے اور آں حضرتؐ کا حال دریافت کیا تو حضرتؐ نے فرمایا کہ وہ غار میں تشریف لے گئے ہیں اگر ان سے کوئی کام ہے تو دوڑ جاؤ۔ ابوبکر دوڑتے ہوئے چلے اور درمیان راہ میں آں حضرتؐ سے مل گئے چنانچہ مجبوراً ایک ساتھ روانگی ہوئی۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ خود ان کو اپنے ہمراہ نہیں لے گئے بلکہ وہ بلا اجازت گئے اور راستے کے درمیان سے آں حضرتؐ کے ساتھ ہو گئے۔

بلکہ دوسری روایتوں کی بنا پر ابوبکر کو لے جانا اتفاقیہ اور فتنے اور دشمنوں کو خبر دے دینے کے خوف سے تھا جیسا کہ خود آپ کے منصف مزاج علماء نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے منجملہ ان کے شیخ ابوالقاسم بن صباغ جو آپ کے مشاہیر علماء میں سے ہیں کتاب النور والبرہان حالات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محمد بن اسحٰق سے اور انہوں نے حسان ابن ثابت انصاری سے روایت کی ہے کہ میں آں حضرتؐ کی ہجرت سے قبل عمرہ کے لئے مکہ گیا تو میں نے دیکھا کہ کفار قریش آں حضرتؐ کے اصحاب کو سب وشتم کرتے ہیں چنانچہ اسی زمانے میں امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ علیاً فنام فی فراشہ وخشی من ابن ابی قحافۃ ان یدلھم علیہ فاخذہ معہ ومضی الی الغار (یعنی رسولؐ خدا نے علیؑ کو حکم دیا کہ آپ کے بستر پر سو رہیں اور اس بات سے ڈرے کہ ابوبکر کفار کو پتہ دے دیں گے اور آں حضرتؐ کی طرف ان کی رہنمائی کر دیں گے لہٰذا ان کو اپنے ساتھ لے کر غار کی طرف روانہ ہوئے)۔

تیسرے مناسب یہ تھا کہ آپ آیت میں محل استشہاد اور وجہ فضیلت کو بیان کرتے کہ رسولؐ خدا کے ہمراہ سفر کرنا اثبات خلافت پر کیا دلیل قائم کرتا ہے۔

شیخ: محل استشہاد ظاہر ہے۔ اول تو رسول اللہ کی مصاحبت اور یہ کہ خدا ان کو رسولؐ اللہ کا مصاحب کہتا ہے دوسرے آں حضرتؐ کے قول سے کہ خبر دیتے ہیں ان اللہ معنا۔ تیسرے اس آیت میں خدا کی جانب سے ابوبکر پر نزول سکینہ

---

[1] بلکہ اس سے تو ہمارے موافق ایک اور دلیل قائم ہوتی ہے کہ جو شخص حقیقتاً خلیفہ رسول ہونے والا تھا خدا اس کو محفوظ رکھنے کا ذمہ دار تھا۔ لہٰذا اس کو خطرے میں چھوڑ گئے اور جس کا وجود بعد رسولؐ ضروری نہیں تھا وہ قتل بھی کیا جا سکتا تھا لہٰذا اس کو ساتھ لے لیا۔ ۱۲ مترجم عفی عنہ۔

شرف کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اوران دلائل کا مجموعہ اُن کے لئے افضلیت اور تقدم خلافت کے حق کو ثابت کر رہا ہے۔

خیر طلب: یقیناً کسی شخص کو ابوبکر کے ان مراتب سے انکار نہیں ہے کہ وہ بوڑھے مسلمان، سن رسیدہ اصحاب میں سے اور رسُول خدا کی بیوی کے باپ تھے لیکن آپ کے یہ دلائل فضیلت خاص اور خلافت میں حق تقدم کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ اگر آپ چاہیں کہ اپنے اُن بیانات سے جو آپ نے اس آیۂ شریفہ کے بارے میں دیے ہیں، کسی بے غرض اور غیر متعلق انسان کے سامنے اُن کی کوئی خاص فضیلت ثابت کریں تو قطعی طور پر آپ اعتراض کی زد میں آجائینگے کیونکہ وہ آپ کے جواب میں کہے گا کہ تنہا نیک لوگوں کی مصاحبت فضیلت و برتری کی دلیل نہیں ہوا کرتی کتنے زیادہ بد ایسے ہیں جنہوں نے نیکوں کی مصاحبت کی اور وہ کتنے زیادہ کفار ہیں جو مسلمانوں کے مصاحب تھے اور ہیں چنانچہ یہ حقائق مسافرت میں اکثر و بیشتر سامنے آتے رہتے ہیں۔

شواہد اور مثالیں

غالباً آپ حضرات بھُول گئے ہیں کہ سورہ ۱۲ (یوسف) آیت ۳۹ میں خدائے تعالےٰ حضرت یوسفؑ کا قول نقل فرماتا ہے یاصاحبی السجن ءارباب متفرقون خیرام الله الواحد القہار (یعنی اے میرے دونوں قید خانے کے رفیقو! آیا متفرق خدا (جیسے اصنام و فراعنہ) اچھے ہیں (جو بے حقیقت اور مجبور ہیں) یا خدائے یکتا جو صاحب قہر و غلبہ ہے)۔ مفسرین نے اس آیۂ شریفہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ جس روز یوسفؑ کو قید خانے میں داخل کیا، پانچ سال یہ تینوں افراد (مومن و کافر) ایک دوسرے کے مصاحب رہے اور یوسفؑ تبلیغ کے موقع پر اُن کو اپنا مصاحب کہتے بھی ہیں جیسا کہ اس آیت میں خبر دی گئی ہے۔ تو کیا پیغمبرؑ کی مصاحبت اُن دونوں کافر شخصوں کے لئے شرف اور فضیلت کی دلیل تھی؟ یا دورانِ مصاحبت میں اُن کے عقیدے کے اندر کوئی تغیر پیدا ہوا؟ صاحبان تفاسیر و تواریخ کی تحریریں تو یہی بتاتی ہیں کہ پانچ سال صحبت میں رہنے کے بعد بھی آخر کار اسی حالت میں ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔ نیز سورہ ۱۸ (کہف) آیت ۳۵ کی طرف توجہ فرمائیے جس میں ارشاد ہے قال لہ صاحبہ وھو یحاورہ اکفرت بالذی خلقک من تراب ثم من نطفۃ ثم سواک رجلا (یعنی اُس کے (باایمان اور فقیر) رفیق نے گفتگو اور نصیحت کے موقع پر اُس سے کہا کہ کیا تو نے اُس خدا کے ساتھ کفر اختیار کیا، جس نے تجھ کو پہلے مٹی سے اُس کے بعد نطفے سے پیدا کیا اور پھر ایک مکمل آدمی بنا دیا؟) مفسرین نے عام طور سے لکھا ہے کہ دو بھائی تھے ایک مومن جس کا نام یہودا اور دوسرا کافر جس کا نام براطوس تھا (جیسا کہ امام فخر رازی بھی جو آپ کے اکابر علماء میں سے ہیں اپنی تفسیر کبیر میں نقل کرتے ہیں) یہ دونوں آپس میں کچھ بات چیت رکھتے تھے جسکو مفصل نقل کرنے کا وقت نہیں ہے۔ غرضیکہ خدا نے اُن دو کافر و مومن کو ایک دوسرے کا مصاحب فرمایا ہے تو کیا

مومن بھائی کی مصاحبت سے کافر کو کوئی فائدہ اور فیض پہنچا؟ ظاہر ہے کہ جواب قطعاً نفی میں ہے۔

پس صرف مصاحبت فضیلت و شرافت اور برتری کی دلیل نہیں ہوا کرتی، جس کے دلائل اور نظائر بہت ہیں لیکن وقت اس سے زیادہ بیان کرنے کی اجازت نہیں دے رہا ہے۔

اور جو آپ نے یہ فرمایا کہ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا ان اللہ معنا لہذا اس لحاظ سے کہ خدا اُن کے ساتھ تھا قطعاً یہ بات بھی دلیل شرافت اور خلافت کو ثابت کرنے والی ہے"۔

تو بہتر ہوگا کہ اپنے ان عقائد اور الفاظ پر ذرا نظر ثانی فرما لیجئے تاکہ اس اعتراض کا نشانہ نہ بن جایئے کہ خدائے تعالے کیا صرف مومنین اور اولیاء اللہ کے ساتھ رہتا ہے اور غیر مومن کے ساتھ نہیں رہتا؟ آیا آپ کوئی ایسی جگہ تجویز کرتے ہیں جہاں خدا نہ ہو اور کوئی شخص دنیا میں ایسا ہے جس کے ساتھ خدا نہ ہو؟ اگر مومن و کافر دونوں ایک جگہ بیٹھے ہوں تو کیا عقل باور کرتی ہے کہ خدا اس مومن کے ساتھ ہو لیکن کافر کے ساتھ نہ ہو؟ کیا سورہ ۵۸ (مجادلہ) آیت ۷ میں خدا نہیں فرماتا ہے کہ الم تر ان اللہ یعلم ما فی السموات وما فی الارض ما یکون من نجوی ثلاثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنیٰ من ذالک ولا اکثر الا ھو معھم اینما کانوا (یعنی بطریق استفہام تقریری فرماتا ہے کہ آیا تم نے نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین کے اندر ہے خدا اُس سے واقف ہے چنانچہ اگر تین شخص آپس میں راز کی باتیں کریں تو خدا اُن کا چوتھا ہوگا اگر پانچ شخص ہوں تو خدا اُن کا چھٹا ہوگا۔ اور نہ اس سے کم اور زیادہ ہو سکتے ہیں بغیر اس کے کہ جہاں ہوں خدا اُن کے ساتھ ہوگا (کیوں کہ وجود الٰہی عالم کے ہر جزو و کل پر احاطۂ کامل رکھتا ہے) پس اس آیت اور دوسری آیات اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کے پیش نظر خدائے تعالےٰ دوست و دشمن، مسلمان و کافر، مومن و منافق ہر شخص کے ساتھ ہے۔ پس اگر دو نفر ایک جگہ ہوں اور ان میں سے ایک کہے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے تو کسی شخص خاص کی فضیلت پر دلیل نہ ہوگی۔ جس طرح سے کہ دو نیک آدمی اگر ایک جا ہوں تو خدا اُن کے ساتھ ہے اسی طرح دو بُرے آدمی یا ایک اچھا ایک بُرا اکٹھا ہوں تو قطعاً خدا ان دونوں کے ہمراہ ہوگا چاہے وہ سعید ہوں یا شقی، نیک ہوں یا بد۔

شیخ: اس سے مراد کہ خدا ہمارے ساتھ ہے یہ تھی کہ چونکہ ہم خدا کے محبوب ہیں اس لئے کہ خدا کی یاد میں، خدا کے لئے اور دین خدا کی حفاظت کی غرض سے روانہ ہوئے ہیں لہذا لطف خداوندی ہمارے شامل حال ہے۔

اظہار حقیقت

خیر طلب: اگر یہ مطلب لیا جائے تب بھی قابل اعتراض ہے اور کہا جائے گا کہ ایسا خطاب ابدی سعادت پر دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ خدائے تعالےٰ اشخاص کے اعمال دیکھتا ہے، کتنے ہی لوگ ایسے گزرے ہیں جو ایک زمانے میں نیک اعمال بجا لاتے تھے اور لطف و رحمت خداوندی اُن کے شامل حال تھی۔ اس کے بعد اُن سے بُرے اعمال سرزد ہوئے

اور امتحان کے وقت نتیجہ برعکس نکلا تو پروردگار کے مبغوض ہو گئے اور لطف و رحمت الٰہی سے محروم ہو کر راندۂ درگاہ اور مردود و ملعون ہو گئے۔ چنانچہ ابلیس ایک مدت تک خلوص نیت کے ساتھ عبادت خدا میں مشغول رہا تو الطاف و مراحم خداوندی سے سرفراز تھا لیکن جونہی اُس نے سرکشی کی اور احکام الٰہی سے منہ موڑ کر ہوائے نفس کا تابع ہوا تو مردود بارگاہ اور اُس کی بے حساب رحمتوں سے محروم ہو کر خطاب فاخرج منها فانك رجيم وان عليك لعنتي الى يوم الدين (یعنی سورہ ۱۵ (حجر) آیت ۳۴-۳۵ میں اُس پر حق کا عتاب ہوا کہ صفوف ملائکہ اور بہشت سے نکل جا کیونکہ تو راندہ درگاہ ہو گیا اور تجھ پر روز قیامت تک حتمی طور پر ہماری لعنت ہے) کے ساتھ ملعون ابدی بن گیا۔

معاف فرمائیے گا مثل میں کوئی بُرائی نہیں ہے بلکہ یہ ذہنوں کو مطلب سے قریب لانے کے لیئے ہے۔

اور اگر ہم عالم بشریت پر نظر ڈالیں تو ایسے اشخاص کی بہت سی نظیریں ملیں گی جو درگاہ باری تعالےٰ میں مقرب ہوئے لیکن امتحان کے موقع پر مردود و مغضوب پروردگار قرار پائے نمونے کے طور پر ہم دو شخصوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی طرف قرآن مجید نے بھی انسانوں کی بیداری اور غافلوں کی تنبیہ کے لئے اشارہ فرمایا ہے۔

بلعم بن باعوراء

من جملہ اُن کے بلعم بن باعوراء ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس قدر مقرب الٰہی ہوا کہ خدا نے اس کو اسم اعظم عطا فرمایا چنانچہ اپنی ایک دعا کے اثر سے اُس نے حضرت موسیٰ کو وادیٔ تیہ میں سرگرداں کر دیا، لیکن امتحان کی منزل میں حب جاہ اور ریاست طلبی نے اُس کو خدا کی مخالفت اور شیطان کی پیروی پر آمادہ کر دیا اور نار جہنم اس کا ٹھکانا بن گیا۔

تمام مفسرین و مورخین نے تفصیل کے ساتھ اُس کا حال لکھا ہے یہاں تک کہ امام فخر الدین رازی نے بھی اپنی تفسیر جلد چہارم ص۴۶۳ میں ابن عباس، ابن مسعود اور مجاہد سے اُس کا قصہ نقل کیا ہے۔ خدا سورہ ۷ (اعراف) آیت ۱۷۵ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دیتا ہے کہ واتل عليهم نبا الذى اتيناه اياتنا فانسلخ منها فاتبعه الشيطان فكان من الغاوين (یعنی (اے پیغمبرؐ) ان لوگوں پر اُس شخص (یعنی بلعم بن باعوراء) کی حکایت بیان کرو جس کو ہم نے اپنی نشانیاں عطا کیں پس اُس نے ان آیات سے روگردانی کی چنانچہ شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں شامل ہو گیا۔

برصیصائے عابد

دوسرا برصیصا عابد تھا جس نے اوّلاً عبادت میں اس قدر کوشش کی کہ مستجاب الدعوات ہو گیا لیکن امتحان کے وقت

اُس کا انجام خراب نکلا، شیطان کے فریب میں مُبتلا ہو کر ایک لڑکی سے زنا کیا، اپنی ساری محنتوں کو برباد کر دیا، دار پر لٹکایا گیا اور دُنیا سے کافر اٹھا چنانچہ سورہ ۵۹ (حشر) آیت ۱۶ میں اُس کے واقعے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریٔ منک انی اخاف اللہ رب العالمین فکان عاقبتھما انھما فی النار خالدین فیھا ذالک جزاء الظالمین (یعنی (یہ منافق) مثل میں شیطان کے مانند ہیں جس نے انسان سے (یعنی برصیصائے عابد سے) کہا کہ کفر اختیار کر اور جب وہ کافر ہو گیا تو اس سے کہا کہ میں تجھ سے بیزار ہوں کیوں کہ میں پروردگار کے عذاب سے ڈرتا ہُوں پس اُن دونوں (شیطان و برصیصا) کا یہ انجام ہوا کہ وہ دونوں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یہی دوزخ ظالمین کا بدلا ہے)۔

غرضیکہ آدمی سے اگر کسی زمانے میں کوئی نیک عمل صادر ہوا ہے تو یہ اُس کا انجام بخیر ہونے کی دلیل نہیں ہے، اس وجہ سے ہدایت ہے کہ دُعا میں کہو اللّٰھم اجعل عواقب امورنا خیرا (یعنی خدا وندا ہمارے امور کے نتائج نیک قرار دے)۔

ان چیزوں کے علاوہ آپ خود جانتے ہیں کہ علمائے معانی و بیان کے نزدیک طے شدہ بات ہے کہ کلام میں تاکید کا ذکر اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک مخاطب شک اور شبہ میں مبتلا نہ ہو یا اس کے خلاف نہ سوچ رہا ہو، اور آیۂ شریفہ کی تصریح سے جس نے اپنا کلام جملہ اسمیہ اور ان مشددہ کے ساتھ پیش کیا ہے دوسرے فریق کے عقیدے کا فساد ظاہر ہوتا ہے کہ متزلزل و متوہم اور شک و شبہ میں مبتلا تھا۔

شیخ: انصاف کیجئے، آپ جیسے انسان کے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ اس محل پر ابلیس بلعم باعورا اور برصیصا کی مثل پیش کریں۔

خیر طلب: معاف کیجئے، شاید آپ نے سنا نہیں میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ مثل میں کوئی برائی نہیں ہے، کیونکہ علمی مباحثات اور مذہبی مناظرات میں ذہنوں کو قریب کرنے اور مقاصد کو ثابت کرنے کے لئے مثالیں بیان کی جاتی ہیں خدا شاہد ہے کہ شواہد و امثال کے ذکر میں میں نے کبھی اہانت کا قصد نہیں کیا بلکہ اپنے نظریئے اور عقیدے کے ثبوت میں جو نظریئے اور مثالیں سامنے آتی ہیں پیش کر دیتا ہوں۔

شیخ: اس آیت کے اندر اثبات فضیلت کی دلیل خود آیۂ کریمہ کا ایک قرینہ ہے کہ فرماتا ہے فانزل اللہ سکینتہ علیہ چنانچہ سکینہ کی ضمیر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ہونا دوسروں پر اُن کی شرافت و فضیلت اور آپ جیسے لوگوں کا وہم دُور کرنے کے لئے خود ایک واضح دلیل ہے۔

خیر طلب: آپ کو دھوکا ہو رہا ہے، سکینہ کی ضمیر رسُول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اور نزول سکینہ آنحضرتؐ پر ہوا تھا نہ کہ ابوبکر پر، جس کا قرینہ بعد والے جملے میں موجود ہے کہ فرمایا وایدہ بجنود لم تروھا، اور یہ حقیقت ہے کہ غیبی لشکروں کی تائید رسُول اللہ کے لئے تھی نہ کہ ابوبکر کے لئے۔

شیخ: یہ مسلم ہے کہ جنود حق کی تائید رسولِ خدا کے لیے تھی لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آں حضرت کی مصاحبت میں بے بہرہ نہ تھے۔

نزول سکینہ رسولؐ خدا پر ہوا

خیر طلب: اگر الطاف و مراحم الٰہیہ میں دونوں ہستیاں شامل تھیں تو قاعدے کے رو سے آیۂ شریفہ کے تمام جملوں میں تثنیہ کی ضمیریں ہونا لازمی تھا حالانکہ قبل و بعد کی تمام ضمیریں مفرد استعمال ہوئی ہیں تاکہ ذاتِ خاتم الانبیاءؐ کے مدارج ثابت ہو جائیں اور معلوم ہو جائے کہ پروردگار کی جانب سے جو کچھ رحمت و مرحمت نازل ہوتی ہے وہ آں حضرت کی ذات سے مخصوص ہوتی ہے اور اگر آں حضرت کے طفیل میں دوسروں پر بھی نازل ہو تو ان کا نام ظاہر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا سکینہ و رحمت کے نزول میں بھی اس آیت اور دوسری آیتوں میں صرف پیغمبر کو موردِ عنایت قرار دیا ہے۔

شیخ: رسولِ خدا نزولِ سکینہ سے مستغنی تھے، ان کو اس کی کوئی احتیاج نہ تھی اور سکینہ ہرگز اُن سے جدا نہیں ہوتا تھا پس نزولِ سکینہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخصوص تھا۔

خیر طلب: آپ کیوں بے لکھی کی باتیں کرتے ہیں اور بار بار انہیں مطالب کو دُہرا کے جلسے کا وقت لیتے ہیں۔ آپ کس دلیل سے کہتے ہیں کہ خاتم الانبیاء نزولِ سکینہ سے مستغنی تھے حالانکہ افرادِ خلائق میں سے پیغمبرؐ و اُمت، امام اور ماموم کوئی شخص بھی حق تعالیٰ کے الطاف و عنایات سے مستغنی نہیں ہے۔ کیا آپ سورہ ۹ (توبہ) کی آیت ۲۶ کو بھول گئے ہیں جو حنین کے واقعے میں کہتی ہے ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین (یعنی اس وقت اللہ نے اپنے سکینہ و وقار (یعنی شکوہ و سطوت اور جلالِ ربانی) کو اپنے رسول اور مومنین پر نازل فرمایا) نیز سورہ ۴۸ (فتح) کی آیت ۲۶ بھی اسی آیۂ شریفہ کے مانند ہے۔

جس طرح سے کہ اس آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مومنین کی طرف اشارہ کیا ہے آیتِ غار میں بھی اگر ابوبکر اُن مومنین کی ایک فرد ہوتے جن کو سکینہ و وقار میں شامل ہونا چاہیے تو ضرورت تھی کہ تثنیہ کی ضمیر ہوتی یا علیحدہ اُن کے نام کا ذکر کیا گیا ہوتا۔ یہ قصہ اتنا واضح ہے کہ خود آپ کے منصف علماء نے بھی اقرار کیا ہے کہ سکینہ کی ضمیر ابوبکر سے متعلق نہیں تھی۔ بہتر ہے کہ آپ حضرات کتاب نقض العثمانیہ مولفہ ابوجعفر محمد بن عبداللہ اسکافی کو جو آپ کے اکابر علماء اور شیوخ معتزلہ میں سے ہیں مطالعہ کیجیے تو دیکھیے گا کہ اس مردِ عالم و منصف نے ابوعثمان جاحظ کی لاطائل باتوں کے جواب میں کس طرح حق کو آشکار کیا ہے، چنانچہ ابن ابی الحدید نے بھی شرح نہج البلاغہ جلد سوم صفحہ ۲۵۳ تا صفحہ ۲۸۱ میں ان میں سے بعض جواب نقل کیے ہیں۔

علاوہ ان چیزوں کے خود آیت میں ایک ایسا جملہ موجود ہے جس سے مکمل طور پر آپ کے مقصد کے برخلاف نتیجہ نکلتا ہے۔ اور وہ جملہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے لا تحزن کہہ کے ابوبکر کو حزن و اندوہ سے منع فرمایا۔ اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر اُس حال میں غم زدہ تھے۔ تو ابوبکر کا یہ حزن آیا کوئی اچھا عمل تھا یا بُرا؟ اگر عمل نیک تھا تو پیغمبرؐ کسی کو عمل نیک اور اطاعت حق سے قطعاً منع نہیں فرماتے اور اگر عمل بد اور گناہ تھا تو ایسے عمل والے کے لئے کوئی شرف و بزرگی نہیں ہوتی جس سے خدا کی رحمت اس کے شامل حال ہو اور وہ نزول سکینہ کا محل قرار پائے۔ بلکہ شرافت و فضیلت صرف مومنین اور اولیاء اللہ کے لئے ہوتی ہے۔

اور اولیاء اللہ کے لئے کچھ علامتیں ہوتی ہیں جن میں قرآن مجید کے بیان کی بنا پر سب سے اہم یہ ہے کہ حادثات زمانہ کے مقابلے میں ہرگز خوف و حزن اور غم و اندوہ کا اظہار نہ کریں بلکہ صبر و استقامت اختیار کریں، چنانچہ سورہ ۱۰ (یونس) آیت ۶۳ میں ارشاد ہے الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (یعنی آگاہ ہو کہ دوستان خدا کے دلوں میں (آیندہ حادثات زمانہ کا) کوئی خوف نہیں ہوتا اور نہ وہ (دنیا کی اپنی گزشتہ مصیبتوں پر) غم و اندوہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔

(جب گفتگو یہاں تک پہنچی تو مولوی صاحبان گھڑیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ رات نصف سے کافی زیادہ گزر چکی ہے۔ نواب صاحب نے کہا کہ ابھی آیت کے بارے میں قبلہ صاحب کا بیان مکمل نہیں ہوا ہے اور کوئی آخری نتیجہ ہمارے ہاتھ نہیں آیا ہے۔ ان حضرات نے کہا کہ ہم اس سے زیادہ زحمت دینا مناسب نہیں سمجھتے لہٰذا بقیہ باتیں کل شب کے لئے ملتوی کی جاتی ہیں۔ چونکہ یہ اسلامی عیدوں میں سب سے بزرگ یعنی عید بعثت کی شب تھی۔ لہٰذا جلسے میں شربت اور مختلف اقسام کی شیرینی آئی اور مسرت و شادمانی کے ساتھ یہ نشست تمام ہوئی)۔

چھٹی نشست

شب چہار شنبہ ۲۸ رجب ۱۳۴۵ھ

(قبل غروب جناب غلام امامین صاحب جو اہل تسنن میں سے ایک معزز تاجر اور شریف و متین انسان ہیں اور پہلی ہی شب سے شریک جلسہ تھے تشریف لائے، انہوں نے بہت تہذیب کے ساتھ پر جوش انداز میں ایک مفصل بیان دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں نے ذرا جلد آکر آپ کو اس لئے زحمت دی کہ آپ کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں کہ آپ نے اپنے مدلل بیانات کے ذریعہ ہم میں سے متعدد افراد کو جذب کر لیا ہے، دل مکمل طور پر متاثر ہیں اور ایسی نئی نئی باتیں سننے میں آئی ہیں جن کو تقیہ کی بنا پر دوسرے لوگ بیان کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔ ہم بھی ان تمام چیزوں سے بالکل بے خبر تھے لیکن

بحمداللہ آپ نے ہمت و شجاعت کے ساتھ پردے اٹھا دیے اور ادب کے پیرائے میں ہم کو حقائق سے روشناس فرمایا۔
گذشتہ شب جب ہم لوگ یہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں کافی دیر تک حضرات علماء پر ہماری چوٹیں ہوتی رہیں اور آپس میں سخت گفتگو کی نوبت آگئی یہاں تک کہ ہم نے مشکل سے حالات کو درست کیا۔ ہمارے درمیان ایک عجیب دورنگی پیدا ہو گئی ہے۔ آج کا شب مولوی صاحبان ہم سے بہت نالاں اور برگشتہ خاطر ہیں۔ اتنے میں نماز کا وقت آیا اور انہوں نے مغرب و عشاء کی نماز ہماری اقتداء میں پڑھی اور ہماری ہی طرح سے فریضہ ادا کیا۔ آہستہ آہستہ حضرات تشریف لائے چنانچہ معمولی خاطر و تواضع چائے نوشی اور از حد اظہار خلق و محبت کے بعد نواب عبدالقیوم صاحب کی طرف سے سلسلۂ گفتگو شروع ہوا)۔

نواب: قبلہ صاحب ہماری خواہش ہے کہ کل شب کے بیان کو مکمل کر دیجئے تاکہ مطلب ناقص نہ رہ جائے، اس لئے کہ ہم سب نتیجۂ کلام اور اہمیت کے حقیقی مفہوم کے منتظر ہیں۔

خیر طلب: بشرطیکہ آپ حضرات (مولوی صاحبان کی طرف اشارہ) آمادہ ہوں اور اجازت دیں۔

حافظ: (ناراضگی کے ساتھ) کوئی حرج نہیں اگر ابھی کچھ باقی ہے تو فرمائیے ہم سننے کو تیار ہیں۔

خیر طلب: گذشتہ رات یہ کہنے والوں کے رد میں کہ یہ آیت شریفہ خلفائے راشدین کے طریقۂ خلافت میں ذکر کی گئی ہے ہم نے ادبی دلائل پیش کئے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ مطالب کو دوسرے رخ سے زیر بحث لائیں تاکہ پردے ہٹیں اور حقیقت سامنے آ جائے۔

جناب شیخ عبدالسلام نے گذشتہ شب میں فرمایا تھا کہ اس آیت کے اندر چار صفتیں بتاتی ہیں کہ آیت خلفائے اربعہ اور ترتیب خلافت کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اول تو فریقین کے بڑے بڑے مفسرین کی طرف سے اس آیۂ شریفہ کی شان نزول میں ایسا کوئی بیان نہیں دیا گیا ہے، دوسرے آپ خود بہتر جانتے ہیں کہ کوئی صفت جب ہر پہلو سے موصوف کے ساتھ مطابقت کرتی ہے تب لائق اعتنا ہوتی ہے اور اگر صفت موصوف سے مطابق نہ ٹھہرے تو حقیقت کا مصداق نہیں بن سکتا۔

اگر بغیر محبت اور عداوت کے ہم انصاف کی نگاہ سے دیکھیں اور تحقیق کریں تو دیکھیں گے کہ مندرجہ آیۂ مبارکہ کی صفات کے حامل صرف حضرت امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ تھے اور ہرگز یہ صفتیں ان حضرات سے میل نہیں کھاتیں جن کو شیخ صاحب نے بیان کیا ہے۔

حافظ: کیا یہ ساری آیتیں جو آپ نے علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں نقل کیں کافی نہیں تھیں جو آپ چاہتے ہیں کہ اس آیت کو بھی اپنی جادو بیانی کے زور سے علی کی شان میں ثابت کریں؟ فرمائیے دیکھیں کیونکر یہ خلفائے راشدین کی خلافت سے مطابقت نہیں کرتی۔

علی علیہ السلام کی شان میں تین سو آیتیں

خیر طلب: آپ نے جو یہ فرمایا کہ آیات قرآنی کو ہم نے مولانا امیرالمومنین علیہ السلام کی شان میں وارد کیا ہے، تو آپ نے یہ ایک عجیب خلط مبحث کیا ہے۔ کیا اس سے آنکھ بند کی جا سکتی ہے کہ خود آپ کی تمام بڑی بڑی تفسیروں اور معتبر کتابوں میں قرآن مجید کی اُن کثیر آیتوں کو نقل کیا گیا ہے جو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں؟ نہ یہ کہ اس کو ہم سے مخصوص بتایا جائے آیا حافظ ابو نعیم اصفہانی جنہوں نے ما نزل من القرآن فی علی کو اور حافظ ابو بکر شیرازی جنہوں نے نزول القرآن فی علی کو مستقل حیثیت سے لکھا ہے شیعہ تھے؟ آیا تمام بڑے بڑے مفسرین جیسے امام ثعلبی، جلال الدین سیوطی، طبری، امام فخرالدین رازی اور اکابر علماء جیسے ابن کثیر، مسلم، حاکم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد اور احمد ابن حنبل وغیرہ یہاں تک کہ ابن حجر ایسے متعصب جنہوں نے صواعق محرقہ میں اُن قرآنی آیات کو اکٹھا کیا ہے جو اُن حضرت کی شان میں نازل ہوئی ہیں، شیعہ تھے؟ بعض علماء جیسے طبرانی نے اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے باب ۶۲ کے شروع میں بسند ابن عباس اور محدث شام نے اپنی تاریخ کبیر میں نیز اور حضرات نے جو قرآن کی تین سو آیات تک اُن حضرت کے بارے میں درج کی ہیں تو یہ شیعہ تھے یا آپ کے اکابر علماء اور پیشوا تھے!

بہتر ہوگا کہ آپ حضرات تھوڑے غور و تامل کے ساتھ بیان کیا کریں تاکہ ندامت و پشیمانی کا باعث نہ ہو۔

ہم حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی منزلت ثابت کرنے میں کچھ گھڑنے اور وضع کرنے کے محتاج نہیں کہ زبردستی کسی آیت کو اُن حضرت کی شان میں نقل کریں آپ کے مدارج آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر و ہویدا ہیں۔ یہ وہ خورشید تاباں ہے جو ابر کے پردے میں نہیں رہتا۔

امام محمد بن ادریس شافعی کہتے ہیں میں تعجب کرتا ہوں علی علیہ السلام کے حال سے کیونکہ اُن حضرت کے دشمن یعنی نواصب اور خوارج بغض و کینہ کی وجہ سے اُن حضرت کے فضائل نقل نہیں کرتے اور دوستانِ علیؑ بھی خوف و تقیہ کے سبب ذکر مناقب سے احتیاط کرتے ہیں اس کے باوجود کتابیں حضرت کے فضائل و مناقب سے پُر ہیں جو ہر جگہ شمع محفل ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے موضوع میں ہم کسی سحر آمیزی کو دخل نہیں دیتے بلکہ اُن حقائق کو بیان کرتے ہیں جن پر ہم نے خود آپ کی معتبر کتابوں سے استدلال کیا ہے اور کرتے ہیں۔

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ میں نے اب تک شیعہ روایات سے استدلال نہیں کیا ہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ کروں گا میں نے منبروں پر اور تقریروں میں بار بار کہا ہے کہ اگر شیعوں کی تمام کتابیں درمیان سے ہٹائی جائیں تو میں صرف اکابر علمائے اہلسنت سے امیرالمومنین علیہ السلام کے مقام ولایت و خلافت اور اولویت کو بہترین طریقے پر ثابت کر دوں گا چنانچہ اس آیۂ شریفہ میں بھی میرا قول تنہا نہیں ہے کہ آپ کہ سحر بیان میں مبتلا کروں بلکہ خود آپ کے علماء نے بھی اس مطلب کی

تصدیق کی ہے۔ مجھ کو اچھی طرح سے یاد ہے کہ فقیہہ ومفتی عراقین محدث شام محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۲۳ میں حدیث تشبیہ کو نقل کرتے ہوئے کہ رسولؐ خدا نے علیؑ کو انبیاء کی شبیہ قرار دیا ہے، کہتے ہیں کہ علیؑ کو جو حکم و حکمت میں نوح کی تشبیہ فرمایا تو اس کا سبب یہ ہے کہ انہ کان شدیدا علی الکافرین رؤفا بالمومنین کما وصفہ اللہ تعالے القرآن بقولہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم یعنی درحقیقت وہ کافروں پر سخت اور مومنین پر مہربان تھے، جیسا کہ خدا نے قرآن میں اس آیت سے اُن کی تعریف کی ہے کہ علیؑ جو ہمیشہ پیغمبرؐ کے ساتھی تھے کفار پر سختی اور مومنین پر مہربانی کرنے والے تھے۔ اور جو شیخ صاحب نے یہ فرمایا کہ والذین معہ ابوبکر کے بارے میں ہے اس دلیل سے کہ چند روز غار میں رسولؐ اللہ کے قریب رہے تو (حالانکہ کل شب کو عرض کر چکا ہوں کہ خود آپ ہی کے علماءؒ نے لکھا ہے کہ اتفاقیہ طور پر اور آئندہ خطروں سے بچنے کے لئے اُن کو ساتھ لے گئے تھے) اگر فرض کر لیا جائے کہ آنحضرتؐ مخصوص طریقے سے اُن کو اپنے ہمراہ لے گئے تو کیا ایسا مسافر جو چند روز سفر کے عالم میں آں حضرتؐ کے ساتھ رہا ہو مرتبہ میں اُس شخص کی برابری کر سکتا ہے جو اوائل عمر ہی سے رسولؐ اکرم کے ہمراہ اور آں حضرتؐ کی تعلیم و تربیت میں رہا ہو!

اگر انصاف و حقیقت کی نظر سے دیکھئے تو تصدیق کیجئے گا کہ حضرت علی علیہ السلام اس خصوصیت میں ابوبکر اور ان تمام مسلمانوں سے اولیٰ ہیں جو اس آیت کے مصداق بن سکیں کیونکہ آپ نے بچپن ہی سے رسول اللہ کے ساتھ اور آنحضرتؐ کے زیر تربیت نشو و نما پائی۔ بالخصوص ابتدائے بعثت سے سوا علی علیہ السلام کے دوسرا آں حضرتؐ کے ساتھ نہیں تھا۔ علیؑ اُس دن بھی پیغمبرؐ کے ہمراہ تھے جب ابوبکر، عمر، عثمان، ابوسفیان، معاویہ اور تمام مسلمان دین توحید سے منحرف اور بت پرستی میں غرق تھے۔

رسولؐ اللہ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے علیؑ تھے

چنانچہ آپ کے اکابر علماء جیسے بخاری و مسلم نے اپنی صحیحین میں، امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، ابن عبدالبر نے استیعاب جلد سیم ص۳۲ میں، امام ابوعبدالرحمن نسائی نے خصائص العلوی میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ ص۶۳ میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب ۱۲ میں ترمذی و مسلم سے، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول فصل اول میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سیم ص۲۵۸ میں، ترمذی نے جامع ترمذی جلد دوم ص۲۱۴ میں، حموینی نے فرائد میں، امیر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں، یہاں تک کہ ابن حجر متعصب نے صواعق میں اور آپ کے دوسرے جید علماء نے الفاظ کی مختصر کمی و بیشی کے ساتھ انس بن مالک نیز اور لوگوں سے نقل کیا ہے کہ بعث النبی فی یوم الاثنین و امن علی یوم الثلاث (یعنی پیغمبر دوشنبہ کے روز مبعوث ہوئے اور علیؑ سہ شنبہ کو ایمان لائے) نیز روایت کی ہے بعث النبی فی یوم الاثنین وصلی علی معہ یوم الثلاثا (یعنی پیغمبر دوشنبہ کے روز مبعوث ہوئے اور سہ شنبہ کو علی نے اُن کے ساتھ نماز پڑھی) اور

انه اول من امن برسول اللہ من الذکور (یعنی علیؑ وہ پہلے مرد تھے جو رسول پر ایمان لائے)۔

نیز طبری نے اپنی تاریخ جلد دوم ص۲۴۱ میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سیم ص۲۵۸ میں، ترمذی نے جامع جلد دوم ص۲۱۵ میں، امام احمد نے مسند جلد چہارم ص۳۶۸ میں، ابن اثیر نے کامل جلد دوم ص۲۲ میں، حاکم نیشاپوری نے مستدرک جلد چہارم ص۳۳۶ میں اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۲۵ میں اپنے اسناد کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اوّل من صلّٰی علی (اسلام کے اندر) جس نے سب سے پہلے نماز ادا کی وہ علیؑ تھے۔ اور زید ابن ارقم سے روایت کی ہے کہ اوّل من اسلم مع رسول اللہ علی بن ابی طالب (یعنی جو شخص سب سے پہلے رسول اللہ کے ساتھ اسلام لایا وہ علیؑ ابن ابی طالب تھے) اور اس قسم کی روایتیں آپ کی معتبر کتابوں میں بھری پڑی ہیں۔ لیکن نمونے کے لئے اسی قدر کافی ہیں۔

علیؑ بچپن ہی سے پیغمبرؐ کی تربیت میں

خصوصیت سے آپ کو اس طرف توجہ کرنا چاہیئے کہ آپ ہی کے ذی علم فقیہ نور الدین بن صباغ مالکی نے فصول المہمہ فصل تربیۃ النبی ص۱۶ میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول فصل اوّل ص۱۱ میں اور دوسروں نے نقل کیا ہے کہ جس سال مکہ معظمہ میں قحط پڑا تھا ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (جو ابھی ظاہری طور پر مبعوث برسالت نہ ہوئے تھے) اپنے چچا عباس سے فرمایا کہ آپ کے بھائی ابو طالب کثیر العیال ہیں اور زمانہ بھی بہت سخت ہے لہٰذا ہم لوگ چل کے ان کی اولاد میں سے جس کو مناسب سمجھیں ایک ایک نفر کو اپنی کفالت میں لے لیں تاکہ میرے عزیز چچا کا بار ہلکا ہو جائے۔ عباس نے منظور کیا۔ دونوں حضرات مل کے جناب ابو طالب کے پاس گئے اور اپنے آنے کی غرض بیان کی۔ چنانچہ ابو طالب راضی ہو گئے۔ چنانچہ عباس نے جناب جعفر طیار کو اپنے ذمے لیا اور رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کی ذمہ داری لی، اس کے بعد مالکی یہ عبارت لکھتے ہیں کہ فلم یزل علیؑ مع رسول اللہ حتی بعث اللہ عزوجل محمداً نبیا فاتبعہ علی علیہ السلام وامن بہ وصدقہ وکان عمرہ اذ ذاک فی السنۃ الثالثۃ عشر من عمرہ لم یبلغ الحلم وانہ اوّل من اسلم وامن برسول اللہ من الذکور بعد خدیجۃ (یعنی علیؑ ہمیشہ رسولؐ اللہ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ خدا نے آں حضرتؐ کو مبعوث برسالت فرمایا تو علیؑ نے ان کی پیروی کی، ان پر ایمان لائے اور ان کی تصدیق کی، حالانکہ ابھی ان کی عمر کے صرف تیرہ سال گزرے تھے اور حد بلوغ میں نہیں پہنچے تھے، خدیجہ کے بعد مردوں میں آں حضرتؐ پر سب سے پہلے اسلام و ایمان لانے والے یہی تھے)۔

اسلام میں علیؑ کی سبقت

پھر مالکی اسی فصل میں امام ثعلبی کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے سورہ ۹ (توبہ) کی آیت ۱۰۰ والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار کی تفسیر میں اس طرح روایت کی ہے کہ ابن عباس، جابر ابن عبداللہ انصاری، زید ابن ارقم، محمد بن منکدر اور ربیعۃ الرائی کہتے ہیں کہ خدیجہ کے بعد جو شخص سب سے پہلے رسولؐ خدا پر ایمان لایا وہ علیؑ تھے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ علی کرم اللہ وجہہ نے اس بات کی طرف اپنے اشعار میں اشارہ فرمایا ہے جن کو ثقات علماء نے آپ سے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

محمد النبی اخی وصنوی	وحمزۃ سید الشہداء عمی
و بنت محمد سکنی وعرسی	منوط لحمہا بدمی ولحمی
و سبطا احمد ولدای منہا	فایکم لہ سہم کسہمی (ابن طلحہ)
سبقتکم الی الاسلام طفلا	صغیرا ما بلغت اوان حلمی
واوجب لی ولایتہ علیکم	رسول اللہ یوم غدیر خم (ابن طلحہ)
فویل ثم ویل ثم ویل	لمن یلقی الالہ غدا بظلمی

(یعنی محمدؐ رسول اللہ میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے ہیں، اور حمزہ سید الشہداء میرے چچا ہیں، اور فاطمہ بنت رسولؐ میری زوجہ اور شریک زندگی ہیں۔ اور پیغمبرؐ کے دونوں نواسے میرے دو فرزند ہیں فاطمہؑ سے، پس تم میں سے کون ہے جس کا حصہ میرے حصے کے برابر ہو، پس تم سب سے پہلے اسلام لایا جب کہ میں کم سن تھا اور حد بلوغ کو نہیں پہنچا تھا، اور پیغمبرؐ نے میرے لئے اپنی ولایت کو تم پر غدیر خم کے روز واجب کیا، پھر تین مرتبہ فرمایا کہ وائے ہو اس پر جو کل (روز قیامت) اس حالت میں خدا سے ملاقات کرے کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا ہو)۔

محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول باب اوّل فصل اوّل کے ضمن میں ص۱۱ پر اور آپ کے بڑے بڑے علمائے مورخین و محدثین نے نقل کیا ہے کہ حضرت نے یہ اشعار اس موقع پر معاویہ کے جواب میں لکھے تھے جب اس نے اپنے خط میں اُن حضرت کے مقابلے میں فخر و مباہات کیا تھا کہ میرا باپ زمانۂ جاہلیت میں سردار قوم تھا اور اسلام میں اس نے بادشاہی کی، اور میں خال المومنین، کاتب وحی اور صاحب فضائل ہوں۔

حضرت نے خط پڑھنے کے بعد فرمایا ابالفضائل یفخر علیّ ابن اکلۃ الاکباد یعنی آیا میرے سامنے جگر چبانے والی (یعنی معاویہ کی ماں ہندہ جس کے لئے احد میں سید الشہداء حمزہ کا جگر لایا گیا اور اس نے منہ میں رکھ کر چبایا) کا لڑکا فضائل

فخر جتاتا ہے۔ اس کے بعد مذکورہ بالا اشعار اس کو لکھے جن میں غدیر خم کی طرف اشارہ فرمایا اور ثابت فرمایا کہ آپ ہی امام و خلیفہ اور رسولؐ خدا کے بعد آں حضرت ہی کے حکم سے مسلمانوں کے امور میں اولیٰ بہ تصرف ہیں۔ اور معاویہ باوجودیکہ آپ کا اتنا سخت مخالف تھا ان مفاخرات میں آپ کی تکذیب نہیں کر سکا۔ نیز حاکم ابو القاسم اسکافی جو آپ کے بہت بڑے عالم اور آپ کے علماء کے معتمد علیہ ہیں آیۂ مذکورہ کے ذیل میں عبدالرحمٰن ابن عوف سے نقل کرتے ہیں کہ قریش میں سے دس نفر ایمان لائے جن میں سب سے پہلے علی ابن ابی طالبؑ تھے۔

آپ کے اکابر علماء جیسے احمد ابن حنبل مسند میں، خطیب خوارزمی مناقب میں اور سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودہ باب ۱۲ میں انس ابن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا صلت الملائکۃ علیّ وعلی علیّ سبع سنین و ذالک انہ لم ترفع شہادۃ ان لا الہ الا اللہ الی السماء الا منّی ومن علی (یعنی ملائکہ نے سات سال مجھ پر اور علیؑ پر صلوات بھیجی کیونکہ اس مدت میں سوا میرے اور علیؑ کے کسی اور کی طرف سے کلمۂ شہادت آسمان کی جانب بلند نہیں ہوا)۔

ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد اول میں ص۳۷۵ سے ص۳۷۸ تک آپ کے رواۃ و علماء کے سلسلوں سے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں کہ علی علیہ السلام اسلام و ایمان میں سارے مسلمانوں سے آگے تھے، اور تمام اخبار و اختلاف اقوال کے آخر میں کہتے ہیں فدل مجموع ما ذکرناہ ان علیّاً علیہ السلام اول الناس اسلاماً وان المخالف فی ذالک شاذ والشاذ لا یعتد بہ (یعنی یہ سب جو ہم نے ذکر کیا اس پر دلالت کرتا ہے کہ علی علیہ السلام سب سے پہلے اسلام لائے اور اس امر کے مخالف بہت کم ہیں اور قول شاذ قابل توجہ نہیں ہوتا)۔

امام ابو عبدالرحمٰن نسائی نے جو ائمہ صحاح ستہ میں سے ایک ہیں خصائص العلوی کی پہلی چھ حدیثیں اسی موضوع میں نقل کی ہیں اور تصدیق کی ہے کہ سب سے پہلے رسولؐ اللہ پر ایمان لانے والے اور آں حضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھنے والے علی علیہ السلام تھے۔

اور شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۱۲ میں ترمذی، حموینی، ابن ماجہ احمد حنبل، حافظ ابو نعیم، امام ثعلبی، ابن مغازلی، ابو المؤید خوارزمی اور دیلمی سے مختلف مضامین کے ساتھ اکتیس ۳۱ روایتیں نقل کی ہیں جن سب کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہے کہ علی علیہ السلام ساری امت سے پہلے اسلام و ایمان لائے، یہاں تک کہ ابن حجر مکی جیسے متعصب نے بھی صواعق محرقہ فصل دوم میں انہیں مضامین کی روایتیں نقل کی ہیں، چنانچہ سلیمان بلخی نے بھی ینابیع المودۃ میں ان میں سے بعض روایتیں ان سے نقل کی ہیں اور ینابیع المودۃ باب ۱۲ کے آخر میں اپنے اسناد کے ساتھ ابن زبیر مکیؒ سے اور انہوں نے جابر ابن عبداللہ انصاری سے مناقب کے سلسلے میں ایک مبارک روایت نقل کی ہے جس کو آپ حضرات کی اجازت سے پیش کر رہا ہوں تاکہ حجت تمام ہو جائے رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے۔ انّ اللہ تبارک وتعالیٰ اصطفانی واختارنی وجعلنی رسولا وانزل علیّ سید الکتب فقلت الٰہی وسیدی انک ارسلت موسیٰ الی فرعون فسئلک ان تجعل معہ اخاہ ھرون وزیراً

لیشد بہ عضدہ ویصدقنی بہ قولہ وانی اسئلک یا سیدی والٰھی ان تجعل لی من اھلی وزیراً تشد بہ عضدی فاجعل لی علیاً وزیراً واخاً واجعل الشجاعۃ فی قلبہ والبسہ الھیبۃ علیٰ عدوہ وھو اول من اٰمن بی وصدقنی واول من وحد اللہ معی وانی سئلت ذالک ربی عز وجل فاعطانیہ فھو سید الاوصیاءٌ اللحوق بہ سعادۃ والموت فی طاعتہ شھادۃ واسمہ فی التوریۃ مقرون الی اسمی وزوجتہ الصدیقۃ الکبریٰ ابنتی وابناہ سیدا شباب اھل الجنۃ ابنای وھو وھما والائمۃ من بعدھم حجج اللہ علیٰ خلقہ بعد النبیین وھم ابواب العلم فی امتی من تبعھم نجی من النار ومن اقتدیٰ بھم ھدی الی صراط مستقیم لم یھب اللہ محبتھم لعبد الا ادخلہ اللہ الجنۃ۔ انتھیٰ

(فاعتبروا یا اولی الابصار) (یعنی خدائے تعالیٰ نے مجھ کو برگزیدہ اور منتخب کیا (مخلوقات میں سے) مجھ کو پیغمبر بنایا اور مجھ پر سب سے بہتر کتاب نازل کی۔ پس میں نے عرض کیا اے میرے معبود اور مالک تونے موسیٰ کو فرعون کی طرف بھیجا، تو انہوں نے تجھ سے دعا کی کہ میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے تاکہ اُن سے میرا بازو مضبوط ہو اور ان کے ذریعے میرے قول کی تصدیق ہو۔ چنانچہ اب میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ خداوندا میرے اہل میں سے میرے لئے ایک وزیر قرار دے جس سے میرا بازو مضبوط ہو۔ پس علیؑ کو میرا وزیر اور میرا بھائی بنا، شجاعت کو اُن کے دل میں قائم کر اور اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں اُن کو ہیبت عطا کر۔ علیؑ وہ پہلے شخص ہیں جو مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی اور سب سے پہلے میرے ساتھ خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے خدا سے یہ سوال کیا تو اُس نے مجھ کو عطا بھی فرمایا (یعنی علیؑ کو میرا وزیر اور بھائی قرار دیا) پس علیؑ اوصیاء کے سردار ہیں، اُن سے وابستہ ہونا سعادت اور اُن کی اطاعت میں مرنا شہادت ہے، توریت میں اُن کا نام میرے نام کے ساتھ ہے، اُن کی زوجہ صدیقہ کبریٰ میری بیٹی ہے، اُن کے دو بیٹے جو جوانانِ جنت کے سردار ہیں، میرے فرزند ہیں علیؑ، حسنؑ، حسینؑ اور ان کے بعد سارے امام انبیاء کے بعد تمام خلقت پر خدا کی حجت ہیں اور یہ حضرات میری اُمت میں علم کے دروازے ہیں جس شخص نے ان کی پیروی کی اُس نے ...... آتش جہنم سے نجات پائی اور جس نے ان کی اقتدا کی، اُس نے صراط مستقیم کی ہدایت پائی۔ خدا نے جس بندے کو اُن کی محبت عنایت فرمائی اُس کو ضرور جنت میں داخل کرے گا لہٰذا اے صاحبانِ بصیرت عبرت حاصل کرو)۔

اگر میں چاہوں کہ بغیر کتب شیعہ کی سند کے صرف وہی سب روایتیں پیش کروں جو محض آپ ہی کے رواۃ اور اکابر علماء کے سلسلوں سے اس بارے میں مروی ہیں تو ساری رات صرف ہو جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ نمونے کے طور پر اسی قدر کافی ہے جس سے آپ حضرات سمجھ لیں گے کہ علیؑ وہ شخص ہیں جو ابتدا سے رسولؐ خدا کے ساتھ تھے لہٰذا اولیٰ و احق بات یہ ہے کہ ہم انہیں بزرگوار کو والذین معہ کا مصداق سمجھیں نہ کہ اُس کو جو غار کی مسافرت میں چند راتیں رسولؐ کے ہمراہ رہا۔

علیؑ کے ایمانِ طفلی میں اشکال اور اُس کا جواب

حافظ: یہ بات تو ثابت ہے اور کسی نے اس حقیقت کا انکار نہیں کیا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ ساری اُمت سے سابق الاسلام تھے لیکن یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ یہ سبقت دوسرے صحابہ پر علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت و شرافت کی دلیل نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ خلفائے معظم ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم علی کرم اللہ وجہہ کے ایک مدت بعد ایمان لائے لیکن ان کا ایمان علی کے ایمان سے فرق رکھتا تھا اور قطعاً اُن کا ایمان علیؑ کے ایمان سے افضل تھا کیونکہ علی ایک نابالغ بچے اور یہ لوگ سن رسیدہ اور کامل العقل تھے۔

بدیہی چیز ہے کہ ایک تجربہ کار جہاں دیدہ اور پختہ عقل رکھنے والے بوڑھے کا ایمان ایک نوخیز و نابالغ لڑکے کے ایمان سے افضل اور بالاتر ہے۔ اس کے علاوہ علی کا ایمان تقلیدی اور ان لوگوں کا تحقیقی تھا تحقیقی ایمان تقلیدی ایمان سے قطعاً افضل ہے اس لئے کہ نابالغ اور غیر مکلف بچہ بغیر تقلید کے ہرگز ایمان نہیں لاتا اور علیؑ تیرہ سال کے ایک کم سن بچے تھے جن پر کوئی شرعی تکلیف نہیں تھی لہذا یقیناً انہوں نے محض تقلید میں ایمان قبول کیا۔

خیر طلب: آپ جیسے علمائے قوم سے اس قسم کی گفتگو سن کے تعجب ہوتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی ان باتوں کا کیا مطلب سمجھوں۔ آیا یہ کہوں کہ آپ محض عناد کی بنا پر ہٹ دھرمی کر رہے ہیں لیکن اس پر میرا دل آمادہ نہیں ہوتا کہ ایک عالم کی طرف ایسی نسبت دوں، تو کیا یہ کہوں کہ آپ بغیر سوچے سمجھے اپنے اسلاف کی پیروی میں اس قسم کی باتیں کرتے ہیں یعنی آپ صرف بنی اُمیہ کے زیر اثر خوارج و نواصب کی تقلید میں بول رہے ہیں اور اپنی تقریر میں کسی تحقیق سے مطلب نہیں رکھتے)۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آیا بچپنے میں علی علیہ السلام کا ایمان اپنی خواہش اور ارادے سے تھا یا رسولؐ اللہ کی دعوت پر؟

حافظ: پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ طریقۂ گفتگو سے کیوں متاثر ہوتے ہیں کیونکہ جب شبہ اور اشکال دل میں الجھن پیدا کرتا ہے تو اس کو زیر بحث لانا ضروری ہوتا ہے تاکہ حقیقتوں کا انکشاف ہو۔

دوسرے آپ کے جواب میں یہ طے شدہ امر ہے کہ علیؑ رسولؐ خدا کی دعوت پر ایمان لائے، اپنی خواہش اور ارادے سے نہیں۔

خیر طلب: آیا رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب علی علیہ السلام کو اسلام کی دعوت دی تو آپ یہ جانتے تھے کہ بچے کے اُوپر بلوغ سے پہلے کوئی شرعی تکلیف نہیں ہے یا نہیں جانتے تھے؟ اگر یہ کہئے کہ نہیں جانتے تھے تو آپ نے ان حضرت کی طرف جہالت کی نسبت دی اور اگر جانتے تھے کہ چھوٹے بچے کے لئے کوئی دینی ذمہ داری نہیں ہے اس کے باوجود ان کو دعوت دی تو ایک لغو مہمل اور بے محل کام کیا۔ بدیہی چیز ہے کہ رسولؐ اللہ کی طرف لغو اور عبث کام کی نسبت دینا کھلا ہوا

کفر ہے کیونکہ پیغمبرؐ لغو اور فضول باتوں سے پاک و مبرا ہے خصوصاً خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیونکہ خدا سورہ ۵۳ (والنجم) آیت ۳-۴ میں آں حضرت کے لئے فرماتا ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (یعنی رسولؐ خدا اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہتے ہیں وہ از روے وحی ہوتا ہے جو اُن پر نازل ہوتی ہے۔)

بچپن میں علیؑ کا ایمان اُن کی عقل و فضل کی زیادتی کی دلیل ہے،

پس قطعاً آں حضرتؐ نے علیؑ کو دعوت دینے کے قابل اور اہل جان کے دعوت دی کیوں کہ آں حضرتؐ سے کوئی لغو عمل سرزد نہیں ہوتا اس کے علاوہ کم سنی کمال عقل کی منافی نہیں ہوتی، بلوغ وجوب تکلیف کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ صرف احکام شرعی میں اس کا لحاظ کیا جاتا ہے نہ کہ عقلی امور میں، اور ایمان ایک عقلی امر ہے تکلیف شرعی نہیں ہے لہذا ایمان علی فی الصغر من فضائلہ بچپن میں علیؑ کا ایمان اُن کی ایک فضیلت ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے لئے جو ابھی نوزائیدہ بچے تھے خدائے تعالےٰ سورہ نمبر ۱۹ (مریم) آیت ۳۱ میں خبر دیتا ہے کہ انہوں نے کہا انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا (یعنی درحقیقت میں خدا کا ایک خاص بندہ ہوں، اس نے مجھ کو آسمانی کتاب عطا کی اور نبی بنایا ہے) اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے اسی سورے کی آیت ۱۳ میں فرماتا ہے واتیناہ الحکم صبیا (یعنی ہم نے یحییٰ کو بچپنے ہی میں منصب نبوت عطا کیا)۔

سید اسمٰعیل حمیری یمنی متوفی ۱۷۹ھ ہجری جو دوسری صدی ہجری کے مشہور شعراء میں سے تھے اُن اشعار میں جو انہوں نے حضرتؐ کی مدح میں کہے تھے اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

وصی محمد وابو بنیہ ۔۔۔ ووارثہ وفارسہ الوفیا

وقد اوتی الھدیٰ والحکم طفلا ۔۔۔ کیحییٰ یوم اوتیہ صبیا

(یعنی جس طرح یحییٰ عالم طفلی میں نبوت پر فائز ہوئے اسی طرح جانشین پیغمبرؐ، آپ کے فرزندوں کے باپ، آپ کے وارث اور جاں نثار شہسوار علی علیہ السلام بھی بچپنے ہی میں ولایت وہدایت کے حامل ہوئے)۔

جو فضیلت و منزلت خدا عطا فرماتا ہے وہ سن بلوغ تک پہنچنے کی محتاج نہیں ہے بلکہ عقل کی پختگی اور صلاحیت طبع پاک طینت کا نتیجہ ہے جس سے فقط ہر سر دخفی کا جاننے والا خدا ہی واقف ہے لہذا اگر یحییٰ بچپنے میں اور عیسیٰ گہوارے میں نبوت تک اور علیؑ تیرہ سال کے سن میں ولایت مطلقہ تک پہنچ جائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

آپ کی اس گفتگو پر جس سے میں متاثر ہوا زیادہ تر تعجب یہ تھا کہ ایسے شبہات واعتراضات نواصب وخوارج اور بنی امیہ کے پروپیگنڈے سے متاثر معاندین کے پیروؤں سے سننے میں آتے ہیں جو علی علیہ السلام کے ایمان پر نکتہ چینی کرتے

ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کا ایمان معرفت ویقین کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ تلقین وتقلید کی بنا پر تھا۔

اوّل تو آپ کے سارے موثق اکابر علماء اس فضیلت کے معترف ہیں، دوسرے اگر کم سنی کا ایمان اُن حضرت کے لیے باعث فخر وبزرگی نہیں تھا تو آپ نے صحابہ کے مقابلے میں اس قدر فخر ومباہات کیوں فرمایا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا آپ کے اکابر علماء جیسے محمد بن طلحہ شافعی، ابن صباغ مالکی، ابن ابی الحدید اور دوسروں نے بھی حضرت کے اشعار نقل کئے ہیں کہ آپ نے ضمناً فرمایا:

سبقتکم الی الاسلام طرًا　　　صغیرا ما بلغت اوان حلمی

(یعنی میں نے اس وقت تم لوگوں پر اسلام میں سبقت کی جب کہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا اور سن بلوغ کو نہیں پہنچا تھا۔
۱۲ مترجم عفی عنہ)

اگر بچپن میں اُن حضرت کا ایمان کوئی فضل وشرف نہ ہوتا تو رسولؐ خدا اُن بزرگوار کو اس فضیلت کے ساتھ خصوصیت نہ دیتے اور آپ خود اس بات پر فخر ومباہات نہ کرتے، چنانچہ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودة ضمن باب ۵۶ ص ۲۰۲ میں ذخائر العقبیٰ امام الحرم احمد بن عبداللہ شافعی سے بسند خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں، ابوبکر، ابوعبیدہ جراح اور ایک جماعت خدمت رسولؐ میں حاضر تھے کہ آں حضرتؐ نے اپنا دست مبارک علیؑ کے شانے پر رکھا اور فرمایا یا علی انت اوّل المومنین ایمانا واوّلھم اسلاما وانت منی بمنزلة ھٰرون من موسیٰ (یعنی یا علی تم ایمان واسلام میں تمام مومنین ومسلمین سے اوّل ہو اور تم میرے لئے بمنزلہ ہارون ہو موسیٰ کے لئے)۔

نیز امام احمد ابن حنبل مسند میں ابن عباس (خیر امت) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں، ابوبکر، ابوعبیدہ بن جراح اور دوسرے صحابہ کا ایک مجمع پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آں حضرت نے علی ابن ابی طالب کے شانے پر دست مبارک رکھ کے فرمایا انت اول المسلمین اسلاما وانت اول المومنین ایمانا وانت منی بمنزلة ھٰرون من موسیٰ کذب یا علی من زعم انہ یحبنی و یبغضک (یعنی تم اسلام وایمان میں تمام مسلمانوں اور مومنوں سے آگے ہو۔ اور تم میرے لئے بمنزلہ ہارون ہو موسیٰ سے۔ اے علی جھوٹ کہتا ہے وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو دوست رکھتا ہے درآنحالیکہ تم کو دشمن رکھتا ہو۔)

ابن صباغ مالکی فصول المہمہ ص ۱۲۵ میں اسی طرح کی روایت کتاب خصائص سے بروایت ابن عباس نیز امام ابو عبدالرحمن نسائی خصائص العلوی میں نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے عمر ابن خطاب (خلیفہ ثانی) کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ علیؑ کا ذکر نیکی کے ساتھ کرو کیونکہ میں نے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ فرمایا: علیؑ میں تین خصلتیں ہیں، میں (یعنی عمر) چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک ہی مجھ کو حاصل ہوتی کیوں کہ اُن صفتوں میں سے ہر ایک میرے نزدیک ہر اُس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر آفتاب چمکتا ہے پھر کہا کہ ابوبکر، ابوعبیدہ اور صحابہ کا ایک گروہ بھی حاضر تھا کہ آں حضرتؐ نے علیؑ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔

(عبارت مذکورہ بالا)۔ اور ابن صباغ نے ان کلمات کو دوسروں سے زیادہ نقل کیا ہے کہ فرمایا من احبك فقد احبنی ومن احبنی احبه الله ومن احبه الله ادخله الجنة ومن ابغضك فقد ابغضنی ومن ابغضنی ابغضه الله تعالیٰ وادخله النار (یعنی جو شخص تم کو دوست رکھے اُس نے مجھ کو دوست رکھا اور جس نے مجھ کو دوست رکھا اُس کو خدا دوست رکھتا ہے اور جس کو خدا دوست رکھتا ہے اُس کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور جو شخص تم کو دشمن رکھے اُس نے مجھ کو دشمن رکھا اور جس نے مجھ کو دشمن رکھا اس کو خدا دشمن رکھتا ہے اور اس کو جہنم میں داخل کرے گا)۔

پس عالم طفلی میں علی علیہ السلام کا ایمان عقل وخرد کی زیادتی کو ثابت کرتا ہے اور حضرت کے لئے ایک ایسی فضیلت ہے کہ لم یسبقه احد من المسلمین جس میں مسلمانوں میں سے کسی نے آپ پر سبقت نہیں کی ہے۔

طبری اپنی تاریخ میں محمد ابن سعد ابن ابی وقاص سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آیا ابوبکر سب سے پہلے مسلمان ہیں! کہا نہیں ولقد اسلم قبله اکثر من خمسین رجلا یعنی ابوبکر سے پہلے پچاس آدمیوں سے زیادہ اسلام لا چکے تھے لیکن وہ اسلام کی حیثیت سے ہم سے افضل تھے۔ نیز لکھا ہے کہ عمر ابن خطاب پینتالیس ۴۵ مردوں اور اکیس عورتوں کے بعد مسلمان ہوئے ولکن اسبق الناس اسلاماً وایماناً فهو علی بن ابی طالب (یعنی لیکن اسلام و ایمان کی حیثیت سے تمام انسانوں سے سابق تر علیؑ ابن ابی طالب تھے)۔

علیؑ کا ایمان کفر سے نہیں تھا فطری تھا

علاوہ اس کے کہ علیؑ تمام مسلمانوں سے پہلے ایمان لائے اُن کے لئے اس سلسلے میں ایک فضیلت اور ہے جو تمام فضائل میں اہم اور اُن کے مخصوص صفات میں سے ہے کہ اسلامہ عن الفطرة واسلامهم عن الكفر (یعنی علی کا اسلام فطرت سے ہے اور دوسروں کا اسلام کفر سے تھا) امیر المومنین علی علیہ السلام ایک چشم زدن کے لئے بھی کفر و شرک کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ برخلاف عام مسلمین اور صحابہ کے جو کفر و شرک اور بت پرستی سے نکل کے اسلام لائے (کیونکہ آپ قبل بلوغ ہی دعوت پیغمبر پر ایمان لے آئے) چنانچہ حافظ ابو نعیم اصفہانی نے مانزل القرآن فی علی میں اور میر سید علی ہمدانی نے مودة القربیٰ میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ والله مامن عبد امن بالله الا وقد عبد الصنم الا علی بن ابی طالب فانه امن بالله من غیران یعبد صنما (یعنی قسم خدا کی بندوں (یعنی اُمت) میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو ایمان لانے سے پہلے بت پرستی نہ کر چکا ہو سوا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے کیونکہ آپ بغیر بت کی پرستش کئے ہوئے خدا پر ایمان لائے)۔

محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب باب ۲۴ میں اپنے اسناد کے ساتھ رسولؐ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ

فرمایا سباق الامہ ثلاثہ لم یشرکوا باللہ طرفۃ عین علی بن ابی طالب وصاحب یاسین ومومن آل فرعون فھم الصدیقون حبیب النجار مومن آل یاسین وحزقیل مومن آل فرعون وعلی بن ابی طالب وھو افضلھم (یعنی تمام امتوں میں (ایمان و توحید کی دوڑ میں) سبقت لے جانے والے تین شخص ہیں جنہوں نے چشم زدن کے لیئے بھی خدا کے ساتھ شرک نہیں کیا، علیؑ ابن ابی طالب صاحب یاسین اور مومن آل فرعون اپس یہی لوگ سچے ہیں یعنی حبیب نجار مومن آل یاسین حزقیل مومن آل فرعون اور علیؑ ابن ابی طالب اور آپ ان سب میں افضل ہیں ۔)

چنانچہ نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت نے خود فرمایا فانی ولدت علی الفطرۃ وسبقت الی الایمان والھجرۃ (یعنی میں فطرت توحید پر پیدا ہوا اور رسولؐ خدا کے ساتھ ایمان و ہجرت میں پیش قدمی کی)

نیز حافظ ابو نعیم اصفہانی، شافعی اور آپ کے دوسرے علماء جیسے ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے ان علیا لم یکفر باللہ طرفۃ عین (یعنی حقیقتاً علی علیہ السلام نے پلک جھپکنے کے برابر بھی خدا کے ساتھ کفر نہیں کیا) اور امام احمد حنبل نے مسند اور سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے زمعہ بن خارجہ سے کہا انہ لم یعبد صنما ولم یشرب خمرا وکان اول الناس اسلاما (یعنی علی علیہ السلام نے ہرگز بت کو سجدہ نہیں کیا اور کبھی شراب نہیں پی اور تمام انسانوں سے پہلے اسلام لائے)۔

آپ جو یہ کہتے ہیں کہ شیخین کا ایمان علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ایمان سے افضل تھا تو کیا آپ نے یہ حدیث شریف نہیں دیکھی ہے جس کو ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں، امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، خطیب خوارزمی نے مناقب میں سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ میں اور آپ کے دوسرے اکابر علماء نے رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ فرمایا لو وزن ایمان علی وایمان امتی لرجح ایمان علی علی ایمان امتی الی یوم القیمۃ (یعنی اگر علیؑ کے ایمان کا میری امت ایمان سے وزن کیا جائے تو علی کا ایمان میری امت کے قیامت تک کے ایمان پر بھاری ہوگا۔)

نیز میر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ مودت ہفتم میں، خطیب خوارزمی نے مناقب میں اور امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسولؐ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا لوان السموات السبع والارضین السبع وضعن فی کفۃ میزان ووضع ایمان علی فی کفۃ میزان لرجح ایمان علی (یعنی اگر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو ترازو کے ایک پلے میں رکھیں اور علیؑ کا ایمان دوسرے پلے میں تو یقیناً علیؑ کا ایمان سب پر بھاری پڑے گا۔

اور ایک مشہور شاعر سفیان بن مصعب بن کوفی نے اسی بنیاد پر اپنے اشعار میں نظم کیا ہے:

اشھد باللہ لقد قال لنا	محمد والقول منہ ما خفی
لوان ایمان جمیع الخلق ممن	سکن الارض ومن حل السماء

یجعل فی کفۃ میزان لکی　　یوفی بایمان علی ماوفی

(یعنی خدا کی قسم میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد رسول اللہ نے ہم سے بیان فرمایا کہ کسی پر مخفی نہ رہے کہ اگر زمین و آسمان میں بسنے والے کل مخلوقات کا ایمان ترازو کے ایک پلے میں رکھا جائے اور علی کا ایمان دوسرے پلے میں تب بھی علی ہی کا ایمان وزنی ہوگا۔)

علیؑ تمام صحابہ اور اُمت سے افضل تھے

شافعی فقیہ و عارف میر سید علی ہمدانی نے کتاب مودۃ القربیٰ میں اس سلسلے کی بکثرت ایسی روایتیں نقل کی ہیں جو دلائل و براہین اور احادیث صحیحہ کے ساتھ علی علیہ السلام کی افضلیت ثابت کرتی ہیں۔ منجملہ ان کے مودت ہفتم میں ابن عباس (خیرامت) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا افضل رجال العالمین فی زمانی ھذا علی علیہ السلام یعنی عالمین کے مردوں میں سب سے افضل میرے زمانے میں یہ علی علیہ السلام ہیں)۔

اور آپ کے اکثر منصف علماء علی علیہ السلام کی افضلیت پر عقیدہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم ص ۲۹ میں لکھا ہے کہ فرقہ معتزلہ کے پیشوا ابوجعفر اسکافی کی ایک کتاب مجھ کو ملی جس میں لکھا ہوا تھا کہ بشر بن معتمر، ابوموسیٰ، جعفر بن مبشر اور بغداد کے دوسرے علمائے متقدمین کا مذہب یہ تھا کہ ان افضل المسلمین علی بن ابی طالب ثم ابنہ الحسن ثم ابنہ الحسین ثم حمزۃ بن عبد المطلب ثم جعفر بن ابی طالب الخ (یعنی تمام مسلمانوں سے افضل و برتر علی ابن ابی طالب پھر آپ کے فرزند حسنؑ پھر آپ کے دوسرے فرزند حسینؑ پھر حمزہ ابن عبدالمطلب پھر جعفر ابن ابی طالب (معروف بہ طیار)۔ ہمارے شیخ ابوعبداللہ بصری، شیخ ابوالقاسم بلخی اور شیخ ابوالحسن خیاط (جو متاخرین علمائے بغداد کے شیخ تھے) عموماً ابوجعفر اسکافی کے اسی عقیدے پر تھے (یعنی حضرت علی کو افضلیت تھی) اور افضلیت سے مراد یہ تھی کہ یہ حضرات خدا کے نزدیک تمام انسانوں سے بزرگ تھے، ان کا ثواب سب سے زیادہ تھا اور روز قیامت ان کا درجہ سب سے بلند ہوگا۔ اس کے بعد شرح نہج البلاغہ کے اسی ص ۲۹ کے آخر میں معتزلی عقیدے کی تفصیل نظم کی ہے اور کہا ہے:

وخیر خلق اللہ بعد المصطفیٰ　　اعظمھم یوم الفخار شرفا

السید المعظم الوصی　　بعل البتول المرتضیٰ علی

وابناہ ثم حمزۃ وجعفر　　ثم عتیق بعدھم لا ینکر

(یعنی رسول خدا کے بعد انسانوں میں سب سے بہتر اور اپنے شرف پر فخر کرنے کے روز سب سے نمبر رگ سید

بزرگوار، وصی پیغمبرؐ اور شوہر بتول (فاطمہ زہرا) علی مرتضیٰ ہیں، اور اُن کے بعد اُن کے دونوں فرزند (حسنؑ وحسینؑ) پھر حمزہ پھر جعفر (طیار) تھے۔

شیخ: اگر آپ نے خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ایمان کے ثبوت میں علماء کے اقوال دیکھے ہوتے تو ایسی باتیں نہ کہتے۔

خیر طلب: آپ بھی اگر متعصب لوگوں کے اقوال سے منہ موڑ کے اپنے محقق اور منصف علماء کے بیانات پر توجہ کرتے تو دیکھتے کہ وہ سب کے سب افضلیت علی علیہ السلام کی تصدیق کرتے ہیں۔

نمونے کے لیے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی جلد سیم ص۲۶۴ کی طرف رجوع کیجیے جس میں آپ کے اس بیان کو جاحظ سے نقل کیا ہے کہ ابوبکر کا ایمان علی علیہ السلام کے ایمان سے افضل تھا، اس کے بعد فرقۂ معتزلہ کے بڑے عالم اور شیخ ابوجعفر اسکافی نے اس کے رد میں جواب دیا ہے اس کو تفصیل سے درج کیا ہے، چنانچہ عقلی ونقلی دلائل سے کئی صفحات میں ثابت کرتے ہیں کہ بچپن میں حضرت علیؑ کا ایمان ابوبکر اور تمام صحابہ کے ایمان سے افضل تھا، یہاں تک کہ ص۲۷۵ میں کہتے ہیں کہ ابوجعفر نے کہا ہے انا لا ننکر فضل الصحابة وسوابقھم ولکننا ننکر تفضیل احد من الصحابة علی علی بن ابی طالب۔ انتھیٰ (یعنی ہم صحابہ کے فضائل کا انکار نہیں کرتے لیکن ان میں سے کسی کو علی ابن ابی طالب سے برتر نہیں مانتے)

ان اقوال سے قطع نظر دراصل امیرالمومنین کا نام دوسرے صحابہ کے مقابلے میں لانا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ ان حضرت کی منزل اس قدر بلند ہے کہ صحابہ وغیرہ میں سے کسی کے ساتھ ہرگز اس کا موازنہ نہیں ہو سکتا جس سے آپ فضائل صحابہ کو چند یکطرفہ روایتوں کے سہارے (اگر ان کو صحیح بھی مان لیا جائے) اُن حضرت کے جامع ومانع کمالات کے مقابلے پر لانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ میر سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ کی مودت ہفتم میں احمد بن محمد الکرزی بغدادی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے عبداللہ ابن احمد ابن حنبل کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میں نے اپنے باپ احمد ابن حنبل سے فضیلت صحابہ کا درجہ دریافت کیا تو وہ ابوبکر، عمر اور عثمان کا نام لے کر خاموش ہوگئے۔ فقلت یا ابت این علی بن ابی طالبؑ قال ھو من اھل البیت لا یقاس بہ ھؤلاء (یعنی میں نے کہا اے پدر بزرگوار علی ابن ابی طالب کہاں ہیں! (یعنی ان کا نام کیوں نہیں لیا) میرے باپ نے کہا کہ وہ اہل بیت رسالت میں سے ہیں ان پر اُن لوگوں کا قیاس نہیں ہو سکتا) یعنی جس طرح سے اہلبیت رسولؐ کا مقام ومرتبہ آیات قرآنی اور ارشادات رسول کے حکم سے تمام مقامات ومراتب سے بلند تر ہے اسی طرح علی علیہ السلام کے مدارج تمام صحابہ وغیرہ سے بالاتر ہیں، چنانچہ آپ کا نام صحابہ کے شمار میں نہ لانا چاہیے بلکہ وہ نبوت اور منصب رسالت کے ساتھ منسوب ہوگا۔ جیسا کہ آیۂ مباہلہ میں حضرت کو نفس رسولؐ کی جگہ پر بتایا گیا ہے۔

اس مقصد پر ایک دوسری حدیث بھی گواہ ہے جو اسی فصل اور مودت ہفتم میں بروایت عبداللہ ابن عمر ابن خطاب ابی وائل سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا ایک مرتبہ ہم نے اصحاب پیغمبر کو شمار کیا تو ابوبکر، عمر اور عثمان کا نام لیا، ایک شخص نے کہا یا ابا عبد الرحمٰن فعلیٌ ما ھو قال علی من اھل البیت لا یقاس بہ احد ھو مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ

والہ فی درجتہ (یعنی اے ابوعبدالرحمن (عبداللہ ابن عمر کی کنیت) علیؑ کا نام کیوں چھوڑ دیا؟ تو میں نے کہا علیؑ اہل بیت رسالت میں سے ہیں کسی کا اُن پر قیاس نہیں ہو سکتا وہ رسولؐ خدا کے ساتھ اُن کے درجے میں ہیں) یعنی علی علیہ السلام کا حساب اُمت اور صحابہ سے الگ اور خود پیغمبرؐ کے ساتھ شامل ہے۔ آپ رسول اللہ کے ہمراہ آں حضرت کے درجے میں ہیں۔

اجازت دیجیئے کہ اسی فضل اور مودت سے ایک حدیث اور پیش کر دوں۔ جابر ابن عبداللہ انصاری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک روز مہاجرین و انصار کے سامنے رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ سے فرمایا یا علی لو ان احدا عبد اللہ حق عبادتہ ثم شک فیک و اھل بیتک انکم افضل الناس کان فی النار (یعنی اے علیؑ اگر کوئی شخص خدا کی پوری عبادت کرے پھر تمہارے اور تمہارے اہل بیت کے تمام لوگوں سے افضل ہونے میں شک کرے تو وہ جہنم میں جھونک دیا جائیگا)۔

(یہ حدیث سنتے ہی سارے اہل جلسہ خصوصاً حافظ صاحب نے استغفار کیا کہ شک کرنے والوں میں شمار نہ ہوں)۔

خلاصہ یہ کہ اُن احادیث کثیرہ میں سے جو صحابہ اور تمام اُمت پر امیرالمومنین علی علیہ السلام کی فضیلت اور حق تقدم کے بارے میں وارد ہوئی ہیں یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ اب یا تو ان اخبار صحیحہ کی جو آپ ہی کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں رد کیجئے یا عقل و نقل کے حکم سے تسلیم کیجئے کہ اُن حضرت کا ایمان تمام صحابہ اور اُمت سے افضل تھا جن میں ابوبکر اور عمر بھی تھے۔

اگر آپ فریقین کی اس متفق علیہ حدیث پر توجہ کیجئے جو غزوۂ احزاب اور جنگ خندق میں امیرالمومنین کے ہاتھ سے مشہور بہادر عمر بن عبدود کے مارے جانے پر رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمائی کہ ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین (یعنی خندق کے روز علیؑ کا ایک وار (عمرو بن عبدود پر) جن و انس کی عبادت سے بہتر ہے) تو آپ خود تصدیق کیجئے گا کہ جب حضرت علی علیہ السلام کا ایک عمل جن و انس کی عبادت سے بہتر ہے تو اگر آپ کے سارے اعمال و عبادات شامل ہو جائیں تو یقیناً آپ کی افضلیت ثابت ہوگی اور اس سے سوا متعصب اور کینہ پرور انسان کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اگر تمام صحابہ اور اہل عالم پر آپ کی افضلیت کے لئے اور کوئی دلیل نہ ہوتی تو صرف آیت مباہلہ ہی اس کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہوتی جس میں خدا نے علیؑ کو بمنزلۂ نفس رسولؐ قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ رسولؐ اللہ اولین و آخرین میں تمام انسانوں سے افضل تھے۔ لہذا آیۂ شریفہ میں کلمۂ انفسنا کے حکم سے علی علیہ السلام بھی اولین و آخرین میں سب سے افضل ٹھہرتے ہیں۔ پس آپ حضرات تصدیق کیجئے کہ والذین معہ کے حقیقی مصداق امیرالمومنین علیہ السلام ہیں جو تمام مسلمانوں سے پہلے ظہور اسلام کی ابتدا ہی سے رسولؐ خدا کے ہمراہ تھے اور آخر عمر تک اُن سے ذرہ برابر بھی کوئی لغزش نہیں ہوئی۔

(نماز کا وقت ہو گیا لہذا مولوی صاحبان فریضہ ادا کرنے اُٹھے، فراغت کے بعد چائے نوشی ہوئی پھر میری طرف سے سلسلۂ کلام شروع ہوا)

خیر طلب: رہی یہ بات کہ شب ہجرت امیرالمومنینؑ رسول خدا کے ہمراہ کیوں روانہ نہیں ہوئے تو یہ بہت واضح چیز ہے کیوں کہ آں حضرت کے حکم سے چند اہم کام آپ کے سپرد تھے جن کو مکہ معظمہ میں ٹھہر کے انجام دینا تھا۔

اس لئے کہ پیغمبر کے نزدیک علیؑ سے زیادہ کوئی امین نہیں تھا جو ان امانتوں کو جو آں حضرتؐ کے پاس جمع تھیں، ان کے مالکوں تک پہنچاتا۔

دوست و دشمن کا اتفاق ہے کہ رسولؐ خدا اہل مکہ کے امین تھے، یہاں تک کہ دشمن بھی اپنی امانتیں آنحضرتؐ کے پاس جمع کرتے تھے تاکہ تلف ہونے سے محفوظ رہیں۔ اسی وجہ سے آنحضرتؐ مکہ میں محمد امین کے نام سے مشہور تھے۔

دوسرا فرض امیرالمومنینؑ کے ذمے یہ تھا کہ آں حضرتؐ کے اہل و عیال اور باقی مسلمانوں کو مدینے پہنچائیں۔

علاوہ ان چیزوں کے اگر علی علیہ السلام اس رات غار میں نہیں تھے تو قطعاً اس سے بالاتر منزل حاصل کی کہ رسول اللہ کے بستر اور چادر میں آرام فرمایا اگرچہ خلیفہ ابوبکر آں حضرتؐ کے طفیل میں ثانی اثنین کہے جاتے ہیں لیکن اسی شب میں مصاحبت غار سے زیادہ نیک اور اہم عمل کے سلسلے میں مستقل طور پر ایک آیت حضرت کی شان میں نازل ہوئی، اور یہ عمل خود آپ کی ایسی فضیلت و منقبت ہے جس پر فریقین (شیعہ و سنی) کا اتفاق ہے کیونکہ اگر اس رات امیرالمومنینؑ فداکاری اور جان نثاری نہ فرماتے تو رسول اللہ کی جان مبارک بہت بڑے خطرے میں تھی۔

شب ہجرت بستر رسولؐ پر سونے سے علیؑ کی شان میں نزول آیت

چنانچہ آپ کے موثق اکابر علماء نے اپنی تفسیروں اور معتبر کتابوں میں اس بزرگ فضیلت کو نقل کیا ہے جیسے ابن سبع مغربی نے شفاء الصدور میں، طبرانی نے اوسط اور کبیر میں، ابن اثیر نے اسد الغابہ جلد چہارم ص۲۵ میں نورالدین بن صباغ مالکی نے فصول المہمہ فی معرفت الائمہ ص۳۳ میں، ابواسحٰق ثعلبی، فاضل نیشاپوری، امام فخرالدین رازی اور جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیروں میں، حافظ ابونعیم اصفہانی مشہور شافعی محدث نے ما نزل القرآن فی علی میں، خطیب خوارزمی نے مناقب میں، شیخ الاسلام ابراہیم بن محمد حموینی نے فرائد میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۶۲ میں، امام احمد حنبل نے مسند میں، محمد بن جریر نے مختلف طریقوں سے، ابن ہشام نے سیرۃ النبی میں، حافظ محدث شام نے اربعین طوال میں، امام غزالی نے احیاء العلوم جلد سوم ص۲۲۳ میں، ابوالسعادات نے فضائل العترۃ الطاہرہ میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، سبط ابن جوزی نے تذکرۃ خواص الامۃ ص۲۱ میں اور آپ کے دوسرے بڑے بڑے علماء نے مختلف عبارات و الفاظ میں اس مطلب کا خلاصہ نقل کیا ہے اور شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۲۱ میں بکثرت علماء سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حکم خداوندی سے مدینہ منورہ کے لئے آمادہ ہوئے تو شب ہجرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے فرمایا کہ میری سبز خضرمی چادر جو میں رات کو استعمال کرتا ہوں اوڑھ لو اور میرے بستر پر سو جاؤ پس علیؑ آنحضرتؐ کی جگہ سو رہے اور وہ سبز چادر سر سے اوڑھ لی تاکہ گھر کا محاصرہ کئے ہوئے کفار یہ نہ سمجھیں کہ بستر پر علیؑ ہیں، یہاں تک کہ رسولؐ خدا صحیح و سلامت تشریف لے گئے۔

خدا کی جانب سے جبرئیل و میکائیل کو خطاب ہوا کہ میں نے تم دونوں کے درمیان بھائی چارہ قرار دیا ہے اور قطعاً تم میں سے ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ ہے لہذا کون اس کو منظور کرتا ہے کہ اپنی زیادہ عمر جس کا اُس کو علم بھی نہیں ہے دوسرے کو بخش دے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ حکم ہے یا اختیاری فعل؟ خطاب ہوا کہ حکم نہیں ہے تم کو اختیار حاصل ہے۔ تو ان میں سے کوئی بھی تیار نہیں ہوا کہ اپنی خوشی سے عمر کی زیادتی دوسرے کو دے دے اس وقت ارشاد ہوا۔ انی اخیت بین علی ولی ومحمد نبی فتثر علی حیاته للنبی فرقد علی فراش النبی یقیه بمهجته اهبطا الی الارض واحفظاه من عدوه (یعنی درحقیقت میں نے اپنے ولی علیؑ اور اپنے نبی محمدؐ کے درمیان برادری قائم کی ہے پس علیؑ نے پیغمبرؐ کی زندگی پر اپنی زندگی کو فدا و نثار کر دیا ہے اور اُن کے بستر پر سو کر دل و جان سے اُن کی حفاظت کر رہے ہیں، لہذا تم دونوں زمین پر جاؤ اور دشمنوں کے شر سے اُن کی حفاظت کرو) چنانچہ دونوں زمین پر آئے، جبرئیل حضرت کے سرہانے اور میکائیل پائینتی بیٹھے اور جبرئیل کہہ رہے تھے بخ بخ من مثلك یا بن ابی طالب واللہ عز وجل یباهی بك الملائکة (یعنی مبارک ہو مبارک ہو کون ہے تمہارے مثل اے ابو طالب کے فرزند کیونکہ خدائے عز و جل تمہارے وجود سے ملائکہ پر فخر و مباہات کر رہا ہے)۔

پھر خاتم الانبیاءؐ پر سورہ ۲ (البقرہ) کی آیت ۲۰۳ نازل ہوئی ومن الناس من یشتری نفسه ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد (یعنی انسانوں میں سے بعض (علی علیہ السلام) وہ ہیں جو رضائے الٰہی کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتے ہیں اور خدا ایسے بندوں پر مہربان ہے)

اب میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ جب قیام گاہ پر تشریف لے جایئے تو اس آیۂ شریفہ کو آیۂ غار سے جو آپ کا محل استدلال ہے ملا کر بغیر شیعہ و سنی کے بغض و محبت کے غیر جانبداری اور انصاف سے مطالعہ فرمایئے اور غور کیجئے کہ آیا افضلیت اُس شخص کے لئے ہے جو مسافرت میں چند روز غم و اندوہ کے ساتھ پیغمبرؐ کے ہمراہ رہا ہو یا اُس شخص کے لئے جس نے اُسی شب میدانِ نثاری کی اور قدرت و شجاعت و مسرت کے ساتھ علم و ارادہ سے اپنا نفس رسول اللہؐ پر قربان کیا تاکہ آنحضرتؐ سلامتی کے ساتھ تشریف لے جائیں، پروردگار عالم نے ملائکہ روحانی کے سامنے اُس کی ذات پر فخر و مباہات کیا اور اُس کی مدح میں ایک مستقل آیت نازل فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ کے بڑے بڑے علماء نے ہٹ دھرم معاندین کے مقابلے میں تھوڑے غور و فکر سے کام لے کر از روئے انصاف تصدیق کی ہے کہ علی علیہ السلام ابوبکر سے افضل تھے اور بستر رسولؐ پر علیؑ کا سونا غار میں ابوبکر کی مصاحبت سے بدرجہا بہتر و بالاتر تھا۔

سنّی علماء کا اعتراف کہ غار میں مصاحبت ابوبکر سے علیؑ کا بستر رسولؐ پر سونا بہتر تھا

اگر شرح نہج البلاغہ جلد سیم کو صہ ۲۶۹ سے صہ ۲۸۱ تک غور سے پڑھئے اور ابوبکر پر علیؑ کی افضلیت میں ابو عثمان

جاحظ (ناصبی) کے شبہات کے ردّ میں معتزلیوں کے بہت بڑے عالم اور شیخ امام ابوجعفر اسکافی کے بیانات اور دلائل پر گہری نظر ڈالیئے تو دیکھیئے گا کہ یہ فاضل بے مثال مضبوط دلیلوں کے ساتھ بصراحت ثابت کرتا ہے کہ پیغمبرؐ کے بستر پر آنحضرت کے حکم سے علیؑ کا سونا غار کے سفر میں ابوبکر کی چند روزہ مصاحبت سے افضل تھا، یہاں تک کہ لکھا ہے قال علماء المسلمین ان فضیلۃ علی تلک اللیلۃ لا نعلم احداً من البشر نال مثلھا الا ما کان من اسحٰق و ابراھیم عند استسلامہ للذبح (یعنی علمائے مسلمین کا اتفاق ہے کہ حقیقتاً اس رات میں علیؑ کی وہ فضیلت ہے جس کو کوئی انسان نہیں پا سکا سوا اسحٰق و ابراہیم کے جب وہ ذبح اور قربانی پر آمادہ تھے) (لیکن اکثر مفسرین و مورخین اور علمائے اخیار کا عقیدہ ہے کہ ذبیح اسمٰعیل تھے نہ کہ اسحٰق) اور ص۲۱ کے آخر میں ابوعثمان جاحظ (ناصبی) کے جواب میں ابوجعفر اسکافی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں قد بینا فضیلۃ المبیت علی الفراش علی فضیلۃ الصحبۃ فی الغار بما ھو واضح لمن انصف ونزید ھھنا تاکیداً بما لم نذکرہ فیما تقدم فنقول ان فضیلۃ المبیت علی الفراش علی الصحبۃ فی الغار لوجھین احدھما ان علیا قد کان انس بالنبی صلی اللہ علیہ والہ وحصل لہ بمصاحبتہ قدیما انس عظیم والف شدید فلما فارقہ عدم ذالک الانس وحصل بہ ابوبکر فکان ما یجدہ علی علیہ السلام من الوحشۃ والم الفرقۃ موجبا زیادۃ ثوابہ لان الثواب علی قدر المشقۃ - وثانیھما ان ابا بکر کان یؤثر الخروج من مکۃ وقد کان خرج من قبل فرد فازداد کراھیۃ للمقام فلما خرج مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وافق ذالک ھوی قبلہ ومحبوب نفسہ فلم یکن لہ من الفضلۃ ما یوازی فضیلۃ من احتمل المشقۃ العظیمۃ وعرض نفسہ لوقع السیوف وراسہ لرضخ الحجارۃ لان علی قدر سھولۃ العبادۃ یکون نقصان الثواب (ماحصل مطلب یہ کہ میں پہلے شب ہجرت علیؑ کے بستر رسولؐ پر سونے کو ابوبکر کے غار میں پیغمبر کے ساتھ ہونے سے اس طرح افضل ثابت کر چکا ہوں کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی اب مزید تاکید کے لئے جو کچھ کہہ چکا ہوں اس کے علاوہ اور دو صورتوں سے اس مقصد کو ثابت کرتا ہوں ۔ رسول اللہ کے ساتھ علی علیہ السلام کو قدیمی مصاحبت کی وجہ سے شدید انس و محبت تھی لہذا جب جدائی ہوئی تو سارا لطف الفت جاتا رہا اور اس کے برعکس ابوبکر کو یہی چیز حاصل ہو گئی ۔ پس اس موقع پر علی علیہ السلام جو وحشت اور درد جدائی محسوس کر رہے تھے اس سے آپ کا ثواب بڑھ رہا تھا کیونکہ ثواب عمل مشقت کے لحاظ سے ہوتا ہے (جیسا کہ قول ہے افضل الاعمال احمزھا (یعنی جو عمل زیادہ سخت ہے وہی افضل ہے) اور ابوبکر چونکہ برابر مکے سے نکلنے پر تیار رہتے تھے چنانچہ پہلے کبھی اکیلے نکل بھی چکے تھے، لہذا ان کے لئے قیام مکہ کی ناگواری بڑھ گئی، پس جب وہ رسول اللہ کے ساتھ وہاں سے نکلے تو ان کی تمنائے دلی اور مراد قلبی بر آئی لہذا ان کے لئے کوئی ایسی فضیلت ثابت نہیں ہوتی جو فضیلت علیؑ کے مقابل لائی جا سکے جنہوں نے عظیم مشقت برداشت کی، اپنی جان کو تلواروں کے سامنے اور سر کو دشمنوں کی سنگباری کے لئے پیش کر دیا۔ بدیہی چیز ہے، کہ

سہولت کے حساب سے عبادت کا ثواب گھٹ جاتا ہے۔ اور ابن سبع مغربی شفاء الصدور میں بسلسلۂ بیان شجاعت علی علیہ السلام کہتے ہیں۔ علماء العرب اجمعوا علیٰ ان نوم علی علیه السلام علی فراش رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم افضل لمن خروجه معه وذالك انه وطن نفسه علی مفاهاته لرسول الله صلی الله علیه وآله وسلم واثر حیاته واظهر شجاعته بین اقرانه (یعنی علمائے عرب کا اجماع ہے کہ شب ہجرت علی علیہ السلام کا بستر رسولؐ پر سونا اُن کے آں حضرت کے ہمراہ باہر نکلنے سے افضل تھا کیونکہ آپ نے اپنے نفس کو آنحضرتؐ کا قائم مقام بنایا اپنی زندگی کو آں حضرت پر قربان کیا اور اپنے ہم عصروں کے درمیان اپنی شجاعت ثابت کر دی) یہ مطلب اس قدر واضح ہے کہ کسی نے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا ہے سوا جنون یا جنون سے بدتر تعصب کی وجہ سے بس اتنا ہی کافی ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ اس مقام پر گفتگو کا سلسلہ طولانی ہو گیا، بہتر ہے کہ اب ہم پھر اصل مطلب پہ آجائیں آپ نے جو یہ فرمایا کہ اشداء علی الکفار سے خلیفۂ ثانی عمر ابن خطاب مراد ہیں تو فقط آپ کے دعوے سے یہ بات نہیں مانی جا سکتی، دیکھنا چاہیئے کہ آیا یہ صفت بھی موصوف کی حالت سے مطابقت کرتی ہے یا نہیں چنانچہ اگر مطابق ہے تو ہم دل و جان سے ماننے کے لئے تیار ہیں۔

علمی مباحث اور دینی مناظروں میں عمرؓ کے اندر کوئی تیزی نہیں تھی

بدیہی بات ہے کہ شدت اور تیزی دو طرح کی ہو سکتی ہے ایک علمی مباحث اور مذہبی مناظروں میں تاکہ مخالف علماء کے مقابل زور کلام دکھایا جا سکے۔ دوسرے میدان جنگ اور جہاد فی سبیل اللہ میں بذات خود ثبات قدم، شجاعت اور درشتی کا ثبوت دیا جائے۔ چنانچہ علمی مباحث اور دینی مناظروں کے سلسلے میں تاریخ کے اندر خلیفہ عمر کی قطعاً کوئی مضبوطی نظر نہیں آتی کیونکہ جہاں تک میں نے فریقین (شیعہ وسنی) کی کتب اخبار و تواریخ اور غزوں کی کتابیں پڑھی ہیں ہم اس بارہ میں خلیفہ عمر کی کوئی شدت اور شہ زوری نہیں دیکھی، چنانچہ اگر آپ حضرات نے موصوف کی کوئی علمی مہارت، دینی مباحثہ اور غیر مذہب کے عالموں سے مناظرے اُن کی ساری تاریخ زندگی میں دیکھے ہوں تو بیان کیجئے میں ممنون ہوں گا کیونکہ اس سے میرے معلومات میں اضافہ ہوگا۔

عمرؓ کا اقرار کہ علیؑ مجھ سے علم و عمل میں بہتر ہیں

البتہ جہاں تک مجھے معلوم ہے اور آپ کے بڑے بڑے علماء نے بھی اپنی معتبر کتابوں میں لکھا ہے خلفاء ثلاثہ کے

زمانوں میں ہر علمی اور مذہبی مشکل مسئلہ کو حل کرنے والے صرف علی علیہ السلام تھے۔

باوجودیکہ بنی اُمیہ اور خلفائے ثلاثہ کے عقیدت مندوں نے خلفاء کے فضائل میں اس کثرت سے روایتیں گھڑی ہیں (جیسا کہ خود آپ کے علماء نے جرح و تعدیل کی کتابوں میں لکھا ہے) لیکن وہ لوگ ان حقیقتوں کو نہیں چھپا سکے کہ جس وقت یہودی عیسائی اور دوسرے مخالف فرقوں کے علماء ابوبکر، عمر اور عثمان کے دور خلافت میں ان کے پاس آکر یا خطوط بھیج کر مشکل مسائل دریافت کرتے تھے تو یہ لوگ مجبور ہو کر علی علیہ السلام کا وسیلہ اختیار کرتے تھے اور کہتے تھے ان پیچیدہ اور مشکل سوالات کا سوا علیؑ ابن ابی طالب کے اور کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ چنانچہ آپ تشریف لاتے تھے اور اس طریقے سے اُن کو جواب دیتے تھے، کہ وہ مطمئن ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے، جیسا کہ خلفاء کے تاریخی حالات میں تفصیل سے درج ہے، خلفاء (ابوبکر و عمر و عثمان) کا علی علیہ السلام کے مقابلے میں اپنی مجبوری ظاہر کرنا، اُن حضرت کی برتری کا اقرار اور یہ کہنا کہ اگر علی نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے، اس مقصد کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔

چنانچہ آپ کے محقق اکابر علماء نے نقل کیا ہے کہ خلیفہ ابوبکر کہتے تھے۔ اقیلونی اقیلونی فلست بخیرکم و علی فیکم (یعنی مجھ کو برطرف کر دو مجھ کو برطرف کر دو کیونکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں جب کہ علیؑ تم میں موجود ہوں)

اور خلیفہ عمر نے مختلف معاملات اور مواقع پر ستر مرتبہ سے زیادہ اقرار کیا کہ لولا علی لھلک عمر یعنی اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو گیا ہوتا۔ کتابوں میں ان خطرناک مواقع میں سے اکثر کا ذکر موجود ہے۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ اب جلسے کا زیادہ وقت خراب ہو کیونکہ شاید اس سے اہم مسائل پر گفتگو کرنا ضروری ہو۔

نواب: قبلہ صاحب اس موضوع سے بڑھ کے کون سا مطلب اہم ہوگا کیا یہ کلمات ہماری معتبر کتابوں میں موجود ہیں؟ اگر ہیں اور آپ کے پیش نظر ہیں تو ہمارے مزید بصیرت کے لیے بیان فرمایئے ہم ممنون ہوں گے۔

خیر طلب: میں نے عرض کیا کہ اکابر علمائے اہل سنت اس بات پر متفق ہیں (سوا چند متعصب اور ضدی لوگوں کے) اور مختلف عبارات والفاظ کے ساتھ متعدد مقامات پر اس کو نقل کیا ہے۔ میں مطلب کی وضاحت اور اتمام حجت کے لئے اُن میں سے بعض اسناد و کتب کی طرف جو اس وقت مجھ کو یاد ہیں اشارہ کرتا ہوں۔

قول عمرؓ لولا علیؑ لھلک عمرؓ کے اسناد

(۱) قاضی فضل اللہ بن روز بہان متعصب نے ابطال الباطل میں (۲) ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے تہذیب التہذیب مطبوعہ حیدرآباد دکن صفحہ ۳۳۷ میں (۳) نیز ابن حجر نے اصابہ جلد دوم مطبوعہ مصر صفحہ ۵۰۹ میں (۴) ابن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ھ نے کتاب تاویل مختلف الحدیث صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲ میں (۵) ابن حجر مکی متوفی ۹۷۳ھ نے صواعق محرقہ صفحہ ۷۸ میں (۶) حاج احمد آفندی نے ہدایت المرتاب صفحہ ۱۴۶، صفحہ ۱۵۲ میں (۷) ابن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ نے اسد الغابہ جلد چہارم صفحہ ۲۲ میں (۸) جلال الدین

سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص۶۶ میں (۹) ابن عبدالبر قرطبی متوفی ۴۶۳ھ نے استیعاب جلد دوم ص۴۷۴ میں (۱۰) سید مومن شبلنجی نے نورالابصار ص۷۳ میں (۱۱) شہاب الدین احمد بن عبدالقادر عجیلی نے ذخیرۃ المآل میں (۱۲) محمد بن علی الصبان نے اسعاف الراغبین ص۱۵۲ میں (۱۳) نورالدین بن صباغ مالکی متوفی ۸۵۵ھ نے فصول المہمہ ص۱۸ میں (۱۴) نورالدین علی بن عبداللہ سمہودی متوفی ۹۱۱ھ نے جواہر العقدین میں (۱۵) ابن ابی الحدید معتزلی متوفی ۶۵۵ھ نے شرح نہج البلاغہ جلد اوّل ص۶ میں (۱۶) علامہ قوشچی نے شرح تجرید ص۴۰۷ میں (۱۷) خطیب خوارزمی نے مناقب ص۴۸، ص۶۰ میں (۱۸) محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول ضمن فصل ششم ص۲۹ میں (۱۹) امام احمد بن حنبل نے فضائل اور مسند میں (۲۰) سبط ابن جوزی نے تذکرہ ص۸۵، ص۸۷ میں (۲۱) امام ثعلبی نے تفسیر کشف البیان میں (۲۲) علامہ ابن قیم جوزی نے طرق الحکمیہ میں ان حضرت کے تعدد قضایا نقل کرتے ہوئے ص۴۱ سے ص۵۳ تک (۲۳) محمد بن یوسف گنجی شافعی متوفی ۶۵۸ھ نے کفایت الطالب باب۵۷ میں (۲۴) ابن ماجہ قزوینی نے سنن میں (۲۵) ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں (۲۶) ابراہیم بن محمد حموینی نے فرائد میں (۲۷) محمد بن علی بن الحسن الحکیم ترمذی نے شرح فتح المبین میں (۲۸) دیلمی نے فردوس میں (۲۹) شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۱۴ میں (۳۰) حافظ ابونعیم اصفہانی نے حلیتہ الاولیاء اور ما نزل القرآن فی علی میں، اور آپ کے دوسرے بہت سے جلیل القدر علماء نے مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ خلیفہ عمر کے اقوال نقل کئے ہیں اور زیادہ تر ان قضیوں کے مواقع درج کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے لولا علی لھلک عمر

بعض وہ مواقع جہاں علیؑ نے خلفاء کو نجات دلائی اور انہوں نے اقرار کیا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے

منجملہ اُن کے فقیہ گنجی شافعی نے کفایت الطالب فی مناقب علی بن ابی طالب باب۵۷ میں چند مستند روایتیں نقل کرنے کے بعد حذیفہ بن الیمان کی روایت نقل کی ہے جس کو آپ کے دُوسرے علماء نے بھی درج کیا ہے کہ ایک روز عمر نے اُن سے مُلاقات کی اور پوچھا کہ تم نے کس حال میں صبح کی؟ حذیفہ نے کہا اصبحت واللہ اکرہ الحق واحبّ الفتنۃ واشھد بما لم ارہ واحفظ غیر المخلوق واصلی علیٰ غیر وضوء ولی فی الارض ما لیس للہ فی السماء (یعنی میں نے اس حالت میں صبح کی کہ حق سے کراہت کرتا ہوں، فتنے کو دوست رکھتا ہوں، ایسی چیز کی گواہی دیتا ہوں جس کو دیکھا نہیں ہے، غیر مخلوق کو حفظ کرتا ہوں، صلوات بغیر وضو کے پڑھتا ہوں اور زمین میں میرے لئے وہ ہے جو خدا کے لئے آسمان میں نہیں) عمر ان الفاظ سے غضب ناک ہوئے اور اُن کو سزا دینا چاہی اتنے میں امیرالمومنین علی علیہ السلام تشریف لائے اور عمر کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھ کر فرمایا تم کیوں غضب ناک ہو؟ انہوں نے واقعہ بیان کیا تو حضرت نے فرمایا یہ تو کوئی اہم معاملہ نہیں ہے، اُنہوں نے ساری باتیں سچ کہیں ہیں۔

حق سے مراد موت ہے جس سے یہ کراہت کرتے ہیں، فتنے سے مراد مال و اولاد ہے، جس کو دوست رکھتے ہیں، بنا دیکھی چیز سے مراد ذات وحدہٗ لاشریک نیز موت، قیامت، بہشت، دوزخ اور صراط ہے جن میں سے کسی کو نہیں دیکھا ہے پھر ان کی گواہی دیتے ہیں، غیر مخلوق سے مراد قرآن ہے جس کو حفظ کرتے ہیں، صلوٰۃ بغیر وضو سے مراد رسولؐ پر درود بھیجنا ہے جس کے لئے وضو کی ضرورت نہیں اور یہ کہنا کہ زمین میں میرے لئے وہ ہے جو خدا کے لئے آسمان میں نہیں تو اس سے مراد زوجہ ہے کیونکہ خدا کے لئے زوجہ اور اولاد نہیں۔

عمر نے کہا کاد یھلک ابن خطاب لولا علی بن ابی طالب (یعنی قریب تھا کہ عمر ہلاک ہو جائے اگر علیؑ نہ پہنچ جاتے) اس کے بعد مؤلف گنجی کہتے ہیں کہ یہ بات (یعنی خلیفہ کہتے تھے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا) اہل خبر کے نزدیک ثابت ہے اور ارباب سیر کی ایک بڑی جماعت نے اس کو نقل کیا ہے۔

صاحب مناقب کہتے ہیں کہ خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ بار بار کہتے تھے لاعشت فی امۃ لست فیھا یا ابالحسن (یعنی میں زندہ نہ رہوں اس امت میں جس میں تم نہ ہو اے ابوالحسن (کنیت علی علیہ السلام) نیز کہتے تھے عقمت النساء ان یلدن مثل علی بن ابی طالب (عورتیں علیؑ کی ایسی اولاد پیدا کرنے سے عاجز ہیں)۔

محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں اور شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۱۴ میں ترمذی سے نقل کرتے ہوئے بسند ابن عباس ایک مفصل روایت لکھی ہے جس کے آخر میں کہتے ہیں کانت الصحابۃ رضی اللہ عنھم یرجعون الیہ فی احکام الکتاب ویاخذون عنہ الفتاوی کما قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی عدۃ مواطن لولا علی لھلک عمر۔ وقال صلی اللہ علیہ والہ اعلم امتی علی بن ابی طالب (یعنی اصحاب رسولؐ احکام قرآن میں علی علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے فتویٰ لیتے تھے، چنانچہ عمر ابن خطاب نے اکثر مواقع پر کہا ہے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا اور حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے کہ امت میں سب سے بڑے عالم ووانا علی ابن ابیطالبؑ ہیں)

پس وقت کے لحاظ سے اس مختصر بیان پر غالباً آپ تصدیق کریں گے کہ مذہبی مناظروں اور علمی مباحثوں میں کبھی خلیفہ عمر کی کوئی شدت اور مضبوطی نہیں دیکھی گئی بلکہ وہ خود اپنی معذوری کا اقرار کرتے تھے اور اس بات کی تصدیق کرتے تھے کہ علیؑ ان کے فریاد رس تھے اور خطرناک مراحل سے ان کو چھٹکارا دلاتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے متعصب علماء جیسے ابن حجر مکی صواعق محرقہ فصل سیم میں ابن سعد سے نقل کرتے ہیں کہ عمر کہتے تھے التعوذ باللہ من معضلۃ لیس لھا ابوالحسن یعنی علیا (یعنی میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں ایسے دشوار اور سخت مرحلے سے جس کے لئے ابوالحسن یعنی علیؑ موجود نہ ہوں)۔

کسی میدانِ جنگ میں خلیفہ عمرؓ کی کوئی شجاعت و پامردی نہیں دیکھی گئی

معرکوں اور لڑائی کے میدانوں میں بھی کوئی تاریخ پتہ نہیں دیتی کہ خلیفہ عمر نے بذاتِ خود کسی شدت و شجاعت اور ثبات قدم کا ثبوت دیا ہو بلکہ اس کے برعکس تاریخ اور فریقین کے مورخین گواہ ہیں کہ جب کسی بڑے لشکر یا کسی طاقت ور کافر کا مقابلہ ہو جاتا تھا تو ان کے قدم اکھڑ جاتے تھے جس کے نتیجے میں دوسرے مسلمان بھی بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور لشکر اسلام کو شکست ہو جاتی تھی۔

حافظ: آپ نے آہستہ آہستہ بے لطفی میں شدت پیدا کر دی اور خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ جیسے انسان کی جو مسلمانوں کے لئے باعث فخر تھے، اُن کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں کو بڑے بڑے فتوحات نصیب ہوئے، اور ساری جنگوں میں انہیں کے وجود سے لشکر اسلام کو فتح حاصل ہوئی ہے توہین کی ہے، ایسی بزرگ ہستی کو بزدل اور بھگوڑا اور اُن کی ذات کو مسلمانوں کی شکست کا ذمہ دار ثابت کرتے ہیں۔ آیا یہ مناسب ہے کہ آپ جیسا شریف انسان خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ حضرات کی جو مسلمانوں کے لئے سرمایہ فخر و مباہات ہیں اس قدر اہانت کرے اور ہم بھی چپکے رہیں اور دم نہ ماریں۔

خیر طلب: آپ کو سخت غلط فہمی ہوئی۔ تعجب ہے کہ اتنی راتوں کے بعد بھی آپ نے مجھ کو صحیح طریقے سے نہیں پہچانا اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاید میں اپنے جذبات اور جاہلانہ محبت و دشمنی کی بنا پر بغیر دلیل و برہان کے اشخاص کی تعریف یا مذمت کرتا ہوں بالخصوص اُن افراد کی جو تاریخ کے اندر شہرت رکھتے ہیں، چاہے جس طبقے کے ہوں، صرف ایک بڑا عیب جو اس طرح کے جلسوں میں پایا جاتا ہے اور جو صدیوں سے مسلمانوں کے درمیان بدبختی کا سبب بنا ہوا ہے غلط بینی اور بدگمانی ہے جس پر حکم قرآن کے خلاف مسلمانوں کا عمل ہے۔ باوجودیکہ سورہ ۴۹ (حجرات) آیت ۱۲ میں کھلا ہوا ارشاد ہے یا ایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم (یعنی اے ایمان والو ظن اور گمان بد سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں)۔

چونکہ یہ جملے جو میں نے عرض کئے ہیں ایک شیعہ کی زبان سے نکلے ہیں لہٰذا آپ نے بدبینی سے کام لیتے ہوئے انکو اہانت سمجھا، حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے، کیونکہ جو کچھ آپ کے علماء و مورخین نے لکھا ہے میں نے ایک لفظ اُس سے زیادہ نہیں کہا۔ ظاہر ہے کہ ہم اور آپ گزشتہ زمانوں میں نہیں تھے لیکن عقل کہتی ہے کہ صفحات تاریخ کے رو سے ہم کو اشخاص کے اچھے بُرے افعال کا فیصلہ کرنا چاہیے۔

دوبارہ اظہار حقیقت

آپ نے جو یہ فرمایا کہ میں نے خلیفہ عمر کی توہین کی ہے تو معاف کیجئے گا اس مقام پر آپ کو مغالطہ ہوا ہے۔ یا پھر آپ نے اس جملے سے ہمارے مخالفین کو بھڑکانا چاہا ہے۔ حالانکہ خلیفہ کے بارے میں ہماری گفتگو اہانت کے پہلو سے نہیں تھی بلکہ میں نے تاریخ کا سچا واقعہ بیان کیا ہے اور خود آپ کے بڑے بڑے علماء و مورخین نے جو کچھ لکھا ہے اس سے زیادہ نہ کچھ کہا ہے نہ کہتا ہوں۔ اب میں مجبور ہوں کہ پردہ اٹھاؤں اور مطلب کو زیادہ تشریح اور وضاحت سے بیان کروں تاکہ یہ بدگمانی رفع ہو۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اسلام کے اہم فتوحات خلیفہ عمر کے مرہون منت ہیں، تو کسی کو اس سے انکار نہیں کہ حکومت عمر کے زمانے میں اسلام کو بڑے بڑے فتوحات حاصل ہوئے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ آپ کے اکابر علماء کی شہادت اور اقرار کے مطابق جیسا کہ قاضی ابوبکر خطیب نے تاریخ بغداد میں، امام احمد حنبل نے مسند میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں نیز دوسروں نے لکھا ہے تمام ملکی اور انتظامی امور میں بالخصوص فوج کشی کے موقع پر خلیفہ عمر حضرت علی علیہ السلام سے مشورہ کرتے تھے اور انہیں کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے تھے۔

علاوہ ان چیزوں کے ہر دور اور زمانے کے اسلامی فتوحات میں فرق تھا۔ پہلی قسم اسلام کے ان ابتدائی فتوحات کی ہے جو خود حضرت خاتم الانبیاء ؐ کے عہد میں حاصل ہوئے اور جو امیر المومنین علی علیہ السلام کی ذات والا صفات کے مرہون منت تھے بقول شاعر ؎

سپاہی لشکر نباید بکار | کہ یک مرد جنگی بہ از صد ہزار

وہ جوانمرد انسان جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے سرمایۂ فخر و مباہات اور جس کا وجود لشکر اسلام کی فتح و فیروزی کا ضامن تھا امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے، کیونکہ اگر آپ کسی جنگ میں موجود نہ ہوتے تھے تو فتح بھی حاصل نہ ہوتی تھی، چنانچہ خیبر میں جب کہ آپ کو آشوب چشم تھا اور میدان میں جانا ممکن نہیں تھا مسلمانوں نے پے در پے شکست کھائی یہاں تک حضرت نے رسول اللہ کی دعا سے شفا پائی اور دشمن پر حملہ کر کے خیبر کے قلعے فتح کئے۔

غزوہ احد میں جب سارے مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تو صرف حضرت علیؑ ہی تھے جو پیغمبرؐ کی نصرت میں ثابت قدم رہے یہاں تک کہ ہاتف غیب نے ندا دی لاسیف الا ذوالفقار لا فتی الا علی (یعنی سوا ذوالفقار کے کوئی تلوار نہیں اور سوا علیؑ کے کوئی جوانمرد نہیں)۔

اور دوسری قسم ان فتوحات کی ہے جو وفات پیغمبرؐ کے بعد ہوئے اور وہ سب کے سب نامی بہادروں، اسلام کے بڑے سرداروں اور ان کی تدبیر جنگ اور تجربہ کاری کے ممنون احسان تھے کیونکہ وہ میدان جنگ میں طاقت ور دشمنوں

کے مقابل شجاعت و فداکاری اور جان بازی دکھا کر اُن پر غلبہ حاصل کرتے تھے ۔

لیکن ہماری گفتگو فتوحات اسلامی کے بارے میں نہیں تھی جو خلافت خلفاء اور بالخصوص خلیفہ عمر کے زمانہ میں ہوئے بلکہ خلیفہ عمر کی ذاتی شدت و شجاعت اور بہادری کے موضوع پر تھی جس کے متعلق میں نے عرض کیا کہ تاریخ میں اس کا وجود نہیں۔

حافظ : یہ اہانت نہیں ہے کہ آپ فرماتے ہیں خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے بھاگے اور اُن کا یہ عمل مسلمانوں کی شکست کا باعث ہوا ؟

خیر طلب : اگر لوگوں کے تاریخی واقعات کا نقل کرنا اہانت ہے تو اس طرح کی اہانت کو خود آپ ہی کے بڑے بڑے علماء اور مورخین نے نقل کیا ہے اور میں نے بھی وہی کہا ہے جس کو آپ کے مورخین نے درج کیا ہے لہذا اگر آپ کا کوئی اعتراض یا اشکال ہے تو اپنے ہی علماء پر وار دکیجئے ۔

حافظ : کس جگہ ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے بھاگے اور کہاں مسلمانوں کی شکست کا باعث بنے ؟

خیبر میں ابوبکرؓ و عمرؓ کی شکست

خیر طلب : ان حضرات نے لڑائی کے بہت سے میدانوں میں شکست کھائی جن میں سے ایک خاص واقعہ جنگ خیبر کا ہے ۔ چونکہ حضرت علی علیہ السلام کی آنکھیں درد کر رہی تھیں لہذا پہلے روز حضرت رسُول خدا نے فوج اسلام کا علم ابوبکر کو دیا ، یہ مسلمانوں کے سردار لشکر بن کر یہودیوں کے مقابلے پر گئے اور مختصر سی لڑائی کے بعد شکست کھا کر واپس آ گئے ، دوسرے روز نشان فوج عمر کو دیا گیا لیکن یہ ابھی یہودیوں کے مقابل بھی نہیں پہنچے تھے کہ ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔

حافظ : آپ کے یہ بیانات محض شیعوں کے گھڑے ہوئے ہیں ورنہ یہ حضرات بہت ہی دلیر اور بہادر تھے ۔

خیر طلب : میں نے بار بار عرض کیا ہے کہ شیعہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے پیرو ہیں جو صادق و مصدق تھے ۔ نہ ہم نے جھوٹ کہا ہے نہ کہتے ہیں کیونکہ جھوٹ کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں اور نہ ہم کو قطعاً حدیث گھڑنے کی کوئی ضرورت ہی ہے ۔ غزوۂ خیبر خاتم الانبیاءؐ کے دور زندگی کا ایک اہم تاریخی واقعہ ہے جس کو فریقین کے تمام علماء و مورخین نے لکھا ہے ، چنانچہ جتنا اس وقت میرے پیش نظر ہے اس کو عرض کرتا ہوں ۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الاولیاء جلد اوّل ص۶۲ میں ، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول ص۴۰ میں سیرۃ ابن ہشام سے ، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب۱۴ میں نیز آپ کے دوسرے اکابر علماء و مورخین نے لکھا ہے ۔ لیکن سب کے اقوال نقل کرنے کا وقت نہیں ہے البتہ ان سارے اقوال سے زیادہ اہم اور آپ کے نزدیک محل وثوق و اطمینان دو بڑے عالموں کی تصدیق پیش کرتا ہوں ۔ محمد بن اسمٰعیل

بخاری نے اپنی صحیح جلد دوم مطبوعہ مصر ۱۳۲۰ھ ص۱۰۱ میں اور مسلم بن حجاج نے اپنی صحیح جلد دوم مطبوعہ مصر ۱۳۲۰ھ ص۳۲۴ میں صریحاً لکھا ہے فرجع ایضا منہزماً یعنی (خلیفہ عمر) دومرتبہ میدان جنگ سے بھاگ کر واپس آئے۔

اس مطلب کے واضح دلائل میں سے ابن ابی الحدید معتزلی کے وہ کھلے ہوئے اشعار ہیں جو انہوں نے اپنے سات مشہور قصیدوں میں سے جو آیات سبع کے نام سے موسوم اور حضرت امیرالمومنینؑ کے فضائل میں نظم کئے گئے ہیں قصیدہ بائیہ میں باب خیبر کا ذکر کرتے ہوئے کہے ہیں۔

الم تخبر الاخبار فی فتح خیبر ففیها الذی اللبّ الملبّ اعاجیب
وما انس لا انس اللذین تقدما وفرّهما والفرّ قد علما حوب
وللرّایة العظمیٰ وقد ذهبا بها ملابس ذلّ فوقها وجلابیب
یشلّهما من آل موسیٰ شمردل طویل نجاد السیف اجید یعبوب
یمجّ منوناً سیفه وسنانه ویلهب ناراً غمده والاتابیب
احضرهما ام حضر اخرج خاضب وذانهما ام ناعم الخدّ مخضوب
عذرتکما ان الحمام لمبغض وان بقاء النفس للنفس محبوب
لیکره طعم الموت والموت طالب فکیف یلذ الموت والموت مطلوب

(مطلب یہ کہ آیا تم نے فتح خیبر کی داستان نہیں سنی ہے جس میں عجیب عجیب نکات و رموز پوشیدہ ہیں، جن سے عقلمند حیران ہیں۔ چونکہ وہ دونوں (ابوبکر و عمر) علم سے کوئی انس اور علمداری کی عادت نہیں رکھتے تھے لہذا بھاگ کھڑے ہوئے حالانکہ جانتے تھے کہ میدان جہاد سے بھاگنا ایک کفر آمیز گناہ ہے۔ اور جو باعظمت نشان فوج لے گئے تھے اس کو بھی ذلت و خواری کا جامہ پہنا دیا۔ کیونکہ یہودی سرداروں میں سے ایک بہادر اور بلند قامت جوان برہنہ تلوار لئے ہوئے ایک کوہ پیکر گھوڑے پر سوار پئے شہوت نرشتر مرغ کی طرح جس کو موسم بہار کی ہوا اور سبزے نے قوی بنا دیا ہو ان پر حملہ آور ہوا۔ گویا وہ خوبصورت مہندی لگائے ہوئے معشوقوں کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی تلوار اور نیزے کی بجلی سے آتش مرگ کی شعاعیں نکلتی دیکھ کر یہ دونوں ڈر گئے (پھر ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ) میں آپ دونوں صاحبان (ابوبکر و عمر) کی جگہ یہ عذر خواہی کرتا ہوں، موت ہر شخص کی نظر میں مکروہ اور زندگی محبوب ہے۔ لہذا آپ بھی موت سے بیزار تھے، حالانکہ موت ہر شخص کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ پس کیونکر آپ موت چاہتے اور اس کا مزہ چکھتے) اب غالباً آپ تصدیق کریں گے کہ میں اہانت کا ارادہ نہیں رکھتا تھا بلکہ فقط یہ سمجھانے کے لئے تاریخی واقعات نقل کئے تھے کہ لڑائی کے میدانوں میں خلیفہ کے اندر کوئی ذاتی شدت و درشتی اور شجاعت نہیں تھی جس سے اشداء علی الکفار میں شامل ہو سکیں بلکہ طاقتور دشمن کے مقابلے میں جگہ چھوڑ کر جنگ سے منہ موڑ لیتے تھے آپ اگر غور و انصاف کی پوری نظر ڈالیں تو تصدیق کریں گے کہ اس بلند صفت کے حامل بھی علیؑ تھے جو تمام معرکوں میں کفار پر شدید الغضب اور غالب رہتے چنانچہ خدائے تعالیٰ سورہ نمبر ۵ (مائدہ) آیت ۵۹ میں اس کی توثیق

فرماتا ہے، ارشاد ہے یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم (یعنی اے ایمان لانے والو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے تو عنقریب خدا ایسی قوم کو لائے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہے اور وہ بھی خدا کو دوست رکھتے ہیں، مومنین سے انکسار اور فروتنی اور کافروں سے عظمت واقتدار کے ساتھ پیش آتے ہیں (جیسے علیؑ اور ان کے پیرو) خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور اس راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور خدا کی رحمت وسیع ہے، وہ ہر مستحق کی حالت سے خوب واقف ہے)۔

حافظ: تعجب ہے کہ آپ اپنی خوش بیانی سے اس آیت کو جو ان تمام مومنین کی شان میں ہے جن میں یہ صفتیں موجود تھیں اور خدا کا لطف وکرم جن کے شامل حال تھا زبردستی علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں ثابت کر رہے ہیں۔

خیر طلب: آپ نے مکرر تجربہ کیا ہے اور دیکھا ہے کہ میں نے اب تک بلا دلیل کوئی بات نہیں کہی ہے جیسا کہ آپ نے برابر ایراد کیا ہے اور ان کا جواب سنا ہے لیکن پھر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ بہتر یہ تھا کہ آپ سوال کے انداز میں فرماتے کہ اس دعوے پر دلیل کیا ہے تاکہ میں جواب عرض کر دیتا۔ اب آپ کے ارشاد کا جواب پیش کرتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر یہ آیت تمام مومنین کے لئے نازل ہوئی ہوتی اور وہ سب اس کے مصداق ہوتے تو میدان جنگ سے ہرگز فرار نہ کرتے۔

حافظ: آیا یہ انصاف ہے کہ مومنین اور اصحاب رسول کو جنہوں نے اس قدر جنگیں کیں اور فتوحات حاصل کیئے آپ اہانت آمیز انداز میں فرار کرنے والے بتا رہے ہیں!

خیر طلب: اوّل تو میں نے کوئی اہانت کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ ان کی کیفیت بیان کی ہے۔ دوسرے ان کو میں نے فرار نہیں کہا ہے بلکہ تاریخ بھی بتاتی ہے۔ گویا آپ حضرات احد اور حنین کی لڑائیوں میں مومنین اور صحابہ کا فرار کرنا بھول ہی گئے جب کہ بالعموم حتیٰ کہ کبار صحابہ بھی چل دیے تھے اور پیغمبر اسلامؐ کو کفار کے مقابلے میں تنہا چھوڑ دیا تھا، جیسا کہ طبری اور آپ کے دوسرے بڑے مورخین نے لکھا ہے۔

یہ کیونکر ممکن ہے کہ جن لوگوں نے میدان جنگ میں پیٹھ دکھائی، جہاد سے منہ موڑا اور رسولؐ خدا کو دشمنوں کے سامنے اکیلا چھوڑ دیا وہ خدا اور رسول کے محبوب ہوں۔

تیسرے اس آیت کا علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہونا میں نے نہیں بتایا ہے بلکہ آپ ہی کے بڑے بڑے علماء جیسے ابو اسحاق امام احمد ثعلبی جن کے متعلق آپ کا عقیدہ ہے کہ اصحاب حدیث کے امام تھے اپنی تفسیر کشف البیان میں کہتے ہیں، کہ یہ آیہ شریفہ علی ابن ابی طالب کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ تمام صفات مندرجہ آیت کا حامل سوا حضرت کے اور کوئی نہیں تھا۔

اور ساری چھتیس لڑائیوں میں جو رسول اللہؐ کو پیش آئیں اپنے یا بیگانے کسی مؤرخ نے نہیں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام نے ایک مرتبہ بھی میدانِ جنگ اور جہاد فی سبیل اللہ سے منہ موڑا ہو۔ یہاں تک کہ جنگ احد میں جب تمام اصحاب بھاگ گئے تو سخت جنگ مغلوبہ اور مسلمانوں پر دشمنوں کی پانچ ہزار سوار و پیادہ فوج کے حملے نیز رسول اللہؐ کے چچا جناب حمزہ سید الشہداؑ کی شہادت کے بعد جو تن تنہا انسان میدان میں جما رہا اور فتح و فیروزی کی آخری منزل تک ثابت قدم رہا وہ مولا امیرالمومنین علی علیہ السلام تھے باوجودیکہ تقریباً نوے زخم بدن مبارک پر لگے تھے، کثرت سے خون نکل جانے کی وجہ سے سارے اعضا نڈھال ہو رہے تھے، اور متعدد بار آپ زمین پر تشریف لائے لیکن ثابت قدمی کے ساتھ رسول اللہ کی حفاظت کی اور جنگ مسلمانوں کے حق میں تمام کی۔

حافظ: کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ آپ صحابۂ کبار کو فرار کی نسبت دیں حالانکہ تمام اصحاب اور دونوں برحق خلیفہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پروانہ وار رسول اللہ کے گرد پھرتے تھے اور آں حضرتؐ کی حفاظت کرتے تھے۔

خیر طلب: آپ تو ایسی باتیں کر رہے ہیں کہ گویا تاریخ پڑھی ہی نہیں ہے۔ مؤرخین نے عام طور سے لکھا ہے احد و حنین اور خیبر کی جنگوں میں تمام صحابہ بھاگ گئے تھے۔ خیبر کے متعلق اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ حنین میں یہی مسلم ہے، کہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے تھے، چنانچہ حمیدی جمع بین الصحیحین میں اور حلبی سیرۃ الحلبیہ جلد سیم ص۱۲۳ میں کہتے ہیں کہ سوا چار نفر کے تمام اصحاب فرار کر گئے علی علیہ السلام اور عباس پیغمبرؐ کے آگے، ابوسفیان بن حارث آں حضرتؐ کے مرکب کی لگام تھامے ہوئے اور عبداللہ ابن مسعود آں حضرتؐ کے بائیں جانب کھڑے ہوئے تھے۔ اور احد میں تو بالعموم سارے مسلمانوں کے بھاگنے سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا ہے۔ بہتر ہے کہ سیر و تواریخ کا مطالعہ کیجئے تاکہ آپ پر حقیقت آشکار ہو جائے خصوصیت کے ساتھ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد سیم ص۲۰ میں حافظ ناصبی کی ہرزہ سرائیوں کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فر المسلمون باجمعھم الا اربعۃ علی والزبیر وطلحۃ وابودجانۃ یعنی احد کے روز تمام مسلمان بھاگ گئے سوا ان چار نفر (علی، زبیر، طلحہ اور ابودجانہ) کے۔ پس جب سارے مسلمانوں میں سے صرف چار افراد کو مستثنیٰ کیا، تو ظاہر ہے کہ ابوبکر، عمر اور عثمان بھی بھاگنے والوں میں سے تھے۔ لہٰذا جبرئیل نے ندا دی لاسیف الا ذوالفقار و لا فتی الا علی۔ چنانچہ آپ کے اکابر علماء اور بزرگ مؤرخین مثلاً ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، نور الدین مالکی نے فصول المہمہ ص۲۹ میں اور دوسروں نے درج کیا ہے کہ جیسا پہلے عرض کر چکا ہوں اس روز منادی کی آواز اور ہاتف کی ندا بلند ہوئی لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار (یعنی نہیں ہے کوئی جوانمرد سوا علیؑ کے اور نہیں ہے کوئی تلوار سوا ذوالفقار کے (جو حضرت علیؑ کی تلوار تھی)۔

تمام لڑائیوں میں حضرت کو تائید الٰہی حاصل تھی اور ملائکہ آپ کی نصرت و نگہبانی پر آمادہ رہتے تھے، چنانچہ محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب باب ۶۲ میں اپنے اسناد کے ساتھ عبداللہ ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا ما بعث علی فی سریۃ الا رایت جبرئیل عن یمینہ و میکائیل عن یسارہ والسحابۃ تظلہ حتی یرزقہ اللہ الظفر

(یعنی جب بھی کسی جنگ میں علیؑ تنہا بھیجے گئے تو میں نے دیکھا کہ جبرئیل ان کے داہنی جانب میکائیل بائیں جانب اور ایک ابر ان پر سایہ کئے ہوئے ہے یہاں تک کہ اللہ نے ان کو فتح عنایت کی)۔

اور امام ابو عبدالرحمن نسائی خصائص العلوی حدیث ۲۰۲ میں نقل کرتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام سیاہ عمامہ پہنے ہوئے لوگوں کے سامنے آئے اور اپنے باپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جنگ خیبر میں جس وقت حضرت علیؑ قلعے کی طرف گئے تو یقاتل جبرئیل عن یمینہ و میکائیل عن یسارہ (یعنی جبرئیل ان کے داہنی طرف اور میکائیل بائیں طرف جنگ کر رہے تھے مترجم عفی عنہ) لہٰذا تمام لڑائیوں میں نصرت و ظفر حضرت کی تلوار کے زیر سایہ رہتی تھی، چنانچہ آپ انتہائی شدت و شجاعت کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرتے تھے یہاں تک کہ فتح یاب ہوتے تھے، خدا و رسولؐ کے محبوب قرار پاتے تھے اور دو مقرب فرشتے جبرئیل و میکائیل حاضر خدمت ہو کر آپ کے دونوں طرف جنگ کرتے تھے حتیٰ کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اسلام صرف علی علیہ السلام کی تلوار سے مضبوط ہوا۔

علیؑ خدا و رسولؐ کے محبوب تھے

چونکہ اس آیت میں ارشاد ہے کہ جو لوگ ان صفات کے حامل ہیں خدا ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ بھی خدا کو دوست رکھتے ہیں یہ محبوبیت کی صفت امیر المومنینؑ کے خصوصیات میں سے ہے اور اس مقصد پر دلائل بکثرت ہیں جن میں سے ایک روایت یہ ہے جس کو محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۷ میں اپنے اسناد کے ساتھ عبداللہ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک روز میں اپنے باپ عباس کے ساتھ رسول اللہؐ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ علی علیہ السلام وارد ہوئے اور سلام کیا، رسول اللہ جواب سلام دینے کے بعد بشاشت کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے، علیؑ کو آغوش میں لے کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور اپنے داہنی جانب بٹھایا۔ میرے باپ عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ آیا آپ ان کو دوست رکھتے ہیں آں حضرتؐ نے فرمایا اے چچا واللہ اشد حباللہ منی (یعنی خدا کی قسم مجھ سے زیادہ ان کو اللہ دوست رکھتا ہے)۔

فتح خیبر میں حدیث رایت

امیر المومنینؑ کے محبوب خدا اور میدان جنگ میں کرار غیر فرار ہونے پر سب سے بڑی دلیل حدیث رایت ہے جو آپ کے معتبر صحاح میں درج ہے اور سوا ناصبی یا متعصب مخالف کے اکابر علمائے اہل سنت میں سے کسی نے اس سے انکار نہیں کیا ہے۔

نواب: قبلہ صاحب حدیث رایت کیا ہے؟ متمنی ہوں کہ اگر زحمت نہ ہو تو اس کے اسناد کا سلسلہ بیان فرمائیے۔

خیر طلب: فریقین (شیعہ و سنی) کے اکابر علماء و مورخین نے بالاتفاق حدیث رایت کو نقل کیا ہے۔ مثلاً محمد بن اسمٰعیل بخاری نے اپنی صحیح جلد دوم کتاب الجہاد والسیر باب دعاء النبی نیز صحیح جلد سیم کتاب المغازی باب غزوہ خیبر میں، مسلم بن حجاج نے اپنی صحیح جلد دوم صفحہ ۳۲۴ میں، امام ابو عبدالرحمٰن نسائی نے خصائص العلوی میں، ترمذی نے سنن میں ابن حجر عسقلانی نے اصابہ جلد دوم صفحہ ۵۰۸ میں، محدث شام نے اپنی تاریخ میں، احمد ابن حنبل نے مسند میں، ابن ماجہ قزوینی نے سنن میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۶ میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۱۴ میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں، حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں ابو القاسم طبرانی نے اوسط میں اور ابو القاسم حسین بن محمد (راغب اصفہانی) نے محاضرات الادباء جلد دوم صفحہ ۲۱۲ میں، غرضکہ عام طور پر آپ کے مورخین و محدثین نے اپنی معتبر کتابوں میں اس حدیث کو نقل کیا ہے یہاں تک کہ حاکم کہتے ہیں ھذا حدیث دخل فی حد التواتر (یعنی یہ حدیث حد تواتر میں داخل ہے) اور طبرانی کہتے ہیں فتح علی لخیبر ثبت بالتواتر (یعنی خیبر میں علیؑ کی فتح تواتر سے ثابت ہے) روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس زمانے میں لشکرِ اسلام خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھا تو ابوبکر اور عمر کی علمداری میں جیسا کہ میں اشارہ کر چکا ہوں لشکر اسلام کے تین مرتبہ شکست کھا کر بھاگنے کے بعد اصحاب ان پے در پے شکستوں سے (جن کے مسلمان عادی نہیں تھے اور وہ بھی نا اہل یہودیوں کے مقابلے میں) متاثر اور دل تنگ ہوئے تو رسول اکرمؐ نے اصحاب کی تقویت قلب اور فتح و فیروزی کی بشارت کے لئے فرمایا

واللّٰہ لاعطین الرایۃ غدا رجلا کرارا غیر فرار یفتح علی یدیہ یحب اللّٰہ ورسولہ ویحبہ اللّٰہ ورسولہ (یعنی خدا کی قسم میں ضرور بالضرور کل ایسے مرد کو علم دوں گا جو دشمنوں پر بڑھ بڑھ کے حملہ کرنے والا ہوگا اور بھاگنے والا نہ ہوگا۔ خدا اس کے ہاتھوں پر فتح عنایت کرے گا۔ وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں)۔

اس رات تمام اصحاب اس فکر میں جاگتے رہے کہ دیکھیں کل یہ فضل و شرف کس کو ملتا ہے، جب صبح ہوئی تو سب نے آلات حرب سجے اور اپنے کو پیغمبرؐ کے سامنے نمایاں کرنا شروع کیا، اسوقت آں حضرت نے اصحاب کے اوپر ایک نظر ڈالی اور فرمایا این اخی واین عمی علی بن ابی طالب کہاں ہیں میرے بھائی اور چچا کے بیٹے علی ابن ابیطالبؑ۔

؎ علیؑ کو کہ حلال ہر مشکل اوست علیؑ کو کہ مفتاح قفل دل اوست

لوگوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ ان کو اتنا سخت آشوب چشم ہے کہ حرکت نہیں کر سکتے۔ آں حضرتؐ نے سلمان سے فرمایا کہ اُن کو بلاؤ۔ سلمان گئے اور علیؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے اس حالت سے خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے کہ آپ کی آنکھیں بند تھیں آپ نے سلام عرض کیا آں حضرت نے جواب سلام کے بعد فرمایا کیف حالک یا ابا الحسن کیا حال ہے تمہارا اے ابو الحسن؟ عرض کیا بحمد اللّٰہ خیرا صداع براسی و رمد بعینی لا ابصر معہ (یعنی بحمد اللہ خیریت ہے، میرے سر اور آنکھوں میں اتنا درد ہے کہ میں کچھ دیکھ نہیں سکتا) فرمایا ادن منی میرے پاس آؤ! آپ قریب آئے فتفل فی عینیہ ودعا لہ فبریٔ حتی کان لم یکن بہ وجع (یعنی آں حضرتؐ نے آپ کی دونوں آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا اور دعا فرمائی۔ فوراً آنکھیں کھل گئیں اور مرض اس طرح سے دفع ہوا کہ گویا کبھی درد تھا ہی نہیں) پھر اسلام کی فتح و فیروزی کا نشان

عطا فرمایا آپ نے خیبر کے قلعوں پر چڑھائی کی، یہودیوں سے جنگ کی، مرحب، حارث، ہشام اور علقمہ وغیرہ کے ایسے افسروں اور بہادروں کو قتل کیا اور خیبر کے قلعے فتح کیے۔

ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ ص۲۱ میں یہ روایت صحاح ستہ سے نقل کی ہے۔ نیز محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب باب ۱۴ میں روایتیں لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے مخصوص شاعر حسان بن ثابت موجود تھے انہوں نے حضرت علیؑ کی مدح میں فی البدیہہ یہ اشعار نظم کئے۔

وکان علی ارمد العین یبتغی　　دواء فلما لم یحس مداویا

شفاہ رسول اللہ منہ بتفلہ　　فبورک مرقیا وبورک راقیا

وقال ساعطی الرایۃ الیوم فارسا　　کمیا شجاعا فی الحروب محامیا

یحب الالٰہ والالٰہ یحبہ　　بہ یفتح اللہ الحصون الاوابیا

فخص بہا دون البریۃ کلہا　　علیا وسماہ الوصی المواخیا

(یعنی علیؑ کو آشوب چشم تھا جس کے علاج کی ضرورت تھی لیکن جب کوئی معالج نہیں ملا تو رسول اللہ نے اپنے لعاب دہن سے شفا بخشی پس معالج اور مریض دونوں بابرکت ہیں آں حضرتؐ نے فرمایا کہ آج میں ایسے شہسوار کو علم دوں گا جو بہت دلیر، شجاع اور جنگوں میں میرا مددگار ہے۔ وہ اللہ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اس کو دوست رکھتا ہے چنانچہ اس کے ذریعے دشمنوں کے قلعوں پر فتح دے گا۔ اس کے بعد ساری دنیا کو چھوڑ کر صرف علیؑ کو منتخب کیا اور ان کو اپنا وصی اور بھائی قرار دیا۔ ۱۲ مترجم عفی عنہ)

ابن صباغ مالکی نے صحیح مسلم سے نقل کیا ہے کہ عمر ابن خطاب نے کہا میں نے کبھی علمداری کی تمنا نہیں کی لیکن اس روز مجھ کو اس کی ہوس تھی اور میں بار بار اپنے کو پیغمبرؐ کے سامنے نمایاں کر رہا تھا کہ شاید بلا لیں اور یہ شرف مجھی کو نصیب ہو جائے لیکن اس کے باوجود علیؑ کو طلب فرمایا اور یہ فخر ان کے حصے میں آیا۔

سبط ابن جوزی نے تذکرہ ص۱۵ میں اور امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن علی نسائی نے خصائص العلوی میں بارہ روایتیں اور حدیثیں نقل کرنے کے بعد خیبر میں علمداری علیؑ کے موضوع پر بھی عمر کی روایت اور ان کی آرزوئے علمداری اٹھارہویں حدیث میں نقل کی ہے نیز جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں، ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں اور ابن شیرویہ فردوس الاخبار میں نقل کرتے ہیں کہ عمر ابن خطاب کہتے تھے، علیؑ کو تین چیزیں ایسی دی گئیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھ کو مل جاتی تو میں اس سے زیادہ پسند کرتا تھا کہ سرخ بالوں کے اونٹ میرے قبضے میں ہوں (۱) علیؑ کے ساتھ فاطمہؑ کی تزویج (۲) ہر حالت میں مسجد کے اندر سکونت، اور یہ امر سوا علیؑ کے اور کسی کے لئے حلال نہیں تھا (۳) اور فتح خیبر میں آپ کی علمداری۔ خلاصہ یہ کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام امت کے درمیان تنہا جو شخص خدا اور رسولؐ کا محبوب قرار پایا وہ علی علیہ السلام تھے! اور حدیث طیر بھی جو گذشتہ شب میں ذکر ہو چکی ہے خدا و رسول کے نزدیک حضرت کی محبوبیت پر دوسری دلیل ہے اور یہ باتیں سوا جاہل و بے خبر یا ہٹ دھرم اور متعصب

لوگوں کے کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

آپ کے موثق راویوں کے نقل کئے ہوئے ان دلائل کے بعد جن میں سے کچھ نمونے کے طور پر پیش کئے گئے ثابت ہوا کہ تمام صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کے مجموعہ اور آیہ شریفہ میں یحبہم و یحبونہ کے مصداق امیرالمومنین علیہ السلام تھے نہ کہ دوسرے مومنین یا صحابہ۔ اب آپ حضرات کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ میرا مقصد اہانت نہیں تھا بلکہ اصل واقعہ اور تاریخی حقیقت عرض کی گئی تھی جس کو خود آپ کے علماء صریحی دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں اور واضح ہوتا ہے کہ لڑائی کے میدانوں اور علمی مباحثوں میں آیۂ شریفہ اشداء علی الکفار سے مراد علی علیہ السلام تھے۔

علاوہ میری گفتگو کے آپکے بڑے بڑے علماء اقرار کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ ہی کی تعریف میں نازل ہوئی، چنانچہ اس وقت جس قدر میرے پیش نظر ہے عرض کرتا ہوں، محمد بن یوسف گنجی شافعی متوفی ۶۵۸ھ کفایت الطالب باب۲۳ میں رسول اکرمؐ کی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہ جو شخص آدم و نوحؑ اور ابراہیم کو دیکھنا چاہتا ہے وہ علیؑ کو دیکھے کچھ اور باتیں بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ کہتے ہیں علیؑ وہ شخص ہیں جن کی تعریف خدا نے قرآن میں اس آیت کے ساتھ کی ہے والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم الخ (چنانچہ اسی کتاب میں تفصیل سے اس کا بیان ہو چکا ہے) اور خدائے تعالیٰ آیۂ شریفہ میں گواہی دیتا ہے، کہ علی علیہ السلام کفار پر غالب اور سخت تھے، کیونکہ اگر بڑے بڑے معرکوں میں حضرت کی شجاعت و شمشیر مناظروں اور مباحثوں میں ان بزرگوار کے علمی دلائل اور مشکل مسائل میں آپ کے منطقی جوابات نہ ہوتے تو اسلام کے اندر کوئی رونق اور مسلمانوں کا کوئی اقتدار نہ ہوتا۔

چنانچہ محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ فرمایا اسلام نے فقط علیؑ کی شمشیر اور خدیجہ کے مال سے طاقت پکڑی۔ لہٰذا علی علیہ السلام اس مقام و مرتبہ کے لئے ہر ایک سے زیادہ اولیٰ و اہل اور مستحق تھے اور جو آپ نے یہ فرمایا کہ رحماء بینھم عثمان ابن عفان کی شان میں ہے اور تیسرے نمبر پر ان کے منصب خلافت کا اشارہ ہے کیونکہ وہ بہت رقیق القلب اور رحم دل تھے۔ تو افسوس ہے کہ یہ عقیدہ بھی تاریخ شہادت کی روشنی میں ان کے حالات و اخلاق سے میل نہیں کھاتا۔ اس مقصد پر دلائل بہت ہیں لیکن دل یہاں پہنچ کے ٹھہر گیا۔ آپ حضرات سے گذارش ہے کہ اسی قدر گفتگو پر اکتفا کیجئے اور اس موضوع سے چشم پوشی فرمائیے۔ ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ آپ کو رنج پہنچ جائے گا۔

حافظ: جب آپ دلائل و براہین اور اسناد صحیحہ بیان کیجئے گا تو رنجش کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر فحش باتوں کے علاوہ کچھ دلیلیں ہیں تو بیان فرمائیے۔

خیر طلب: اوّل تو یہ کہ میں فحش بولنے والا انسان نہیں ہوں، چنانچہ حاضرین جلسہ گواہ ہیں کہ ان راتوں میں مجھ کو خود فحش باتیں سننا پڑیں لیکن ان کا جواب بھی میں نے صرف دلیل و برہان سے دیا۔

دوسرے دلائل اس کثرت سے ہیں کہ اگر میں اُن سب سے استدلال کرنا چاہوں تو ہماری نشست کا یہ مختصر وقت

کافی نہیں ہے لیکن چونکہ آپ نے حکم دیا ہے لہٰذا اُن میں سے بعض کا خلاصہ پیش کرتا ہوں تاکہ آپ حضرات خود ہی انصاف سے فیصلہ فرمائیں اور اپنی جگہ پر رحم و عطوفت اور رقت قلب کا اندازہ کریں۔

ابوبکرؓ و عمرؓ کے برخلاف عثمانؓ کا طرزِ عمل

ہمارے اور آپ کے تمام مؤرخین مثلاً ابن خلدون، ابن خلکان اور ابن اعثم کوفی کا اتفاق ہے صحاح ستہ اور آپ کی معتبر کتابوں میں درج ہے، نیز مسعودی نے مروج الذہب جلد اوّل ص۴۳۵ میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد اوّل میں اور آپ کے دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ عثمان ابن عفان جب عہدۂ خلافت پر پہنچے تو سنت رسولؐ اور سیرت شیخین (ابوبکر و عمر) کے خلاف عمل کرنے لگے۔

حالانکہ فریقین اور تمام مورخین متفق ہیں کہ مجلس شوریٰ میں عبدالرحمٰن ابن عوف نے اُن سے کتاب خدا، سنت رسولؐ اور طریقہ شیخین پر بیعت کی تھی اور یہ شرط تھی کہ بنی اُمیہ کو دخیل نہ کریں گے اور نہ ان لوگوں پر مسلط کریں گے۔ لیکن جب معاملہ پختہ ہوگیا تو ان حضرات کی سیرت کے بالکل خلاف چلنے لگے اور کھلم کھلا وعدے کے برعکس کیا۔ آپ خود جانتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے حکم سے عہد و پیمان کو توڑنا گناہ کبیرہ ہے اور آپ کے اکابر علماء و مورخین کی صراحت و شہادت کی بناء پر خلیفہ عثمان نے عملاً نقض عہد کیا، سارے دور خلافت میں طریقہ شیخین (ابوبکر و عمر) کے برخلاف عمل کرتے رہے، بنی اُمیہ کو لوگوں کے جان و مال اور عزت پر مسلط کیا اور یہ پہلا بہت بڑا داغ تھا جس نے اُن کے دامن کو آلودہ کیا۔

حافظ: کیونکر سنت رسولؐ اور سیرۂ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف عمل کیا؟۔

خیر طلب: پہلا قدم جو سنت رسولؐ اور طریقہ شیخین کے برخلاف اٹھایا وہ جیسا کہ مؤرخین نے تفصیل سے لکھا ہے اور مشہور و مقبول فریقین محدث و مؤرخ مسعودی نے مروج الذہب جلد اوّل ص۴۳۳ میں مختصراً ذکر کیا ہے کہ پتھر کا ایک نقش و نگار والا مکان تعمیر کرایا جس میں ساگون اور سرو کے دروازے لگوائے کثیر مال و دولت جمع کیا اور اس کے علاوہ جب تک زندہ رہے بنی اُمیہ وغیرہ پر بے جا بخشش و انعام کی بارش کرتے رہے (مثلاً بلاد آرمینیہ کا خمس جو اُن کے زمانے میں فتح ہوا تھا بغیر کسی شرعی جواز کے) مروان ملعون کو بخش دیا نیز بیت المال سے ایک لاکھ درہم دیئے، چار لاکھ درہم عبداللہ ابن خالد کو، ایک لاکھ درہم ملعون و طرید رسول حکم ابن ابی العاص کو اور دو لاکھ درہم ابوسفیان کو بیت المال سے عنایت کئے (جیسا کہ ابن ابی الحدید نے بھی شرح نہج البلاغہ جلد اوّل ص۶۸ میں لکھا ہے) اور جس روز وہ قتل کئے گئے ہیں اُن کے ذاتی خزانچی کی تحویل میں ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور دو کروڑ درہم نقد موجود تھے علاوہ ان کی اس جائداد کے جو وادی القریٰ اور حنین میں تھی جس میں ایک لاکھ دینار اور صحراؤں کے اندر بے شمار گائیں بھیڑیں اور اونٹ تھے۔

ان کے اسی عمل کا نتیجہ تھا کہ بنی اُمیہ وغیرہ کے تمام بڑے لوگوں نے جن کو وہ برسر اقتدار لے آئے تھے ان سے زیادہ دولت جمع کی اور لوگوں کے اموال کو لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ انتہی

کیونکہ مشہور ہے الناس علیٰ دین ملوکہم (یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں)

اگر ز باغ رعیت ملک خورد سیبے ● بر آورند غلامان او درخت ز بیخ

اُس دور میں اس طرح کے افعال اور کثیر دولت کی فراہمی علاوہ اس کے کہ اُس زمانے کے محتاج و تہی دست لوگوں کے مقابلے میں خلیفۂ رسول ؐ کے لئے عقلی و نقلی حیثیت سے بہت بُری بات تھی، اُن کے رفقاء ابوبکر و عمر کے رویّہ اور طریقے کے بھی برخلاف تھی جب کہ وہ شوریٰ کے روز عہد و پیمان کر چکے تھے کہ اُن دونوں کے قدم بہ قدم چلیں گے۔

مسعودی مروج الذہب جلد اوّل ضمن حالات عثمان میں لکھتے ہیں کہ خلیفہ عمر اپنے بیٹے عبداللہ کے ساتھ حج کرنے گئے تو آنے جانے میں راستے کا خرچ سولہ دینار ہُوا۔ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ ہم نے اپنے اخراجات میں اسراف کیا۔ اب آپ حضرات خلیفہ عمر کے طریقہ زندگی اور عثمان کی فضول خرچیوں اور زیادتیوں کے درمیان موازنہ کیجئے۔ تو تصدیق کیجئے گا کہ عثمان کا طریقہ کار عہد و میثاق کے بالکل برعکس تھا۔

عثمانؓ کا بنی اُمیّہ کے بدکاروں کو ترقی دینا

دوسرے یہ کہ بنی اُمیّہ کے فاسق و فاجر لوگوں کو جاہ و منصب دے دے کر لوگوں کے جان و مال اور آبرو پر مسلّط کیا چنانچہ بلادِ مسلمین میں بنی امیہ کی حکومتوں سے ایک ابتری پھیل گئی تھی۔ اور رسولؐ خدا و شیخین (ابوبکر و عمر) کے خلاف مرضی اشخاص کو عہدوں پر معیّن کر دیا جیسے اپنے ملعون چچا حکم بن ابی العاص اور اس کے بیٹے مروان ابن حکم کو جن کے لئے تاریخ گواہ ہے کہ یہ دونوں رسولؐ اللہ کے راندۂ درگاہ، دھتکارے ہوئے۔ شہر بدر کئے ہوئے اور آں حضرتؐ کے ارشاد سے مردود و ملعون تھے۔

حافظ: خصوصیت سے ان لوگوں کے مردود و ملعون ہونے پر آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟

بنی اُمیّہ، حکم بن ابی العاص اور مروان خدا اور رسولؐ کے ملعون تھے

خیر طلب: لعنت کی دلیلیں دو قسم کی ہیں۔ ایک عمومی حیثیت رکھتی ہے جس میں خدائے تعالیٰ نے بنی امیّہ کو صریحاً شجرۂ ملعونہ فرمایا ہے، سورہ ۱۷ (بنی اسرائیل) آیت ۶۰ میں ارشاد ہے والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن یعنی قرآن

میں لعنت کیا ہوا درخت۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی، طبری، قرطبی، نیشاپوری، سیوطی، شوکانی، آلوسی ابن ابی حاتم خطیب بغداد، ابن مردویہ، حاکم، مقریزی، بیہقی اور آپ کے دوسرے مفسرین و علماء نے اس آیت مذمت کے ذیل میں ابن عباس (خیر امت) رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قرآن میں شجرۂ ملعونہ سے مراد بنی امیہ تھے، کیونکہ رسول اکرمؐ نے ان لوگوں کو خواب میں دیکھا کہ بندروں کی شکل میں آپ کے محراب و منبر کو اپنی اُچھل کود کا تختہ مشق بنائے ہوئے ہیں، بیدار ہونے کے بعد جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے اور خبر دی کہ یہ بندر بنی اُمیہ ہیں جو آپ کے بعد خلافت غصب کریں گے اور آپ کے محراب و منبر ایک ہزار مہینے تک اُن کے تصرف میں رہیں گے۔

امام فخر الدین رازی ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ تمام بنی اُمیہ میں رسول حکم بن ابی العاص کا نام خاص طور سے لیتے تھے پس بحکم قرآن مجید حکم بن ابی العاص ملعون ہے اس لئے کہ شجرۂ ملعونہ میں سے ہے اور پیغمبرؐ بالخصوص اس کا نام لعنت کے ساتھ زبان پر جاری فرماتے تھے اور فریقین (شیعہ و سنی) کے معتبر راویوں سے ان لوگوں کے مردود و ملعون ہونے پر کثرت سے حدیثیں مروی ہیں لیکن چونکہ ہم نے پہلی شب میں طے کر لیا ہے کہ احادیث شیعہ سے استدلال نہ کریں گے۔ لہٰذا فی الحال جس قدر آپ کے علماء نے لکھا ہے اور میرے پیش نظر ہے اسمیں سے بعض اقوال عرض کرتا ہوں تاکہ حقیقت ظاہر ہو جائے۔

حاکم نیشاپوری مستدرک جلد چہارم ص۴۸۷ میں اور ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں حاکم سے نقل کرتے ہیں کہ یہ صحیح حدیث رسول خدا سے منقول ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا ان اھلبیتی سیلقون بعدی من امتی قتلا وتشریداً وان اشد قومنا لنا بغضاً بنوامیۃ وبنوا المغیرۃ وبنوا مخزوم ومروان بن الحکم کان طفلاً قال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھو الوزغ والملعون بن الملعون (یعنی یقیناً میرے اہل بیت عنقریب میری اُمت کے ہاتھوں قتل اور پراگندگی میں مبتلا ہوں گے اور درحقیقت بنی اُمیہ بنی مغیرہ اور بنی مخزوم ہماری عداوت میں سب سے زیادہ سخت ہیں۔ مروان ابن حکم اُس زمانے میں بچہ تھا تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ چھپکلی کا بچہ چھپکلی اور ملعون پسر ملعون ہے)۔

نیز ابن حجر نے ایک حدیث کے فاصلے سے عمر بن مرۃ الجہنی سے، حلبی نے سیرۃ الحلبیہ جلد اول ص۳۳۷ میں، بلاذری نے انساب جلد پنجم ص۱۲۶ میں، سلیمان بلخی نے ینابیع المودۃ میں، حاکم نے مستدرک جلد چہارم ص۴۸۱ میں، دمیری نے حیات الحیوان جلد دوم ص۲۹۱ میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں، امام الحرم نے ذخائر العقبیٰ میں اور دوسروں نے بھی عمر بن مرہ سے نقل کیا ہے کہ ان الحکم بن ابی العاص استاذن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعرف صوتہ فقال ایذنوا لہ علیہ لعنۃ اللہ وعلی من یخرج من صلبہ الا المومن منھم وقلیل ماھم (یعنی حکم بن العاص نے خدمت رسول میں آنے کی اجازت چاہی، آں حضرتؐ نے اُس کی آواز پہچانی تو فرمایا اُس کو اجازت دے دو اس پر اور اس کے صلب سے پیدا ہونے والی اولاد پر خدا کی لعنت ہو علاوہ اُن کے جو اُن میں سے مومن ہوں اور وہ بہت کم ہوں گے)۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد پنجم میں آیۂ "والشجرۃ الملعونۃ" اور اس کے مفہوم کے ذیل میں اُم المومنین

عائشہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے مروان سے کہا لعن اللہ اباک وانت فی صلبہ فانت بعض من لعنہ اللہ (یعنی خدا نے تیرے باپ پر لعنت فرمائی درآنحالیکہ تو اُس کے صلب میں موجود تھا لہٰذا تو بھی اس کا جزء ہے جس پر خدا نے لعنت کی ہے)

علامہ مسعودی مروج الذہب جلد اول ص۴۳۵ میں کہتے ہیں کہ مروان ابن حکم رسول اللہ کا طرید اور راندۂ درگاہ تھا جو مدینے سے شہر بدر کر دیا گیا تھا۔ خلافت ابوبکر و عمر کے زمانے میں اس کو مدینے آنے کی اجازت نہیں ملی لیکن جب عثمان خلیفہ ہوئے تو رسول اکرم اور ابوبکر و عمر کی سیرت و عمل کے خلاف اُس کو آنے کی اجازت .. .. دی، تمام بنی امیہ کے ساتھ اس کو بھی اپنے پاس رکھا اور ان لوگوں پر حد سے زیادہ مہربانی کرتے تھے۔

نواب: قبلہ صاحب حکم بن ابی العاص کون تھا اور کس وجہ سے پیغمبر نے اُس کو دھتکار دیا تھا!۔

حکم بن ابی العاص

خیر طلب: حکم بن ابی العاص خلیفہ عثمان کا چچا تھا، جیسا کہ طبری، ابن اثیر اور بلاذری نے انساب جلد پنجم ص۱۷ میں لکھا ہے زمانۂ جاہلیت میں یہ رسول اللہ کا ہمسایہ تھا اور آں حضرتؐ کو بہت اذیت پہنچاتا تھا خصوصاً بعثت کے بعد، بعد فتح مکّہ کے بعد مدینے میں آیا اور ظاہری اسلام قبول کیا لیکن برابر لوگوں میں آں حضرتؐ کی توہین کیا کرتا تھا جس وقت آں حضرتؐ چلتے تھے تو یہ پیچھے سے آنکھ، سر، منہ اور ہاتھوں سے طرح طرح کی شکلیں بنا کر اور نقلیں اُتار کر آں حضرتؐ کو ایذا پہنچاتا تھا۔ یہاں تک کہ نماز میں تکبیر کے ساتھ انگلی سے آں حضرتؐ کی طرف اشارہ کرتا تھا چنانچہ آں حضرتؐ کی نفرین سے مستقل اسی طرح تشنج کی حالت پر قائم رہا۔ اس کے علاوہ فاتر العقل اور نیم مجنون بھی ہو گیا تھا۔ ایک روز آں حضرتؐ کے گھر پر گیا۔ آپ حجرے سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ کوئی شخص اس کی طرف سے سفارش نہ کرے اب اس کو اور اس کے بیٹوں مروان وغیرہ کو مدینے سے نکل جانا چاہیئے، چنانچہ آں حضرتؐ کے حکم سے فوراً مسلمانوں نے اُس کو طائف کی طرف نکال باہر کیا۔ ابوبکر و عمر کے زمانے میں عثمان نے سفارش کی کہ حکم میرا چچا ہے لہٰذا آپ اجازت دیجیئے کہ وہ مدینے واپس آجائے لیکن ان دونوں صاحبان نے منظور نہیں کیا اور کہا کہ وہ رسولؐ اللہ کا نکالا ہوا اور شہر بدر کیا ہوا ہے ہم اس کو واپس نہیں بُلا سکتے۔ جب عثمان خود منصب خلافت پر پہنچے تو ان لوگوں کو بُلا لیا، ہر چند مسلمانوں اور اصحاب رسولؐ نے اعتراض کیا لیکن انہوں نے کوئی اعتنا نہیں کی بلکہ اُن پر انعام و اکرام اور داد و دہش کی بارش کرتے رہے، مروان کو اپنا پیشکار اور دربار خلافت کا افسر بنایا، تمام اشرار بنی اُمیّہ کو اپنے گرد جمع کیا ان کو بڑے بڑے منصب اور نمایاں عہدے سپرد کیے یہاں تک کہ خلیفہ دوم عمر کی پیشین گوئی کے مطابق وہی لوگ اُن کی بدبختی کا سبب بنے۔

ولید فاسق نے نشے کی حالت میں نماز پڑھائی

من جملہ اُن کے ولید بن عقبہ بن ابی العیط بھی تھا جس کو کوفے کی ولایت و امارت پر بھیجا۔ ولید وہ شخص ہے کہ بنا بر روایت مسعودی مروج الذہب جلد اوّل ذیل حالات عثمان، پیغمبرؐ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا انہ من اھل النار یعنی وہ یقیناً اہل جہنم میں سے ہے۔ وہ فسق و فجور میں انتہائی بے باک تھا چنانچہ مسعودی مروج الذہب میں، ابو الفداء اپنی تاریخ میں سیوطی تاریخ الخلفاء ص۱۰۴ میں ابو الفرج اغانی جلد چہارم ص۱۷۸ میں امام احمد ابن حنبل مسند جلد اوّل ص۱۴۴ میں طبری اپنی تاریخ جلد پنجم ص۶۰ میں، بیہقی سنن جلد ہشتم ص۳۱۸ میں، ابن اثیر کامل جلد سیم ص۴۲ میں، یعقوبی اپنی تاریخ جلد دوم ص۱۴۲ ابن اثیر اسد الغابہ جلد پنجم ص۹۱ میں، اور دوسرے لوگ لکھتے ہیں کہ امارت کوفہ کے زمانے میں ایک مرتبہ رات بھر محفل عیش و عشرت گرم رہی، صبح کو جب موذن کی آواز آئی تو نشے کی حالت میں مسجد پہنچ گیا اور لوگوں کو صبح کی نماز چار رکعت پڑھائی اس کے بعد کہا کہ اگر تم لوگوں کی خواہش ہو تو اور پڑھا دوں۔
اُن میں سے بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ محراب کے اندر قے کر دی جس سے تمام لوگ پریشان ہوئے اور عثمان کے پاس شکایت لے گئے۔ من جملہ اُن کے مشہور و معروف آدمی معاویہ بھی تھا اس کو شام کا گورنر بنایا۔ اور ولید کے بعد سعید بن عاص کو کوفے بھیجا ان دونوں کے حرکات سے تمام بلاد مسلمین ظلم و فساد سے بھر گئے، فریادیں بلند ہوئیں اور جو شخص جہاں سے آیا ایک فریادی تحریر ساتھ لایا لیکن اُس کو دربار خلافت سے دھتکار دیا گیا۔

عثمانؓ کی غلط کاریاں اُن کے قتل کا باعث ہوئیں

جب رسولؐ اللہ کی سنت و سیرت حتیٰ کہ ابو بکر و عمر کے طور طریقے کے برخلاف ان کے یہ چال چلن مشہور ہوئے تو نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے خون میں جوش پیدا ہوا اور ایک متحدہ محاذ قائم ہو گیا، پھر جو ہونا تھا ہوا۔
اپنے قتل اور بد نصیبی کے ذمہ دار وہ خود تھے کیونکہ انہوں نے اپنے کاموں پر نظر ثانی نہیں کی۔ امیر المومنین علیہ السلام کی نصیحتوں پر کان نہیں دھرے اور اپنے حاشیہ نشین بنی اُمیہ کی چکنی چپڑی باتوں میں بھولے رہے یہاں تک کہ ان کی محبت میں اپنی جان سے ہاتھ دھوئے۔ جیسا کہ خلیفہ عمر نے اس کی پیشین گوئی کر دی تھی (اس لئے کہ وہ عثمان کی خصلتوں سے واقف تھے) چنانچہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سیم ص۱۰۵ میں ابن عباس سے عمر کی گفتگو نقل کی ہے، یہاں تک کہ کہتے ہیں خلیفہ عمر نے چھ نفر اصحاب شوریٰ میں سے ہر ایک کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہا اور کسی نہ کسی عیب کی گرفت کی۔ جب عثمان کا نام آیا اوہ ثلاثا واللہ لئن ولیھا لیحملن بنی ابی معیط علی رقاب الناس ثم لتنھض الیہ العرب فتقتلہ۔ (یعنی تین مرتبہ آہ کھینچنے کے بعد کہا کہ اگر زمام حکومت

عثمان کے ہاتھوں میں پہنچے گی تو وہ (بڑے بڑے عہدے دے کر) بنی ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیں گے پھر یقیناً عرب ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اُن کو قتل کر دیں گے)۔

نیز ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد اوّل ص۶۶ میں جملہ مذکورہ نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ عمر کا اندازہ صحیح اُترا کیونکہ جب عثمان خلیفہ ہوئے تو (جیسا عمر پیشین گوئی کر چکے تھے) بنی اُمیہ کو اپنے گرد جمع کر لیا ان کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیا اور ولایتوں کی گورنری عطا کی جس سے اُن لوگوں نے وہ کچھ کیا جو نہ کرنا چاہیئے تھا۔ باوجودیکہ یہ ایسا کر سکتے تھے کہ اُن کو معزول کر دیں، تبادلہ کر دیں اور مروان ملعون کو اپنے سے الگ کر دیں لیکن نہیں کیا یہاں تک کہ لوگوں میں ناراضگی پھیل گئی اور شورش و قتل تک نوبت پہنچی۔ اُن کے سر پر یہ تمام آفتیں اور فتنیں مروان اور ان کے دوسرے حاشیہ نشینوں کی لائی ہوئی تھیں۔ اور اُمّت کی درخواستوں سے بے اعتنائی ان کے قتل تک منجر ہوئی صاحبانِ انصاف! بہتر ہے کہ آپ تیسری صدی ہجری کے اپنے بزرگ اور معتمد علیہ عالم محمد بن جریر طبری کی تاریخ ص۳۵۷ کی طرف رجوع کیجئے جس میں لکھا ہے۔ وقد رای رسول اللّٰہ ابا سفیان مقبلا علی حمار ہ ومعاویۃ یقود بہ و یزید ابنہ یسوق بہ فقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم لعن اللّٰہ الراکب والقائد والسائق (یعنی پیغمبر نے دیکھا کہ ابو سفیان اپنے گدھے پر سوار آ رہا ہے، معاویہ اُس کو آگے سے کھینچ رہا اور اُس کا دوسرا بیٹا یزید پیچھے سے ہنکا رہا ہے تو فرمایا کہ سوار کھینچنے والے اور ہنکانے والے تینوں پر خدا لعنت کرے۔)

اس کے بعد فیصلہ کیجئے کہ خلیفہ عثمان نے پیغمبرؐ کے ملعون اور راندۂ درگاہ اشخاص کو کس لئے عزت و احترام کے ساتھ اپنے آغوش محبت میں لیا بلکہ اُن کو امارت و حکومت بھی عطا کی تاکہ وہ دین اسلام کے اندر انقلاب برپا کریں۔

خلیفہ کے ان افعال اور بے فکری پر صرف ہم ہی تعجب نہیں کر رہے ہیں بلکہ طبری اور ابن اعثم کوفی جیسے آپ کے بڑے بڑے علماء نے بھی حیرت کا اظہار کیا ہے اور اپنی تاریخوں میں درج کیا ہے کہ جس وقت ابو سفیان نے خلافت عثمان کے شروع میں سر دربار اسلام اور نزول وحی و جبرئیل کا انکار کیا تو خلیفہ نے اُس کو قتل کیوں نہیں کیا اور فقط معمولی سی ناراضگی پر بات ختم کر دی، حالانکہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسا ملعون واجب القتل تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۵

لوگوں میں غم و غصہ پھیلانا قتل عثمانؓ تک منجر ہوا

جو کچھ عرض کیا جا چکا اس کے علاوہ نہج البلاغہ کے خطبہ ۱۶۳ اور اسی طرح اس روایت پر توجہ کیجئے جو ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم (مطبوعہ مصر) ص۴۱۲ میں خطبے کی شرح کرتے ہوئے طبری کی تاریخ بزرگ سے نقل کی ہے کہ رسول اللّٰہ کے بعض اصحاب نے مختلف صوبوں میں خطوط لکھ کر مدینے کے اندر عثمان کی سرپرستی میں بنی اُمیہ کے ظلم و جور کے خلاف دعوت جہاد دی۔ اور سنہ ۳۴ھ میں عثمان کے عاملوں سے ناراض لوگوں کی ایک بڑی جماعت مدینے پہنچ کر خدمت امیرالمومنینؑ میں حاضر ہوئی

اور حضرت کو درمیان میں ڈالا، آپ خلیفہ کے پاس تشریف لے گئے اور جہاں تک ممکن تھا اُن کو نصیحت کی کہ عمال کے تبادلے اور طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کریں، اُن کو حالات کے نتائج سے آگاہ کیا اور سمجھایا کہ یہ جان جوکھوں کا معاملہ ہے، یہاں تک کہ فرمایا وانی انشدک اللہ ان تکون امام ھذہ الامۃ المقتول فانہ کان یقال یقتل فی ھذہ الامۃ امام یفتح علیہ القتل والقتال الی یوم القیامۃ (یعنی میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اس اُمت کے مقتول پیشوا نہ ہو کیونکہ اس سے قبل کہا جا چکا ہے کہ اس اُمت میں ایک ایسا پیشوا قتل کیا جائے گا جس کے مارے جانے سے روزِ قیامت تک قتل و خونریزی کا دروازہ کھل جائے گا۔

لیکن مروان اور اموی مصاحبین نے حضرت کی سچی نصیحتوں کا اثر نہ ہونے دیا۔ چنانچہ حضرت کی واپسی کے بعد عثمان نے حکم دیا کہ لوگ مسجد میں جمع ہوں، پھر منبر پر جا کر بجائے اس کے کہ شکایت کرنے والوں کی تالیفِ قلوب اور دلدہی کریں اور کہیں کہ متعین عمال اس وقت سے معزول کئے گئے، اس طرح کی باتیں کہیں کہ رنجیدہ دلوں کو اور صدمہ پہنچا اور انجام خلیفہ عمر کی پیشین گوئی تک پہنچا یعنی عثمان ناراض جماعت کے ہاتھوں مارے گئے۔

پس قتلِ عثمان کا سبب اُن کی نادانیاں تھیں کہ بزرگوں کی نصیحتوں پر کان نہیں دھرے حتیٰ کہ اپنے پاداشِ عمل کو پہنچے، برخلاف ابوبکر و عمر کے کہ وہ امیر المومنین علیہ السلام کے نصائح کو سُن کر اثر لیتے تھے اور قدردانی کر کے پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔

اصحابِ رسولؐ پر عثمانؓ کی زد و کوب

دوسرے یہ کہ وہ چند اصحابِ رسولؐ جو ناصح و خیر خواہ اور اُن کے غلط رویے پر معترض تھے اُن کے حکم سے اس قدر مارے پیٹے گئے کہ اکثر انہیں چوٹوں کے اثر سے مر گئے اور جو زندہ رہے وہ علیل و ناتوان ہو گئے۔

منجملہ اُن کے عبداللہ ابن مسعود تھے جو حافظ و قاری، محافظ بیت المال، کاتبِ قرآن اور رسولِ خدا کے خاص صحابی تھے یہاں تک کہ ابوبکر و عمر کے نزدیک بھی قابلِ احترام اور اُن کے مشیرِ کار تھے۔

خصوصیت سے ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ خلیفہ ثانی عمر اپنے زمانہ خلافت میں کوشش کرتے تھے کہ عبداللہ اُن سے جُدا نہ ہوں اس لئے کہ یہ قرآن اور احکامِ دین سے پوری واقفیت رکھتے تھے اور رسول اللہ نے اُن کی بہت تعریف فرمائی تھی چنانچہ ابن ابی الحدید اور دوسروں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

ابن مسعود کی زد و کوب اور اُن کی موت

آپ کے علماء و مورخین نے بالعموم لکھا ہے کہ جب عثمان نے قرآن کو جمع کرنا چاہا تو کاتبوں سے تمام نسخے حاصل

کئے من جملہ اُن کے عبداللہ ابن مسعود سے بھی جو کاتبین وحی میں سے اور رسولِ خدا کے معتمد علیہ تھے اُن کا قرآن طلب کیا لیکن انہوں نے نہیں دیا عثمان خود اُن کے گھر پر گئے اور زبردستی اُن سے قرآن وصول کیا۔ جس وقت عبداللہ نے سُنا کہ دوسرے قرآنوں کی طرح اُن کا قرآن بھی جلا دیا گیا تو اُن کو بہت صدمہ ہوا۔ چنانچہ مجالس و محافل میں جو حدیثیں ان کو قدحِ عثمان میں یاد تھیں بیان کرتے تھے اصلیت سے پردے اٹھاتے تھے اور ارشادات سے لوگوں کو حقائق سمجھاتے تھے۔ جب یہ خبریں عثمان کو پہنچیں تو اُن کے حکم سے غلاموں نے جا کر عبداللہ کو اس قدر مارا کہ ضربات کی شدت سے اُن کے دانت ٹوٹ گئے اور وہ بستر سے لگ گئے یہاں تک کہ تین دن کے بعد دنیا سے چل بسے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے شرحِ نہج البلاغہ جلد اوّل (مطبوعہ مصر) صفحہ ۶۶ و صفحہ ۲۲۶ ضمن طعن ششم میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہاں تک کہ کہتے ہیں عثمان عبداللہ کی عیادت کو گئے اور دونوں میں کافی بات چیت ہوئی تا اینکہ عثمان نے کہا استغفر لی یا ابا عبد الرحمٰن قال اسئل اللہ ان یاخذ لی منک حقی (یعنی اے عبدالرحمٰن (کنیت عبداللہ ابن مسعود) میرے لئے استغفار کرو۔ عبداللہ نے کہا کہ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ تم سے میرا حق وصول کرے (یعنی میں ہرگز تم سے راضی نہ ہوں گا)۔

نیز نقل کیا ہے کہ جس وقت ابوذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن کیا گیا تو اُن کی مشایعت کے جرم میں عبداللہ کے جسم پر چالیس تازیانے لگائے لہذا عبداللہ نے عمار یاسر کو وصیت کی کہ عثمان کو میرے جنازے پر نماز نہ پڑھنے دینا، عمار نے بھی اسکو منظور کیا اور عبداللہ کی وفات کے بعد اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ اُن کے جنازے پر نماز پڑھ کے دفن کیا۔

جس وقت عثمان کو اس کی اطلاع دی گئی تو عبداللہ کی قبر پر آئے اور عمار سے کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا میں اُن کی وصیت سے مجبور تھا (عمار کا یہی عمل اُس کینے کا سبب ہوا جو بعد کو اُن کے ساتھ برتا گیا)۔

واقعاً خلیفہ عثمان کے حرکات جیسا کہ آپ کے اکابر علماء و مورخین نے لکھا ہے حیرت انگیز ہیں، خصوصاً وہ برتاؤ جو وہ رسول اللہ کے خاص اور پاکباز صحابہ کے ساتھ عمل میں لاتے تھے کیونکہ ابوبکر اور عمر نے بھی ہرگز ایسے کام نہیں کئے بلکہ وہ عثمان کے طریقے کے خلاف اصحاب رسولؐ کا پورا احترام کرتے تھے۔

عثمانؓ کے حکم سے عمار کی زدوکوب

عثمان کے جو اعمال ان کی رحم دلی پر دلالت کرتے ہیں اُن میں سے پیغمبرؐ کے خاص صحابی جناب عمار یاسر کی توہین اور زدوکوب بھی ہے۔ چنانچہ فریقین کے علماء و مورخین نے لکھا ہے کہ جب بلادِ اسلام میں عمال بنی اُمیّہ کا ظلم و تعدی بہت بڑھ گیا تو اصحاب رسولؐ نے جمع ہو کر عثمان کو ایک خط لکھا جس میں اُن کے مظالم یاد دلائے اور مشفقانہ نصیحتیں گوش گذار کیں کہ اگر آپ ظالم اموی عمال کے رویے کی پیروی اور حمایت کرتے رہیئے گا اور نیز اپنے مصاحبین کے طور طریقے پر نظرثانی نہ

کھینچے گا تو اس سے جو کچھ آپ اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں اُس سے زیادہ خود آپ کو اس کے نتائج اور خمیازہ بھگتنا پڑے گا اس کے بعد مشورہ کیا کہ یہ خط کون لے جائے۔ بالآخر طے پایا کہ عمار کا لے جانا مناسب ہوگا اس لئے کہ ان کے فضل و تقوے اور عظمت کے خود عثمان بھی قائل ہیں اور اُن کو بارہا یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ ایمان عمار کے خون اور گوشت میں پیوست ہے۔ نیز آں حضرت سے یہ بھی نقل کرتے تھے کہ فرمایا، بہشت تین اشخاص کی مشتاق ہے علی ابن ابی طالب، سلمان اور عمار یاسر۔ لہٰذا اصحاب کی درخواست پر جناب عمار وہ کاغذ لے کر عثمان کے گھر گئے۔ عثمان گھر سے نکل رہے تھے، دروازے پر عمار کو دیکھا تو پوچھا یا ابا الیقظان (کنیت عمار) کیا کام ہے؟ کہا میرا کوئی ذاتی کام نہیں ہے بلکہ اصحاب رسولؐ کی ایک جماعت نے اس خط میں آپ کی نیکی اور خیر خواہی کی کچھ باتیں درج کی ہیں اور میرے ذریعے سے بھیجا ہے لہٰذا اس کو پڑھ کر جواب دے دیجئے انہوں نے خط لیا اور جونہی چند سطریں پڑھیں بپھر گئے اور لال پیلے ہو کر خط کو زمین پر پھینک دیا جناب عمار نے فرمایا آپ نے اچھا نہیں کیا، اصحاب رسولؐ کے خط کا احترام کرنا چاہیئے تھا اس کو زمین پر کیوں پٹک دیا چاہیئے تو یہ تھا کہ اُس کو باقاعدہ پڑھتے اور جواب دیتے انہوں نے انتہائی غصے کے ساتھ کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو اس کے بعد اپنے غلاموں کو حکم دیا جنہوں نے جناب عمار کو سختی سے مارا پیٹا۔ ان کو زمین پر گرا کر مارتے رہے یہاں تک کہ خود عثمان نے بھی ان کے پیٹ پر کئی لاتیں ماریں جن کی چوٹوں سے یہ بزرگوار مرض فتق میں مبتلا ہو گئے اور بے ہوش ہو گئے، ان کے اعزہ آ کر ان کو اُم المومنین ام سلمہ کے گھر اٹھا لے گئے جہاں یہ ظہر کے وقت سے لے کر آدھی رات تک بے ہوش پڑے رہے یہاں تک کہ چار نمازوں کا وقت گزر گیا۔ جب ہوش میں آئے تو ان کی قضا پڑھی۔

آپ کی معتبر کتابوں میں ان قضیوں کی پوری تفصیل موجود ہے۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں اور مسعودی مروج الذہب جلد اول ص۴۳۲ میں مطاعن عثمان کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل اور بنی مخزوم کا عثمان سے برگشتہ ہو جانا عبداللہ ابن مسعود اور عمار یاسر کے ساتھ اُن کے سخت برتاؤ اور مار پیٹ کی وجہ سے تھا۔

اب فیصلہ آپ حضرات کے انصاف پر چھوڑتا ہوں تاکہ اُن کی رقت قلب اور رحمدلی کی جانچ کر سکیں۔

ابوذر کی ایذا اور جلاوطنی اور صحرائے ربذہ میں ان کی وفات

چونکہ رسول اللہ کے خاص اور محبوب صحابی جندب بن جنادہ ابوذر غفاری کے ساتھ جو صحابہ میں اسلام کے دوسرے بڑے عالم تھے ان کا طرز عمل ہر آزاد منش انسان کو متاثر کرتا ہے۔

فریقین کے تمام ارباب حدیث اور بڑے بڑے مورخین کو اعتراف ہے کہ یہ نوّے سال کے مرد بزرگ کس قدر ذلت و اذیت کے ساتھ شام کو اور وہاں سے مدینے اور مدینے سے اپنی لڑکی کے ہمراہ بے کجاوہ اونٹ پر ربذہ کے

بے آب وگیاہ صحرا کی طرف جلا وطن کئے گئے یہاں تک کہ اسی بیابان میں ابوذر کی وفات ہوئی اور ان کی یتیم بچی اُس خوفناک وادی میں بے سرپرست اور تنہا رہ گئی۔ آپ کے بڑے بڑے علماء و مورخین جیسے ابن سعد نے طبقات جلد چہارم ص۱۶۸ میں بخاری نے اپنی صحیح کتاب زکوٰۃ میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد اوّل ص۲۴۱ نیز جلد دوم ص۳۷۵ تا ص۳۸۷ میں، یعقوبی نے اپنی تاریخ جلد دوم ص۱۴۸ میں، چوتھی صدی کے مشہور و معروف محدث و مورخ ابوالحسن علی ابن الحسین مسعودی متوفی ۳۴۶ھ نے مروج الذہب جلد اول ص۴۳۸ میں اور دوسروں نے بھی جن کے مفصل تذکرے کا وقت نہیں ہے اس مرد بزرگ، مومن پاک نفس اور محبوب رسولؐ کے ساتھ عثمان اور معاویہ و مروان وغیرہ جیسے اموی عمال کے سخت برتاؤ نیز ابوذر کی متابعت کرنے کے جرم میں امیرالمومنین علیہ السلام کی اہانتیں اور اسی جرم میں حافظ و کاتب وحی عبداللہ ابن مسعود کو چالیس کوڑے مارنے کا حال درج کیا ہے۔

حافظ: اگر ابوذر کو کوئی تکلیف پہنچی تو نا اہل عاملوں کے طرز عمل سے پہنچی ورنہ خلیفہ عثمان تو بہت ہی رحم دل اور رقیق القلب تھے اور ایسی حرکتوں سے قطعاً ناواقف تھے۔

خیر طلب: مثل مشہور ہے کہ "ماں سے زیادہ چاہے پھپھے کٹنی کہلائے" جناب عالی خلیفہ عثمان کی طرف سے جو صفائی پیش کر رہے ہیں وہ حقیقت اور واقعے کے بالکل خلاف ہے۔ اگر آپ اپنی معتبر تاریخی کتابوں کی طرف رجوع کیجئے تو ماننا پڑیگا کہ جتنی تکلیفیں اور اذیتیں جناب ابوذر کو پہنچیں وہ خود خلیفہ کے صریحی حکم سے پہنچیں۔

اس بات پر آپ کے اکابر علماء کی معتبر کتابیں گواہ ہیں امیری درخواست ہے کہ نمونے کے لئے نہایۃ ابن اثیر جلد اوّل تاریخ یعقوبی اور بالخصوص شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید (مطبوعہ مصر) جلد اوّل ص۲۴۱ کو ملاحظہ فرمائیے جن میں معاویہ کے نام خلیفہ کا خط درج کیا گیا ہے کہ جب معاویہ نے شام سے ابوذر کی بدگوئی کی تو خلیفہ عثمان نے اُن کو لکھا کہ ان کو سختی کے ساتھ مدینے روانہ کرو۔ اصل خط یہ ہے فکتب عثمان الی معاویۃ اما بعد فاحمل جندبا الی علی اغلظ مرکب واوعرہ فوجہ بہ مع من ساربہ اللیل والنھار وحملہ علی شارف لیس علیھا الا قتب حتی قدم بہ المدینۃ وقد سقط لحم فخذیہ من الجھد۔ (یعنی عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ جندب (ابوذر کا نام) کو ایک بوڑھے اور بے کجاوہ اونٹ پر بٹھا کر ایک بدمزاج انسان کے ہمراہ جو رات دن اس کو دوڑاتا ہوا میرے پاس لائے روانہ کرو (چنانچہ ان کے حکم کے مطابق اس عابد و زاہد اور محبوب خدا و رسولؐ صحابی کو اسی طریقے سے لایا گیا) جس وقت یہ مدینے پہنچے ہیں تو ان کی رانوں کا گوشت کٹ کٹ کر گر گیا تھا)۔

خدا کے لئے انصاف کیجئے کیا عطوفت و مہربانی اور رحم و رقت قلب کے یہی معنی ہیں؟

ابوذر محبوب خدا و رسولؐ اور امت کے سب سے سچے انسان تھے

کیا ابوذر کے بارے میں خدائے تعالےٰ اور پیغمبر اسلام کی طرف سے کافی ہدایتیں صادر نہیں ہوئی ہیں اور ان مفصل روایات کو آپ کے بڑے بڑے علماء نے اپنی مبسوط کتابوں میں درج نہیں کیا ہے۔

چنانچہ حافظ ابونعیم اصفہانی نے حلیتہ الاولیاء جلد اول ص۱۷۲ میں، ابن ماجہ قزوینی نے سنن جلد اول ص۶۶ میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب۵۹ میں صواعق ابن حجر مکی سے ان چالیس حدیثوں میں سے پانچویں حدیث جو انہوں نے فضائل امیرالمومنینؑ میں ترمذی و حاکم سے نقل کی ہیں۔ بشرط صحت کے ساتھ بریدہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے، ابن حجر عسقلانی نے اصابہ جلد سیم ص۴۵۵ میں، ترمذی نے صحیح جلد دوم ص۲۱۳ میں، ابن عبدالبر نے استیعاب جلد دوم ص۵۵۷ میں، حاکم نے مستدرک جلد سیم ص۱۳۰ میں اور سیوطی نے جامع الصغیر میں نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ ان اللہ امرنی یحب اربعة واخبرنی انه یحبهم قیل یارسول اللہ سمهم لنا قال علی منهم یقول ذالک ثلاثا و ابوذر ومقداد وسلمان (یعنی خدا نے مجھ کو چار شخصوں کی محبت کا حکم دیا ہے اور خبر دی ہے کہ وہ بھی ان کو دوست رکھتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ ہمارے لئے ان کے نام بیان فرمائیے تو فرمایا ان میں سے علیؑ ہیں، علیؑ ہیں، علیؑ ہیں اور ابوذر و مقداد و سلمان) پس معلوم ہوا کہ یہ چاروں حضرات خدا و رسولؐ کے محبوب ہیں۔ آیا آپ حضرات کا انصاف اس کی اجازت دیتا ہے کہ خدا و رسولؐ کے محبوب سے ایسا غیر منصفانہ برتاؤ کیا جائے اور اس کا نام رحمدلی اور رقت قلب رکھا جائے؟ ابوبکر و عمر کو یہ الزام کیوں نہیں دیا گیا؟ چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا لہٰذا نہ تاریخ میں آیا نہ ہم نے کہا۔

حافظ: جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے ابوذر ایک ہنگامہ پسند انسان تھے شام کے اندر علی کرم اللہ وجہہ کے نام پر سخت پروپیگنڈا کر رہے تھے اور شامیوں کو علیؑ کی طرف ترغیب دے رہے تھے، کہتے تھے کہ میں نے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ فرمایا علیؑ میرے خلیفہ ہیں۔ چونکہ یہ دوسروں کو غاصب اور علیؑ کو خلیفہ منصوص ظاہر کرتے تھے لہٰذا خلیفہ عثمان رضی اللہ مجبور تھے کہ اتحاد کی حفاظت اور فساد کی روک تھام کے لئے ان کو شام سے بلا لیں۔

جس وقت کوئی شخص لوگوں کو اجتماعی مصلحت کے خلاف اکسائے تو خلیفہ وقت پر واجب ہے کہ اس کو محل انقلاب سے نکال دے۔

خیر طلب: اول یہ کہ اگر کوئی شخص حق بات کہے تو کیا یہی چاہیئے کہ اس کو جلا وطن اور مبتلائے مصیبت بنا دیا جائے کہ تم کیوں اپنے سچے معلومات کو ظاہر کرتے ہو؟ فرض کیجیے کہ ایک معمولی مسلمان ہو تو کیا بلا تحقیق اور بغیر چغلی کھانے والے کی بات کا جھوٹ سچ پرکھے ہوئے اس کو شہر بدر یا دارالخلافت کو روانہ کرنے کا حکم دے دیا جائے؟ آیا اسلام کا

مقدس قانون یہی حکم دیتا ہے کہ ایک نحیف اور ضعیف انسان کو بوڑھے اور بے کجاوہ اونٹ پر سوار کر کے ایک تند خو غلام کے شکنجے میں دے کر بھیجنے کی تاکید کی جائے جو رات دن نہ سونے دے نہ ٹھہرنے دے اور جب منزل پر پہنچے تو اس کے پاؤں کا گوشت اُڑ چکا ہو ؟ کیا یہی ہیں رقت قلب اور رحم و مروت کے معنی ؟

اس کے علاوہ اگر خلیفہ کے پیش نظر اتحاد کی حفاظت اور فساد کی روک تھام ہی تھی تو فسادی امویوں کو جیسے رسُولِ خدا کے طرید و راندۂ درگاہ مروان اور علی الاعلان فسق و فجور کرنے والے بے دین ولید کو جو نشے کی حالت میں نماز پڑھتا تھا اور مسجد کی محراب میں قے کرتا تھا نیز اسی طرح کے اور لوگوں کو کیوں نہیں اپنے پاس سے نکال باہر کیا تاکہ ان کے طور طریقے جماعت کے اندر فساد اور خلیفہ کے قتل کا باعث نہ بنیں ؟

حافظ: یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ابوذر سچ کہتے تھے اور صحیح معلومات کا اظہار کرتے تھے اور رسولؐ خدا کے نام سے حدیث نہیں گھڑتے تھے ؟ -

انصاف سے فیصلہ کرنا چاہیئے تاکہ جہالت کے پردے چاک ہوں

خیر طلب: یہاں سے معلوم ہوا کہ خاتم الانبیاءؐ نے خود اُن کی صداقت اور سچائی کی تصدیق فرمائی ہے ، چنانچہ معتبر روایات میں وارد ہے اور آپ کے اکابر علماء نے درج کیا ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا میری اُمّت کے اندر ابوذر صداقت و راستی اور زہد و تقوے میں ایسے ہیں جیسے بنی اسرائیل کے اندر حضرت عیسٰی -

چنانچہ محمد بن سعد نے جو آپ کے اکابر علماء محدثین میں سے ہیں طبقات جلد چہارم ص۱۶۷ و ص۱۶۸ میں ، ابن عبدالبر نے استیعاب جلد اول باب جندب ص۸۴ میں ، ترمذی نے صحیح جلد دوم ص۲۲۱ میں ، حاکم نے مستدرک جلد سیم ص۳۴۲ میں ، ابن حجر نے اصابہ جلد سیم ص۶۲۲ میں ، متقی ہندی نے کنز العمال جلد ششم ص۱۶۹ میں ، امام احمد حنبل نے مسند جلد دوم ص۱۶۳ و ص۱۷۵ میں ابن الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۲۴۱ میں واحدی سے ، حافظ ابونعیم اصفہانی نے حلیہ میں اور صاحب لسان العرب و ینابیع المودۃ نے اخبار ابوذر غفاری میں .... متعدد سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسُولؐ اللہ نے فرمایا ما اقلت الغبراء وما اظلت الخضراء علیٰ رجل اصدق لہجۃ من ابی ذر (یعنی زمین نے کسی ایسے مرد کو نہیں اٹھایا اور آسمان نے کسی ایسے مرد پر سایہ نہیں ڈالا جو ابوذر سے زیادہ سچ بولنے والا ہو)

بدیہی بات ہے کہ آپ کے علماء کی شہادت کے مطابق پیغمبرؐ جن کی راست گوئی کی تصدیق کی ہو وہ جو کچھ کہتا تھا یقیناً سچ کہتا تھا اور خدا کسی جھوٹے جعلساز اور حدیث گھڑنے والے کو ہرگز اپنا محبوب نہیں بناتا - بہتر ہوگا کہ انصاف کی نگاہوں سے دیکھئے تاکہ حق اور حقیقت سامنے آجائے - اگر ابوذر کے جھوٹ بولنے کی کوئی مثال ہوتی تو آپ کے علمائے

متقدمین قطعاً اس کو نقل کرتے جیسا کہ ابوہریرہ وغیرہ کا کچا چٹھا نقل کیا ہے۔

آپ کو خدا کا واسطہ تھوڑا غور کیجئے اور ذرا انصاف سے کام لیجئے کہ جو شخص رسول اللہ کا خاص صحابی، خدا و رسول کا محبوب اور اُمت کا صادق و راست گو ہو وہ اگر اپنے دینی فرض پر عمل کرتے ہوئے امر بالمعروف اور اشاعت حق کرے تو اس کی اس خطا پر کہ رسول اللہ کی حدیثیں کیوں بیان کیں اس قدر توہین اور زجر و توبیخ کریں، یہاں تک کہ وہ ایک بے آب و گیاہ بیابان میں دنیا سے کوچ کرے۔ کیا رحم و مروت اور رقت قلب کے معنی یہی ہیں؟۔

اور وہ بھی ایسے شخص کے بارے ہیں کہ جب رسول اللہ ان کی آنے والی مصیبتوں کی خبر دے رہے تھے تو ان کی پرہیزگاری کی گواہی بھی دی تھی، چنانچہ حافظ ابونعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء جلد اول ص۱۶۲ میں اپنے اسناد کے ساتھ ابوذر غفاری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں خدمت رسول میں کھڑا ہوا تھا کہ آں حضرت نے مجھ سے فرمایا انت رجل صالح وسیصیبک بلاء بعدی قلت فی اللہ قال فی اللہ قلت مرحبا بامر اللہ (یعنی تم ایک مرد صالح ہو اور عنقریب میرے بعد تم پر بلائیں نازل ہوں گی۔ میں نے عرض کیا کہ خدا کی راہ میں؟ تو فرمایا ہاں خدا کی راہ میں۔ میں نے کہا میں امر الٰہی کو خوش آمدید کہتا ہوں) (آیا معاویہ اور عثمان کے مقرب بارگاہ بنی اُمیہ کے ہاتھوں ان دونوں کے حکم سے بزرگ صحابی ابوذر کا ابتلاء بے آب و گیاہ صحرا میں ان کی جلا وطنی اور شدید تکلیفیں وہ عظیم بلا نہیں تھی جس کی خبر رسول خدا دے چکے تھے کہ وہ خدا کے لئے اس آفت میں مبتلا ہوں گے؟ (فاعتبروا یا اولی الابصار)۔

آپ حضرات کے متضاد حالات سے سخت تعجب ہوتا ہے کہ ایک طرف تو یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے میرے سارے اصحاب ستاروں کے مثل ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے، اور دوسری طرف جب ایک بزرگ ترین صحابی رسول کو اس جرم میں کہ علیؑ کی طرفداری کیوں کی اس قدر ظلم و تشدد کر کے مار ڈالتے ہیں تو آپ ظالموں کی طرف سے صفائی دینے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔

اب یا تو آپ اپنے تمام بزرگ علماء کو جھٹلا دیجئے جنہوں نے ان واقعات اور احادیث کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے یا تصدیق کیجئے کہ صفات آیۂ مذکورہ کے حامل وہ لوگ نہیں تھے جنہوں نے رسول خدا کے پاک صحابہ پر ایسے مظالم کئے۔

ربذہ کی طرف ابوذرؓ کا زبردستی اخراج

حافظ: یہ تو مسلم ہے کہ ابوذر نے اپنی خواہش اور اختیار سے ربذہ کو قبول کیا اور اس طرف روانہ ہوئے۔

خیر طلب: آپ کی یہ گفتگو ان بے جا کوششوں کا اثر ہے جو آپ کے متعصب متاخرین علماء نے اسلاف کی حرکتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کی ہیں، ورنہ جناب ابوذر کا زبردستی نکالا جانا عام طور پر مسلم ہے۔ نمونے کے لئے ایک روایت

پر اکتفا کرتا ہوں جس کو امام احمد بن حنبل نے مسند جلد پنجم ص۱۵۶ میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد اوّل ص۲۴۱ میں اور واقدی نے اپنی تاریخ میں ابوالاسود دوئلی سے (جو آپ کے علمائے رجال کے نزدیک ثقات میں سے ہیں) نقل کیا ہے کہ میں چاہتا تھا کہ ربذہ میں ابوذر سے ملاقات کر کے ان کی جلاوطنی کا سبب دریافت کروں لہٰذا میں گیا اور ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھ کو زبردستی شہر بدر کر کے اس بے آب و گیاہ صحرا میں بھیجا گیا ہے اور رسولؐ اللہ مجھ کو اس کی خبر بھی دے چکے تھے ایک روز میں مسجد میں سو گیا تھا، آں حضرتؐ تشریف لائے اور پاؤں مار کر فرمایا کہ مسجد میں کیوں سو رہے ہو! میں نے عرض کیا کہ مجھ کو بے اختیار نیند آ گئی، تو فرمایا کہ اس وقت تم کیا کرو گے جب مدینے سے نکال دیے جاؤ گے! میں نے عرض کیا کہ شام کی مقدس سرزمین پر چلا جاؤں گا! فرمایا اس وقت کیا کرو گے جب وہاں سے بھی تم کو نکال دیں گے! میں نے عرض کیا پھر مسجد کی طرف واپس آ جاؤں گا۔ فرمایا اس وقت کیا کرو گے جب یہاں سے بھی نکالے جاؤ گے! میں نے عرض کیا تلوار کھینچ کر جنگ کروں گا فرمایا کیا میں تم کو ایسی بات بتاؤں جس میں تمہاری بھلائی ہو! میں نے عرض کیا ہاں، تو فرمایا انسق معھم حیث ساقوک[1] وتسمع وتطیع، پس میں نے سنا اور اطاعت کی، اس وقت فرمایا واللہ لیلقین اللہ عثمان وھو اٰثم فی جنبی یعنی خدا کی قسم عثمان اس حالت میں خدا کے سامنے جائیں گے کہ وہ میرے معاملہ میں گنہگار ہوں گے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ کا رحم و کرم

اگر غور و انصاف اور غیر جانبداری کی نظر سے دیکھئے تو تصدیق کیجئے گا کہ اس رحم و کرم اور شفقت و عطوفت میں سب سے اولیٰ و اہل اور احق حضرت امیرالمومنین علیہ السلام تھے کیونکہ جب آپ خلافت ظاہری کی مسند پر بیٹھے تو جیسا کہ آپ کے تمام مورخین اور بالخصوص ابن ابی الحدید نے تفصیل سے لکھا ہے۔ بدعتوں کو برطرف کیا۔ حکام و عمال جور و فساد اور فاسقین بنی امیہ وغیرہ کو جو زمانۂ خلافت عثمان میں اسلامی ممالک کی حکومتوں پر مسلط کر دیے گئے تھے معزول کر دیا۔

بعض ظاہر بین سیاستدانوں اور دلچسپی رکھنے والے دوستوں نے اس جامع و مانع ذات کے سامنے یہ مشورہ رکھا کہ چند روز ان معاویہ جیسے حکام کو ان کی جگہوں پر رہنے دیجئے تاکہ آپ کی حکومت مضبوط ہو جائے، اس کے بعد ان کو معزول کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ حضرت نے فرمایا واللہ لا اداھن فی دینی ولا اعطی الریاء فی امری (یعنی خدا کی قسم میں دین کے معاملے میں چاپلوسی اور اپنے کام میں ریاکاری نہیں کرتا)۔

تم مجھ کو رواداری پر مجبور کرتے ہو لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ جتنی مدت تک وہ میری طرف سے حکومت پر برقرار رہیں گے

---

[1] یعنی وہ جدھر لے جائیں چلے جانا۔ ۱۲ باقری

بہ دستور ظلم و تعدی میں مشغول رہیں گے اور مجھ کو خدائے عزوجل کی بارگاہ میں جواب دینا ہوگا جس کی مجھ میں طاقت نہیں چنانچہ یہی حکام جور کی معزولی چند معاویہ جیسے جاہ طلب لوگوں کی مخالفت کا سبب اور جمل وصفین کی لڑائیوں کا پیش خیمہ بنی جس وقت طلحہ اور زبیر کوفے اور مصر کی حکومت مانگنے آئے تھے اگر حضرت اُن کو حاکم بنا دیتے تو وہ مخالفت پر آمادہ نہ ہوتے اور بصرے کا فتنہ اور جنگ برپا نہ کرتے۔

بعض کوتاہ فہم اور ظاہر بین لوگ حضرت کی مستحکم سیاست پر اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ آپ سیاست عادلانہ کے مرکز تھے۔ عام معنی میں سیاست جس پر دنیا داروں کا عمل ہے یعنی دوزخی پالیسی، ریاکاری، چاپلوسی، جھوٹ، دشمنوں کی خوشامد اور ظاہری منفعتوں کے لئے اُن کو فریب دینا وغیرہ تو یہ البتہ حضرت سے کوسوں دور تھی کیونکہ آپ عدل انصاف اور خوف الٰہی کے مجسمہ اور روز جزا کے معتقد تھے۔

جس وقت آپ نے بالائے منبر اپنے خطبوں کے درمیان گریہ فرمایا اور لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا میں نے سنا ہے کہ معاویہ کی فوجوں نے ایک گاؤں پر چھاپہ مار کر ایک یہودی کی لڑکی کے پاؤں سے پازیب اتار لی حالانکہ وہ جزیہ اور اسلام کی پناہ میں ہے ان حضرت کی رحمدلی دوست و دشمن سب کے ساتھ یکساں تھی۔ باوجودیکہ عثمان نے حضرت کے ساتھ اس قدر بدسلوکیاں کی تھیں (جس قدر ابوبکر وعمر نے بھی علاوہ خلافت ابوبکر کے ابتدائی زمانے کے ظاہر بظاہر کبھی نہیں کی تھیں) پھر بھی جس وقت اُن کا محاصرہ کیا گیا ہے اور اُنہوں نے اپنے مکان کی چھت پر سے حضرت کو یہ پیغام دیا کہ ہم پر کھانا پانی بند کر دیا گیا ہے تو حضرت نے فوراً آب وطعام مہیا کر کے اپنے دونوں فرزندوں حسن وحسین علیہما السلام کے ذریعے اُن کے پاس بھیجا، چنانچہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اور دوسروں نے بھی اس کی تفصیل لکھی ہے۔

دوست و دشمن کے ساتھ حضرت کی عنایت و مہربانی سے کسی کو انکار نہیں تھا، بے کس عورتوں اور بیکس یتیموں سے اس قدر ہمدردی فرمائی کہ ابوالارامل والایتام والمساکین (بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کے باپ) مشہور ہوگئے تھے۔ خلافت ظاہری کے زمانے میں ایک عورت کو دیکھا کہ راستے میں پانی کی مشک لئے بہت پریشان اور تھکی ہوئی ہے آپ نے بغیر اپنے کو ظاہر کئے ہوئے مشک اُس سے لے کر اپنے کاندھے پر رکھی اور اُس کے گھر پہنچا دی اُس کے لئے خرمے لے گئے، اُس کے یتیم بچوں پر شفقت فرمائی اور تنور میں اُن کے لئے روٹیاں پکا کر اُن کی تسکین کا سامان فرمایا۔

خلیفہ عثمان نے بھی سخاوت اور بخشش میں نام پیدا کیا لیکن صرف اپنے گھرانے والوں کے ساتھ، چنانچہ ابوسفیان حکم ابن ابی العاص اور مروان ابن حکم وغیرہ مسلمانوں کے بیت المال سے بغیر کسی شرعی حق کے لاتعداد دولت سمیٹتے تھے۔

زیادہ امداد مانگنے پر عقیل کی تنبیہ

لیکن امیرالمومنین علیہ السلام اپنے قریبی خاندان کو بھی ضرورت کی کم سے کم مقدار دیتے تھے، جس وقت حضرت کے

بڑے بھائی جناب عقیل نے حاضر خدمت ہو کر معمولی حقوق سے زیادہ امداد طلب کی تو آپ نے کوئی توجہ نہیں فرمائی انہوں نے حد سے زیادہ اصرار کیا کہ آپ چونکہ آج خلیفہ اور سارے نظم ونسق کے مالک ہیں لہذا ہماری حاجت روائی اور امداد زیادہ ہونا چاہیئے۔ حضرت نے اپنے بھائی کو متنبہ کرنے کے لئے چپکے سے ایک لوہے کا ٹکڑا آگ میں گرم کیا اور عقیل کے جسم سے قریب لے گئے فضج ضجیج ذی دنف من المہا وکادان یحترق من میسمہا (یعنی انہوں نے اس کی تکلیف سے دردناک چیخ ماری اور قریب تھا کہ اُس کے اثر سے جل جائیں) حضرت نے فرمایا ثکلتک الثواکل یا عقیل ائتئن من حدیدۃ احماھا انسانہا للعبہ وتجرنی الی نار سجرھا جبارہا لغضبہ اتئن من الاذی ولا ائن من لظی (یعنی رونے والیاں تمہارے سوگ میں بیٹھیں اے عقیل آیا تم اُس لوہے کے ٹکڑے سے فریاد کرتے ہو جس کو انسان نے کھیل کے طور پر گرم کیا ہے اور مجھ کو اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہو جس کو خدائے قہار نے اپنے غضب سے بھڑکایا کیا تم اس معمولی سی تکلیف سے فریاد کرو اور میں آتش جہنم سے پناہ نہ مانگوں ؟)۔

اب یہ آپ حضرات کے انصاف پر ہے کہ ان دونوں خلیفہ کی حالت اور طرز عمل کا موازنہ کر کے حقیقت کو پرکھیں اور حق کی پیروی کریں۔ آپ کی شفقت و مہربانی دوستوں سے مخصوص نہ تھی بلکہ اس لطف وکرم کے برتاؤ میں حضرت کے نزدیک دوست دشمن سب برابر تھے۔

مروان، عبداللہ ابن زبیر اور عائشہ کے ساتھ حضرت کی عنائتیں

آپ جس وقت دشمنوں پر غالب آتے تھے تو ایسی مہربانی فرماتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے۔

حضرت کا ایک جانی دشمن جس کا بغض وعداوت آپ سے ضرب المثل بن گیا تھا، ملعون ابن ملعون مروان ابن حکم شقی تھا لیکن جب آپ جنگ جمل میں اُس پر غالب ہوئے تو فصفح عنہ اُس سے درگزر فرمائی اور بخش دیا۔

من جملہ حضرت کے بڑے دشمنوں کے عبداللہ ابن زبیر بھی تھے جو لیشتمہ علی رؤس الاشہاد وخطب البصرۃ فقال قد اتاکم الوغب اللئیم علی بن ابی طالب (یعنی علانیہ اور کھلم کھلا آپ کو گالی دیتے تھے اور جب بصرے میں خطبہ پڑھا تو لوگوں سے کہا کہ تمہاری طرف بے وقوف کمینہ ذلیل اور بخیل علی ابن ابی طالب آئے ہیں) (معاذاللہ) اس کے باوجود جس وقت آپ نے جنگ جمل ختم کی اور یہ قید کر کے حضرت کے سامنے لائے گئے تو آپ نے کوئی سخت لفظ استعمال کیا نہ غصہ دکھایا بلکہ درگزر کرتے ہوئے اپنا منہ پھیر لیا اور اُس کو بخش دیا۔

اور سب سے بالاتر ام المومنین عائشہ کے ساتھ آپ کا سلوک تھا جس نے عقلوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ انہوں نے آپ کے شروع زمانہ خلافت میں جس طریقے سے فتنہ انگیزی کی آپ کے مقابلے میں صف آرا ہوئیں اور آپ کو بدنام کیا

یہ انسان کو اتنا برافروختہ کر دیتا ہے کہ جب ایسے شخص پر قابو پاتا ہے تو اس کا بھیجا نکال دیتا ہے، اور سخت سزائیں دیتا ہے لیکن جب حضرت اُن پر غالب ہوئے تو اُن کی کوئی ہلکی سی اہانت بھی نہیں کی، بلکہ اُن کے بھائی محمد بن ابی بکر کو اُن کی خدمت کے لئے معین فرمایا۔ کاموں سے فارغ ہونے کے بعد غصے اور بے مروتی کے عوض رحم و کرم سے پیش آئے اور آپ کے حکم سے قبیلہ عبدالقیس کی بیس عدد تندرست عورتیں مردانہ لباس پہنے تلواریں کمر سے لگائے اور چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ یہ عورتیں ہیں عائشہ کے ہمراہ مدینے روانہ ہوئیں۔ جس وقت یہ زنان مدینہ اور ازواج رسولؐ کے سامنے حضرت علیؑ کے لئے تشکر و امتنان کا اظہار کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ میں زندگی بھر علیؑ کی ممنون احسان رہوں گی، مجھ کو یہ خیال نہیں تھا کہ علیؑ اس قدر عالی ظرف ہوں گے کہ باوجود میری اس قدر دشمنی اور فتنہ انگیزیوں کے مجھ کو ایک کلمہ بھی نہیں کہیں گے بلکہ انتہائی مہربانی اور رحم و کرم سے کام لیں گے۔ لیکن اُن سے ایک شکایت ہے کہ مجھ کو اجنبی مردوں کے ساتھ مدینے کیوں بھیجا۔ ان کنیزوں نے آکر فوراً مردانہ لباس اُتار دیا اور چہرے کھول دیئے تب معلوم ہوا کہ یہ سب کنیزیں تھیں جو مردانہ لباس میں ہمراہ تھیں تاکہ ایک طرف تو راستے کے لوگ یہ سمجھیں کہ مردانہ دستہ ہے۔ لہٰذا رہزنی کی ہمت نہ کریں اور دوسری طرف عائشہ کی روانگی بھی مردوں کے ساتھ نہ ہو۔ ٹھیک ہے۔

ع چنیں کنند بزرگان چو کرد باید کار

معاویہ کا پانی روکنا اور علیؑ کا اُن پر مہربانی کرنا

جنگ صفین میں معاویہ کا لشکر پہلے پہنچ کے نہر فرات پر قابض ہو گیا اور بارہ ہزار سپاہی اُس کی نگرانی پر مقرر کر دیئے جب امیرالمومنینؑ کی فوج پہنچی تو ان لوگوں نے پانی لینے سے روکا۔ حضرت نے معاویہ کو پیغام دیا کہ ہم لوگ یہاں پانی پر جنگ کرنے نہیں آئے ہیں۔ اپنے آدمیوں سے کہدو کہ پانی بند نہ کریں تاکہ دونوں لشکر آزادی سے سیراب ہوں۔ معاویہ نے کہا کہ میں ہرگز پانی نہیں دوں گا یہاں تک کہ علیؑ مع اپنی فوج کے پیاس سے دم توڑ دیں۔ جس وقت حضرت نے یہ جواب سنا مالک اشتر کو سواروں کے ایک دستے کے ساتھ بھیجا جنہوں نے ایک ہی حملے میں معاویہ کے لشکر کو پراگندہ کر دیا اور فرات پر قبضہ کر لیا۔

اصحاب نے عرض کیا کہ یا امیرالمومنین اگر اجازت ہو تو ہم بھی انتقام لیں اور اُن پر پانی بند کر دیں تاکہ وہ لوگ پیاس سے ہلاک ہو جائیں یا پھر لڑائی جلد ختم ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا لا واللہ لا اکافیہم کمثل فعلھم افسحوا لھم عن بعض الشریعہ (یعنی نہیں خدا کی قسم میں اُنہیں کی ایسی حرکت کر کے بدلا نہیں لوں گا اُن کے لئے نہر کا ایک حصہ چھوڑ دو (یعنی اُدھر کا کنارہ اُن کو دے دو) اس طرف کا پانی تمہارے لئے کافی ہے) میں نے جلسہ کا وقت دیکھتے ہوئے دشمنوں پر حضرت کی عنایت و مہربانی کے مفصل حالات سے مشتے نمونہ از خروارے چند مختصر باتیں پیش کی ہیں، لیکن آپ کے

بڑے بڑے علماء نے ان سارے مطالب کو تشریح و تفصیل سے درج کیا ہے۔ جیسے طبری نے اپنی تاریخ میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۵۶ میں اور مسعودی نے مروج الذہب میں، نیز دوسرے مورخین نے بھی حوالہ دیا ہے تاکہ روشن خیال اور منصف مزاج حضرات دونوں خلیفہ (عثمان و علی علیہ السلام) کے حالات کا الگ الگ جائزہ لیں اور عقل سلیم سے غور کریں کہ ان دونوں میں سے کون خلیفہ آیۂ شریفہ و رحماء بینھم کا مصداق ہے

پس اگر غور و انصاف سے دیکھیں گے تو تصدیق کریں گے کہ آیۂ شریفہ کے معنی اس طرح ہوتے ہیں محمد رسول اللہ مبتداء والذین معہ معطوف بر مبتداء اور اس کی خبر اور جو کچھ اس کے بعد ہے خبر بعد از خبر ہے اور یہ ساری صفتیں ایک ہی شخص کی ہیں۔ یعنی پیغمبرؐ کے ساتھ ہونا، میدان جنگ اور علمی و مذہبی مباحثوں میں کفار پر سخت و درشت ہونا اور دوست و دشمن پر مہربان و رحمدل ہونا یہ تمام صفات اسی شخصیت سے وابستہ ہیں جو دم بھر رسولؐ خدا سے جدا نہ رہا ہو بلکہ جدائی کا خیال بھی نہ کیا ہو (جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں) اور وہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ چنانچہ میں عرض کر چکا ہوں کہ علامہ فقیہ محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں کہا ہے کہ خدا نے اس آیۂ شریفہ سے علی علیہ السلام کی تعریف کی ہے۔

شیخ: آپ کے بیانات کے جوابات بہت ہیں، لیکن اگر آیت کے معنی یہی ہیں جو آپ کہہ رہے ہیں تو والذین معہ کے ساتھ درست نہیں ہوتے کیونکہ والذین معہ جمع ہے اور خود یہ عبارت بتاتی ہے کہ آیت ایک شخص کے بارے میں نازل نہیں ہوئی ہے کیونکہ اگر یہ صفات ایک ہستی کے لئے تھے تو جمع کی لفظ کیوں ذکر ہوئی۔

خیر طلب: اول تو آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ تمہارے بیانات کے جوابات بہت ہیں تو آخر آپ حضرات وہ جوابات کیوں نہیں دیتے تاکہ بات صاف ہو جاتی؟ پس آپ حضرات کی خاموشی خود اس کی دلیل ہے کہ میرے دلائل منطقی ہیں (یہ دوسری بات ہے کہ ہٹ دھرمی اور مغالطہ بازی کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے) اور آپ حضرات چونکہ انصاف پسند ہیں لہٰذا میرے معقول جوابات کے مقابلے میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔

آیت میں جمع کی لفظ تعظیم و تکریم کے لئے ہے

دوسرے جناب عالی کا یہ بیان محض کج بحثی ہے کیونکہ اول تو آپ خود جانتے ہیں کہ کلام عرب و عجم میں تعظیم و تکریم یا دوسرے اسباب کی بنا پر جمع کا اطلاق واحد پر عام طور سے رائج اور مستعمل ہے۔

باتفاق جمہور آیۂ ولایت کا نزول علیؑ کی شان میں

چنانچہ قرآن مجید جو ہمارے لئے مضبوط آسمانی سند ہے اس کے اندر ایسی مثالیں بکثرت ہیں، مثلاً آیۂ مبارکہ ولایت

سورہ ۵ (مائدہ) آیت ۶۰ میں ارشاد ہے انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون (یعنی سوا اس کے نہیں ہے کہ تمہارے ولی امر اور اولیٰ بالتصرف صرف خدا و رسولؐ اور وہ مومنین ہیں جو نماز قائم کرتے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں) جس پر جملہ مفسرین و محدثین کا اتفاق ہے جیسے (۱) امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد سوم ص۴۳۱ میں (۲) امام ابو اسحٰق ثعلبی نے اپنی کشف البیان میں (۳) جار اللہ زمخشری نے تفسیر کشاف جلد اول ص۴۲۲ میں (۴) طبری نے اپنی تفسیر جلد ششم ص۱۸۶ میں (۵) ابو الحسن ربانی نے اپنی تفسیر میں (۶) ابن ہوازن نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں (۷) ابن سعدون قرطبی نے اپنی تفسیر جلد ششم ص۲۲۱ میں (۸) النسفی حافظ نے اپنی تفسیر ص۴۵۶ (در حاشیہ تفسیر خازن بغدادی) میں (۹) فاضل نیشاپوری نے غرائب القرآن جلد اول ص۴۶۱ میں (۱۰) ابو الحسن واحدی نے اسباب النزول ص۱۴۸ میں (۱۱) حافظ ابوبکر جصاص نے تفسیر احکام القرآن ص۵۴۲ میں (۱۲) حافظ ابوبکر شیرازی نے فیما نزل من القرآن فی امیر المومنین میں (۱۳) ابو یوسف شیخ عبد السلام قزوینی نے اپنی تفسیر کبیر میں (۱۴) قاضی بیضاوی نے انوار التنزیل جلد اول ص۳۴۵ میں، (۱۵) جلال الدین سیوطی نے در المنثور جلد دوم ص۲۹۳ میں (۱۶) قاضی شوکانی صنعانی نے تفسیر فتح القدیر میں (۱۷) سید محمد آلوسی نے اپنی تفسیر جلد دوم ص۳۴۹ میں (۱۸) حافظ ابن ابی شیبہ کوفی نے اپنی تفسیر میں (۱۹) ابو البرکات نے اپنی تفسیر جلد اول ص۴۹۶ میں (۲۰) حافظ بغوی نے معالم التنزیل میں (۲۱) امام ابو عبد الرحمٰن نسائی نے اپنی صحیح میں (۲۲) محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل ص۳۱ میں (۲۳) ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم ص۲۷۵ میں (۲۴) خازن علاء الدین بغدادی نے اپنی تفسیر جلد اول ص۴۹۶ میں (۲۵) سلیمان حنفی نے ینابیع المودۃ ص۲۱۲ میں (۲۶) حافظ ابوبکر بیہقی نے کتاب مصنف میں (۲۷) رزین عبدری نے جمع بین الصحاح الستہ میں (۲۸) ابن عساکر دمشقی نے تاریخ شام میں (۲۹) سبط ابن جوزی نے تذکرہ ص۹ میں (۳۰) قاضی عبد الحیٔ نے مواقف ص۲۵۶ میں (۳۱) سید شریف جرجانی نے شرح مواقف میں (۳۲) ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ ص۱۲۳ میں (۳۳) حافظ ابو سعد سمعانی نے فضائل الصحابہ میں (۳۴) ابو جعفر اسکافی نے نقض العثمانیہ میں (۳۵) طبرانی نے اوسط میں (۳۶) ابن مغازلی فقیہ شافعی نے مناقب میں (۳۷) محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایۃ الطالب میں (۳۸) مولوی علی قوشجی نے شرح تجرید میں، (۳۹) سید محمد مومن شبلنجی نے نور الابصار ص۷۷ میں (۴۰) محب الدین طبری نے ریاض النضرہ جلد دوم ص۲۲۷ میں، نیز اور آپ کے اکثر ارباب علم و دانش نے سدی، مجاہد، حسن بصری، اعمش، عتبہ بن ابی حکیم، غالب بن عبد اللہ، قیس بن ربیعہ، عبایہ بن ربعی، عبد اللہ ابن عباس (خیر امت و ترجمان القرآن) ابو ذر غفاری، جابر ابن عبد اللہ انصاری، عمارہ، ابو رافع اور عبد اللہ بن سلام وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے تصدیق کی ہے کہ یہ آیت مبارکہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ہر ایک نے مختلف عبارتوں کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ جس وقت حضرت نے حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی راہ خدا میں سائل کو دی تو یہ آیت شریفہ نازل ہوئی حالانکہ اس میں بھی جمع کا لفظ استعمال ہوا ہے جو صرف منصب ولایت کی تعظیم و تکریم اور حضرت کی امامت و خلافت کو ثابت کرنے کے لئے ہے کیونکہ کلمہ حصر (انما) کے ساتھ ارشاد ہوا ہے

کہ امت کے اُمور میں خدا و رسولؐ کے بعد اولیٰ بالتصرف وہی شخص ہے جس نے بحالت رکوع خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات دی ہے اور وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔

شیخ: یقیناً آپ کو ماننا پڑے گا کہ یہ مطلب اتنا محکم نہیں ہے جتنا آپ نے فرمایا ہے کیونکہ اس آیت کی شانِ نزول میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں انصار کی شان میں نازل ہوئی، کچھ کہتے ہیں عبادہ ابن صامت کی شان میں آئی اور بعض نے عبداللہ بن سلام کے لئے لکھا ہے۔

خیر طلب: آپ جیسے صاحبِ علم سے تعجب ہے کہ (علاوہ تواتر علمائے شیعہ کے) خود اپنے جمہور مفسرین اور اکابر علماء کے خیالات و عقائد کے خلاف جنہوں نے اس آیۂ شریفہ کو شان امیرالمومنین میں نازل ہونے کی تائید و تصدیق کی ہے۔ چند متعصب اور مجہول وضعیف القول افراد کے اختلافات کا جو شاذ و مردود اور ناقابل قبول ہیں سہارا ڈھونڈتے ہیں۔

حالانکہ آپ کے محققین واکابر فضلاء نے اس معنی پر اتفاق کا دعویٰ کیا ہے، مثلاً فاضل تفتازانی اور مولوی علی قوشچی جو شرح تجرید میں کہتے ہیں۔ انها نزلت باتفاق المفسرین فی حق علی ابن ابی طالب علیه السلام حین اعطی السائل خاتمه وهو راکع فی صلوته (یعنی بہ اتفاق مفسرین یہ آیت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی جب کہ آپ نے نماز کے اندر رکوع کی حالت میں اپنی انگوٹھی سائل کو عطا کی)۔

آیا ایک منصف اور عالم انسان کی عقل اجازت دیتی ہے کہ اہل سنت کے جمہور مفسرین اور اکابر علماء کے اقوال کو نظر انداز کر کے بچے کھچے خوارج ونواصب میں سے چند متعصب بلکہ معاند اشخاص کے مہمل و بے معنی اکا دکا اقوال پر بھروسا کرے؟۔

آیۂ ولایت میں شبہات واشکالات اور انکے جوابات

شیخ: جناب عالی نے اپنے بیان میں کوشش کی ہے کہ اس آیت کو نقل کرتے ہوئے اپنی چابکدستی سے علی کرم اللہ وجہ کی خلافت بلا فصل اور امامت ثابت کر دیں حالانکہ اس آیت میں ولی کا لفظ محب اور دوست دار کے معنی میں ہے نہ کہ امام اور خلیفہ بلا فصل کے معنی میں۔ اگر آپ کا یہ فرمانا صحیح ہو کہ ولی سے خلیفہ اور امام مُراد ہے تو العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب کے "قاعدے" سے یہ صرف ایک ذات پر مشتمل نہ ہوگا بلکہ دوسرے افراد بھی اس میں شامل ہوں گے جن میں سے ایک علی کرم اللہ وجہ بھی ہیں۔ نیز کلمہ ولیکم اللہ اور کلمہ الذین میں جمع کا صیغہ عموم کے لئے ہے اور جمع کا حمل واحد پر بغیر کسی دلیل کے اور کلام خدا کی تاویل اور بلا تجوز کے جائز نہیں ہے۔

خیر طلب: پہلی چیز تو یہ کہ آپ کو کلمہ ولیکم میں دھوکا ہوا ہے اس لئے کہ "ولی" "مفرد" ہے اور "کُم" جمع ہے جس کا تعلق امت سے ہے لہذا یہاں واحد پر اطلاق نہیں ہے جس میں آپ اشکال وارد کر سکیں۔ البتہ ولی فرد واحد ہے

جس کو ہر زمانے میں اُمت پر ولایت حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ جن کلمات جمع میں بعض متعصبین اور خوارج ونواصب اعتراض واشکال وارد کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ واحد پر حمل نہیں ہو سکتے ہیں۔

اس اشکال کا جواب یہی اصل مطلب کے اندر ہیں اپنی گفتگو میں دلیل کی حیثیت سے عرض کر چکا ہوں کہ اہل علم وادب کے یہاں رائج اور ثابت ہے اور ادباء وفضلا کے بیانات میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ تعظیم وتکریم یا دوسرے اسباب کی بنا پر جمع کو واحد پر حمل کیا ہے۔ علاوہ اس کے جیسا کہ آپ دعویٰ کر رہے ہیں عموم لفظ کے لحاظ سے ہم بھی کلمہ حصر انما کے مطابق اس آیۂ شریفہ کا نزول حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی شان میں سمجھتے ہیں لیکن اس کے مخصوص ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ دوسرے افراد معصومین کو بھی اس میں شامل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے معتبر اخبار واحادیث میں مروی ہے کہ عترت طاہرہ میں سے باقی آئمہ بھی اس آیت میں داخل ہیں، اور ہر امام منزل امامت کے قریب پہنچ کے اس فضیلت اور خصوصیت پر فائز ہوتا ہے (یہی ہیں وہ افراد جن کے لئے آپ کا دعویٰ ہے کہ ان کو امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ اس آیت میں شامل ہونا چاہیئے)۔

چنانچہ جاراللہ زمخشری کشاف میں کہتے ہیں کہ اگرچہ اس آیہ شریفہ میں حصر ہے۔ اور یہ علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے لیکن جمع کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے بھی اُن حضرت کی پیروی پر راغب ہوں۔

تیسرے یہ کہ آپ نے عوام کو شبہے میں ڈالنے کے لئے اپنے بیان میں ایک بہت بڑا مغالطہ دیا ہے کہ شیعوں نے اس آیت کو تاویل کر کے علی علیہ السلام سے مخصوص کیا ہے حالانکہ (سوا چند گنے چنے معاندین ومتعصبین کے) فریقین (شیعہ وسُنی) کے تمام مفسرین ومحدثین کا اتفاق ہے کہ جیسا پہلے عرض کر چکا ہوں۔ اس آیت کی تنزیل ہی امیرالمومنینؑ کی شان میں ہوئی ہے نہ یہ کہ شیعوں کی تاویل سے یہ منصب اُن حضرت کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔

شیخ: اس آیت میں "ولی" قطعاً ناصر کے معنی میں ہے کیونکہ اگر اولیٰ بالتصرف کے معنی میں ہوتا جو خلافت وامامت کی منزل ہے تو رسولؐ اللہ کی زندگی میں بھی اس عہدے پر فائز ہونا چاہیئے تھا حالانکہ یہ بات صریحی طور پر باطل ہے۔

خیرطلب: نہ صرف یہ کہ اس عقیدے کے باطل ہونے پر آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ آیت کا ظاہری قرینہ بھی اُن حضرت کے لئے اس مقام ومنصب کے دوام کو ثابت کرتا ہے کیونکہ جملۂ اسمیہ کی دلالت اور یہ کہ "ولی" صفت مشبہ ہے دونوں اس بلند منزلت کے ثبات ودوام کی دلیل ہیں اور پیغمبرؐ کا غزوۂ تبوک میں مدینہ منورہ کے اندر حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ بنانا اور پھر مرتے دم تک معزول نہ کرنا اس مقصد کی تائید کرتا ہے، نیز حدیث منزلت بھی اس مطلب کی مؤید ہے کہ رسول اللہ نے بارہا فرمایا علی منی بمنزلة هٰرون من موسٰی (جس کی ہم گذشتہ شبوں میں پوری تشریح کر چکے ہیں) اور رسولؐ اللہ کے زمانۂ حیات میں اور بعد وفات اُن حضرت کی ولایت پر بجائے خود یہ بھی ایک دوسری دلیل ہے۔

شیخ: میرا خیال ہے کہ اگر تھوڑا غور کیجئے تو ہمارے لئے یہی کہنا مناسب ہوگا کہ یہ آیت اُن جناب کی شان میں نازل نہیں ہوئی کیونکہ علی کرم اللہ وجہہ کی منزل اس سے بلند ہے کہ اس آیت سے اُن کے لئے کوئی فضیلت ثابت کی جائے،

قطع نظر اس سے کہ یہ کوئی فضیلت ثابت کرتی اُن جناب کے فضائل پر ضرب بھی لگاتی ہے ۔

خیر طلب : اوّل تو ہم اور آپ بلکہ اُمت کی کوئی فرد یہاں تک کہ صحابہ کبار بھی اس کا حق نہیں رکھتے کہ آیتوں کی شانِ نزول میں دخل دیں، کیوں کہ آیات کی شان نزول دل کی خواہش پر نہیں ہوتی، بلکہ اگر کچھ اشخاص اپنی مرضی سے معانی اور نزول آیات میں تصرف کریں تو یقیناً وہ لوگ بے دین ہوں گے ۔ جیسے بکر بن جنہوں نے مشہور حیلسانہ عکرمہ کے قول پر اس آیت کا نزول ابوبکر کے بارے میں بتایا ہے ۔

دوسرے جناب عالی جب بولنے پر آتے ہیں تو واقعاً رموز و اسرار کا انکشاف کرتے ہیں اس لئے کہ یہ پہلا موقع ہے جب میں آپ سے ایسی بات سن رہا ہوں، حقیقتاً آپ کا دماغ بہت بلند ہے اور خوب نکتہ نکالا ہے ۔ بہتر ہے فرمایئے کس پہلو سے یہ آیت حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے مرتبۂ ولایت پر ضرب لگاتی ہے ۔

شیخ : مولانا علی کرم اللہ وجہہ کے درجات عالیہ میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نماز کے وقت خدا کی طرف ایسی توجہ رکھتے تھے کہ کبھی کسی نے اپنی طرف متوجہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور ہمارے نزدیک ثابت ہے کہ ایک لڑائی میں آپ کے جسم پر چند تیر ایسے لگے تھے کہ اُن کا نکلنا سخت تکلیف کا باعث تھا لہذا جب آپ نماز پر کھڑے ہوئے تو وہ تیر نکال لئے گئے اور انتہائی خضوع و خشوع اور رحمت الٰہی میں استغراق کی وجہ سے آپ کو بالکل توجہ اور درد کا احساس نہیں ہوا ۔ پس اگر یہ واقعہ صحیح ہو کہ ان جناب نے نماز میں سائل کو انگوٹھی دی تو اس سے آپ کی نماز پر بہت بڑی ضرب لگتی ہے ۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو شخص بارگاہ خداوندی میں انتہائی حضورِ قلب کی وجہ سے نماز میں درد والم کی طرف توجہ نہ کرے جو ہر انسان کی فطرت ہے وہ ایک سائل کی آواز پر اس طرح متوجہ ہو جائے کہ رکوع کی حالت میں اپنی انگوٹھی اُس کو دیدے ؟

اس کے علاوہ عمل خیر اور وہ بھی ادائے زکوٰۃ میں نیت ضروری ہے لہذا حالت نماز میں جب کہ سرتاپا خدا کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے نیت نماز سے دوسری نیت کی طرف عدول اور مخلوق کی طرف توجہ کیونکر کی جا سکتی ہے ؟ چونکہ ہم ان جناب کی منزل بلند سمجھتے ہیں، لہذا اس مفہوم کی تصدیق نہیں کرتے ۔ اگر سائل کو کچھ عطا بھی ہوا تو ہرگز حالت نماز میں نہیں ہوا ۔ اس لئے کہ رکوع کا مطلب خشوع و تواضع ہے یعنی آپ نے خشوع و تواضع کے ساتھ انگشتری سائل کو دی نہ کہ حالت نماز میں ۔

خیر طلب : عزیز من "آپ نے درد تو اچھا سیکھا لیکن دعا کا راستہ بھول گئے" آپ کا یہ اشکال تو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ عمل ان حضرت کے مرتبے پر کوئی ضرب نہیں لگاتا بلکہ سائل کی طرف توجہ کرنا اس کو صدقہ دینا اور اُس کا دل خوش کرنا تو موجب کمال ہے، اس لئے کہ حضرت علی علیہ السلام ہر وقت اور ہر حال میں خدا اور اس کی رضا کی طرف متوجہ رہتے تھے اور اس عمل میں بھی عبادت جسمانی و روحانی کو عبادت مالی (یعنی راہ خدا میں مال دینا) میں اتفاق کے ساتھ جمع کر دیا تھا ۔

عزیز گرامی ! جس التفات کے لئے آپ نے سنا ہے کہ نماز کے خشوع کو دھچکا پہنچاتا ہے اور عبادت کو کمزور بناتا ہے وہ اُمورِ دنیا اور اغراض نفسانی کی طرف ملتفت ہونا ہے، ورنہ عمل خیر کی طرف جو خود عبادت ہے دوسری عبادت کے اندر توجہ

کرنا موجب کمال ہے مثلاً اگر کوئی شخص نماز کے اندر اپنے اعزہ کے لئے گریہ کرے چاہے وہ عزیز ترین مخلوق یعنی خاندانِ محمد وآل محمد سلام اللہ علیہم اجمعین ہی کے لئے ہو تو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن اگر کوئی حالت نماز میں اشتیاق حق یا خوف خداوندی سے روئے تو انتہائی فضیلت کا باعث ہے۔

دوسرے جو آپ نے فرمایا کہ رکوع خشوع و تواضع کے معنی میں ہے تو یہ کسی مقررہ موقع پر صحیح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر رکوع نماز کے حکم کو جو ایک معین اور واجب فعل ہے آپ لغوی حیثیت سے خشوع پر عمل کرنا چاہیں تو صاحبان عقل وعلم اور اہل دین آپ کا مضحکہ اڑائیں گے۔

اس آیۂ شریفہ میں بھی آپ نے ظاہر کے خلاف نظر دوڑائی ہے اور لفظ کو قطعاً اپنے حقیقی اور عرفی معنی سے الگ کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے کہ آپ خود جانتے ہیں کہ اصطلاح شرع میں رکوع کا اطلاق ارکان میں سے ایک رکن پر ہوتا ہے جس کا مطلب اس حد تک خم ہونا ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں زانو تک پہنچ جائیں۔ اور اس معنی کی تصدیق خود آپ کے اکابر علماء نے بھی کی ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا، چنانچہ فاضل قوشجی شرح تجرید میں جمہور مفسرین کے اقوال کی توضیح کرتے ہیں کہ آپ ہی نماز کے اندر رکوع کر رہے تھے یعنی اُن حضرت نے رکوع نماز کی حالت میں انگشتری عطا کی۔

اور ان تمام باتوں سے قطع نظر یہ فرمائیے کہ کلمۂ حصر کے ساتھ یہ آیت شریفہ مدح میں نازل ہوئی یا مذمت میں؟

شیخ: ظاہر ہے کہ مدح کے موقع پر آئی ہے۔

خیر طلب: پس جب کہ فریقین (شیعہ وسنی) کے جملہ اکابر علماء و مفسرین اور محققین و محدثین نے یہ طے کر دیا کہ آیت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی اور من جانب پروردگار مدح و تمجید کی حامل ہے تو اب آپ جیسے حضرات کے اس قسم کے اختلافات و ایرادات کی کیا گنجائش رہ گئی جن کا سہارا لے کر اہل عناد و تعصب اور خوارج و نواصب آپ کے ایسے صاف دل اشخاص کے دماغوں میں بچپنے ہی سے یہ باتیں راسخ کر دیں اور آپ بغیر سوچے سمجھے ایسے باقاعدہ جلسے میں انتہائی شان کے ساتھ یہ فرما دیں کہ ہم اس واقعے کی تصدیق نہیں کرتے۔

شیخ: حضرت معاف کیجئے گا جناب عالی چونکہ خطیب و ذاکر اور تقریر میں مشتاق ہیں۔ لہٰذا کبھی کبھی اپنے ارشادات کے تحت میں اس کے کنایے استعمال کر جاتے ہیں جو ناواقف لوگوں میں ایسے خیالات پیدا کر سکتے ہیں جن کے نتائج اچھے نہ ہوں، لہٰذا بہتر ہے کہ اپنے بیانات میں ان باتوں کا لحاظ رکھئے۔

خیر طلب: میرے بیانات میں حقائق کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ خدا شاہد ہے کہ میں نے کسی کنایے کا قصد نہیں کیا اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہی تھی اس لئے کہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں صاف صاف کہتا ہوں نہ کہ کنایۃً۔ ممکن ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی یا عیب جوئی کے جذبے میں ایسا خیال پیدا ہوا ہو لہٰذا فرمائیے کہ وہ کنایہ کون سا ہے؟

شیخ: ابھی ابھی گفتگو کے دوران میں صفات مندرجہ آیت محمد رسول اللہ کو بیان کرتے ہوئے آپ

نے فرمایا کہ یہ صفتیں علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مخصوص ہیں جن کے ایمان میں اوّل سے آخر تک شک اور ارتداد پیدا نہیں ہوا۔ یہ جملہ اس بات کا کھلا ہوا کنایہ ہے کہ آپ دوسروں کے شک اور ارتداد کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیا خلفائے راشدین یا دوسرے صحابہ اپنے ایمان میں شک و ارتداد رکھتے تھے؟ قطعاً سارے اصحاب کلہم اجمعین علی کرم اللہ وجہہ کے مانند ایمان لانے کے اوّل وقت سے آخر عمر تک بغیر شک و ارتداد کے اپنے عقیدے میں ثابت قدم رہے اور ایک لمحے کے لئے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف اور جدائی اختیار نہیں کی۔

خیر طلب: اوّل تو میں نے اس عبارت کے ساتھ جو آپ نے فرمائی کچھ کہا ہی نہیں ہے، دوسرے آپ خود جانتے ہیں کہ کسی شے کا اثبات اُس کے ماسوا کی نفی نہیں کرتا، تیسرے اگرچہ آپ نکتہ چینی کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن دوسروں نے غالباً ایسا نہ کیا ہوگا۔ آپ نے یقیناً اپنے اس بیان میں (معاف فرمائیے گا) مغالطہ دینے کی سعی کی ہے، خدا گواہ ہے کہ نہ میں نے کنایے سے کام لیا اور نہ ایسا خیال رکھتا جیسا آپ کا ہے، فرض کیجئے کہ کوئی خیال آپ کے ذہن میں آیا بھی تھا اگر مغالطہ بازی اور شبہ سازی کا مقصد نہ رہا ہو) تو بہتر تھا کہ اس جملے کو آہستہ مجھ سے دریافت کر لیتے تاکہ میں اثبات یا نفی میں جواب عرض کر دیتا۔

شیخ: آپ کے انداز گفتگو سے پتہ چل رہا ہے کہ کوئی بات ہے، البتہ جواب سے خاموشی خود اس قسم کے خیالات پیدا کرتی ہے التماس ہے کہ جو کچھ آپ کی نظر میں ہو صحیح سند کے ساتھ بیان فرمائیے۔

خیر طلب: خیالات پیدا کرنے کے باعث تو آپ ہی ہوئے کہ یہ سوال قائم کیا، میں پھر عرض کرتا ہوں کہ بہتر ہے اس مسئلے کو نظر انداز ہی کر دیجئے اور اصرار نہ فرمائیے۔

شیخ: اگر کوئی خلاف اخلاق بات تھی تو وہ ہو چکی، اب تو آپ کے لئے سوا جواب کے کوئی چارہ نہیں، اگر اثبات یا نفی میں واضح جواب نہ دیجئے گا تو لازمی طور پر میں خود جائزہ لوں گا اور سمجھوں گا کہ نتائج کے لحاظ سے کوئی اچھی بات نہ رہی ہو گی۔

خیر طلب: میں اپنی طرف سے کبھی سوءِ ادب نہیں کرتا لیکن آپ کا اصرار نیز آپ نے دوسری عبارت میں مجھ کو جو دھمکی دی ہے وہ اس کا باعث ہوئی کہ حقائق کا انکشاف ہو، روز اوّل ہی سے اس طرح کے حقائق کا اظہار خود آپ کے علماء کی طرف سے ہوا کیا ہے جنہوں نے حقیقتوں کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، چنانچہ اس موضوع میں بھی سب کا اتفاق ہے کہ اکثر صحابہ جن کا ایمان ابھی کامل نہیں ہوا تھا۔ کبھی کبھی شک اور ارتداد میں گرفتار ہوا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن میں سے بعض اسی شک و ارتداد کی حالت پر باقی رہتے تھے اور اُن کی مذمت میں آیتیں نازل ہوتی تھیں، مثلاً منافقین جن کی مذمت میں پورا ایک سورہ قرآن مجید کے اندر موجود ہے۔

لیکن اخلاقاً مناسب نہیں ہے کہ اس قسم کے سوالات علانیہ ہوں، تاکہ سادہ لوح اشخاص جاہلانہ محبت و عداوت

گے ماتحت خوردہ گیری نہ کریں، میں پھر درخواست کرتا ہوں کہ اس موضوع سے چشم پوشی کیجئے یا اجازت دیجئے کہ اس کا جواب کسی مناسب موقع پر خود ہی آہستہ عرض کر دوں۔

شیخ: یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم شک کرنے والوں میں سے تھے!۔

خیر طلب: آپ واقعی غلط فہمی پھیلا رہے ہیں اور جذبات کو بھڑکا رہے ہیں، اب جب آپ کا اصرار ہی ہے تو میں بھی آپ کو بغیر جواب دیئے نہیں چھوڑوں گا۔ البتہ اگر نافہم عوام کے اندر اس کا کوئی ردِ عمل پیدا ہو تو اس کی ذمہ داری آپ کے سر ہو گی۔ آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ تم کہتے ہو تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے یا جان بوجھ کر انجان بنتے ہیں کیونکہ خود آپ کے بڑے بڑے علماء نے اس کو نقل کیا ہے اور تاریخ میں درج کیا ہے۔

شیخ: کس موقع پر لکھا ہے؟ کہاں پر اُن کو شک ہوا ہے؟ اور کن اشخاص نے شک کیا ہے؟ مہربانی کر کے بیان فرمایئے۔

خیر طلب: جہاں تک کتب اخبار و تواریخ اور سیر سے پتہ چلتا ہے کچھ اشخاص ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار شک کرتے تھے اور حقیقت کھلنے کے بعد پلٹ آتے تھے، لیکن بعض اسی شک پر قائم رہتے تھے اور غضب الٰہی کے مستحق قرار پاتے تھے۔

حدیبیہ میں عمرؓ کا نبوّتِ پیغمبرؐ میں شک کرنا

چنانچہ مشہور و معروف فقیہ شافعی ابن مغازلی نے مناقب میں اور حافظ ابو عبداللہ محمد بن ابی نصر حمیدی نے جمع بین الصحیحین بخاری و مسلم میں لکھا ہے قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ما شککت فی نبوة محمد قط کشکی یوم الحدیبیة (یعنی عمر ابن خطاب نے کہا کہ میں نے محمدؐ کی نبوّت میں کبھی ایسا شک نہیں کیا تھا، جیسا شک حدیبیہ کے روز کیا)۔

خلیفہ کا انداز کلام بتاتا ہے کہ آں حضرتؐ کی نبوّت میں شک تو کئی مرتبہ کر چکے تھے لیکن حدیبیہ میں سب سے بڑا شک ہوا۔

نواب: معاف فرمایئے گا قبلہ صاحب حدیبیہ میں کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے امر نبوت میں شک پیدا ہوا!

خیر طلب: اس واقعے کی تفصیل تو بہت ہے لیکن میں وقت کے لحاظ سے اُس کا خلاصہ پیش کئے دیتا ہوں۔

واقعۂ حدیبیہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ اصحاب کے ہمراہ مکہ تشریف لے گئے اور

عمرہ بجالائے۔ صبح کو اصحاب کے سامنے بیان فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ خود ہمارے خوابوں کی تعبیریں دیتے ہیں لہٰذا اس خواب کی تعبیر بھی ارشاد فرمایئے، آں حضرتؐ نے فرمایا انشاء اللہ ہم مکّے جائیں گے اور یہ عمل بجالائیں گے (لیکن اس کی کامیابی کا وقت نہیں معین فرمایا)۔

پیغمبرؐ زیارت بیت اللہ کے اشتیاق میں اصحاب کے ہمراہ اُسی سال مکّہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے، لیکن قریش کو معلوم ہُوا تو حدیبیہ پر (یہ مکّہ معظمہ کے نزدیک ایک کنواں ہے جس کا نصف حرم کے اندر اور نصف حرم سے خارج ہے) اپنے سازوسامان کے ساتھ آپہنچے اور مکّہ معظمہ میں داخل ہونے سے روکا، چونکہ پیغمبرؐ جنگ کے قصد سے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ آپ کا مقصد صرف زیارت تھا لہٰذا کفارِ مکّہ سے صلح فرمالی اور صلح نامہ لکھ کر اُسی مقام سے واپس ہوگئے۔

یہی وہ موقع تھا جب عمر کو خود انہیں کے قول کے مطابق شک پیدا ہوا، چنانچہ آپ کے بڑے بڑے علماء نے لکھا ہے کہ آں حضرت کی اصل نبوت ہی میں شک کیا اور خدمت رسول میں آکر عرض کیا یا رسُول اللہ کیا آپ پیغمبرؐ اور سچے انسان نہیں ہیں؟ کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکّے جائیں گے، عمل عمرہ بجا لائیں گے اور اُسی جگہ حلق راس اور تقصیر کریں گے؟ اب کیوں اُس کے برخلاف ہوا؟۔

آں حضرتؐ نے فرمایا کہ کیا میں نے وقت مقرر کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ اسی سال جائیں گے؟ عرض کیا کہ نہیں یا رسُول اللہؐ! حضرت نے فرمایا پس جو کچھ میں کہہ چکا ہوں صحیح ہے، ہم انشاء اللہ جائیں گے اور خواب کی تعبیر ظاہر ہوگی۔ البتہ خواب کی تعبیر میں مشیت خداوندی سے دیر یا جلدی ہوا کرتی ہے، پھر تصدیق رسول کے لئے جبرئیل نازل ہوئے اور سورہ ۴۸ (فتح) کی آیت ۲۷ لائے کہ لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ اٰمنین محلقین رؤسکم و مقصرین لا تخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذالک فتحاً قریباً۔ یعنی یقیناً خدائے تعالےٰ نے اپنے رسُولؐ کے خواب کی صداقت ثابت کردی کہ تم لوگ ضرور بالضرور امن واطمینان کے ساتھ انشاء اللہ بلاخوف مسجد الحرام میں داخل ہوگے اعمال حج کے بعد سر تراشی اور تقصیر کروگے، اور خدا ہر وہ بات جانتا ہے جو تم کو نہیں معلوم ہے، پس اس کے بعد عنقریب تم کو فتح وظفر عنایت کرے گا۔ (جس سے فتح خیبر مراد ہے) یہ تھا فتنۂ حدیبیہ کا خلاصہ جو ثابت قدم مومنین اور متزلزل اشخاص کے لئے ایک امتحان تھا۔

"جب گفتگو یہاں تک پہنچی تو مولوی صاحبان نے گھڑیوں پر نظر ڈالی اور قہقہہ لگا کر کہا کہ مطلب اتنا دلچسپ اور شیریں ہے کہ ہم بالکل بے خود ہوجاتے ہیں، واقعی ہماری وجہ سے اہل جلسہ کو کافی زحمت ہوئی۔ کل کی شب آپ حضرات کا بہت وقت صرف ہوا، اور آج بھی آدھی رات سے کہیں زیادہ گزر چکی ہے، اخلاقاً یہ بات اچھی نہیں ہے لہٰذا بہتر ہے کہ جلسہ برخاست کیا جائے اسی دوران میں چائے اور شیرینی وغیرہ آگئی اور ہم لوگ مزاح وتفریح میں مصروف ہوگئے تاکہ مولوی صاحبان کی افسردگی دور ہوجائے۔"

خلاف امید باتیں

حافظ: قبلہ صاحب ہم لوگ آپ کی ملاقات اور خصوصاً آپ کے اخلاق سے بہت خوش ہوئے، ہماری خواہش تھی کہ آپ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت صرف کریں۔ کیوں کہ آپ کے اندر اس قدر جذب وکشش ہے کہ جس شخص کو آپ کی ہم نشینی وہم کلامی حاصل ہو وہ ہمہ تن محو اور ساکت ہو جاتا ہے اور کوئی بات کہنا بھی چاہتا ہے تو وہ اس کے دل ہی میں رہ جاتی ہے، چنانچہ میرے دماغ میں بھی بہت سی باتیں تھیں اور ہیں جو کہنے سے رہ گئیں، لیکن کیا کیا جائے کہ اب وطن کی واپسی لازمی ہے اس لئے کہ وہاں بھی ہم کو بہت سے اہم ذاتی اور قومی کام درپیش ہیں جن کا حرج ہو رہا ہے، لہٰذا اُمید ہے۔ کہ جناب عالی مہربانی فرما کر ہمارے گھر پر تشریف لائیں گے تاکہ آپکی صحبت سے ہم پورا فائدہ اٹھا سکیں۔

نواب: (حافظ صاحب سے) ہم لوگ آپ کو جانے نہیں دیں گے کیوں کہ اب معاملہ بہت نازک منزلوں سے گزر رہا ہے اور بات میں یکسوئی پیدا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ آپ حضرات ہمیشہ ہم لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ رافضی صاحبان (شیعہ فرقہ) کے پاس قطعاً کوئی دلیل وبرہان نہیں ہے اور وہ تنہائی میں خوب باتیں بناتے ہیں، اگر ہمارے سامنے آجائیں تو بہت جلد لاجواب ہو جائیں گے۔ لیکن اس دعوے کے برعکس ان جلسوں میں ہم آپ ہی کو بالکل لاجواب اور زبوں حال پا رہے ہیں لہٰذا ضرورت اس کی ہے کہ پختہ طور سے حقیقت معلوم ہو جائے تاکہ ہم حاضرین جلسہ اور با فہم سامعین جس طریقے کو حق پائیں اُس کی پیروی کریں۔

حافظ: (نواب سے) یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ ہم کو لاجواب اور مغلوب سمجھ رہے ہیں، بلکہ فاضل مقرر کی اخلاقی کشش، زبان آوری اور حسن بیان نے ہم کو خاموش کر دیا ہے کیونکہ ہم ادب کا لحاظ کرتے ہوئے عزیز مہمان کو تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔ ورنہ ابھی تو ہم نے بنیادی گفتگو شروع ہی نہیں کی ہے۔ اور اگر ہم پوری طرح بحث کرنے پر آجائیں گے تو مدلل بیانات کے ذریعے آپ دیکھیں گے کہ حق ہمارے ہی ساتھ ہے اور ہمارے ہی دلائل سے حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

نواب: (حافظ صاحب سے) ہم نے آج کی شب تک جو کچھ آقائی قبلہ سلطان الواعظین صاحب سے سُنا ہے سب کا سب مطابق عقل اور دلیل وبرہان کے ساتھ تھا اور آپ کو اُس منطق اور دلیل کے مقابلے میں بے بس پایا، پھر بھی اگر آپ فرماتے ہیں کہ کچھ دلائل ہیں تو قطعاً آپ کو ٹھہرنا چاہیے اور وہ دلیلیں قائم کرنا چاہیئے۔ میں آپ سے صاف صاف کہے دیتا ہوں اور خطرے سے آگاہ کئے دیتا ہوں کہ ان راتوں کی گفتگو اور رسائل واخبارات میں اُس کی اشاعت سے اکثر لوگوں کے عقیدے پلٹ گئے ہیں۔ اور اگر آپ احقاق حق کا اظہار نہ کیجیے گا تو قطعاً آپ کو بانی شریعت کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

(اس وقت جلسے پر ایک حیرت انگیز سکوت طاری ہو گیا، پھر تھوڑی خاموشی کے بعد)

حافظ: (اُترے ہوئے چہرے کے ساتھ نواب سے) آپ ان مہمان عزیز مولانا صاحب ہی کا کچھ خیال کیجئے کہ وہ جیسا خود فرما چکے ہیں، مشہد مقدس کو جا رہے ہیں، اُن کا وقت بھی عزیز ہے گویا وہ روانگی پر بالکل تیار تھے محض ہماری خاطر سے ٹھہر گئے ہیں لہٰذا یہ ادب و اخلاق کے خلاف ہے کہ ہم اُن کو اور زیادہ زحمت دیں۔

خیر طلب: میں آپ کی عنایت کا بہت ممنون ہوں، میری روانگی کے متعلق جو آپ نے فرمایا درست ہے لیکن اس وقت چاہے جتنا اہم کام درپیش ہو دینی خدمات کے مقابلے میں میں اس کو ہیچ سمجھتا ہوں، میری طرف سے کوئی عذر نہیں ہے اگر آپ حضرات پورے سال بھر بھی تشریف رکھیں تو میں حاضر رہوں گا اس لئے کہ ہمارا فرض یہی ہے کہ جب تک حق بے نقاب نہ ہو جائے برابر اپنی ذمہ داری پوری کرتے رہیں، اس فریضے کے علاوہ مجھ کو اہل علم کی صحبت سے بھی خوشی ہوتی ہے کیونکہ اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے، خصوصاً جناب عالی نے تو اپنے اخلاق سے مجھ کو گرویدہ بنا لیا ہے۔ فقط میں محترم میزبان جناب مرزا یعقوب علی خاں سے ضرور کافی شرمندہ ہوں کہ ہماری وجہ سے اُن کو زحمت اُٹھانا پڑی۔

(برادران محترم مرزا یعقوب علی خان، ذوالفقار علی خاں اور عدالت علی خان نے جو سربرآوردہ قزلباش حضرات میں سے ہیں ایک ساتھ بے چین ہو کر آواز بلند کی کہ ہم کو آپ سے ایسی باتوں کی امید نہیں تھی، ہم مکان کے مالک نہیں ہیں بلکہ آپ کے خدمت گزار ہیں اگر جناب عالی زندگی بھر اس مکان میں قیام فرمائیں تو ہم کو کوئی زحمت نہ ہوگی بلکہ آپ کا وجود ہمارے لئے باعث فخر ہوگا)۔

(پشاور کے شرفاء میں سے جناب آقا سید محمد شاہ اور علمائے شیعہ میں سے جناب مولوی سید عدیل اختر صاحب نے فرمایا کہ اگر ممکن ہو تو چند شب اس دینی بزم سے ہمارے گھر کو سرفراز فرمایئے)

(آقا مرزا یعقوب علی خاں نے فرمایا یہ ناممکن ہے، جب تک قبلہ سلطان الواعظین پشاور میں ہیں اور یہ جلسے قائم ہیں اسی جگہ رہنا چاہیئے)

خیر طلب: میں تمام حضرات کا عموماً اور محترم میزبانوں کا خصوصاً انتہائی شکر گزار اور ممنون ہوں۔

حافظ: (تھوڑے سکوت کے بعد) کوئی حرج نہیں ہے، جب آپ حضرات کی یہی خواہش ہے تو ہم چند روز اور ٹھہر جائیں گے، لیکن جیسا کہ قبلہ صاحب نے فرمایا ہر شب یہاں مجمع کا اکٹھا ہونا باعث زحمت ہے، بہتر ہوگا کہ اب ہماری قیام گاہ کو مباحثات کا مرکز قرار دیجئے تاکہ پوری ہم آہنگی حاصل ہو جائے۔

خیر طلب: مجھ کو کوئی اصرار نہیں ہے کہ آپ حضرات ضرور ہی یہاں تشریف لائیں۔ چونکہ اس مکان میں کافی وسیع عمارت اور باغ موجود ہے جو اس مجمع کے لحاظ سے بہت مناسب ہے۔ لہٰذا آپ ہی حضرات نے اس کو منتخب کیا تھا، ورنہ میری طرف سے کوئی عذر نہیں ہے۔ آپ جس جگہ کے لئے حکم دیں میں بہت خوشی سے حاضری دوں گا۔

میرزا یعقوب علی خان: اس مکان اور جماعت قزلباش کی طرف سے کوئی مانع نہیں ہے۔ اگرچہ جناب حافظ صاحب تازہ وارد ہیں اور ہمارے حال سے واقفیت نہیں رکھتے، لیکن یہاں کے تمام باشندے جانتے ہیں کہ قزلباش لوگ بالعموم

قوم کے خادم ہیں اور مہمانوں کی خاطر تواضع اور خدمت سے گریز نہیں کرتے، پھر یہ مکان تو ہمیشہ سے آنے والوں کا مرکز رہا ہے، بالخصوص جب سے اُس کو یہ رونق عطا کی گئی ہے، علمی صحبت اور دینی و مذہبی بحث و مناظرہ سب کو زیادہ سے زیادہ مسرور و متشکر کر رہا ہے۔

حافظ: باوجودیکہ میرے لیے پشاور میں ٹھہرنا بہت دشوار ہے کیونکہ وطن میں بہت سے کام معطل پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن آپ حضرات کی تعمیل ارشاد کے لیے منظور کرتا ہوں۔ پس اب ہم لوگ انشاء اللہ کل شب تک کے لیے رخصت ہوتے ہیں۔

ساتویں نشست

(شب پنجشنبہ ۲۹ رجب ۱۳۴۵ ہجری)

(شام کے بعد سب حضرات تشریف لائے اور معمولی بات چیت اور چائے نوشی کے بعد مولوی صاحبان کی طرف سے گفتگو شروع ہوئی)

سید عبد الحی: (امام جماعت اہل سنت) قبلہ صاحب چند راتیں قبل آپ نے کچھ بیانات فرمائے تھے۔ جن پر قبلہ جناب حافظ صاحب نے آپ سے دلیل مانگی تھی لیکن آپ نے یا تو حیلہ سازی سے کام لیا یا علمی اصطلاحات سے ہم کو مغالطے میں ڈال دیا اور مطلب خبط ہو گیا۔

خیر طلب: فرمائیے کون سا مطلب تھا اور آپ کا کون سا سوال بغیر جواب کے رہ گیا؟ میری نظر میں نہیں ہے آپ یاد دلا دیجئے۔

سید: کیا آپ نے چند شب قبل یہ نہیں فرمایا تھا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ رسول خدا کے ساتھ اتحاد نفسانی رکھتے تھے لہٰذا تمام انبیاء سے افضل تھے؟

خیر طلب: صحیح ہے۔ میرا بیان اور عقیدہ یہی تھا اور ہے۔

سید: پھر آپ نے ہمارے اشکال کا جواب کیوں نہیں دیا؟

خیر طلب: آپ کو سخت غلط فہمی ہے۔ آپ سے تعجب ہے کہ تمام راتوں میں ہمہ تن گوش رہے پھر بھی مجھ کو حیلہ سازی کا اور مغالطہ بازی کا الزام دے رہے ہیں۔ کوئی حیلہ اور مغالطہ قطعاً نہیں تھا بلکہ بمقتضائے الکلام یجر الکلام بات سے بات نکل آئی تھی۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ میں نے کوئی غیر متعلق بات نہیں کہی تھی بلکہ مولوی صاحبان نے کچھ سوالات کیے

سنے جن کا جواب دینا میرا فرض تھا۔ اب آپ کا جو سوال ہو بیان فرمایئے میں بتائیدِ الٰہی جواب کے لئے حاضر ہوں۔

سید: ہم یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ دو ذاتوں کا آپس میں متحد ہونا کیونکر ممکن ہے؟ اور پھر اُن کے درمیان ایسا اتصافی اتحاد پیدا ہو جائے کہ دونوں ایک ہو جائیں۔

اتحادِ مجازی و حقیقی میں فرق

خیر طلب: ظاہر ہے کہ دو ذاتوں کے درمیان حقیقی اتحاد محال اور باطل ہے۔ اس کا ناممکن ہونا اپنی جگہ پر ثابت بلکہ بدیہیات اولیہ میں سے ہے۔ پس اتحاد کا دعویٰ صرف مجاز اور مبالغۂ کلام کی حیثیت سے ہے۔

اس لئے کہ دو شخص جب آپس میں شدید محبت یا کسی جہت سے مشابہت رکھتے ہیں تو اکثر اتحاد کا دعویٰ کرتے ہیں عرب و عجم کے بڑے بڑے .... ادیبوں اور شاعروں کے کلام میں اس طرح کے مبالغے بہت ہیں یہاں تک کہ اولیائے خدا کے کلمات میں بھی کافی نظر آتے ہیں۔ من جملہ اُن کے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی طرف منسوب دیوان کے اندر ارشاد ہے ؎

هموم رجال فی امور کثیرة   وهمی فی الدنیا صدیق مساعد
یکون کروح بین جسمین قسمت   فجسمهما جسمان والروح واحد

(یعنی مردانِ عالم کی ہمتیں بہت سے مختلف امور میں ہوتی ہیں اور میرا مقصد صرف ایک ہمدرد دوست ہے جو دو جسموں میں ایک روح کے مانند ہو۔ پس ہمارے جسم دو ہیں اور روح ایک ہو)۔

مجنوں عامری کے حالات میں مشہور ہے کہ جب اُس کی فصد کھولنا چاہی تو اُس نے کہا میری فصد نہ کھولو ورنہ مجھ کو خوف ہے کہ نشتر میری لیلیٰ کو لگ جائے گا کیوں کہ وہ میری ہر رگ و پے میں پیوست ہے۔ چنانچہ ادیبوں نے اس مطلب کو نظم بھی کیا ہے:

گفت مجنوں من نمی ترسم ز نیش   صبر من از کوہ سنگیں است وبیش
لیک از لیلیٰ وجود من پُر است   ایں صدف پُر از صفات آں دُر است
داند آں عقلے کہ آں دل روشنی است   درمیان لیلیٰ و من فرق نیست
ترسم اے فصاد چوں فصدم کنی   نیش را ناگاہ بر لیلیٰ زنی
من کیم لیلیٰ و لیلیٰ کیست من   مایکی روحیم اندر دو بدن
روحه روحی وروحی روحه   من یری الروحین عاشا فی البدن

اعرابی شعر کا مطلب یہ ہے کہ اس کی روح میری روح اور میری روح اس کی روح ہے۔ کس نے دیکھا ہے کہ دو روحیں ایک ایک بدن میں زندگی بسر کرتی ہوں۔ یعنی درحقیقت ایک روح ہے جو دو بدنوں میں مقیم ہے)۔

اگر ارباب ادب کی کتابیں ملاحظہ فرمایئے تو مبالغے کی حیثیت سے مجازاً اس قسم کے تعبیرات بکثرت ملیں گے۔ چنانچہ ایک شیریں بیان ادیب اور شاعر نے نظم کیا ہے۔

انا من اھوی و من اھوی انا — نحن روحان حللنا بدنا

فاذا ابصرتنی ابصرتہ — واذا ابصرتہ کان انا

(یعنی میں اور میرا معشوق دونوں ایک ہیں۔ ہماری دو روحیں ایک جسم میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اگر تم نے مجھ کو دیکھا تو اس کو دیکھ لیا اور اگر اس کو دیکھا تو وہ میں ہی ہوں)۔

پیغمبرؐ و علیؑ کا اتحاد نفسانی

تمہید میں اس سے زیادہ آپ حضرات کا وقت نہیں لوں گا۔ اب نتیجہ یہ اخذ کرتا ہوں کہ اگر میں نے یہ عرض کیا کہ امیرالمومنین علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اتحاد نفسانی رکھتے تھے تو آپ کا خیال اتحاد حقیقی کی طرف نہ جانا چاہیئے کیونکہ کسی نے حقیقی اتحاد کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور اگر کوئی ایسے اتحاد کا قائل ہو تو یہ قطعاً غلط اور درجۂ اعتبار سے ساقط ہوگا پس یہ اتحاد مجازی کی حیثیت سے ہے نہ کہ حقیقتاً اور اس سے روح و کمالات کی شرکت مراد ہے۔ نہ کہ جسم کی اور یہ مسلم ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام تمام فضائل و کمالات اور صفات میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریک تھے۔ الا ما خرج بالنص والدلیل (سوا ان چیزوں کے جو نص اور دلیل کے ساتھ مستثنیٰ ہیں)۔

حافظ: پس اس قاعدے کی رو سے محمدؐ و علیؑ دونوں کو پیغمبرؐ ہونا چاہیئے اور آپ کی یہ گفتگو ثابت کر رہی ہے کہ علی بھی پیغمبری میں شریک تھے اور لازمی طور سے دونوں پر برابر وحی بھی نازل ہوتی تھی۔

خیرطلب: یہ آپ نے کھلا ہوا مغالطہ دیا ہے۔ جو آپ کہہ رہے ہیں ایسا نہیں ہے۔ ہم یا کوئی شیعہ ہرگز یہ عقیدہ نہیں رکھتا۔ آپ سے یہ امید نہیں تھی کہ کٹ حجتی کر کے جلسے کا وقت ضائع کریں گے تاکہ کہی ہوئی باتیں پھر دہرائی جائیں میں نے ابھی ابھی عرض کیا ہے کہ تمام کمالات میں متحد ہیں الا ما خرج بالنص والدلیل سوا اس چیز کے جو نص اور دلیل سے مستثنیٰ ہیں اور وہ یہی نبوت خاصہ اور اس کے شرائط کا مقام ہے جس میں احکام اور وحی کا نزول بھی ہے۔ غالباً آپ گزشتہ راتوں کے بیانات بھول چکے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو رسائل و اخبارات کی اشاعتیں ملاحظہ فرمایئے نظر آ جائے گا کہ گزشتہ شبوں میں ہم نے حدیث منزلت کے ضمن میں ثابت کیا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام منصب نبوت کے اہل تھے

لیکن خاتم الانبیاء کے دین و شریعت کے پیرو اور پابند تھے لہٰذا حضرت پر وحی کا نزول نہیں ہوتا تھا اور آپ کی منزلت وہ تھی جو حضرت موسیٰ کے زمانے میں ہارون کو حاصل تھی۔

حافظ: جب آپ جملہ فضائل و کمالات میں شرکت اور برابری کے قائل ہو گئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نبوت اور شرائط نبوت میں بھی مساوات کا عقیدہ ہونا چاہیے۔

خیر طلب: بظاہر ممکن ہے ایسا معلوم ہوتا ہو لیکن تھوڑا غور کیجئے گا تو ظاہر ہو جائے گا کہ مطلب اس کے علاوہ ہے جیسا کہ پچھلی راتوں میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آیات قرآنی کے حکم سے نبوت کے بھی مختلف درجے ہیں اور انبیاء و مرسلین اپنے مراتب کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں صریحاً ارشاد ہے تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض (یعنی ہم نے انبیاء و مرسلین میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے)، اور تمام مراتب انبیاء سے اکمل نبوت خاصہ محمدیہ کا مرتبہ ہے اسی وجہ سے آیت نمبر ۴۰ سورہ نمبر ۳۳ (احزاب) میں ارشاد ہے ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین (یعنی محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن خدا کے رسول اور پیغمبروں کے خاتم ہیں) یہی نبوت خاصہ کا کمال ہے جو خاتمیت کا سبب بنا پس اس کمال خصوصی میں کسی اور کو دخل نہیں ہے، لیکن دوسرے کمالات میں شرکت یا مساوات پائی جاتی ہے جس کے ثبوت میں بے شمار دلائل و براہین موجود ہیں۔

سید: آیا اس دعوے کے ثبوت میں آپ کے پاس قرآن مجید سے بھی کوئی دلیل ہے؟

آیۂ مباہلہ سے استدلال

خیر طلب: کھلی ہوئی بات ہے، البتہ ہماری پہلی دلیل قرآن مجید سے ہے جو ایک مضبوط آسمانی سند ہے۔ اور قرآن مجید میں سب سے بڑی دلیل آیۂ مباہلہ ہے جس میں صریحی ارشاد ہے فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین (یعنی پس جو شخص وحی کے ذریعے تمہارے پاس علم آجانے کے بعد عیسیٰ کے بارے میں تم سے مجادلہ کرے تو اس سے کہدو کہ آؤ ہم اور تم اپنے بیٹوں اپنی عورتوں اور اپنے اقربا کو جو جان کے برابر ہیں، جمع کر کے آپس میں مباہلہ کریں (یعنی ایک دوسرے کے لئے نفرین اور بد دعا کریں) تاکہ جھوٹوں کو عذاب خدا میں گرفتار کریں) آیت نمبر ۵۴ سورہ نمبر ۳ (آل عمران) آپ کے خاص خاص اور بزرگ علماء و مفسرین جیسے امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں، امام ابو اسحٰق ثعلبی نے تفسیر کشف البیان میں، جلال الدین سیوطی نے درالمنثور میں، قاضی بیضاوی نے انوار التنزیل میں، جار اللہ زمخشری نے کشاف میں، مسلم بن حجاج نے صحیح میں، ابو الحسن فقیہہ ابن مغازلی شافعی واسطی نے مناقب

میں، حافظ ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں، نورالدین مالکی نے فصول المہمہ میں، شیخ الاسلام حموینی نے فرائد میں، ابوالمؤید خوارزمی نے مناقب میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ میں، محمد بن طلحہ نے مطالب السؤل میں محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں، ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اور دوسروں نے بھی الفاظ اور عبارت کی مختصر کمی و بیشی کے ساتھ اس آیت کا نزول مباہلے کے روز لکھا ہے جو ذوالحجہ کی چوبیس[۲۴] یا پچیس[۲۵] تاریخ تھی۔

نصارائے نجران سے پیغمبرؐ کا مباحثہ

جب خاتم الانبیاءؐ نے نجران کے عیسائیوں کو اسلام کی دعوت دی تو ان کے بڑے بڑے علماء جیسے سید، عاقب جاثلیق اور علقمہ وغیرہ جو ستر سے بھی زیادہ تھے اپنے تقریباً تین سو پیروؤں کے ساتھ مدینے آئے اور متعدد نشستوں میں پیغمبرؐ کے ساتھ علمی مناظرے کئے لیکن آنحضرتؐ کے مفصل اور مضبوط دلائل کے سامنے لاجواب ہوگئے اس لئے کہ آنحضرتؐ نے ان کی معتبر کتابوں سے اپنی حقانیت اور اس بات پر کہ حضرت عیسیٰ نے آثار اور علامات کے ساتھ آں حضرتؐ کے آنے کی خبر دی ہے اور نصاریٰ ان اخبار کی رو سے ایسے ظہور کے منتظر ہیں کہ اونٹ پہ سوار ہو کر (لکھے ہیں) فاران کے پہاڑوں سے ظاہر ہو کر عیر اور اُحد کے درمیان (جو مدینے میں ہے) ہجرت کریں گے ایسی قوی دلیلیں دیں کہ سوا ہر انداختہ ہو جانے کے اور کوئی چارہ نہ تھا لیکن مسند اور اقتدار کی محبت نے قبول نہ کرنے دیا۔ جب انہوں نے اسلام اور معقولیت سے روگردانی کی تو رسول خداؐ نے بحکم الٰہی اُن کے سامنے مباہلے کی تجویز رکھی تاکہ سچے اور جھوٹے میں امتیاز ہو جائے، نصاریٰ نے اس کو مان لیا اور یہ امر دوسرے دن پر رکھا گیا۔

مباہلے کے لئے نصاریٰ کی تیاری

حسب وعدہ دوسرے روز عیسائیوں کی ساری جماعت اپنے ستر نفر سے زیادہ علماء کے ساتھ دروازۂ مدینہ کے باہر پہاڑ کے دامن میں ایک طرف کھڑی ہوئی منتظر تھی کہ رسول اللہؐ ان کو مرعوب کرنے کے لئے لازمی طور پر انتہائی شان و شوکت پورے ساز و سامان اور کثیر مجمع کے ساتھ تشریف لائیں گے۔

اتنے میں قلعۂ مدینہ کا دروازہ کھلا اور خاتم الانبیاءؐ اس حالت سے باہر آئے کہ ایک جوان داہنی طرف ایک باوقار برقع پوش عورت بائیں طرف اور دو بچے آگے آگے تھے یہاں تک کہ نصاریٰ کے مقابل ایک درخت کے

نیچے قیام فرمایا (اور کوئی دوسرا شخص اُن کے ساتھ نہیں آیا تھا) سب سے بڑے نصرانی عالم اسقف نے مترجمین سے پوچھا کہ محمدؐ کے ہمراہ یہ کون لوگ آئے ہیں؟ اُنہوں نے کہا کہ وہ جوان اُن کا داماد اور پسر عم علی ابن ابی طالب، وہ عورت اُن کی بیٹی فاطمہؑ اور وہ دو بچے اُن کے نواسے حسنؑ و حسینؑ ہیں۔

اسقف نے نصرانی عالموں سے کہا کہ دیکھو محمدؐ کس قدر مطمئن ہیں کہ اپنے فرزندوں اور قریب ترین خاص عزیزوں کو مباہلے میں لاکر معرض بلا میں ڈال رہا ہے قسم خدا کی اگر ان کو اس بارے میں ذرا بھی شک و شبہ یا خوف ہوتا تو ہرگز ان کو منتخب نہ کرتے اور حتماً مباہلے سے گریز کرتے یا کم از کم اپنے اعزہ کو اس خطرے سے الگ رکھتے۔ اب ان سے مباہلہ کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ اگر قیصر روم کا خوف نہ ہوتا تو ہم ایمان لے آتے۔ پس مصلحت اسی میں ہے کہ ہم لوگ جن شرائط پر وہ چاہیں اُن سے صلح کر لیں اور اپنے وطن کو پلٹ جائیں۔ سب نے کہا کہ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ اسقف نے آں حضرتؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ انا لا نباھلک یا ابا القاسم ہم آپ سے مباہلہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ صلح چاہتے ہیں۔ آں حضرتؐ نے بھی اس کو منظور فرمایا امیرالمومنینؑ کے قلم سے اس شرط پر صلح نامہ لکھا گیا کہ وہ لوگ دو ہزار اورانی حلّے جن میں سے ہر ایک کی قیمت چالیس۴۰ درہم ہو اور ایک ہزار مثقال سونا ادا کریں، اس مطالبے کا نصف محرم میں اور نصف رجب میں پورا کریں۔ اس کے بعد طرفین کے دستخط ہوئے اور وہ لوگ واپس ہوئے راستے میں اُن کے عالم عاقب نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ قسم خدا کی ہم اور تم جانتے ہیں کہ یہ محمدؐ وہی پیغمبرؐ موعود ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں خدا کی طرف سے کہتے ہیں واللہ جن لوگوں نے بھی کسی پیغمبر سے مباہلہ کیا ہے وہ ہلاک ہوئے ہیں اور ان کا کوئی چھوٹا بڑا زندہ نہیں بچا ہے۔ اگر ہم لوگ بھی مباہلہ کرتے تو قطعاً سب کے سب ہلاک ہو جاتے اور روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہ رہتا۔ خدا کی قسم جب میں نے ان لوگوں پر نظر ڈالی تو ایسی صورتیں دیکھیں کہ اگر خدا سے دُعا کر دیتے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے۔

حافظ: جو کچھ آپ نے بیان فرمایا سب درست ہے اور سارے مسلمان اس کو مانتے ہیں۔ لیکن ان باتوں کو ہمارے موضوع بحث سے کیا ربط ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ رسولؐ خدا کے ساتھ اتحاد نفسانی رکھتے ہیں!۔

خیر طلب: اس آیت میں ہمارا استدلال جملۂ انفسنا سے ہے کیونکہ اس قضیہ میں کئی اہم مطالب ظاہر ہوتے ہیں۔ اولاً حقانیت رسول خدا کا اثبات ہے کہ اگر حق پر نہ ہوتے تو مباہلے کی جرأت نہ فرماتے اور بڑے بڑے مسیحی علماء میدان مباہلہ سے فرار نہ کرتے۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام حسن و امام حسین علیہما السلام رسولؐ اللہ کے فرزند ہیں (جیسا کہ ہم پہلی شب میں اشارہ کر چکے ہیں)، تیسرے اس آیۂ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ اور حسن و حسین علیہم السلام حضرت ختمی مرتبت کے بعد سارے مخلوقات سے افضل اور آں حضرتؐ کے نزدیک تمام انسانوں میں عزیز ترین تھے۔ جیسا کہ آپ کے سارے متعصب علماء جیسے زمخشری بیضاوی اور فخرالدین رازی وغیرہ نے بھی لکھا ہے اور خصوصیت سے جاراللہ زمخشری نے اس آیۂ شریفہ کے ذیل میں مذکورۂ بالا تفصیل کے ساتھ اس پنجتن

آل عبا کے اجتماع سے کئی حقیقتوں کا تذکرہ کیا ہے یہاں تک کہ کہتے ہیں یہ آیت اتنی زبردست دلیل ہے کہ پیغمبرؐ کے ساتھ چادر کے نیچے جمع ہونے والے پنج تن پاکؑ کی افضلیت پر اس سے قوی دلیل اور کوئی نہیں ہے ۔ چوتھے یہ کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام جملہ اصحاب رسولؐ سے بلند اور افضل تھے ۔ اس دلیل سے کہ خدائے تعالےٰ نے آیۂ شریفہ میں اُن کو نفس رسولؐ قرار دیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ انفسنا سے خود حضرت خاتم الانبیاء کا ذاتی نفس مُراد نہیں ہے ۔ کیونکہ بلانا کسی دوسری ہستی کو چاہتا ہے اور انسان کو ہرگز یہ حکم نہیں دیا جاتا کہ خود اپنے کو بلائے ۔ پس ضروری ہے کہ کسی اور کو دعوت دینا مقصود ہو جو پیغمبرؐ کے لیے بمنزلۂ نفس ہو ۔ چونکہ فریقین (شیعہ و سنی) کے موثق مفسرین و محدثین کا اتفاق ہے کہ مباہلے میں آں حضرتؐ کے ہمراہ علی، حسن حسین اور فاطمہ علیہم السلام کے علاوہ کوئی اور موجود نہ تھا لہٰذا جملہ ابناء نا و ابناء کم سے حسنین علیہم السلام اور نساء نا و نساء کم سے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا خارج ہو جاتے ہیں اور دوسرا شخص جو انفسنا سے مُراد لیا جائے اس مقدس گروہ میں سوا امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے کوئی نہیں تھا پس اسی جملہ انفسنا سے محمدؐ و علی علیہما السلام کے درمیان اتحاد نفسانی ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالےٰ نے علیؑ کو نفس محمدؐ فرمایا ہے اور چونکہ دو نفسوں میں اتحاد حقیقی محال ہے لہٰذا قطعاً مجازی اتحاد مراد ہے ۔

آپ حضرات بہتر جانتے ہیں کہ علم اصول میں لفظ کو مجاز بعید کے مقابلے میں قریب تر مجاز پر حمل کرنا اولیٰ ہے اور قریب تر مجاز جملہ اُمور اور سارے کمالات میں شرکت ہے سوا اُس کے جو دلیل سے خارج ہو جائے اور ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ جو چیز دلیل اور اجماع سے خارج ہے وہ آں حضرتؐ کی نبوت خاصّہ اور نزول وحی ہے لہٰذا ہم علی علیہ السلام کو اس خصوصیت میں پیغمبرؐ کا شریک نہیں جانتے ہیں لیکن بحکم آیۂ شریفہ دیگر کمالات میں شریک ہیں، اور قطعاً مبداء فیاض سے پیغمبرؐ کے ذریعے علیؑ کو علی الاطلاق فیض پہنچا اور یہ خود اتحاد نفسانی کی دلیل ہے جو ہمارا مدعا ہے ۔

حافظ : یہ آپ کہاں سے کہہ رہے ہیں کہ اپنے نفس کو مجازاً دعوت دینا مراد نہیں ہے اور یہ مجاز دوسرے مجاز سے اولیٰ نہیں ہے ؟ ۔

خیر طلب : میری درخواست ہے کہ خواہ مخواہ اختلاف کر کے جلسے کا وقت ضائع نہ کیجیے اور انصاف کے راستے سے نہ ہٹیے ۔ حق پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ جب کوئی بات اپنی منزل تک پہنچ جائے تو اس کو چھوڑ کر آگے بڑھیے آپ جیسے جلیل القدر اور منصف عالم سے ہم قطعاً مجادلے اور کٹ حجتی کی امید نہیں رکھتے ۔ کیوں کہ آپ خود جانتے ہیں اور صاحبان علم و فضل کے نزدیک ثابت ہے کہ مجازاً نفس کا اطلاق دوسرے مجاز سے زیادہ مستعمل ہے اور عرب و عجم کے فضلاء و ادباء اور شعراء کی زبان اور کلام میں کافی رواج ہے کہ مجازاً اتحاد کا دعویٰ کرتے ہیں جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم میری جان کی جگہ پر ہو اور خصوصیت سے اخبار و احادیث کی زبان میں یہ بات حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے بارے میں کثرت سے وارد ہوئی ہے جو مقصد کے اثبات میں الگ ایک مستقل دلیل ہے ۔

اتحادِ پیغمبرؐ و علیؑ پر اخبار و احادیث کے شواہد

من جملہ امام احمد ابن حنبل مسند میں، ابن مغازلی فقیہ شافعی مناقب میں اور موفق بن احمد خطیب خوارزم مناقب میں نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ خدا مکرر فرماتے تھے۔ علی منی وانا منہ من احبہ فقد احبنی ومن احبنی فقد احب اللہ (یعنی علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں جو شخص ان کو دوست رکھے اس نے مجھ کو دوست رکھا اور جو شخص مجھ کو دوست رکھے اس نے خدا کو دوست رکھا)۔

ابن ماجہ نے سنن جزو اول ص۹۲ میں، ترمذی نے صحیح میں، ابن حجر نے ان چالیس حدیثوں میں سے جو صواعق میں فضائل امیرالمومنین میں نقل کی ہیں چھٹی حدیث میں امام احمد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ سے، امام احمد ابن حنبل نے مسند جلد چہارم ص۱۶۴ میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۶۷ میں مسند بن سماک جزء چہارم اور معجم کبیر طبرانی سے، امام ابوعبدالرحمٰن نسائی نے خصائص میں اور سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۷ میں مشکوۃ سے سب نے حبش بن جنادہ سلولی سے روایت کی ہے کہ سفر حجۃ الوداع میں عرفات کے اندر رسول اللہ نے فرمایا علی منی وانا من علی ولا یودی عنی الا انا و علی (یعنی علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اور میری طرف سے کوئی ادا نہیں کرتا ہے (یعنی میرے فرض تبلیغ کو انجام نہیں دیتا ہے) سوا میرے یا علیؑ کے)

سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۷ میں زوائد مسند عبداللہ بن احمد بن حنبل سے بسند ابن عباس نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے (ام المومنین) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا علی منی وانا من علی لحمہ من لحمی ودمہ من دمی وھو منی بمنزلۃ ھرون من موسٰی یا ام سلمہ اسمعی واشھدی ھذا علی سید المسلمین (یعنی علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں ان کا گوشت اور خون میرے گوشت اور خون سے ہے اور وہ مجھ سے بمنزلہ ہارون ہیں موسٰی سے اے ام سلمہ سنو اور گواہ رہو کہ یہ علیؑ مسلمانوں کے سید و آقا ہیں)۔

حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے کہ رسول خدا نے فرمایا علی منی وانا منہ وعلی منی بمنزلۃ الراس من البدن من اطاعہ فقد اطاعنی ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ (یعنی علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں علیؑ مجھ سے بمنزلہ سر ہیں بدن سے۔ جس نے ان کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی)۔

محمد بن جریر طبری اپنی تفسیر میں اور میر سید علی ہمدانی فقیہ شافعی مودۃ القربیٰ مودۃ ہشتم میں رسول اکرمؐ سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا ان اللہ تبارک وتعالٰی اید ھذا الدین بعلی وانہ منی وانا منہ وفیہ انزل افمن کان

علیٰ بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ (یعنی درحقیقت خدائے تعالےٰ نے اس دین کی علیؑ کے ذریعے تائید فرمائی ہے کیونکہ وہ مجھ سے ہیں اور میں اُن سے ہوں اور اُن کے بارے میں آیۂ شریفہ صنے سورہ ۱۱ ہود نازل ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر خدا کی طرف سے قرآن جیسی روشن دلیل رکھتے ہیں اور ان کا (علی جیسا) سچا گواہ ہے (جو اپنے ہر قول وفعل سے رسالت کی سچائی ثابت کرتا ہے)، اور شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ کے باب ، کو اسی موضوع سے مخصوص کیا ہے اس عنوان کے ساتھ کہ الباب السابع فی بیان ان علیا کرم اللہ وجہہ کنفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحدیث علی منی وانا منہ (یعنی ساتواں باب اس بیان میں کہ علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ کے نفس کے مانند ہیں اور اس حدیث میں کہ علی مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں)، اس باب میں مختلف طریقوں اور متفاوت الفاظ کے ساتھ رسول خدا سے چوبیس حدیثیں نقل کرتے ہیں کہ فرمایا علیؑ میرے نفس کی جگہ پر ہیں اور آخر باب میں مناقب سے بروایت جابر ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ فرمایا علیؑ میں ایسی خصلتیں ہیں کہ اگر کسی شخص کے لئے ان میں سے ایک بھی ہوتی تو اس کے فضل وشرف کے لئے کافی تھی اور ان خصلتوں سے مراد علیؑ کے بارے میں رسول اللہ کے ارشادات ہیں مثلاً من کنت مولاہ فعلی مولاہ ۔ یا ۔ علی منی کھارون من موسیٰ ۔ یا ۔ علی منی وانا منہ ۔ یا ۔ علی منی کنفسی طاعتہ طاعتی ومعصیتہ معصیتی ۔ یا ۔ حرب علی حرب اللہ وسلم علی سلم اللہ ۔ یا ۔ ولی علی ولی اللہ وعدو علی عدو اللہ ۔ یا ۔ علی حجۃ اللہ علیٰ عبادہ ۔ یا ۔ حب علی ایمان وبغضہ کفر ۔ یا ۔ حزب علی حزب اللہ وحزب اعدائہ حزب الشیطان ۔ یا ۔ علی مع الحق والحق معہ لا یفترقان ۔ یا ۔ علی قسیم الجنۃ و النار ۔ یا ۔ من فارق علیا فقد فارقنی ومن فارقنی فقد فارق اللہ ۔ یا ۔ شیعۃ علی ھم الفائزون یوم القیامۃ (یعنی جس شخص کا میں مولا ہوں پس علیؑ بھی اُس کے مولا (اس کے امر میں اولے بتصرف) ہیں ۔ علیؑ مجھ سے مثل ہارون کے ہیں موسےٰ سے ۔ علیؑ مجھ سے اور میں علیؑ سے ہوں ۔ علیؑ مجھ سے مثل میرے نفس کے ہیں ان کی اطاعت میری اطاعت ہے اور اُن کی نافرمانی میری نافرمانی ہے ۔ علیؑ کے ساتھ جنگ خدا کے ساتھ جنگ ہے اور علیؑ کے ساتھ صلح وآشتی خدا کے ساتھ صلح وآشتی ہے ۔ علیؑ کا دوست خدا کا دوست اور علی کا دشمن خدا کا دشمن ہے ۔ علیؑ خدا کی حجت ہیں اُس کے بندوں پر، علیؑ کی محبت ایمان اور ان کی عداوت کفر ہے ۔ علیؑ کا گروہ خدا کا گروہ اور اُن کے دشمنوں کا گروہ شیطان کا گروہ ہے ۔ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق اُن کے ساتھ ہے ۔ دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوتے، علی بہشت ودوزخ کے تقسیم کرنے والے ہیں جو شخص علیؑ سے جدا ہوا وہ مجھ سے جدا ہوا اور جو شخص مجھ سے جدا ہوا وہ خدا سے جدا ہوا ۔ علیؑ کے شیعہ قیامت کے روز رستگار ہیں ۔) آخر میں مناقب سے ایک اور مفصل حدیث نقل کرتے ہیں جس کے خاتمے میں ارشاد ہے اقسم باللہ الذی

بعثنی بالنبوۃ و جعلنی خیر البریۃ انک لحجۃ اللہ علیٰ خلقہ و امینہ علی سرہ و خلیفۃ اللہ علیٰ عبادہ (یعنی قسم اس خدا کی جس نے مجھ کو نبوت کے ساتھ مبعوث کیا اور مجھ کو بہترین خلق قرار دیا۔ درحقیقت تم (اے علیؑ) خدا کی حجت ہو اس کی مخلوق پر اور اس کے امانت دار ہو اُس کے راز پر اور خلیفہ خدا ہو اس کے بندوں پر)۔

اس قسم کے اخبار و احادیث صحاح اور آپ کی معتبر کتابوں میں بکثرت وارد ہوئے ہیں جو آپ کی نظر سے گذر چکے ہوں گے یا آئندہ اُن کا مطالعہ کریں گے تو تصدیق کریں گے کہ یہ سب اس مجاز کا قرینہ ہیں، پس کلمۂ انفسنا نبی وصی ظاہری و باطنی اور علمی و عملی کمالات میں حضرت علی علیہ السلام کے انتہائی ارتباط و اتحاد پر واضح دلالت کرتا ہے۔ آپ چونکہ صاحب علم و عقل ہیں لہذا اُمید ہے کہ انشاء اللہ ضد اور ہٹ دھرمی سے الگ رہ کر تسلیم کریں گے کہ یہ آیۂ شریفہ مطلب و مقصود کے اثبات میں ایک قاطع دلیل ہے۔ اور اسی آیت سے آپ کے دوسرے سوال کا جواب بھی دیا جاتا ہے جب ہم ثابت کر چکے علی علیہ السلام سوا نبوت خاصہ اور نزول وحی کے بحکم آیۂ انفسنا خاتم الانبیاء کے ساتھ تمام کمالات میں شریک تھے تو معلوم ہوا کہ آپ کے کمالات و مراتب اور خصائص میں سے جملہ صحابہ اور امت پر افضل ہونا بھی ہے اور نہ صرف صحابہ و اُمت پر افضل تھے بلکہ اسی آیۂ مبارکہ کی دلیل اور عقل کے حکم سے انبیاء پر بھی بلا استثنا افضل ہونا چاہیئے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام انبیاء و اُمت پر افضل تھے۔

چونکہ پیغمبرؐ انبیاء پر افضل ہیں لہذا علیؑ بھی ان سے افضل ہیں

اگر آپ اپنی معتبر کتابیں جیسے احیاء العلوم امام غزالی، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی تفسیر امام فخر الدین رازی تفسیر جار اللہ زمخشری و بیضاوی و نیشاپوری وغیرہ مطالعہ فرمایئے تو دیکھئے گا کہ رسول اکرمؐ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (یعنی میری اُمت کے علماء انبیائے بنی اسرائیل کے مثل ہیں) اور دوسری حدیث میں ارشاد ہے علماء امتی افضل من انبیاء بنی اسرائیل (یعنی میری امت کے علماء انبیائے بنی اسرائیل سے افضل و بہتر ہیں) اُس وقت از روئے انصاف کہنا پڑے گا کہ جب اس اُمت کے علماء محض اس وجہ سے کہ اُن کا علم سرچشمۂ علم محمدی کا فیض ہے انبیائے بنی اسرائیل کے مثل یا اُن سے بہتر قرار پائے تو علی ابن ابی طالب علیہ السلام تو یقیناً ان سے افضل ہوں گے کیوں کہ اُن کے لیئے قول رسولؐ کی بنا پر نص موجود ہے جس کو آپ کے بڑے بڑے علماء نے نقل کیا ہے کہ انا مدینۃ العلم و علی بابھا و انا دار الحکمۃ و علی بابھا (یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں۔ اور میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں) اور اس میں ہرگز کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ خود حضرت علی علیہ السلام سے جب اس موضوع پر سوال کیا گیا تو آپ نے افضلیت کے بعض پہلو ظاہر فرمائے۔

انبیاءؑ سے افضل ہونے کے سبب میں صعصعہ کے سوالات اور حضرت علیؑ کے جوابات

ماہ رمضان المبارک ۴۰ھ کی بیسویں تاریخ جب شقی ترین اولین و آخرین (جیسا کہ رسول اللہؐ نے خبر دی تھی) عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی ملعون کی زہر آلود تلوار کے زخم سے حضرت پر موت کے آثار طاری ہوئے تو اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام سے فرمایا کہ جو شیعہ دروازے پر مجتمع ہیں اُن کو اندر بلا لو تاکہ مجھ سے ملاقات کر لیں۔ جب وہ لوگ آئے تو چاروں طرف سے بستر کو گھیر لیا اور حضرت کی حالت پر چپکے چپکے رونے لگے۔ حضرت نے انتہائی ناتوانی کے ساتھ فرمایا سلونی قبل ان تفقدونی ولکن خففوا مسائلکم (یعنی مجھ سے جو چاہو پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ لیکن سبک اور مختصر سوالات کرو) چنانچہ اصحاب باری باری سوال کرتے تھے اور جواب سنتے تھے۔

من جملہ اُن کے صعصعہ بن صوحان بھی تھے۔ جو ایک سربرآوردہ شیعہ، کوفے کے مشہور خطیب اور بزرگ راویوں میں سے ہیں جن کی روایتوں کو علاوہ علمائے شیعہ کے آپ کے بڑے بڑے علماء یہاں تک کہ صاحبان صحاح نے بھی علی علیہ السلام اور ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ ان کی سیرت نقل کرنے میں آپ کے کبار علماء جیسے ابن عبدالبر نے استیعاب میں، ابن سعد نے طبقات میں، ابن قتیبہ نے معارف میں اور دوسروں نے بھی کافی تفصیل سے کام لیا ہے اور ان کی توثیق کی ہے کہ ایک عالم و فاضل اور صادق و متدین انسان اور علی علیہ السلام کے اصحاب خاص میں سے تھے صعصعہ نے عرض کیا۔ اخبرنی انت افضل ام آدم مجھ کو خبر دیجئے کہ آپ افضل ہیں یا آدمؑ؟ حضرت نے فرمایا تزکیۃ المرء لنفسہ قبیح انسان کے لئے خود اپنی تعریف کرنا اچھا نہیں ہے لیکن بفحوائے واما بنعمۃ ربک فحدث (یعنی اپنے خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو بیان کرو) میں کہتا ہوں کہ انا افضل من آدم میں آدمؑ سے افضل ہوں۔ عرض کیا ولم ذالک یا امیرالمومنین کس دلیل سے ایسا ہے؟ حضرت نے مفصل تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمؑ کے لئے بہشت میں رحمت اور نعمت کے سارے وسائل مہیا تھے صرف ایک درخت گندم سے روکے گئے تھے لیکن وہ باز نہ رہے۔ اور اس شجرۂ ممنوعہ میں سے کھایا جس کی وجہ سے بہشت اور اللہ کے جوار رحمت سے خارج ہوئے۔ لیکن باوجودیکہ خدا نے مجھ کو گندم کھانے سے منع نہیں فرمایا تھا میں نے چونکہ دنیا کو قابل توجہ نہیں سمجھا لہٰذا اپنی مرضی اور ارادے سے گیہوں نہیں کھایا مطلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک انسان کی فضیلت و بزرگی، زہد و ورع اور تقویٰ سے ہے۔ دنیا اور متاع دنیا سے جس شخص کی پرہیزگاری جتنی زیادہ ہے یقیناً خدا کی بارگاہ میں اس کا قرب و منزلت بھی زیادہ ہے اور زہد کی انتہا یہ

ہے کہ غیر ممنوع مباح سے بھی پرہیز کرے ۔

عرض کیا انت افضل ام نوح آپ افضل ہیں یا نوح؟ قال انا افضل من نوح فرمایا میں نوح سے افضل ہوں عرض کیا لم ذالک کس وجہ سے؟ فرمایا نوح نے اپنی قوم کو خدا کی طرف دعوت دی تو ان لوگوں نے قبول نہیں کیا بلکہ ان بزرگوار کو بہت تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک کہ انہوں نے بد دعا کی رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا (یعنی پروردگارا روئے زمین پر کافروں میں سے کسی باشندے کو زندہ نہ چھوڑ) لیکن مجھ کو خاتم الانبیاء کے بعد اُمت نے باوجودیکہ اس قدر صدمات اور بے شمار اذیتیں پہنچائیں لیکن میں نے بد دعا نہیں کی بلکہ کمل صبر اختیار کیا (جیسا کہ خطبہ شقشقیہ کے ضمن میں فرمایا ہے صبرت وفی العین قذی وفی الحلق شجیٰ (یعنی میں نے صبر کیا درآنحالیکہ آنکھ میں تنکا اور حلق میں ہڈی تھی) کنایہ اس طرف ہے کہ خدا کی طرف سب سے زیادہ قریب وہ ہے جس کا صبر بلا پر سب سے زیادہ ہو ۔

عرض کیا انت افضل ام ابراھیم آپ افضل ہیں یا ابراہیم؟ فرمایا انا افضل من ابراھیم عرض کیا لم ذالک ایسا کس لئے ہے؟ فرمایا ابراہیم نے عرض کیا رب ارنی کیف تحی الموتیٰ قال اولم تومن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی (یعنی پروردگارا مجھ کو دکھا دے کہ تو کیوں کر مردوں کو زندہ کرے گا، خدا نے فرمایا کیا تم ایمان نہیں رکھتے عرض کیا ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ دمشاہدہ کر کے اطمینان قلب حاصل کروں) لیکن میرا ایمان اس منزل پر پہنچا ہوا ہے کہ میں نے کہا لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً (یعنی اگر پردے ہٹا دیے جائیں جب بھی میرے یقین میں زیادتی کی گنجائش نہیں) مقصد یہ کہ انسان کی رفعت اس کے یقین کے مطابق ہے یہاں تک کہ حق الیقین کی منزل پر پہنچ جائے ۔

عرض کیا انت افضل ام موسیٰ آپ افضل ہیں یا موسیٰ؟ قال انا افضل من موسیٰ فرمایا میں موسیٰ سے افضل ہوں عرض کیا کس سبب سے؟ فرمایا جس وقت خدا نے اُن کو مامور کیا کہ مصر جا کر فرعون کو حق کی دعوت دیں تو انہوں نے عرض کیا رب انی قتلت منھم نفسا فاخاف ان یقتلون واخی ھارون ھو افصح منی لسانا فارسلہ معی ردا یصدقنی انی اخاف ان یکذبون (یعنی خداوندا میں نے اُن میں کے ایک شخص کو قتل کیا ہے لہٰذا ڈرتا ہوں کہ وہ مجھ کو قتل کر دیں گے اور میرے بھائی ہارون چونکہ مجھ سے زیادہ خوش بیان ہیں لہٰذا اُن کو میرا شریک کار بنا کر بھیج دے تاکہ وہ میری تصدیق کریں ۔ مجھ کو خوف ہے کہ وہ لوگ میری رسالت کو جھٹلائیں گے) لیکن جب مجھ کو من جانب خدا رسول اکرمؐ نے مامور کیا کہ مکہ معظمہ پہنچ کر خانہ کعبہ کی چھت سے سورۂ برأت کے شروع کی آیتیں کفار قریش کے سامنے پڑھوں تو باوجودیکہ بہت کم ایسے لوگ تھے جن کے بھائی یا باپ یا چچا یا ماموں یا دوسرے عزیز و قریب میرے ہاتھ سے قتل نہ ہو چکے ہوں لیکن میں نے قطعاً خوف نہیں کیا اور تعمیل حکم کرتے ہوئے تنہا جا کر اپنا فرض انجام دیا اور سورۂ برأت ان کو سنا کر واپس آیا ۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انسان کی فضیلت توکل علی اللہ سے ہے جس کا توکل سب سے زیادہ ہے اس کا مرتبہ بھی سب سے زیادہ ہے موسیٰ نے اپنے بھائی پر بھروسا کیا لیکن امیرالمومنین علیہ السلام نے ذات الٰہی اور اس کے لطف و کرم پر

کامل اعتماد رکھا۔

قال انت افضل ام عیسیٰ عرض کیا آپ افضل ہیں یا عیسیٰ ! قال انا افضل من عیسیٰ فرمایا میں عیسیٰ سے افضل ہوں ۔ قال لم ذالک عرض کیا ایسا کیوں ہے ؟ فرمایا جب مریم کے گریبان میں جبرئیل کے دم کرنے سے وہ بقدرتِ خدا حاملہ ہوگئیں اور وضع حمل کا وقت قریب آیا تو مریم کو وحی ہوئی کہ اخرجی عن البیت فان ھذہ بیت العبادۃ لا بیت الولادت بیت المقدس سے باہر چلی جاؤ کیونکہ یہ عبادت کا گھر ہے زچہ خانہ نہیں ہے چنانچہ وہ بیت المقدس سے نکل کر صحرا میں ایک خشک درخت خرما کے نیچے گئیں اور وہیں عیسیٰ کی ولادت ہوئی ۔

لیکن میں جس وقت مسجد الحرام کے اندر میری ماں فاطمہ بنت اسد کو درد زہ عارض ہوا تو مستجار کعبہ سے متمسک ہو کر دعا کی کہ خداوندا اس گھر اور اس گھر کے بنانے والے کا واسطہ اس درد کو مجھ پر آسان فرما۔ اس وقت دیوار خانہ کعبہ میں شگاف پیدا ہوا اور میری ماں فاطمہ کو غیب سے آواز آئی کہ یا فاطمۃ ادخلی البیت (یعنی اے فاطمہ خانہ کعبہ میں داخل ہو جاؤ) فاطمہ اندر گئیں اور وہیں میری ولادت ہوئی ۔

مراد یہ ہے کہ شرافت انسانی کا پہلا درجہ حسب ونسب اور طہارت مولد ہے ۔ جس کا روح ، نفس اور جسم پاکیزہ ہے وہ افضل ہے (خانہ کعبہ میں داخل ہونے کے لئے فاطمہ کو حکم ندا ہونے اور مریم کو بیت المقدس میں وضع حمل سے منع کرنے سے نیز بیت المقدس پر مکہ معظمہ کی فضیلت کے پیش نظر مریم پر فاطمہ کی اور حضرت عیسیٰ پر حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے)۔

علیؑ تمام انبیاء کے آئینہ تھے

(نماز کا وقت آگیا لہذا مولوی صاحبان اٹھ گئے ۔ ادائے فریضہ اور چائے نوشی وغیرہ کے بعد میں نے سلسلہ کلام شروع کیا) جو کچھ عرض کر چکا اس کے علاوہ خود آپ کے علماء کی معتبر اور موثق کتابوں میں موجود ہے ۔ کہ علی علیہ السلام کو تمام انبیاء کے صفات کا آئینہ اور ان کا حامل قرار دیا گیا ہے ۔ چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص۴۴۹ میں ، حافظ ابوبکر فقیہ شافعی احمد بن الحسین بیہقی نے مناقب میں ، امام احمد ابن حنبل نے مسند میں ، امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں آیۂ مباہلہ کے ذیل میں ، محی الدین عربی نے کتاب یواقیت وجواہر کے مبحث ۳۲ ص۱۷۲ میں ، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ شروع باب ۴۰ میں مسند احمد ، صحیح بیہقی اور شرح المواقف والطریقۃ المحمدیہ سے ، نور الدین مالکی نے فصول المہمہ ص۱۲۱ میں بیہقی سے ، محمد طلحہ شافعی نے مطالب السؤل ص۲۲ میں اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۲۳ میں الفاظ وعبارات کی مختصر کمی وبیشی کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا من اراد ان ینظر الی ادم فی علمہ والی نوح فی تقواہ (فی حکمتہ) والی

ابراھیم فی خلتہ (فی حلمہ) والیٰ موسیٰ فی ھیبتہ والیٰ عیسیٰ فی عبادتہ فلینظر الیٰ علی بن ابیطالب (یعنی جو شخص چاہتا ہے کہ آدم کو اُن کے علم میں و نوح کو اُن کے تقویٰ یا حکمت میں، ابراہیم کو اُن کی خلت یا حلم میں، موسیٰ کو اُن کی ہیبت میں اور عیسیٰ کو اُن کی عبادت میں دیکھے تو وہ علیؑ ابن ابی طالب کو دیکھے)

اور میر سید علی ہمدانی شافعی نے مودۃ القربیٰ مودت ہشتم میں اس حدیث مبارک کو چند اضافوں کے ساتھ نقل کیا ہے ان کے آخر میں جابر سے روایت کرتے ہیں کہ رسُول اکرم نے فرمایا فان فیہ تسعین خصلۃ من خصال الانبیاء جمعھا اللہ فیہ ولم یجمعھا فی احد غیرہ (یعنی درحقیقت خدا نے علیؑ کے اندر انبیاء کی نوے خصلتیں جمع کی ہیں جو دوسرے کو نہیں دیں) ۔

حدیث تشبیہ کے بارے میں گنجی شافعی کا بیان

شیخ فقیہ محدث شام صدر الحفاظ محمد بن یوسف گنجی شافعی یہ حدیث نقل کرتے کے بعد بعنوان قلت (میرا قول ہے) مزید بیان دیتے ہیں کہ آدم کے ساتھ اُن کے علم میں علیؑ کی تشبیہ اس وجہ سے دی گئی کہ خدا نے آدم کو ہر چیز کا علم اور صفت تعلیم کی تھی جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے وعلم آدم الاسماء کلھا (یعنی خدا نے آدم کو سارے اسماء کی تعلیم دی) آیت ۲۹ سورہ ۲ (بقرہ) اور اسی طرح کوئی چیز یا حادثہ و واقعہ ایسا نہیں ہے جس کا علم اور اُس کے مقصد کا ادراک و استنباط علیؑ کے پاس نہ ہو اسی علم الٰہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت آدم خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے جیسا کہ خدا آیت ۲۸ سورہ ۲ (بقرہ) میں خبر دیتا ہے کہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ (یعنی میں زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں) پس ہر با ذوق انسان آں حضرتؑ کی اس تشبیہ سے سمجھ سکتا ہے کہ جب یہ علم آدم افضلیت و برتری مسجودیت ملائکہ اور منصب خلافت کا سبب بنا تو علیؑ بھی تمام مخلوقات سے افضل و برتر اور خاتم الانبیاء کے بعد عہدۂ خلافت پر فائز ہیں ۔

نوح کے ساتھ اُن کی حکمت میں تشبیہ دینے سے گویا یہ مراد ہے کہ علی علیہ السلام کفار پر سخت اور مومنین پر مہربان تھے جیسا کہ خدا نے قرآن مجید میں اُن کی تعریف فرمائی ہے کہ والذین معہ اشداء علی الکفار ورحماء بینھم (یہ بات بھی ایک دلیل ہے اس بات پر کہ یہ آیت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے) کیونکہ نوح کفار کے لئے بہت سخت تھے چنانچہ قرآن مجید خبر دے رہا ہے وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا (یعنی نوح نے عرض کیا کہ خداوندا زمین پر کافروں میں سے کسی باشندے کو نہ چھوڑ) آیت ۲۷ سورہ ۷۱ (نوح) اور ابراہیم کے ساتھ حلم میں علیؑ کی تشبیہ دینے سے یہ مقصد ہے کہ قرآن میں ابراہیم علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کا اس صفت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے ان ابراھیم لاواہ حلیم (یعنی درحقیقت ابراہیم یقیناً آہ وزاری کرنے

والے بردبار تھے آیت ۱۱۵ سورہ ۹ (توبہ) یہ تشبیہات ثابت کرتی ہیں کہ علی علیہ السلام اخلاق انبیاء سے آراستہ اور صفات اصفیاء سے متصف تھے۔ انتہیٰ۔

اب آپ حضرات اگر ذرہ انصاف سے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس فریقین (شیعہ وسنی) کی متفق علیہ حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام جملہ ممکن صفات عالیہ کے جامع ہیں جن میں سے ہر صفت انبیاء کی بہترین صفت کے برابر ہے لہٰذا قاعدے کے رو سے ضروری ہے کہ ان سب صفات کے جامع ہونے کی حیثیت سے آپ سارے انبیاء میں ہر ایک سے افضل ہوں اور یہ حدیث (باستثنائے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انبیائے عظام پر علی علیہ السلام کی افضلیت کی دوسری دلیل ہے کیونکہ جب آپ ہر نبی کی مخصوص فضیلت وخصلت میں ان کے مساوی ہیں اور دوسروں کے فضائل وخصائل کے بھی حامل ہیں تو لازمی طور پر ہر ایک سے افضل ہوں گے۔ چنانچہ خود محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد اس مطلب کی وضاحت کی ہے اور صاف صاف کہتے ہیں کہ رسول خدا نے اس حدیث سے علی علیہ السلام کے لئے آدمؑ کا ایسا علم نوحؑ کا ایسا تقویٰ ابراہیمؑ کا ایسا حلم موسیٰؑ کی ایسی ہیبت اور عیسیٰؑ کی ایسی عبادت ثابت فرمائی ہے یہاں تک کہ کہتے ہیں وتعلواهذه الصفات الى اوج العلى حيث شبهها بهولاء الانبياء المرسلين من الصفات المذكورة (یعنی یہ اوصاف حمیدہ علی علیہ السلام کو انتہائی بلندی پر فائز کرتے ہیں اس لئے کہ پیغمبرؐ نے آپ کو صفات مذکورہ میں انبیائے مرسلین سے تشبیہ دی ہے)، کیا آپ امت مرحومہ کے صحابہ وتابعین وغیرہ میں امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے علاوہ کوئی ایسی فرد دکھا سکتے ہیں جو انبیائے عظام کے تمام صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کی حامل ہو اور آپ کے سربرآوردہ علماء اس کے اس مرتبے کو تسلیم بھی کرتے ہوں؟

چنانچہ شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ باب ۴۰ میں مناقب خوارزمی سے بسلسلہ محمد بن منصور نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے امام احمد ابن حنبل کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ماجاء لاحد من الصحابة من الفضائل مثل ما لعلى ابن ابى طالب۔ (یعنی جیسی فضیلتیں علیؑ ابن ابی طالب کے لئے ہیں ویسی ایک بھی اصحاب میں سے کسی کے لئے نہیں آئی ہے) اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۶۲ میں بسند محمد بن منصور طوسی امام احمد سے اس طرح نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ماجاء لاحد من اصحاب رسول الله ماجاء لعلى ابن ابى طالب (یعنی اصحاب رسولؐ میں سے کسی کے لئے وہ چیز وارد نہیں ہوئی ہے جو علیؑ ابن ابی طالب کے لئے آئی ہے)۔

فضیلت امیرالمومنینؑ کا قول صرف امام احمد ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ آپ کے اکثر انصاف پسند علماء نے اس چیز کی تصدیق کی ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۴۶ میں کہتے ہیں کہ انه عليه السلام كان اولى بالامر واحق لا على وجه النص بل على وجه الافضلية فانه افضل البشر بعد رسول الله واحق بالخلافة من جميع المسلمين (یعنی علی علیہ السلام امر میں اولیٰ اور احق تھے

نفس کی جہت سے نہیں بلکہ افضلیت کی وجہ سے ، اس لئے کہ وہ رسول خدا کے بعد تمام انسانوں سے افضل اور سارے مسلمانوں سے زیادہ خلافت کے حقدار تھے)۔

آپ کو پروردگار عالم کی بزرگ ذات کی قسم ذرا انصاف کی نظر سے دیکھیے ، آیا یہ بے انصافی نہیں ہے کہ محض عادت کی بنا پر اور اپنے اسلاف کی تقلید کرتے ہوئے بغیر غور و فکر اور دلیل و برہان کے ایسی بزرگ شخصیت کے مقابلے میں اُن لوگوں کو مقدم کر دیا جائے جو ان صفات سے محروم تھے۔

آیا صاحبان عقل و دانش پچھلے لوگوں کے فہم و شعور کا مذاق نہ اڑائیں گے کہ انہوں نے سیاست اور گروہ بندی کی بنا پر اُمت کے افضل انسان کو خانہ نشینی پر مجبور کیا اور ہر حیثیت سے مفضول (کم رتبہ) شخص کو مسند خلافت پر بٹھا دیا اور کم سے کم اتنا بھی نہ کیا کہ سقیفہ کے اندر خلافت جیسے امر عظیم میں مشورہ کرنے کے لئے ان بزرگوار کو بھی خبر کر دیتے ، تاکہ یہ ذات بالکل ہی نظر انداز نہ ہو جائے۔

حافظ : بے انصاف ہم ہیں یا جناب عالی ! جو یہ فرما رہے ہیں کہ اصحاب رسولؐ نے بغیر دلیل و برہان کے دوسروں کو مقدم قرار دیا اور خلافت غصب کر لی۔ واقعی آپ نے ہم سب کو بے عقل و نادان اور بے سر و پا مقلد فرض کر لیا ہے۔ کون سی دلیل اجماع کی دلیل سے بالاتر ہو گی جب کہ تمام صحابہ و اُمت نے حتیٰ کہ مولانا علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اجماع کر کے ابوبکر کی خلافت قائم کی اور اس پر راضی ہوئے ؟

مخالفین کا قول کہ اجماع برحق ہے

بدیہی چیز ہے کہ اُمت کا اجماع حجت اور اس کی اطاعت واجب ہے کیونکہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے لا تجتمع اُمتی علی الخطاء لا تجتمع امتی علی الضلالۃ (یعنی میری اُمت خطا پر یا میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی) چنانچہ ہم نے اپنے اسلاف کی اندھی تقلید نہیں کی ہے بلکہ جب وفات پیغمبرؐ کے بعد پہلے ہی روز تمام اُمت نے اجماع کر کے خلافت ابوبکر کا فیصلہ کر دیا اور ایک طے شدہ امر ہمارے سامنے آیا تو عقلاً ہم کو صرف پیروی کرنا چاہیے۔

خیر طلب : سبحان بتائیے رسول اکرمؐ کے بعد حقانیت خلافت کی کیا دلیل ہے ؟ یعنی خلافت کس دلیل سے ثابت ہوتی ہے ؟

حافظ : ظاہر ہے کہ رسولؐ خدا کے بعد وجود خلیفہ کے اثبات پر سب سے بڑی دلیل تمام اُمت کا اجماع ہے اس کے علاوہ جس دلیل کے سامنے ہر صاحب عقل و دانش کو گھٹنے ٹیکنا پڑتے ہیں وہ عمر کی زیادتی اور بڑھاپا ہے جس نے ابوبکر و عمر کو تقدم کا حق دیا اور علی کرم اللہ وجہہ باوجود انتہائی فضل و کمال اور قرابت رسولؐ کے جن کو ساری اُمت مانتی ہے

کم سنی اور جوانی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے اور از روئے انصاف ایک نو عمر جوان کو بزرگ صحابہ سے آگے بڑھنے کا حق بھی نہیں تھا۔

خلافت کی حیثیت سے علی کرم اللہ وجہہ کے اس پیچھے رہ جانے کو ہم نقص نہیں سمجھتے کیونکہ ان جناب کی افضلیت سب کے نزدیک ثابت ہے۔ نیز خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے جو حدیث نقل کی ہے کہ فرمایا لا یجتمع النبوۃ والملک فی اھل بیت واحد (یعنی نبوت اور سلطنت ایک خاندان میں جمع نہیں ہوتی) اس نے بھی علی کرم اللہ وجہہ کو منصب خلافت سے برطرف کر دیا۔ چونکہ علیؑ اہل بیت رسولؐ میں سے تھے لہذا خلافت کا عہدہ پا ہی نہیں سکتے تھے۔

خیر طلب: جب آپ کے ایسے ذی علم اور ہوشمند انسانوں سے اس قسم کی دلیلیں سننے میں آتی ہیں تو سخت حیرت اور تعجب ہوتا ہے کہ آپ لوگ اپنی عادت کے کس قدر پابند ہو چکے ہیں کہ بغیر سوچے سمجھے آنکھ بند کر کے حق کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور ایسی دلیلیں بیان کرتے ہیں جن پر بس مردہ عورتیں بھی ہنس پڑیں۔ اگر آپ تھوڑا سا بھی غور کر لیں تو سمجھ میں آ جائے کہ اس طرح کے دلائل بالکل مہمل اور تنکے کا سہارا ہیں۔ لیکن افسوس تو اس کا ہے کہ آپ حضرات ایک لمحے کے لئے بھی اس پر تیار نہیں ہوتے کہ ذرا تعصب اور سنیت کی عینک اتار کے اپنے بے سروپا دلائل کے مقابل شیعہ علماء کی دلیلوں پر انصاف اور غور و فکر کی نظر ڈالیں۔

صرف آپ کے عوام ہی ان دلائل سے ناواقف نہیں ہیں بلکہ جہاں جہاں میں نے آپ کے علماء سے گفتگو کی، ان کو بھی شیعوں کے دلائل و براہین سے بے خبر اور تعصب میں غرق پایا۔ یہ سب محض اس وجہ سے ہے کہ اکابر متکلمین و محدثین اور علمائے شیعہ کی معتبر کتابیں آپ کے کتب خانوں میں مطالعے کے لئے رکھی ہی نہیں جاتیں بلکہ ان کو کتب ضلال کہہ کے ایک دوسرے کو ان کے مطالعے سے منع کیا جاتا ہے۔

میں نے خود بصرہ، بغداد، شام، بیروت اور حلب وغیرہ بلاد اہل سنت کے بازاروں میں کتب فروشوں سے علمائے شیعہ کی معتبر کتابوں میں سے ایک ایک کا نام پوچھا لیکن انہوں نے یہی کہا کہ ہم کو معلوم نہیں۔ بلکہ وہ خاص خاص کتابیں بھی جو علمائے اہل سنت نے اہل بیت طہارت اور عترت رسولؐ کی تعریف اور منزل ولایت کے اثبات میں لکھی ہیں اور شائع بھی ہو چکی ہیں دوکانوں میں نہیں لگاتے۔

اگر آپ حضرات کبھی اتفاقیہ طور پر شیعوں کی کوئی کتاب دیکھ بھی لیتے ہیں تو چونکہ کینے اور عداوت کی نظر سے دیکھتے ہیں لہذا اس قدر برانگیختہ اور مشتعل ہو جاتے ہیں کہ انصاف اور علم و منطق کے ترازو پر اس کو تولنا ہی نہیں چاہتے جس سے انکشاف حقیقت ہو کر صحیح نتیجہ برآمد ہو لیکن اس کے برعکس ہماری شیعہ جماعت کی طرف سے آپ کے علماء کی کتابیں نشر کرنے میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے بلکہ انہوں نے جو معتبر کتابیں حدیث و تفسیر یا ادب میں سپرد قلم کی ہیں وہ شیعوں کے بازار میں فروخت کے لئے موجود رہتی ہیں اور مکانوں یا ذاتی اور عمومی کتب خانوں میں ان کے مطالعے سے

نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔

اب میں اپنی اہم ذمہ داری کے خیال سے مجبور ہوں کہ آپ حضرات کو متوجہ کرنے کے لئے وقت کے لحاظ سے مختصر جواب عرض کروں تاکہ آپ کو یہ غلط فہمی نہ رہ جائے کہ واقعی آپ کی دلیلیں مضبوط اور ناقابل تردید ہیں۔

اجماع کے رد میں دلائل

پہلے آپ نے حدیث پیش کر کے فرمایا ہے کہ اُمت کا اجماع حجت اور مضبوط دلیل ہے۔

یقیناً آپ بہتر جانتے ہیں کہ یائے متکلم کے ساتھ اُمت کا لفظ عموم کا فائدہ دیتا ہے پس حدیث کے معنی (اگر صحیح فرض کر لی جائے) یہ ہوتے ہیں کہ میری تمام اُمت خطا اور گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔ یعنی جس وقت پیغمبر ص کی ساری اُمت کسی امر پر متفق ہو جائے تو وہ غلط نہیں ہوتا ہم بھی اس مطلب کو قبول کرتے ہیں کہ بغیر کسی ایک فرد کو مستثنیٰ کئے ہوئے تمام اُمت کا اجماع صحیح نتیجہ پیدا کرے گا، اس لئے کہ خدا نے اس اُمت کے خصوصیات میں سے قرار دیا ہے کہ ہمیشہ اس کے اندر کچھ ایسے افراد موجود رہیں گے جن کے ساتھ حق ہوگا اور وہ حق کے ساتھ ہوں گے یعنی حتمی طور پر حجت خدا اور الٰہی نمائندہ موجود رہے گا، اور ساری اُمت کے مجتمع ہو جانے کی صورت میں وہ اہل حق اور حجت خدا بھی اُس کے درمیان ہوگا جو اُمت کو غلط کاری اور گمراہی سے منع کرے گا۔ اگر آپ سنجیدگی کے ساتھ غور کیجئے تو ثابت ہوگا کہ یہ حدیث (بہ فرض صحت) ہرگز اس بات کا ثبوت نہیں دیتی کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعیین خلافت کے حق سے دستبردار ہو کر اُمت کو سرفراز کر دیا تھا۔

اگر آپ کا یہ قول اور عقیدہ صحیح ہو کہ صاحب دین کامل پیغمبر ص نے لا تجتمع امتی علی الخطاء یا علی الضلالۃ فرما کر تعیین خلافت کا حق اپنے سے الگ کر کے اُمت کے قبضے میں دیدیا تھا (حالانکہ قطعاً اس کی کوئی دلیل نہیں) تو یقیناً یہ پوری اُمت کا حق ہے یعنی چونکہ جملہ مسلمان امر خلافت سے فائدہ اٹھاتے ہیں لہٰذا خلافت کی رائے اور مشورے میں بھی سب کو دخل ہونا چاہیئے اور وفات رسُول ص کے بعد کل اُمت کا جمع ہونا ضروری تھا تاکہ مشورہ کر کے سب کی رائے سے ایک کامل فرد کو خلیفہ مقرر کر دیا جاتا۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آیا وفات رسُول ص کے بعد انہی چند دنوں میں ایک سقیفہ نام کے چھوٹے سے چھتے کے اندر جس وقت خلافت ابوبکر کی آواز اٹھی تو ایسا اجماع جس میں تمام مسلمانوں نے متفقہ رائے دی ہو واقع ہوا تھا یا نہیں؟۔

حافظ: آپ تو ایک انوکھی بات کہہ رہے ہیں۔ دو سال سے کچھ زائد مدت کے اندر جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ

مسئلہ خلافت پہ برقرار رہے عام طور پہ مسلمانوں نے اُن کی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کیا اور یہی اجماع کے معنی ہیں جو حقانیت کی دلیل ہے۔

خیر طلب: دراصل آپ نے جواب میں مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے، میرا سوال خلافت ابوبکر کے پورے دور کے متعلق نہیں تھا بلکہ میں نے عرض کیا تھا کہ سقیفہ[۱] بنی ساعدہ میں خلافت ابوبکر کی رائے دینے کے وقت اُمّت کا باقاعدہ اجماع ہوا تھا یا فقط چند اشخاص نے جو ایک چھوٹا سا گروہ بنائے ہوئے تھے اس چھوٹے سے چھتے کے اندر رائے دے کر بیعت کر لی۔

حافظ: یہ تو بدیہی بات ہے کہ وہ کبار صحابہ میں سے چند نفر تھے لیکن بعد کو رفتہ رفتہ اجماع واقع ہو گیا۔

خیر طلب: میں بہت ممنون ہوں کہ آپ نے بات کو گھمایا نہیں اور حقیقت بیان کر دی۔ خدا کے لئے انصاف کیجئے کیا رسول خدا نے جو اس کے لئے اولیٰ اور احق تھے کہ اُمّت کے سامنے صراط مستقیم اور راہ راست کو واضح کریں اس عظیم ذمہ داری کو اپنی گردن سے اتار کر اُمّت کے سر ڈال دیا کہ صرف چند افراد سیاسی گٹھ جوڑ کر کے ایک دوسرے کی بیعت کرے نیز تھوڑے سے ساتھی بارا تی بھی بیعت کر لیں اور قبیلہ اوس والے اس عداوت کی بنا پر جو وہ ہمیشہ سے قبیلہ خزرج کے ساتھ رکھتے تھے اور اس خوف کی وجہ سے بیعت کر لیں کہ ایسا نہ ہو وہ لوگ پیش قدمی کر جائیں اور سعد بن عبادہ امیر بن جائیں) بعد کو رفتہ رفتہ لوگ خوف یا لالچ میں فرمانبردار بنیں اور ایک حکومت ہو جائے تاکہ آج کی رات جناب عالی ان چند اشخاص کا نام اجماع رکھ دیں؟ آیا بلاد مکہ، یمن، جدہ، طائف، حبشہ اور دوسرے شہروں اور دیہات میں پھیلے ہوئے باقی مسلمان اُمّت مرحومہ میں نہ تھے اور خلافت کے معاملے میں اُن کو رائے دینے کا حق نہ تھا؟ اگر کوئی سازش نہیں کی گئی تھی، پہلے سے کچھ قرار دادیں اور سیاسی چالیں پیش نظر نہ تھیں اور آپ کی یہ دلیل سچی تھی تو اتنا صبر کیوں نہیں کیا کہ خلافت جیسے اہم کام میں سارے مسلمانوں کا نقطۂ نظر معلوم کر لیا جائے تاکہ تمام اُمّت کا حقیقی اجماع صادق آ جائے اور اس میں کسی غلطی یا گمراہی کی گنجائش نہ رہ جائے؟

چنانچہ دنیا کی ساری ترقی یافتہ قوموں کا دستور ہے کہ جمہوری حکومت قائم کرنے یا اپنا قائد چننے کے لئے عام اعلان کیا جاتا ہے اور پوری قوم کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اکثریت کی تجویز پر عملدرآمد ہوتا ہے۔ تاریخ عالم کو چھان ڈالئے ایسی بے بنیاد تشکیل اور ایسے رئیس کا تقرر جو تھوڑے سے لوگوں کے ہاتھوں کا کرشمہ ہو ڈھونڈھے نہ ملے گا۔ بلکہ متمدن فرمانروا اور صاحبان عقل و ہوش اس عمل کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ پھر تعجب بالائے تعجب یہ کہ ایک چھوٹے سے چھتے کے اندر ایسے مختصر سے مجمع کا نام اجماع رکھا جائے اور متعصب لوگ ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد اب بھی اس بے عمل

---

[۱] سقیفہ انصار کے قبیلہ بنی ساعدہ کا ایک چھتہ تھا جس میں وہ لوگ مخصوص موقعوں پر صلاح و مشورہ کیا کرتے تھے۔

لفظ اور بے سر و پا عمل پر خواہ مخواہ اڑے رہیں اور کہیں کہ اُمّت کا اجماع حقانیت خلافت کی دلیل ہے یعنی کچھ آدمیوں کی مٹھی بھر جماعت نے ایک گوشے میں اکٹھا ہو کر پوری ملت اور اُمّت کے سیاہ و سفید کا اختیار ایک شخص کے ہاتھ میں دیدیا لہٰذا یہ برحق ہے اور لا محالہ اس کی اطاعت میں سر جھکانا ہی چاہیئے۔

حافظ: آپ کیوں بے لطفی کی بات کرتے ہیں۔ اجماع سے مراد صاحبان عقل اور بزرگان صحابہ کا اجماع تھا جو سقیفے کے اندر واقع ہوا۔

خیر طلب: آپ کا یہ فرمانا کہ اجماع سے مراد صاحبان عقل اور بزرگانِ صحابہ کا اجماع تھا محض زبردستی اور بغیر دلیل کی منطق ہے اس لئے کہ آپ کے پاس سوا اس حدیث کے اور کچھ نہیں ہے فرمایئے جس حدیث پہ آپ کا سارا دار و مدار ہے اُس میں صاحبانِ عقل اور بزرگانِ صحابہ کی بات کہاں سے نکلتی ہے؟ آپ اپنی منشا کے مطابق حدیث کے ایسے معنی کرتے ہیں کہ عقلمند اور اہل علم حیران رہ جاتے ہیں۔

حالانکہ میں عرض کر چکا کہ اُمّتی میں یائے نسبت عمومیت کا پتہ دیتی ہے نہ کہ چند نفر صحابہ کا چاہے وہ عاقل و فاضل ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیا جائے کہ آپ کا فرمانا (کہ عقلاء و کبار اصحاب کا اجماع مراد ہے) درست ہے تو کیا صاحبان عقل اور بزرگان صحابہ صرف وہی گنے چنے افراد تھے جنہوں نے سقیفہ کے مختصر سے چھپتے میں ابوبکر و عمر اور ابو عبیدہ جراح (دو گورکن) کی پیشوائی کے لئے رائے دی اور بیعت کی۔

آیا مسلمانوں کے دوسرے شہروں میں صاحبان عقل اور بزرگان صحابہ نہیں رہتے تھے؟ آیا قوم کے سارے عقلمند اور کبار اصحاب وفات رسولؐ کے وقت مدینے کے اندر اور وہ بھی ایک چھوٹے سے چھپتے میں جمع تھے اور سب نے مل کر اس امر پر اجماع کیا تھا تاکہ آج کی شب وہ آپ کے لئے دلیل بنے؟

حافظ: چونکہ خلافت کا معاملہ اہم تھا اور ممکن تھا کہ کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو لہٰذا اس کا موقع نہیں تھا کہ دیگر مقامات کے مسلمانوں کو اطلاع کی جائے۔ چنانچہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے جس وقت یہ سنا کہ کچھ انصار وہاں جمع ہیں تو فوراً خود بھی پہنچے اور بات چیت کی۔ عمر چونکہ ایک سیاست دان انسان تھے لہٰذا انہوں نے اُمّت کی بھلائی اسی میں دیکھی کہ ابوبکر کی بیعت کر لیں چند اور اشخاص نے بھی ان کی پیروی میں بیعت کی لیکن انصار کی ایک جماعت اور قبیلہ خزرج نے سعد بن عبادہ کا ساتھ دیتے ہوئے بیعت نہیں کی اور سقیفے سے چلے گئے۔ یہ تھا جلدی کرنے کا سبب۔

خیر طلب: تو جیسا کہ آپ کے سارے مورخین اور اکابر علماء تصدیق کر چکے ہیں آپ نے بھی تصدیق کر دی کہ سقیفے کی بنیادی کارروائی میں کوئی اجماع واقع نہیں ہوا۔ ابوبکر نے سیاسی مصلحت سے عمر اور ابو عبیدہ جراح کو پیش کیا، اور ان لوگوں نے بھی پیش کش کو پلٹاتے ہوئے کہا کہ آپ سب سے زیادہ لائق اور اولیٰ ہیں، از روئے سیاست فوراً بیعت کر لی اور قبیلۂ اوس کے کچھ لوگوں نے بھی جو وہاں موجود تھے خزرج والوں سے اپنی سابقہ عداوت کے

پیش نظر بیعت کر لی تاکہ ایسا نہ ہو یہ لوگ آگے بڑھ جائیں اور سعد بن عبادہ امیر ہو جائیں۔ یہاں تک، کہ اس میں بعد کو رفتہ رفتہ توسیع ہوتی گئی حالانکہ اجماع کی دلیل اگر مضبوط چیز تھی تو اتنا توقف کرنا چاہیے تھا کہ ساری اُمت (یا بقول آپ کے عقلمند گروہ) جمع ہو جائے اور مجمع عام کے اندر استصواب رائے کر لیا جائے تاکہ صحیح طور پر اجماع صادق آجائے۔

حافظ: میں نے عرض کیا کہ فتنے اُٹھ رہے تھے۔ اوس و خزرج دو قبیلے سقیفے میں جمع تھے اور آپس میں نزاع کر رہے تھے۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی امارت و حکومت کا تقرر اپنی طرف سے کرے بدیہی بات ہے کہ ایک ادنیٰ سی غفلت بھی انصار کے حق میں مفید ثابت ہوتی اور مہاجرین کا کوئی قابو نہ رہتا، اسی وجہ سے مجبور تھے کہ کام میں جلدی کریں۔

خیر طلب: ہم بھی چشم پوشی کرتے ہوئے آپ کی بات تسلیم کیے لیتے ہیں اور آپ ہی کے قول سے سند لیتے ہیں نیز جیسا کہ آپ کے مورخین مثلاً محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ جلد دوم ص۴۵۷ میں اور دوسروں نے لکھا ہے کہ مسلمان سقیفے میں امر خلافت پر رائے زنی کرنے جمع نہیں ہوئے تھے بلکہ اوس و خزرج کے دو قبیلے چاہتے تھے کہ اپنے لیے امیر معین کریں۔ ابوبکر و عمر نے بھی اپنے کو اس صف آرائی میں پہنچایا اور اس اختلاف سے خود فائدہ اٹھا لیا۔ اگر واقعی امر خلافت میں صلاح و مشورہ کرتے اکٹھا ہوئے ہوتے تو پہلے جملہ مسلمانوں کو ضرور خبر دیتے کہ رائے دینے کے لیے حاضر ہوں۔

بازیگروں سے اُسامہ کی گفتگو

چنانچہ جیسا آپ نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں کو خبر دینے کا موقع نہیں تھا اور وقت گزرا جا رہا تھا۔ ہم بھی آپ کے ہم آواز ہو کر کہتے ہیں کہ مکہ، یمن، طائف اور دوسری مسلمان آبادیوں تک دسترس نہیں تھا مگر کیا اُسامہ بن زید کے لشکر تک بھی رسائی ممکن نہ تھی جو مدینے کے باہر ہی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ اُن بزرگ اصحاب کو بُلا کر مشورہ لے لیتے جو اُس فوج میں شامل تھے اور جن میں سے ایک نمایاں فرد مسلمانوں کے امیر لشکر اُسامہ بن زید بھی تھے جن کو خود رسول اللہؐ نے افسری عطا فرمائی تھی اور ابوبکر و عمر بھی ان کے ماتحت تھے۔ جس وقت اُسامہ نے سُنا کہ ایک سازش کے ذریعے تین آدمیوں کے ہاتھوں خلیفہ سازی ہوئی ہے اور ان لوگوں نے بغیر کسی مشورے اور اطلاع کے ایک شخص کی بیعت کر لی ہے تو سوار ہو کر مسجد رسولؐ میں آئے اور بقول تمام مورخین کے ایک نعرہ مارا کہ تم لوگوں نے یہ کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے؟ کس کی اجازت سے خلیفہ گھڑ لیا ہے؟ تم چند نفر کیا حیثیت رکھتے تھے کہ مسلمانوں اور بزرگان صحابہ کے مشورے اور اجماع سے خلیفہ مقرر کر لیا؟ عمر نے لیپ پوت کرتے ہوئے کہا اُسامہ کام ختم ہو چکا اور بیعت واقع ہو چکی، اب پھوٹ نہ پیدا کرو بلکہ تم بھی بیعت کر لو۔ اُسامہ کو تاؤ آگیا،

انہوں نے کہا کہ پیغمبرؐ نے مجھ کو تمہارا سردار بنایا تھا اور امارت سے معزول بھی نہیں کیا تھا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تم لوگوں پر رسولِ خدا کا منتخب فرمایا ہوا امیر اپنے ماتحتوں اور محکوموں کی بیعت کرے۔ اس کے علاوہ اور بہت کچھ بات چیت ہوئی لیکن نمونۃً اسی قدر کافی ہے۔ اگر آپ کہیے کہ اسامہ کا لشکر بھی شہر سے کچھ فاصلے پر تھا اور وقت نکلا جا رہا تھا تو حضرات کیا سقیفے سے مسجد اور خانۂ پیغمبرؐ بھی بہت دور تھا؟ آخر علی علیہ السلام کو جو باتفاق فریقین مسلمانوں کے اندر ایک بڑی شخصیت کے مالک تھے، عم رسولؐ عباس کو تمام بنی ہاشم اور عترت پیغمبرؐ کو جن کے لئے آں حضرتؐ نے وصیتیں فرمائی تھیں اور جو عدیل قرآن تھے اور کبار صحابہ کو جو وہاں موجود تھے کیوں مطلع نہیں کیا تاکہ ان کی رائے سے فائدہ اٹھایا جائے؟

حافظ: میرا خیال ہے کہ صورت حال ایسی خطرناک تھی کہ غفلت اور سقیفہ سے باہر آنے کا موقع نہیں تھا۔

خیر طلب: آپ زیادتی کر رہے ہیں، موقع تھا لیکن انہوں نے جان بوجھ کر علی علیہ السلام، بنی ہاشم اور کبار صحابہ کو جو خانۂ رسولؐ میں جمع تھے اطلاع کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

حافظ: اُن کے عمداً ایسا کرنے پر آپ کی دلیل کیا ہے؟

خیر طلب: سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خلیفہ عمر رسول اللہؐ کے دروازے تک آئے تھے لیکن اندر داخل نہیں ہوئے تاکہ اُس گھر میں مجتمع علی علیہ السلام، بنی ہاشم اور اصحاب کبار کو خبر نہ ہونے پائے۔

حافظ: یہ بات تو قطعاً رافضیوں کی گھڑی ہوئی ہے۔

خیر طلب: پھر آپ نے بے تکلفی کی بات کی۔ یہ بات کسی کی گھڑی ہوئی نہیں ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ اسے تیسری صدی کے بڑے عالم محمد بن جریر طبری کی مشہور تاریخ جلد دوم ص۴۵۶ کا مطالعہ فرمائیے۔

وہ لکھتے ہیں کہ عمر خانۂ رسولؐ کے در تک آئے لیکن اندر نہیں گئے بلکہ ابوبکر کو پیغام بھیجا کہ جلدی آؤ بہت ضروری کام ہے۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ اس وقت مجھ کو فرصت نہیں ہے۔ انہوں نے پھر کہلایا کہ ایک خاص کام درپیش ہے جس میں تمہاری موجودگی ضروری ہے۔ ابوبکر باہر آئے تو خفیہ طور سے اُن کو سقیفے میں انصار کے جمع ہونے کا معاملہ بتایا اور کہا کہ ہم کو فوراً وہاں پہنچ جانا چاہیئے۔ یہ دونوں چلے اور راستے میں ابوعبیدہ (گورکن) کو بھی ساتھ لے لیا۔ تاکہ تین آدمی مل کر اجماع اُمت کی تشکیل کریں اور آج آپ اسی کا سہارا لیں۔" خدا کے لئے انصاف کیجئے کہ اگر کوئی سازش اور قرارداد کام نہیں کر رہی تھی تو عمر خانۂ پیغمبرؐ تک جا کر اندر کیوں نہیں گئے تاکہ صورت واقعہ کو تمام بنی ہاشم اور کبار صحابہ کے گوش گزار کر کے سب سے مدد طلب کریں؟ کیا ساری اُمت رسولؐ میں صرف ایک ابوبکر ہی عقل کل رہ گئے تھے اور دوسرے صحابہ اور عترت رسول سب بیگانہ تھے جن کو اس حادثے کی خبر ہی نہ ہونا چاہئے تھا۔

چشم باز و گوش باز و ایں عمی حیرتم از چشم بندی خدا

آیا آپ کا یہ خود ساختہ اجماع جیسا کہ آپ کے تمام مورخین نے لکھا ہے فقط تین آدمیوں (ابوبکر، عمر

اور ابو عبیدہ جراح (دگو رکن) کے ہاتھوں پر قائم ہو گیا؟ آیا دنیا کے کس خطے میں یہ عقیدہ قابل قبول ہے کہ اگر تین شخص یا کوئی جمعیۃ کسی شہر یا دار السلطنت میں اکٹھا ہو اور فرض کیا جائے کہ اس شہر کے باشندے کسی شخص کی ریاست وحکومت یا خلافت پر اجماع بھی کر لیں تو دوسرے مقامات کے صاحبان عقل و علم اور دانشمندوں پر ان کی پیروی واجب ہو جائے؟ یا ایسے چند عقلمندوں کی رائے جن کو دوسروں نے منتخب نہ کیا ہو باقی عقلمندوں کے لئے واجب العمل بن جائے؟ آیا یہ جائز ہے کہ ایک گروہ کی ہنگامہ سازی اور دھمکی کے مقابلے میں پوری قوم کے خیالات کا گلا گھونٹ دیا جائے؟ حضرات انصاف کیجئے! اگر ایک جماعت والے حق بات کہنا چاہیں اور علمی مباحثں اور عملی تنقیدوں کی روشنی میں بتائیں کہ یہ خود ساختہ خلافت واجماع کسی دینی یا دنیاوی قانون کے مطابق صحیح نہیں ہے تو ان کو رافضی، مشرک اور نجس کہا جائے، ان کا قتل واجب سمجھا جائے اور کوئی ایسی تہمت باقی نہ رہے جو ان پر تھوپ دی جائے؟

آپ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے خلافت کا معاملہ امت پر (یا بقول آپ کے عقلائے امت پر) چھوڑ دیا۔ خدا کے لئے انصاف سے کہئے گا کہ امت اور عقلائے امت کیا فقط تین ہی آدمی تھے (ابو بکر و عمر اور ابو عبیدہ جراح گورکن) جنہوں نے آپس میں سمجھوتہ کر کے دو نے ایک کو مان لیا تو سارے مسلمانوں پر فرض ہو گیا کہ انہیں کے راستے پر چلیں! اور اگر کچھ لوگ یہ کہہ دیں کہ یہ تینوں اشخاص بھی باقی امت اور صحابہ کے مانند تھے لہذا سارے اصحاب سے صلاح و مشورہ کیوں نہیں کیا؟ تو وہ کافر، مردود اور گردن زدنی قرار پائیں؟

باتفاق فریقین اجماع کا واقع نہ ہونا

حضرات اگر آپ تعصب کا جامہ اتار کر تھوڑا غور کیجئے تو بخوبی واضح ہو جائے گا کہ اقلیت و اکثریت اور اجماع کے درمیان بڑا فرق ہے۔ اگر کسی خاص مقصد کے لئے بزم مشاورت منعقد کی جائے اور تھوڑے لوگ کوئی رائے دیں تو کہا جائے گا کہ جلسے کی اقلیت نے یہ رائے دی، اگر زیادہ مجمع رائے دے تو اکثریت کی رائے کہی جائے گی اور اگر سب کے سب باتفاق رائے کوئی بات کہیں تو کہا جائے گا کہ اجماع واقع ہوا یعنی ایک فرد بھی مخالف نہیں تھی۔ اب برائے خدا یہ بتائیے کہ کیا سقیفہ میں اور اس کے بعد مسجد میں پھر شہر مدینہ میں لوگوں نے خلافت ابوبکر کے لئے ایسی اجماعی رائے دی اگر آپ کے حسب خواہش ہم جبراً ساری امت سے حق رائے دہندگی چھین لیں اور آپ کی آواز میں آواز ملاکر کہنے لگیں کہ اجماع سے صرف مرکز اسلامی یعنی مدینہ منورہ کے عقلاء اور کبار صحابہ ہی کو مراد لینا کافی ہے تب بھی آپ کو خدا کی قسم سچ بتائیے کہ آیا ایسا اجماع واقع ہوا جس میں مدینے کے تمام عقلاء اور کبار صحابہ نے بالاتفاق خلافت ابوبکر کے لئے رائے دی ہو؟ آیا اس تھوڑی سی جماعت نے بھی متفقہ رائے دی تھی جو سقیفے میں حاضر تھی؟ قطعاً

جواب نفی میں ہوگا ۔ چنانچہ صاحب مواقف نے خود اعتراف کیا ہے کہ خلافت ابوبکر میں کوئی اجماع واقع نہیں ہوا یہاں تک کہ خود مدینے کے اندر اور اہل حل وعقد میں بھی، اس لئے کہ سعد بن عبادہ انصاری اُن کی اولاد، خاص خاص صحابہ، تمام بنی ہاشم، اُن کے دوست اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام چھ ماہ تک مخالفت کرتے رہے اور بیعت نہیں کی۔

دراصل جب ہم حق و انصاف کے رو سے تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ خود مدینۂ منورہ میں بھی جو نبوت اور حکومت اسلامی کا مرکز تھا ایسا اجماع واقع نہیں ہوا جس میں وہاں پہ موجود صاحبانِ عقل اور صحابہ نے خلافتِ ابوبکر کی متحدہ تائید کی ہو۔

چنانچہ خود آپ کے اکثر ثقہ راویوں اور بڑے بڑے مورخوں نے جیسے امام فخرالدین رازی، جلال الدین سیوطی ابن ابی الحدید معتزلی، طبری، بخاری اور مسلم وغیرہ نے مختلف عبارتوں کے ساتھ بتایا ہے اور نقل کیا ہے کہ خود مدینے میں پورا اجماع منعقد نہیں ہوا۔

علاوہ اس کے کہ تمام بنی ہاشم رسول اللہ کے اہل بیت جو عدیل قرآن تھے اور دوسرے اہل خاندان جن کی رائے اچھی خاصی اہمیت رکھتی تھی اور بنی اُمیہ بلکہ عام اصحاب بھی سوا تین نفر کے سقیفہ میں خلافت پہ رائے دینے کے لئے حاضر نہ تھے۔ بلکہ سُننے کے بعد انہوں نے اس پہ پورا اعتراض بھی کیا۔ یہاں تک کہ مہاجرین و انصار میں سے جن بزرگ اصحاب نے بیعت سقیفہ کو غلط بتایا تھا اُن میں سے چند مقتدر حضرات نے مسجد میں جاکر ابوبکر سے احتجاجات بھی کئے جیسے مہاجرین میں سے سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود کندی، عمار یاسر، بریدۂ اسلمی اور خالد بن سعید بن عاص اموی۔ اور انصار میں سے ابو الہیثم بن التیہان خذیمہ بن ثابت ذوالشہادتین جن کو رسول اکرمؐ نے ذوالشہادتین لقب دیا تھا، ابوایوب انصاری، ابی بن کعب، سہل بن حنیف اور عثمان بن حنیف۔ ان میں سے ہر ایک نے مسجد کے اندر کافی اور شافی دلائل و براہین پیش کئے جن کی تفصیل بیان کرنے کا وقت نہیں ہے۔ صرف حاضرین اور سامعین کی بصیرت افروزی اور اتمام حجت کے لئے یہ مختصر خاکہ پیش کر دیا تاکہ واضح ہو جائے کہ اجماع مکمل طور پہ باطل اور بے بنیاد ہے کیونکہ خود مدینے میں بھی اجماع واقع نہیں ہوا بلکہ مدینے کے عقلا اور اکابر اصحاب کا اجماع بھی صریحی جھوٹ ہے کچھ مخالفین خلافت کے نام آپ کی معتبر کتابوں سے عرض کرتا ہوں۔

کبار صحابہ کی بیعت ابوبکرؓ سے علیحدگی

ابن حجر عسقلانی اور بلاذری تاریخ میں، محمد خاوند شاہ روضۃ الصفا میں، ابن عبدالبر استیعاب میں، اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہ، قبیلہ خزرج اور قریش کے ایک گروہ نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی نیز اٹھارہ

نفر بزرگانِ صحابہ نے بیعت نہیں کی اور رافضی ہو گئے ۔ یہ لوگ علیؑ ابن ابی طالب کے شیعہ تھے ۔

ان اٹھارہ اصحاب کے نام یہ تھے (۱) سلمان فارسی (۲) ابوذر غفاری (۳) مقداد بن اسود کندی (۴) عمار یاسر (۵) خالد بن سعید بن العاص (۶) بریدۃ الاسلمی (۷) ابی بن کعب (۸) خذیمہ بن ثابت ذوالشہادتین (۹) ابوالہثیم بن التیہان (۱۰) سہل بن حنیف (۱۱) عثمان بن حنیف ذوالشہادتین (۱۲) ابوایوب انصاری (۱۳) جابر بن عبداللہ انصاری (۱۴) حذیفہ بن الیمان (۱۵) سعد بن عبادہ (۱۶) قیس بن سعد (۱۷) عبداللہ بن عباس (۱۸) زید بن ارقم ۔

یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ لقد تخلف عن بیعۃ ابی بکر قوم من المهاجرین والانصار ومالوا مع علی ابن ابی طالب ۔ منهم العباس بن عبدالمطلب والفضل بن العباس والزبیر بن العوام بن العاص وخالد بن سعید والمقداد بن عمرو وسلمان الفارسی والیوذر الغفاری وعمار بن یاسر والبراء بن عازب وابی بن کعب (یعنی مہاجرین وانصار کی ایک جماعت نے بیعت ابوبکر سے اختلاف اور علیحدگی اختیار کی اور علیؑ ابن ابی طالب کی طرف مائل ہوئی من جملہ اُن کے عباس ابن عبدالمطلب، فضل بن عباس زبیر بن العوام بن العاص، خالد بن سعید، مقداد بن عمر، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار بن یاسر، براء بن عازب اور ابی بن کعب بھی تھے) ۔

تو کیا یہ افرادِ قوم کے صاحبانِ عقل، اکابر اصحاب اور رسولؐ اللہ کے ہمدم و ہمراز نہیں تھے؟ کیا علی علیہ السلام، عباس عم پیغمبرؐ اور دوسرے بزرگانِ بنی ہاشم عقلائے قوم نہ تھے؟ خدا کے لئے ذرا انصاف سے بتائیے یہ کیسا اجماع تھا، جو بغیر ان حضرات کی موجودگی، مشورے رضامندی اور تصدیق کے قائم ہو گیا! اس مجمع کے درمیان سے رازدارانہ طور پر صرف تنہا ابوبکر کو بلا کر لے جائیں اور دوسرے کبار صحابہ کو نہ کوئی اطلاع دیں نہ اُن سے صلاح و مشورہ لیں تو آیا اس سے اجماع کے معنی پیدا ہوتے ہیں یا یہ مطلب نکلتا ہے کہ ایک سیاسی سازش کام کر رہی تھی؟

پس علاوہ اس کے کہ تعیین خلافت کے موقع پر تمام اُمت کا اجماع منعقد نہیں ہوا تمام اہل مدینہ کا اجماع ہو سکا بلکہ سعد بن عبادہ اور ان کے ہمراہیوں کے نکل جانے سے اہل سقیفہ کے اس چھوٹے موٹے گروہ میں بھی اجماع نہیں ہو سکا البتہ یہ وہ پہلا کھیل تماشا تھا جو عالم اسلامی نے انسانی تاریخ کو امانت دیا ۔

حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ

ان سب سے قطع نظر بنی ہاشم اور عترت واہلبیت رسولؐ بھی جن کا اجماع یقیناً حجت تھا باعتبار حدیث مسلم بین الفریقین جن کو میں گذشتہ شبوں میں معتبر اسناد کے ساتھ عرض کر چکا ہوں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا انی تارک

فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی ان تمسکتم بھما فقد نجوتم (وفی نسخۃ) لن تضلوا بعدھا ابدا (یعنی میں تمہارے درمیان دو بزرگ چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور میری عترت و اہل بیت اگر ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو یقیناً نجات پاؤ گے (اور ایک نسخے میں ہے) ہرگز گمراہ نہ ہو گے (دیکھئے اس کتاب کا صفحہ ۔۔۔) نہ سقیفے میں موجود تھے نہ خلافت ابوبکر کی حمایت کی (یعنی ان کو اطلاع ہی نہیں دی گئی کہ وہاں اکٹھا ہوں تاکہ اجماع صادق آسکے)۔

دوسری مشہور حدیث جو حدیث سفینہ کے نام سے موسوم ہے اور پچھلی راتوں میں مع اسناد کے ذکر کی جاچکی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من توسل بھم نجی ومن تخلف عنھم ھلک (یعنی میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتئ نوح کے مانند ہے جو شخص ان سے متوسل رہے گا وہ نجات پائے گا اور جو شخص ان سے روگردانی کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا) ثابت کرتی ہے کہ جس طرح طوفان اور بلاؤں میں امت نوح کی نجات سفینے کے ذریعے سے تھی اس امت کو بھی حوادث اور آفات میں اہل بیت رسولؐ کے دامن سے متمسک رہنا چاہیئے تاکہ نجات حاصل ہو۔ اسی طرح جو ان سے دور اور الگ رہے گا ہلاک ہو گا۔

نیز ابن حجر صواعق محرقہ ذیل آیۂ چہارم ص۹۰ میں ابن سعد سے دو حدیثیں اہل بیت رسالت اور عترت پاکؐ سے وابستہ رہنے کے وجوب میں نقل کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ پیغمبرؐ نے فرمایا انا و اھل بیتی شجرۃ فی الجنۃ و اغصانھا فی الدنیا فمن شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا فلیتمسک بھا (یعنی میں اور میرے اہل بیت جنت کے ایک درخت ہیں جس کی شاخیں دنیا میں ہیں۔ پس جو شخص خدا کی طرف راستہ چاہتا ہو اس کو اس سے تمسک ضروری ہے)

دوسری حدیث یہ کہ فرمایا فی کل خلف من امتی عدول من اھلبیتی ینفون عن ھذا الدین تحریف الضالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین الا و ان ائمتکم وفد اکم الی اللہ فانظروا من توفدوا (یعنی میری امت کے لئے ہر دور میں میرے اہل بیت میں سے کچھ عادل افراد ہیں جو اس دین سے گمراہوں کی تحریف باطل پرستوں کے دعوے اور جاہلوں کی تاویل کو دور کرتے رہتے ہیں۔ آگاہ ہو کہ یقیناً تمہارے آئمہ اللہ کی طرف تمہارے سفیر ہیں پس یہ دیکھو کہ سفارت کس کے سپرد کرتے ہو۔

غرضیکہ تمام وہ اشخاص جن کی موجودگی اجماع و بیعت اور تعیین خلیفہ میں اثر انداز ہوتی بیعت کے مخالف تھے پس یہ کیسا اجماع تھا کہ صحابہ کبار، دانشمندان قوم اور عترت و اہل بیت رسالتؐ مدینے میں ہوتے ہوئے اس میں شریک نہ تھے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اجماع کیسا اکثریت بھی نہیں پیدا ہوئی۔ چنانچہ ابن عبدالبر قرطبی جو آپ کے بڑے عالم ہیں، استیعاب میں، ابن حجر اصابہ میں اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہ تے جو خلافت کے دعویدار

تھے قطعاً ابوبکر اور عمر کی بیعت نہیں کی اور وہ بھی اس لئے ان سے متعرض نہیں ہوئے کہ ان کا قبیلہ اچھا خاصا ہے کہیں کوئی فساد نہ اٹھ کھڑا ہو۔ سعد اسی اختلاف کی وجہ سے شام چلے گئے اور بروایت روضۃ الصفا ایک بزرگ شخصیت کی تحریک سے (جس سے باخبر ہستیاں واقف ہیں کہ کون شخص تھا جس کا حکم نافذ تھا) رات کے وقت تیر مار کر ہلاک کرا دیئے گئے اور کہا گیا کہ جنات نے مار ڈالا (لیکن مورخین روایت کرتے ہیں کہ تیر مارنے والے خالد ابن ولید تھے جو مالک ابن نویرہ کو قتل کرنے اور ان کی زوجہ پر تصرف کرنے کے بعد شروع خلافت ابوبکر سے خلیفہ ثانی عمر کے غیظ و غضب کی زد میں تھے چنانچہ عمر کے زمانہ خلافت میں انہوں نے چاہا کہ خلیفہ کی نظر میں اپنا وقار قائم کریں اور یہی کیا کہ رات کو انہیں تیر سے مار ڈالا اور مشہور یہ ہوا کہ جنات نے مارا) اب آپ حضرات خدا کے لئے اپنی عادت اور تعصب کو الگ رکھ کے تھوڑا غور کیجئے کہ یہ کیسا اجماع تھا جس میں علی ابن ابی طالب علیہ السلام، عباس عم رسول ، ابن عباس تمام بنی ہاشم، عترت و اہل بیت پیغمبر ، بنی امیہ اور انصار داخل نہیں تھے۔

حافظ: چونکہ فساد کا احتمال تھا اور ساری امت تک پہنچ نہیں تھی لہذا مجبوراً جلد بازی میں انہیں چند حاضرین سقیفہ پر اکتفا کر کے بیعت لے لی، بعد کو امت نے بھی مان لیا۔

خیر طلب: مدینے سے باہر کی نمایاں شخصیتوں، بزرگان صحابہ اور دانشمندانِ قوم تک رسائی نہیں تھی لیکن خدا کے لئے انصاف کیجئے کہ اگر کوئی چال نہیں چلی جا رہی تھی تو بزم شوریٰ میں حاضرینِ مدینہ کو کیوں نہیں بلایا؟ آیا رسولِ خدا کے عم محترم (شیخ القبیلہ) عباس، آں حضرت کے داماد علی ابن ابی طالب، بنی ہاشم اور مدینے کے اندر موجود کبار صحابہ کی رائے لینا ضروری نہیں تھا؟ فقط عمر اور ابو عبیدہ جراح کی رائے ساری دنیائے اسلام کے لئے کافی تھی؟ فاعتبروا اولی الابصار!!!

پس آپ کی دلیل اجماع عمومی حیثیت سے نیز خصوصی طور پر کیونکہ مہاجرین و انصار میں سے عقلاء و کبار صحابہ نے اس میں شرکت نہیں کی۔ بلکہ مخالفت بھی کی بالکل مہمل و باطل اور صاحبانِ عقل کے نزدیک درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

چونکہ جیسا عرض کر چکا ہوں اجماع اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس سے اختلاف نہ کرے اور آپ کے اس خود ساختہ اجماع میں عام طور پر آپ کے علماء و مورخین کے اقرار اور آپ کی تصدیق کے مطابق ارباب علم و عقل نے رائے دینے میں عمومی شرکت نہیں کی۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی نہایت الاصول میں صاف صاف کہتے ہیں کہ خلافت ابوبکر و عمر میں ہرگز اجماع واقع نہیں ہوا یہاں تک کہ سعد بن عبادہ کے قتل ہو جانے کے بعد اجماع منعقد ہوا لہذا سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے معدوم اور فرضی اجماع کو آپ نے حقانیت کی دلیل کیونکر بنا لیا۔

وقت کا لحاظ کرتے ہوئے اس مختصر بیان کے ساتھ آپ کی پہلی دلیل کا جواب دیا گیا۔

اس کی تردید کہ ابوبکرؓ سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے خلیفہ ہوئے

رہی آپ کی دوسری دلیل کہ ابوبکر چونکہ امیرالمومنین علیہ السلام سے عمر میں زیادہ تھے لہذا ان کا حق مقدم تھا تو یہ خلافت کے معاملے میں انتہائی مردود اور پہلی دلیل سے بھی زیادہ مہمل، بے معنی اور مضحکہ خیز ہے۔

اس لئے کہ اگر خلافت میں سن کی شرط تھی تو ابوبکر و عمر سے زیادہ بوڑھے بہت لوگ تھے اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ابوبکر کے باپ ابو قحافہ اپنے بیٹے سے بڑے تھے اور اس وقت زندہ بھی تھے، اُن کو کس لئے خلیفہ نہیں بنایا؟۔

حافظ: ابوبکر کا بڑھاپا لیاقت کے ساتھ تھا۔ جب کسی قوم کے اندر ایک جہاں دیدہ اور محبوب رسول اللہ بزرگ ہو تو کسی ناتجربہ کار جوان کو سردار نہیں بنایا کرتے۔

بوڑھے اصحاب کی موجودگی میں پیغمبرؐ جوان علیؑ کو ترجیح دیتے تھے

خیر طلب: اگر جیسا آپ کہہ رہے ہیں صحیح ہے ایسا ہی ہو کہ آزمودہ کار بوڑھے کی موجودگی میں کسی جوان کو کام پر اور وہ بھی خدا کے کام پر مقرر نہ کرنا چاہیئے تو یہ اعتراض سب سے پہلے رسولؐ خدا پر وارد ہوتا ہے کیوں کہ جس وقت آنحضرت غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو منافقین نے خفیہ طور پر یہ طے کیا کہ آں حضرتؐ کی عدم موجودگی میں مدینے کے اندر ایک انقلاب برپا کر دیں گے۔ لہذا مدینے کا انتظام سنبھالنے کے لئے ایک تجربہ کار انسان کی ضرورت تھی جو آں حضرتؐ کی جگہ پر یہاں ٹھہرے، ہمت اور حسن تدبیر کے ساتھ حالات کو قابو میں رکھے اور منافقین کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر دے آپ حضرات سے میری درخواست ہے کہ فرمائیے پیغمبرؐ نے مدینے میں کس شخص کو اپنی خلافت اور جانشینی سپرد فرمائی؟

حافظ: مسلّم ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا خلیفہ اور قائم مقام بنایا تھا۔

خیر طلب: تو کیا ابوبکر و عمر اور دوسرے بوڑھے اصحاب مدینے میں نہیں تھے کہ رسول اکرمؐ نے امیرالمومنین علیہ السلام جیسے جوان کو باقاعدہ اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا اور صاف صاف فرمایا انت خلیفتی فی اھلبیتی و دار ھجرتی (یعنی تم میرے خلیفہ ہو میرے اہل بیتؑ میں اور میرے مقام ہجرت یعنی مدینے میں۔)

بہتر ہوگا کہ آپ حضرات ذرا سوچ سمجھ کے دلیلیں قائم کیا کریں تاکہ جواب کے موقع پر لاجواب نہ رہ جائیں

پس ابوبکر و عمر وغیرہ کے ایسے بوڑھے صحابہ کے سامنے علی علیہ السلام کو عین شباب میں خلیفہ مقرر کرنے سے آنحضرتؐ کا ایک خاص مقصد یہ بھی تھا کہ آج آپ کے لئے ایک عملی جواب مہیا ہو جائے اور آپ یہ نہ کہیں کہ جہاندیدہ بوڑھے کے سامنے جوان کو ذمہ دار نہ بنانا چاہیئے۔ رسولؐ خدا کا عمل اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ تعیین خلافت اور تبلیغ رسالت میں پیری اور جوانی کو کوئی دخل نہیں ہے۔

اگر سال خوردہ بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوعمر جوان کا تقرر نہ ہونا چاہیئے تو اہل مکہ پر سورۂ برائت کی ابتدائی آیتیں پڑھنے کے لئے جب کہ ایسے موقع پر قطعاً ایک پیر کہن سال اور ہوشیار و جہاندیدہ بزرگ کی ضرورت تھی جو خوش اسلوبی اور سیاست کے ساتھ اس فریضے کو ادا کرے۔ رسولؐ اکرم نے کس لئے بوڑھے ابوبکر کو راستے سے واپس بلا لیا اور جوان علیؑ کو اس اہم کام پر مامور کر دیا کہ خدا فرماتا ہے میری رسالت کو یا تم پہنچا سکتے ہو یا تمہیں جیسا کوئی مرد؟

اسی طرح اہل یمن کی ہدایت کرنے کے لئے ابوبکر و عمر وغیرہ کے ایسے سن رسیدہ بزرگوں کے وجود سے کیوں فائدہ نہیں اٹھایا اور امیرالمومنین علیہ السلام کو یمن والوں کی ہدایت پر مامور فرما دیا۔

اس قسم کے مواقع بہت ہیں جب کہ ابوبکر و عمر جیسے شیوخ قوم کی موجودگی میں آں حضرتؐ نے علیؑ جیسے جوان کو منتخب فرمایا اور بڑے بڑے کام ان کے سپرد فرمائے۔ پس معلوم ہوا کہ آپ کی یہ بڑھاپے والی شرط انتہائی پھس پھسی اور فضول و مہمل ہے۔ نبوت و ولایت اور خلافت کے شرائط میں بوڑھا ہونا ہرگز نہیں ہے بلکہ خلافت کی اصلی شرط نبوت کے مانند مکمل جامعیت ہے جو خداوند عالم کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہو اور جو فرد بھی جملہ صفات عالیہ کی جامع ہو چاہے وہ کوئی بوڑھا شخص ہو یا جوان، خدائے تعالے اسی کو منصب خلافت کے لئے چنتا ہے اور نبی و رسول کے ذریعے لوگوں میں اعلان فرماتا ہے اور لوگوں پر واجب ہے کہ خدا و رسول کی طرح اسکی بھی اطاعت کریں۔

ایک اور بڑی دلیل مجھ کو یاد آ گئی جس کو ان لوگوں کی خلافت کے رد میں بہت بڑا ثبوت سمجھنا چاہیئے اور وہ یہ کہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کی طرف سے اس مصنوعی اجماع کی مخالفت ہوئی ہے۔

علیؑ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں

اس لئے کہ ارشاد رسولؐ کے مطابق علی علیہ السّلام کی ذات حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی تھی، چنانچہ آپ کے بڑے بڑے علماء نے اس بارے میں بہت سی روایتیں نقل کی ہیں۔

من جملہ اُن کے شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۱۶ میں کتاب السبعین فی فضائل امیرالمومنین سے، امام الحرم ابوجعفر احمد بن عبداللہ شافعی نے ستر حدیثوں میں سے بارہویں حدیث کو فردوس دیلمی سے، امیر سید علی ہمدانی شافعی نے مودۃ القربیٰ مودت ششم میں، حافظ نے امالی میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۴۴ میں بسند ابن عباس و ابی لیلیٰ غفاری و ابوذر غفاری الفاظ و عبارات کے مختصر فرق اور کمی و بیشی کے ساتھ حضرت رسولِ خدا صلعم سے یہ حدیث نقل کی ہے جس کا آخری جملہ ہر جگہ ایک ہے کہ فرمایا ستکون من بعدی فتنۃ فاذا کان ذالک فالزموا علی بن ابی طالب انہ اول من یرانی و اول من یصافحنی یوم القیمۃ و ھو معی فی السماء العلیا و ھو الفاروق بین الحق و الباطل (یعنی عنقریب میرے بعد ایک فتنہ برپا ہوگا پس جب ایسا ہو تو تم لوگ لازمی طور پر علیؑ ابن ابی طالب کے ساتھ رہنا کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جو قیامت کے روز مجھ کو دیکھیں گے اور سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کریں گے، وہ بلند منزلوں میں میرے ساتھ اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں)۔

پس اُصولاً وفات رسول صلعم کے بعد ایسی صورت حال اور فتنۂ عظیم جب مہاجرین و انصار آپس میں دست و گریبان تھے اور ہر فریق یہ چاہتا تھا کہ خلیفہ ہم میں سے ہو (گویا ہر ایک بہتے دریا سے ہاتھ دھونا چاہتا تھا) آنحضرت صلعم کے حکم و ہدایت کے مطابق اُمت والوں کا فرض تھا کہ علی علیہ السلام کو لاتے اور ان کا دامن پکڑتے کہ حق کو باطل سے جُدا کریں۔ اور یقیناً ارشاد پیغمبر صلعم کے مطابق جس طرف علی علیہ السلام ہوتے اُدھر حق ہوتا اور دوسری طرف باطل۔

حافظ: یہ حدیث جو آپ نے نقل کی ہے خبر واحد ہے اور خبر واحد قابل اعتماد نہیں تھی کہ اُس پر عملدرآمد ہوتا۔

خیرطلب: بہت تعجب ہے کہ آپ اتنی جلدی بھول جاتے ہیں یا عمداً بھلا دیتے ہیں۔ خبر واحد کا جواب شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ علمائے اہل سنت خبر واحد کو حجت مانتے ہیں لہذا اس بنا پر آپ اس روایت کو خبر واحد کہہ کر رد نہیں کر سکتے۔ علاوہ اس کے یہی ایک روایت نہیں ہے بلکہ آپ کے موثق علماء کے طرق سے مختلف عبارتوں کے ساتھ بہت سی روایتیں اس مطلب کو ثابت کر رہی ہیں جن میں سے بعض کو ہم پچھلی راتوں میں بیان بھی کر چکے ہیں۔ اس وقت جہاں تک وقت اجازت دیتا ہے اپنی یادداشت کے موافق مختصراً صرف راویوں اور کتابوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے مزید تائید کے لئے بجائے ان تمام مستند احادیث کو پیش کرنے کے چند کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ من جملہ ان کے ایک حدیث ہے جس کو محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں، طبرانی نے کبیر میں، بیہقی نے سنن میں، نورالدین مالکی نے فصول المہمہ میں، حاکم نے مستدرک میں، حافظ ابونعیم نے حلیہ میں، ابن عساکر نے تاریخ میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، طبرانی نے اوسط میں، محب الدین نے ریاض نضرہ میں، حموینی نے فرائد میں، اور سیوطی نے درالمنثور میں، ابن العباس و سلمان و ابوذر و حذیفہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے دستِ مبارک سے علی ابن ابی طالبؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ان ھذا اول من اٰمن بی و اول من یصافحنی یوم القیمۃ

وھٰذا الصدیق الاکبر وھذا فاروق ھذہ الامۃ یفرق بین الحق والباطل۔ (یعنی درحقیقت یہ (علیؑ) پہلے شخص ہیں جو مجھ پر ایمان لائے اور پہلے شخص ہیں جو روز قیامت مجھ سے مصافحہ کریں گے۔ یہ علیؑ صدیق اکبر (یعنی سب سے بڑے سچ بولنے والے) اور اس اُمت کے فاروق ہیں جو حق و باطل کے درمیان جدائی ڈالیں گے۔

محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۴۴ میں اسی حدیث کو ان الفاظ کے اضافے کے ساتھ نقل کیا ہے۔ وھو یعسوب المومنین وھو بابی الذی اوتی منہ وھو خلیفتی من بعدی۔ (یعنی وہ مؤمنین کے بادشاہ ہیں، یہ میرے دروازہ ہیں جس سے لوگ آتے ہیں اور وہ میرے بعد خلیفہ ہیں)۔

(اس کے بعد گنجی شافعی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو محدث شام نے اپنی کتاب کے اُنچاسویں جزء ۴۹ میں فضائل علیؑ میں تین سو حدیثوں کے بعد لکھا ہے) محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں اخطیب خوارزمی نے مناقب میں، ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد جلد چہاردہم ص۲۱ میں، حافظ مردویہ نے مناقب میں۔ سمعانی نے فضائل الصحابہ میں، دیلمی نے فردوس میں، ابن قتیبہ نے الامامۃ والسیاسۃ جلد اوّل ص۶۸ میں زمخشری نے ربیع الابرار میں، حموینی نے فرائد باب ۳۷ میں، طبرانی نے اوسط میں، فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد اوّل ص۱۱۱ میں، گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں، امام احمد نے مسند میں اور آپ کے دوسرے علماء نے نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا علی مع الحق والحق مع علی حیث دار (یعنی علیؑ حق کے ساتھ اور حق علیؑ کے ساتھ ہے یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے)۔

انہیں کتابوں میں ہے نیز شیخ سلیمان قندوزی حنفی نے ینابیع المودت باب ۲۰ میں حموینی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا علی مع الحق والحق مع علی یمیل مع الحق کیف مال (یعنی علی حق کے ساتھ اور حق علیؑ کے ساتھ ہے جس طرف حق مائل ہوتا ہے اسی طرف علیؑ بھی مائل ہوتے ہیں)

اور حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الاولیاء جلد اول ص۶۳ میں اپنے اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا یا معشر الانصار الا ادلکم علی من ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدہ ابدا قالوا بلیٰ یا رسول اللہ قال ھذا علی فاحبوہ بحبی واکرموہ بکرامتی فان جبرئیل امرنی بالذی قلت لکم من اللہ عزوجل (یعنی اے جماعت انصار آیا تمہاری رہنمائی نہ کروں میں اس شخص کی طرف کہ اگر اس سے تمسک کرو گے تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے ہرگز اپنے

عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ شخص یہ علیؑ ہیں لہٰذا ان کو دوست رکھو میری محبت کے ساتھ اور اُن کا اکرام کرو میری کرامت کے ساتھ کیونکہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے جبرئیل نے خدا کی طرف سے مجھ کو اس کا حکم دیا ہے)۔

ان میں سے ہر حدیث رسولؐ اپنے الفاظ اور راوی و حافظ کے اختلاف کی وجہ سے اگرچہ پہلی نظر میں خبر واحد معلوم ہوتی ہے جس میں ایک خاص مفہوم ادا کیا گیا ہے لیکن اہل علم کی نگاہوں میں اس سے تواتر معنوی ثابت ہوتا ہے کیونکہ ان سب کے مضامین سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ کچھ خاص دلائل ہیں جو ایک عام مقصود کے لئے وارد ہوئے ہیں اور ان کی باہمی شرکت سے وہی مقصود عام ثابت ہوتا ہے۔

اس مقصود عام سے مراد ولایت و امامت کی منزل میں رسولؐ اللہ کی عنایت ہے جو بلا شرکت غیرے صرف علی علیہ السلام کی طرف آں حضرتؐ کا میلان ظاہر کرتی ہے نیز اس کا ثبوت دیتی ہے کہ پیغمبرؐ کی یہ شفقت و مہربانی تنہا علی علیہ السلام کے لئے مخصوص تھی اور آں حضرت ہمیشہ انہیں سے امداد طلب فرماتے تھے کیوں کہ آپ نصرت کرنے میں یکتا تھے اور اسی وجہ سے اُمت کو بھی حکم فرماتے ہیں کہ میرے بعد علیؑ کی طرف رجوع کرو اور اُن سے تمسک اختیار کرو اس لئے کہ یہ ہمیشہ حق کے ساتھ اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

اس قسم کی حدیثوں کا مطالعہ کرنے کے بعد انصاف کیجئے کہ آیا ابوبکر سے علی علیہ السلام کی مخالفت (آپ کے خیالی) اجماع سے علیحدگی اور بیعت نہ کرنا ابوبکر کی حقانیت ثابت کرتا ہے یا اُن کی خلافت باطل ہونے کی دلیل ہے؟ اگر ابوبکر کی خلافت دُرست تھی تو علی علیہ السلام نے جو حق و صداقت کے پیکر تھے اور رسول اکرمؐ نے اُن کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ ہمیشہ حق کے ساتھ اور حق ان کے ساتھ گردش کرتا ہے اُن کی بیعت کیوں نہیں کی بلکہ مخالفت بھی کی؟ واقعی سقیفے کے روز جتنی پھرتی سے کام لیا گیا وہ بہت افسوس اور حیرت کا مقام ہے اور اس روز کا طریقہ کار ہر نکتہ رس ہوشمند انسان کو قطعی طور پر شبے میں ڈالتا ہے کہ اگر کوئی سازش کارفرما نہیں تھی تو (چند گھنٹے ہی سہی) آخر انتظار کیوں نہ کیا کہ علیؑ ابن ابی طالب جو بقول رسولؐ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے تھے، کبار صحابہ، بنی ہاشم اور بالخصوص آں حضرتؐ کے چچا عباس سب کے سب جمع ہو جائیں اور امر خلافت میں جو ایک عمومی فریضہ تھا اپنے خیالات ظاہر کریں؟

حافظ:۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ کوئی سازش نہیں چل رہی تھی بلکہ حالات چونکہ خطرناک دیکھے لہٰذا حفاظت اسلام کے لئے تعیین میں جلدی کی۔

خیر طلب:۔ یعنی آپ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ابوعبیدہ جراح (مکے کے سابق گورکن) وغیرہ کو رسولؐ اللہ کے بزرگ چچا عباس اور علیؑ ابن ابی طالب سے جنہوں نے اس دین کے راستے میں اپنی زندگی وقف کر دی تھی یا دوسرے

کبار صحابہ اور بنی ہاشم سے زیادہ اسلام کا درد تھا! اور جتنی دیر وہاں باتیں بنائی تھیں اگر اتنی دیر ٹھہر جاتے یا ابوبکر وعمر مجمع کو باتوں میں مشغول رکھتے اور فوراً ابو عبیدہ یا کسی اور کو بھیج کر عباسؓ و علیؑ کو اس خطرناک صورتِ حال سے آگاہ کر دیتے تاکہ جلد وہاں پہنچ جائیں اور پھر تھوڑی دیر صبر کر لیتے کہ وہ بزرگوار آجائیں تو کیا اسلام ہاتھ سے نکل جاتا؟ اور ایسا فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا کہ اُس کی روک تھام ہو ہی نہ سکتی؟۔

انصاف سے کام لیجئے تو قطعاً اگر تھوڑا صبر کر کے کم از کم بنی ہاشم اور بزرگان صحابہ کو مع عباس و علیؑ کے سقیفے میں بلا لیتے تو وہ تینوں اشخاص (ابوبکر و عمر اور ابوعبیدہ) اگر حق بات کہتے تھے تو اُن کی طاقت اور بڑھ جاتی، اسلام کے اندر اتنا اختلاف رونما نہ ہوتا اور آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد ہم اور آپ برادران اسلامی اس جلسے میں ایک دوسرے کے مقابلے پر نہ آتے بلکہ تمام قوتوں کو متحد کر کے دشمنوں سے ٹکر لیتے۔

پس تصدیق کیجئے کہ اسلام کے سر پر جو آفت آئی اُسی روز سے آئی اور وہ فقط اُسی تعجیل کا نتیجہ تھی جس پر تینوں افراد (ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ) نے عمل کر کے اپنے خفیہ دلی مقاصد پورے کر لیے۔

نواب: قبلہ صاحب آخر سبب کیا تھا کہ ان لوگوں نے اس قدر جلدی کی اور بقول آپ کے حاضرین مسجد و خانۂ رسولؐ کو بھی خبر نہیں دی؟

خیر طلب: اتنی جلدی کرنے کا سبب قطعاً یہی تھا کہ وہ جانتے تھے کہ اگر تمام مسلمانوں کے آنے کا انتظار کریں گے یا کم سے کم لشکر اسامہ بن زید کی سر برآوردہ ہستیاں، مدینے کے اندر موجود بزرگ اصحاب اور بنی ہاشم وغیرہ سب جمع ہو کر مشورے میں شرکت کریں گے تو نامزدگی کے وقت علی علیہ السلام کا نام ضرور لیا جائے گا اور اگر علیؑ یا عباسؓ کا نام آگیا تو اس مجمع میں حق اور حقیقت کے طرفدار لوگ اپنی مضبوط اور واضح دلیلوں سے میدان سیاست میں ہماری پگڑی اچھال دیں گے لہٰذا عجلت کی تاکہ جب تک بنی ہاشم اور بزرگ اصحاب پیغمبرؐ کے غسل و کفن اور دفن میں مشغول ہیں ہم اپنا کام بنا لیں اور ابوبکر کو اُسی دو نفری تدبیر سے مسند خلافت پر بٹھا دیں چنانچہ وہی کیا اور آپ حضرات بھی آج تک اُس کو مسلمانوں کا اجماع کہے چلے آرہے ہیں۔

آپ کے اکابر علما جیسے طبری اور ابن ابی الحدید وغیرہ نے بھی لکھا ہے کہ عمر کہتے تھے ابوبکر کی خلافت جلدی میں اچانک قائم ہو گئی ہے خدا خیر کرے۔

عمرؓ کے اس قول کی تردید کہ نبوّت و سلطنت ایک جگہ جمع نہ ہوگی

اب رہی آپ کی دوسری دلیل خلیفہ عمرؓ کی سند سے کہ نبوت و سلطنت ایک خاندان میں جمع نہیں ہوتی ہے تو یہ بھی آیت ۵۷ سورہ ۴ (نساء) کی نص صریح سے باطل ہے ارشاد ہے - ام یحسدون الناس علیٰ ما اٰتیٰھم اللہ من فضلہ فقد اٰتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمۃ ملکا عظیما (یعنی آیا خدا نے جو کچھ ان کو اپنے فضل و کرم سے عطا کیا ہے اس پر لوگ حسد کرتے ہیں؟ پس یقیناً ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت دی اور ان کو زبردست ملک و سلطنت عطا کیا)۔

پس اس آیہ شریفہ کے حکم سے آپ کی یہ دلیل مردود ہے اور یہ حدیث قطعاً ضعیف بلکہ موضوعات میں سے ہے جو خلیفہ عمر کی طرف منسوب کی گئی ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلعم قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں فرماتے اور یہ آیت خود اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ نبوت و سلطنت کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن ہے (جیسا کہ آل ابراہیم وغیرہ میں جمع ہوئی) اس کے علاوہ منصب خلافت عہدۂ نبوت کا ایک جزء ہے بلکہ اس کا تتمہ ہے، سلطنت اور بادشاہی نہیں ہے جس کے لئے آپ کہہ سکیں کہ ایک خاندان میں جمع نہیں ہوتی۔

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی جناب ہارون علیہ السلام خلافت موسیٰ سے برطرف ہیں تو علی علیہ السلام بھی خلافت خاتم الانبیاءؐ سے محروم ہو سکتے ہیں۔ اور اگر بحکم قرآن موسیٰ و ہارون علیہما السلام میں نبوت و خلافت جمع ہوئی تو قطعاً محمد و علی علیہما الصلوٰۃ والسلام میں بھی جمع ہوگی۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں حدیث منزلت اس کی گواہ ہے پس آپ کی یہ حدیث قطعاً بنی امیہ کے موضوعات میں سے ہے اور مجہول اور ہر پہلو سے ناقابل قبول ہے۔

اگر نبوت اور خلافت (یا بقول خلیفہ عمر کے سلطنت) ایک جگہ جمع نہیں ہوتی ہے تو پھر مجلس شوریٰ میں خلیفہ عمر نے علی علیہ السلام کو خلافت کے لئے کیوں نامزد کیا تھا؟ اور اس کے بعد چوتھے نمبر پر آپ لوگ بھی حضرت کو خلیفہ کیوں مانتے ہیں؟ عجیب بات ہے کہ خلافت بلافصل تو حدیث گھڑ کے نبوت کے ساتھ جمع نہ ہو لیکن خلافت مع الفصل جمع ہو جائے ؎

چشم باز و گوش باز واں عمی　　　حیرتم از چشم بندیٔ خدا

اس کے علاوہ رسول اللہؐ صاف صاف فرماتے ہیں کہ جس راستے پر علیؑ چلیں ادھر تم بھی چلو، دوسروں کی پیروی نہ کرو! آپ کہتے ہیں کہ نبوت و سلطنت ایک خاندان میں اکٹھا نہیں ہوتیں، حالانکہ آں حضرتؐ نے اپنی عترت کی پیروی امت پر واجب قرار دی ہے اور ان کی مخالفت کو محض ضلالت و گمراہی جانا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ راتوں

میں میں نے یہ معتبر اور متفق علیہ فریقین صریحی حدیث مع اُس کے اسناد کے عرض کی ہے کہ آنحضرتؐ نے بار بار فرمایا انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی ان تمسکتم بھما لن تضلوا ابدا (یعنی میں تمہارے درمیان دو بزرگ و بہتر گراں چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ایک قرآن مجید اور دوسری میری عترت اور اہل بیتؑ، اگر ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو گے)۔

جس طرح سے طوفان نوح کی آمد میں حضرت نوحؑ کے حکم سے جو شخص آپ کی بنائی ہوئی کشتی میں بیٹھ گیا اُس نے نجات پائی اور جس نے منہ موڑا ہلاک ہو گیا چاہے وہ اُن کا بیٹا ہی کیوں نہ رہا ہو۔ اسی طرح اس اُمت مرحومہ میں بھی حضرت خاتم الانبیاءؐ نے اپنی عترت اور اہل بیتؑ کو بمنزلہ کشتیٔ نوحؑ بیان فرمایا ہے کہ آئندہ مشکلات و اختلافات میں اس گھرانے کے علم و عقل اور ظاہر و باطن کے دامن سے وابستہ رہیں گے نجات حاصل کریں گے اور کشتیٔ نوحؑ سے روگردانی کرنیوالوں کے مانند تخلف کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے (جیسا کہ اسی کتاب کے صـ میں تفصیل سے گزر چکا)

پس اس قسم کے نصوص صریحہ اور قواعد واضحہ کے رو سے اُمت کا فرض ہے کہ اختلاف اور دشواریوں میں عترت و اہل بیت رسالتؐ کی رائے سے فائدہ اٹھائیں اور امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام چونکہ مزید علمی و عملی فضائل اور پیغمبرؐ کے تاکیدی احکام کی روشنی میں آں حضرت کی عترت و اہل بیتؑ کی ایک فرد اکمل تھے پس کیوں تھوڑی دیر تامل کر کے آپ کو اطلاع نہیں دی تاکہ آپ کے غور و فکر اور صائب رائے سے مدد ملتی؟

اس میں قطعاً ایسا راز پوشیدہ تھا جس پر عقل و علم اور انصاف والے حیران اور مبہوت ہیں جس وقت یہ لوگ اپنے اسلاف کی اندھی تقلید چھوڑ کر عادلانہ جائزہ لیتے ہیں تو حقیقت کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ سیاسی بازیگروں نے علیؑ کو اُن کے مستقل حق سے محروم کرنے کے لئے جلدی کر کے آپ کی اور دوسرے اصحاب و اہل تقویٰ کی غیر موجودگی میں ابوبکر کو مسند خلافت پر بٹھا دیا۔

شیخ: آپ کس دلیل سے فرماتے ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی پیروی کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یوں اور اجماع کو بالائے طاق رکھ دینا چاہیئے تھا؟

تعیین خلافت میں پھر اظہار حقیقت

خیر طلب: اوّل تو ہم نے یہ کہا ہی نہیں ہے کہ صحابہ کی رائیں اور ان کا اجماع قابل احترام نہیں ہے۔ البتہ ہمارے اور آپ کے درمیان فرق یہ ہے کہ آپ نے جونہی کسی صحابی کا نام سنا بس چاہیے وہ کوئی منافق ہی ہو یا ابوہریرہ ہی ہوں جن کو خلیفہ عمر کوڑے سے مارتے تھے اور کذاب (بہت بڑا جھوٹا) کہتے تھے فوراً زانوئے ادب

نہ کر دیتے ہیں، لیکن ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک وہی صحابی محترم ہے اور اُسی کے قدم آنکھوں سے لگانے کے قابل ہیں جس نے رسولؐ اللہ کی مصاحبت کے شرائط پورے کیئے ہوں، ہوا و ہوس کا بندہ نہ رہا ہو اور احکام خدا و رسولؐ کا آخر عمر تک دیانتداری سے پابند رہا ہے۔

دُوسرے ہم واضح دلائل سے آپ کے سامنے ثابت کر چکے کہ سقیفہ میں خلیفہ ابو بکر کی بیعت پر کوئی اجماع نہیں ہوا تاکہ اُمت کی اجماعی رائے سے اُن کی خلافت مسلم ہو جائے۔ اب اس کے خلاف اگر آپ کے پاس کوئی قاعدے کا جواب ہو تو بیان فرمائیے تاکہ حضرات حاضرین جلسہ بے لاگ فیصلہ کر سکیں اور میں بھی اس اجماعی تجویز کے سامنے سرِ تسلیم خم کروں، اگر آپ اپنی کتابوں سے اس کا ثبوت دے دیجیئے کہ سقیفہ میں ساری اُمت یا کم از کم بقول آپ کے تمام عقلائے قوم جمع ہوئے اور سب نے مل کر رائے دی کہ ابو بکر کو خلیفہ ہونا چاہیئے تو میں مان لوں گا اور اگر سوا دو نفر (عمر و ابو عبیدہ) اور قبیلہ اوس کے چند افراد کے جن کو قبیلۂ خزرج کے ساتھ اپنی دیرینہ عداوت و مخالفت کا لحاظ تھا دوسرے اشخاص نے بیعت نہیں کی تھی تو آپ تصدیق کیجئے کہ ہم (شیعہ) غلط راستے پر نہیں ہیں۔

تیسرے اس سب پر ہماری تنقید یہ ہے اور ہم دنیا کے سارے عقلمندوں پر اس کا فیصلہ چھوڑتے ہیں کہ آیا صرف تین عدد صحابی ایسا کرنے کے مجاز ہیں کہ پوری ملت کی باگ ڈور ہاتھ میں لے لیں اور باہمی گفت و شنید اور جنگ زرگری کر کے دو نفر ایک نفر کی بیعت کر لیں اس کے بعد لوگوں کو دھونس دے کے تلوار، آگ اور اہانت سے مرعوب کر کے اپنا بنایا ہوا خاکہ ماننے پر مجبور کریں؟ یقیناً جواب نفی میں ہو گا۔

میں مطلب کو دُہراتے ہوئے پھر عرض کرتا ہوں کہ ہمارا اعتراض اس بات پر ہے کہ اُس روز جب وہ تین نفر (ابو بکر و عمر اور ابو عبیدہ جراح) سقیفہ پہنچے اور دیکھا کہ خلافت کی بحث درپیش ہے تو بزرگان قوم اور عقلا و کبار صحابہ کا تعاون کیوں نہیں حاصل کیا جن میں سے کچھ لوگ خانۂ رسولؐ میں تھے اور ایک جماعت لشکر اسامہ میں تھی؟

شیخ: ہم کہتے ہیں کہ کوئی غفلت ہوئی یا نہیں ہوئی ہم اس روز موجود نہیں تھے کہ دیکھتے وہ لوگ کس دشواری میں پھنسے ہوئے تھے، لیکن آج جب کہ ہمارے سامنے ایک طے شدہ عمل ہے چاہے وہ اجماع رفتہ رفتہ واقع ہو۔ ہم کو اس کے مقابلے میں اختلاف کی آواز نہ اُٹھانا چاہیئے بلکہ سرِ تسلیم خم کر کے جس راستے وہ گئے ہیں اُسی راستے پر گامزن ہو جانا چاہیئے۔

خیر طلب: خوب خوب، مرحبا آپ کے استدلال پر اور آفرین آپ کے خیال اور عقیدے پر کہ آپ خواہ مخواہ ہم سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ مقدس دین اسلام ایک بھیڑیا دھسان مذہب ہے جس میں اگر دو تین آدمیوں نے ایک جگہ جمع ہو کر کوئی منصوبہ بنایا اور چند اشخاص نے ان کی حمایت میں ہڑبڑ مچا دیا تو اب سارے مسلمانوں کا فرض ہو گیا کہ آنکھیں بند کر کے اس پر عملدرآمد کو قبول کریں۔ کیا خاتم النبیینؐ کے پاک دین کا یہی مطلب ہے جب کہ صریحاً آیت

۱۹ سورہ ۲۹ (زمر) ارشاد ہے فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه (یعنی (اے رسول) ان بندوں کو میرے لطف و رحمت کی بشارت دے دیجئے جو بات سنتے ہیں پس اُس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں (یعنی تحقیق کر لیتے ہیں ، اندھی تقلید نہیں کرتے۔) ؟

حالانکہ اسلام ایک تحقیقی دین ہے تقلیدی نہیں اور وہ بھی ابو عبیدہ (گورکن) معروف بہ جراح کی تقلید۔ رسولِ اکرمؐ نے خود ہمارے لئے راستہ کھول دیا ہے اور ہم کو پتہ دے دیا ہے کہ جس وقت اُمت دو گروہوں میں بٹ جائے تو ہم اُن دونوں میں سے کس کی طرف جائیں تاکہ نجات پا سکیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم کو کس دلیل سے امیرالمومنین علیہ السلام کی پیروی واجب ہے ؟ اس کا جواب کھلا ہوا ہے کہ آیات قرآنی اور آپ کی معتبر کتابوں میں درج موثق حدیثوں کی دلیل ہے۔

من جملہ اُن روایات و نصوص کے جن کے ماتحت اُمت مجبور ہے کہ حوادث و انقلابات میں علی علیہ السلام کی پیروی کرے عمار یاسر کی مشہور حدیث ہے جس کو آپ کے بڑے بڑے علماء جیسے حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیہ میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں، بلاذری نے اپنی تاریخ میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب ۴۳ میں حموینی سے، میر سید علی ہمدانی شافعی نے مودۃ القربیٰ مودت پنجم میں، دیلمی نے فردوس میں اور آپ کے دوسرے موثق علماء نے ابو ایوب انصاری سے ایک مفصل حدیث نقل کی ہے جس کو مکمل بیان کرنے کا وقت نہیں لیکن اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت لوگوں نے ابو ایوب سے سوال کیا (بلکہ اُن پر اعتراض کیا) کہ تم علی ابن ابی طالبؑ کے طرفدار کیوں بن گئے اور ابو بکر کی بیعت کیوں نہیں کی ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک روز میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ عمار یاسر وارد ہوئے اور آنحضرتؐ سے سوال کیا حضرت نے گفتگو کے ضمن میں فرمایا یا عمار ان سلک الناس کلھم وادیا و سلک علیّ وادیا فاسلک وادی علیّ وخل عن الناس۔ یا عمار علیّ لا یردک عن ھدی ولا یدلک علی ردی یا عمار طاعۃ علیّ طاعتی وطاعتی طاعۃ اللہ (یعنی اے عمار اگر تمام لوگ ایک راستے پر جائیں اور تنہا علیؑ ایک راستے پر تو تم علیؑ ہی کے راستے پر چلنا اور دوسروں سے بے نیاز ہو جانا اے عمار علیؑ تم کو ہدایت سے برگشتہ نہ کریں گے اور ہلاکت کی طرف نہ لے جائیں گے اے عمار علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے اور میری اطاعت خدا کی اطاعت ہے)۔

آیا جائز تھا کہ ان واضح نصوص اور صاف صاف احکام کے ہوتے ہوئے جو آپ کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں، باوجودیکہ علی علیہ السلام نے خلافت ابو بکر کی کھلی ہوئی مخالفت کی، چاہے ساری اُمت میں سے بنی ہاشم، بنی اُمیہ، کبار صحابہ عقلاء قوم اور مہاجرین و انصار اُن کے ہم آواز نہ بھی رہے ہوں (حالانکہ ہم آواز تھے) لوگ علیؑ کی راہ کو چھوڑ دیں اور ایک غیر پیشوا کی پیروی کریں ؟ کم سے کم یہی خواہش کرتے کہ اس قدر تامل کیا جائے کہ علیؑ آجائیں اور اُن کی تجویز معلوم کر لی جائے۔

(اتنے میں نماز عشاء کے لئے مؤذن کی آواز آئی اور مولوی صاحبان فریضہ ادا کرنے کے لئے اٹھ گئے نماز اور چائے کے بعد حافظ صاحب نے بات شروع کی)۔

حافظ - جناب آپ نے اپنے بیانات کے ضمن میں دو باتیں عجیب فرمائیں - اول تو آپ بار بار فرماتے ہیں - "ابو عبیدہ گورکن" تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ محترم بزرگ قبر کھودنے کا پیشہ کرتے تھے؛ دوسرے آپ نے فرمایا کہ علیؑ و بنی ہاشم اور اصحاب بیعت میں شامل نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے مخالفت بھی کی در آنحالیکہ جملہ ارباب حدیث و تاریخ نے لکھا ہے کہ علیؑ و بنی ہاشم اور اصحاب سب نے بیعت کی۔

خیر طلب - معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات اپنے علماء کی تحریریں بھی غور سے نہیں پڑھتے - پہلی بات کہ ابو عبیدہ گورکن تھے - میں نے نہیں کہی ہے بلکہ آپ ہی کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے - کتاب البدایۃ والنہایۃ مؤلفہ ابن کثیر شامی جلد پنجم ص۲۶۶ و ص۲۶۷ کو ملاحظہ فرمائیے دفن رسولؐ کے باب میں لکھا ہے کہ ابو عبیدہ جراح چونکہ اہل مکہ کی قبریں کھودا کرتے تھے لہذا جناب عباس نے ایک شخص کو مدینے کے گورکن ابو طلحہ کی تلاش میں اور ایک کو ابو عبیدہ کے تجسس میں روانہ کیا تاکہ دونوں آکر رسول اللہ کی قبر تیار کریں -

دوسرے آپ نے فرمایا کہ علیؑ و بنی ہاشم اور اصحاب سبھی نے بیعت کی - ہاں آپ بیعت کا لفظ تو ضرور پڑھ لیتے ہیں لیکن حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ کس نے کس وقت بیعت کی اور کیوں کر بیعت کی؟ آپ کے سارے علمائے حدیث اور بڑے بڑے مورخین نے لکھا ہے کہ علی علیہ السلام اور بنی ہاشم نے بیعت تو کر لی لیکن چھ مہینے کے بعد اور وہ بھی جبر و تشدد، قتل و خون کی دھمکیوں اور انتہائی اہانتوں کے بعد جو اُن بزرگوار کے لیے عمل میں لائی گئیں اور ان حضرات کا ہر طرح سے بائیکاٹ کر دینے کے بعد۔

حافظ: آپ جیسے شریف انسان کے لیے مناسب نہیں کہ شیعہ عوام کے الفاظ اور عقاید کو زبان پر جاری کیجئے جو یہ کہتے ہیں کہ علی کو جبراً کھینچتے ہوئے لے گئے اور اُن کو قتل کر دینے کی دھمکی دی - حالانکہ اُن جناب نے اُنہیں ابتدائی دنوں میں انتہائی خواہش و رغبت کے ساتھ ابوبکر کی خلافت قبول کر لی تھی -

چھ ماہ کے بعد زبردستی علی اور بنی ہاشم کی بیعت

خیر طلب: آپ جو یہ فرما رہے ہیں کہ علی علیہ السلام اور بنی ہاشم نے فوراً بیعت کی تو میرا خیال ہے کہ آپ جان بوجھ کر اپنے کو دھوکا دے رہے ہیں اس لیے کہ عام طور پر آپ کے مورخین تو یہ لکھتے ہیں کہ علی علیہ السلام کی بیعت جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد ہوئی ہے - چنانچہ بخاری نے صحیح جلد سوم ص۳۷ باب غزوۂ خیبر میں اور مسلم بن حجاج نے اپنی صحیح جلد پنجم ص۱۵۴ باب قول النبی لا نورث میں نقل کیا ہے کہ علی علیہ السلام کی بیعت وفات فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بعد ہوئی - اسی طرح عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ھ الامامت والسیاست آخر ص۱۴ میں کہتے ہیں فلم یبایع علی کرم اللہ وجھہ حتیٰ ماتت فاطمۃ رضی اللہ عنہا (یعنی علی علیہ السلام نے (ابوبکر کی) بیعت نہیں کی یہاں تک کہ جناب فاطمہؑ نے

انتقال فرمایا)۔
آپ کے بعض علماء وفات فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا وفات رسول اللہ صلعم کے پچھتر روز بعد جانتے ہیں جیسے خود ابن قتیبہ لیکن بالعموم آپ کے مورخین آں حضرتؐ کی وفات کے چھ مہینے بعد سمجھتے ہیں جس سے نتیجہ یہ نکلا کہ علی علیہ السلام اور بنی ہاشم کی بیعت خلافت کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ چنانچہ مسعودی مروج الذہب جلد اوّل ص۴۱۲ میں کہتے ہیں ولم یبایعه احد من بنی هاشم حتی ماتت فاطمة (یعنی بنی ہاشم میں سے کسی ایک فرد نے بھی (ابوبکر کی) بیعت نہیں کی یہاں تک کہ حضرت فاطمہؑ نے وفات پائی۔
ابراہیم بن سعد ثقفی نے جو ثقات علماء میں سے ہیں زہری سے روایت کی ہے کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے بیعت نہیں کی لیکن چھ مہینے کے بعد اور ان کے اوپر لوگوں کی جرأت نہیں بڑھی لیکن وفات فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بعد جیسا کہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے۔
غرضیکہ آپ ہی کے اکابر علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں نقل کیا ہے کہ علی علیہ السلام کی بیعت فوراً نہیں ہوئی بلکہ بہت مدت کے بعد واقع ہوئی جب اس کے وسائل و اسباب اکٹھا ہو گئے اور حالات نے مجبور کر دیا۔
ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم آخر ص۱۸ میں زہری سے اور انہوں نے عائشہ سے روایت کی ہے کہ فلم یبایعه علی ستة اشهر ولا احد من بنی هاشم حتی بایعه علی (یعنی علیؑ نے چھ ماہ تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور بنی ہاشم میں سے کسی نے بھی بیعت نہیں کی جب تک علیؑ نے نہیں کی) نیز احمد بن اعثم کوفی شافعی نے فتوح میں اور ابونصر حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں نافع سے اور انہوں نے زہری سے روایت کی ہے کہ ان علیا لم یبایعه الا بعد ستة اشهر (یعنی علی علیہ السلام نے بیعت نہیں کی مگر چھ مہینے کے بعد) رہا آپ کا یہ فرمانا کہ تم عوام کے عقاید کی پیروی کیوں کرتے ہو؟ تو معاف فرمائیے گا اگر میں یہ کہوں کہ آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ یہ عامیانہ عقاید نہیں ہیں بلکہ عالمانہ اعتقاد ہے آپ بے خودی میں ہم پر حملہ کرتے ہیں حالانکہ اپنی کتابوں کے مضامین سے واقف ہیں۔ بقسم خدا کی ہر قوم کے علماء ہی فسادات کے ذمہ دار ہیں جو عوام کو دھوکا دیتے ہیں تاکہ وہ یہ سمجھنے لگیں کہ ان روایتوں کو ہم نے گھڑا ہے۔ حالانکہ خود آپ کے بڑے بڑے علماء نے ان باتوں کا اقرار کیا ہے۔
حافظ: ہمارے علماء نے کہاں یہ کہا ہے کہ علی کو جبراً کھینچا اور ان کے گھر میں آگ لگائی جیسا کہ شیعوں کے یہاں مشہور ہے اور اپنے مجالس میں جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں۔ نیز یہ کہہ کر لوگوں کے جذبات ابھارتے ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف پہنچائی اور ان کا حمل ساقط کیا؟
خیر طلب: محترم حضرات! یا تو واقعی آپ کا مطالعہ ہی بہت کم ہے یا عادتاً اور قصداً اپنے اسلاف کی پیروی میں بیچارے مظلوم شیعوں کو عوام کی نگاہوں میں متہم کر کے ایسے جملوں سے اپنے بزرگوں کو پاک دامن دکھانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا کتنے بھی

ہیں اور لکھتے بھی ہیں کہ یہ روایتیں شیعوں نے بنائی ہیں (خصوصاً سلطنت صفویہ کے زمانے سے) کہ ابوبکر کے حکم سے عمر ایک مجمع کے ساتھ علیؑ کے دروازے پر آگ لے کر گئے اور علیؑ کو قتل کی دھمکی دے کر شوروشر کے ساتھ کھینچتے ہوئے بیعت کے لئے مسجد میں لے گئے۔

حالانکہ ایسا ہے نہیں میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ان تاریخی قضیوں کو صرف شیعوں نے درج نہیں کیا ہے بلکہ آپ کے انصاف پسند اکابر علماء و مورخین نے بھی لکھا ہے۔ البتہ بعض نے تعصب کی وجہ سے احتراز کیا ہے۔ اگر آپ چاہیں، تو وقت کا لحاظ کرتے ہوئے آپ کے معتمد علماء سے چند روایتیں جو اس وقت پیش نظر ہیں ثبوت کے لئے نقل کر دوں تاکہ صاحبان انصاف کو معلوم ہو جائے کہ ہم بے قصور ہیں اور جو کچھ آپ نے کہا ہے وہی ہم بھی کہتے ہیں۔

حافظ: فرمائیے ہم سننے کے لئے حاضر ہیں۔

بارہ دلیلیں اس پر کہ علی کو بزور شمشیر مسجد میں لے گئے

خیر طلب: (۱) ابوجعفر بلاذری احمد بن یحییٰ بن جابر بغدادی متوفی ۲۷۹ھ نے جو آپ کے ایک موثق محدث اور مشہور مورخ ہیں اپنی تاریخ میں روایت کی ہے کہ جب ابوبکر نے علی علیہ السلام کو بیعت کے لئے طلب کیا اور آپ نے قبول نہ کیا تو انہوں نے عمر کو بھیجا، وہ آگ لے کر آئے کہ گھر کو جلا دیں گے۔ حضرت فاطمہؑ نے دروازے کے قریب آکر فرمایا اے پسر خطاب کیا تم مجھ پر گھر جلا دوگے؟ انہوں نے کہا ہاں، جو کچھ تمہارے باپ لے کر آئے ہیں اس میں یہ عمل بہت موثر ہے۔

(۲) عزالدین ابن ابی الحدید معتزلی اور محمد بن جریر طبری جو آپ کے معتمد ترین مؤرخ ہیں، روایت کرتے ہیں، کہ عمر اسید بن خضیر، سلمہ بن اسلم اور ایک جماعت کے ہمراہ علیؑ کے دروازے پر گئے اور کہا باہر نکلو ورنہ ہم گھر کو تمہارے اوپر جلا دیں گے۔

(۳) ابن خزابہ نے کتاب غرر میں زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا میں ان لوگوں میں سے تھا جو عمر کے ہاں لکڑیاں اٹھا کر فاطمہؑ کے دروازے پر لے گئے۔ جب علیؑ اور ان کے اصحاب نے بیعت سے انکار کیا تو عمر نے فاطمہؑ سے کہا کہ جو شخص اس گھر کے اندر ہو اس کو باہر نکالو ورنہ اور گھر والوں کو جلائے دیتا ہوں اس وقت علی وحسنین اور فاطمہ علیہم السلام اور صحابہ و بنی ہاشم کی ایک جماعت گھر کے اندر موجود تھی۔ فاطمہؑ نے فرمایا کیا تم مجھ پر اور میرے بچوں پر گھر جلا دوگے؟ کہا ہاں خدا کی قسم، یہاں تک کہ سب باہر آکر خلیفہ رسولؐ کی بیعت کریں۔

(۴) ابن عبدربہ نے جو آپ کے مشاہیر علماء میں سے ہیں عقد الفرید جلد سیم صہ ۶۳ میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام اور عباس فاطمہؑ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوبکر نے عمر سے کہا جاؤ ان لوگوں کو لاؤ اور اگر آنے سے انکار کریں تو ان سے جنگ کرو۔ پس عمر آگ لے کر آئے تاکہ گھر جلا دیں، فاطمہ دروازے پر آئیں اور فرمایا اے پسر خطاب کیا تم میرا گھر جلانے آئے ہو؟

انہوں نے کہا ہاں - الخ

(۵) ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد اوّل صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ مصر میں جوہری کی کتاب سقیفہ سے سقیفہ بنی ساعدہ کا قضیہ تفصیل سے نقل کیا ہے یہاں تک کہ کہتے ہیں، بنی ہاشم علی علیہ السلام کے گھر میں جمع ہوئے اور زبیر بھی اُن کے ساتھ تھے اس لئے کہ وہ اپنے کو بنی ہاشم میں شمار کرتے تھے (حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے تھے کہ زبیر ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے یہاں تک کہ اُن کے لڑکے بڑے ہوئے اور اُن کو ہم سے برگشتہ کر دیا) پس عمر ایک گروہ لے کر اسید اور سلمہ کے ہمراہ حضرت فاطمہؑ کے گھر پر گئے اور کہا باہر نکل کے بیعت کرو! اُن لوگوں نے انکار کیا اور زبیر تلوار کھینچ کر باہر نکل آئے۔ عمر نے کہا اس کتے کو پکڑ لو! سلمہ بن اسلم نے اُن کی تلوار پکڑ کر دیوار پر دے ماری اس کے بعد علیؑ کو جبر و تشدد کے ساتھ کھینچتے ہوئے ابوبکر کی طرف لے چلے بنی ہاشم بھی اُن کے ساتھ ساتھ آرہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ آپ کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ علیؑ کہتے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور اُس کے رسولؐ کا بھائی ہوں لیکن کوئی ان کی بات پر کان نہیں دھرتا تھا یہاں تک کہ ان کو ابوبکر کے پاس لے گئے انہوں نے کہا بیعت کرو آپ نے فرمایا کہ میں اس منصب کا سب سے زیادہ حقدار ہوں اور تمہاری بیعت نہیں کروں گا البتہ تمہارا فرض ہے کہ میری بیعت کرو۔ تم نے قرابت رسولؐ کی دلیل سے یہ عہدہ انصار سے لیا ہے اور میں بھی اسی دلیل سے تمہارے مقابلے میں احتجاج کرتا ہوں۔ پس اگر تم خدا سے ڈرتے ہو تو انصاف سے کام لو اور میرے حق کا اعتراف کرو جس طرح انصار نے تمہارے حق میں انصاف کیا، ورنہ اس کا اقرار کرو کہ جان بوجھ کر مجھ پر ظلم کر رہے ہو۔

عمر نے کہا جب تک بیعت نہ کرو گے میں تم کو نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت نے فرمایا خوب تم لوگوں نے آپس میں سازباز کر رکھا ہے، آج تم اُن کے لئے کام کر رہے ہو تاکہ کل وہ تمہاری طرف پلٹائیں (اس عہدے کو) خدا کی قسم میں تمہاری بات نہیں مانوں گا اور ان کی بیعت نہیں کروں گا اس لئے کہ اُن کو میری بیعت کرنا چاہیئے پھر لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا، اے گروہ مہاجرین خدا سے ڈرو۔ محمدی سلطنت اور اقتدار کو اُن کے گھرانے سے جہاں اس کو خدا نے قرار دیا ہے باہر نہ لے جاؤ اور اُس کے اہل کو اُس کے منصب اور حق سے الگ نہ کرو۔ خدا کی قسم ہم اہل بیت اس امر میں تم سے کہیں زیادہ حقدار ہیں جب تک ہمارے درمیان کوئی کتاب خدا و سنت رسولؐ کا عالم اور دین کا فقیہ موجود رہے۔ خدا کی قسم یہ تمام صفتیں ہمارے اندر ہیں لہٰذا اپنے نفس کی پیروی نہ کرو جس سے حق سے دور ہو جاؤ۔ اس کے بعد علی علیہ السلام بغیر بیعت کئے ہوئے گھر واپس گئے اور خانہ نشین ہو گئے یہاں تک کہ حضرت فاطمہؑ نے رحلت فرمائی اور آپ نے بے بس ہو کر بیعت کی۔

(۶) ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ بن عمرو الباہلی الدینوری متوفی ۲۷۶ھ جو آپ کے اکابر علماء میں سے ہیں اور مدتوں شہر دینور میں باقاعدہ قاضی رہے ہیں اپنی مشہور کتاب تاریخ الخلفاء الراشدین و دولت بنی امیہ معروف بہ الامامۃ والسیاستہ (مطبوعہ مصر) جلد اوّل صفحہ ۱۳ میں سقیفے کا قضیہ تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور اس عبارت سے مضمون شروع کرتے ہیں ۔ ان ابابکر رضی اللہ عنہ تفقد قوما تخلفوا عن بیعتہ عند علی کرم اللہ وجہہ فبعث الیہم

عمر فجاء فناداھم وھم فی دار علی فابوا ان یخرجوا فدعا بالحطب وقال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن اولاحرقنھا علی من فیھا فقیل لہ یا اباحفص ان فیھا فاطمۃ فقال وان فخرجوا فبایعوا الا علیا الخ۔

خلاصہ یہ کہ جب ابوبکر کو معلوم ہوا کہ اُمّت کی ایک جماعت اُن کی بیعت سے انحراف کر کے علی علیہ السلام کے گھر میں جمع ہوئی ہے تو عمر کو اُن کی طرف بھیجا، عمر نے آکر اُن کو آواز دی لیکن اُن لوگوں نے گھر سے باہر نکلنا گوارا نہیں کیا، عمر نے لکڑی منگوائی اور کہا اُس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے یا تم باہر آؤ گے یا میں گھر کو گھر والوں سمیت جلائے دیتا ہوں۔ لوگوں نے کہا اے ابوحفص (کنیت عمر) اس گھر میں فاطمۂ بھی ہیں۔ اُنہوں نے کہا کچھ پرواہ نہیں، وہ ہیں تب بھی جلاؤں گا۔ پس سب لوگ باہر آگئے اور بیعت کی سوا علی علیہ السلام کے کہ اُنہوں نے فرمایا میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گا نہ باہر نکلوں گا نہ عبا پہنوں گا، عمر نے قبول نہیں کیا لیکن فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نالہ وزاری اور لوگوں کی ملامت سے مجبور ہو کر ابوبکر کے پاس واپس گئے اور اُن کو حضرت سے بیعت لینے پر اُبھارا ابوبکر نے حضرت کو بلانے کے لئے کئی مرتبہ قنفذ کو بھیجا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ بالآخر عمر ایک مجمع کے ساتھ فاطمۂ کے دروازے پر گئے اور دق الباب کیا، فاطمۂ نے ان لوگوں کی صدا سنی تو بآواز بلند فریاد کی یا ابت یا رسول اللہ ماذا لقینا بعدک من ابن الخطاب وابن ابی قحافہ (یعنی اے بابا رسول اللہ آپ کے بعد ہم کو عمر ابن خطاب اور ابوبکر ابن ابو قحافہ کی طرف سے کیا کیا مصیبتیں پہنچ رہی ہیں)

جب لوگوں نے فاطمۂ کی گریہ وزاری کی آواز سنی تو اس حالت سے پلٹے کہ آنسو بہ رہے تھے اور کلیجے پھٹ رہے تھے۔ لیکن چند اشخاص کے ساتھ عمر ٹھہر گئے یہاں تک کہ علیؑ کو جبراً گھر سے نکال کے ابوبکر کے پاس لے گئے اور اُن سے کہا کہ ابوبکر کی بیعت کرو حضرت نے فرمایا کہ اگر بیعت نہ کروں تو کیا کرو گے؟ قالوا اذا واللہ الذی لا الہ الا ھو نضرب عنقک کہا خدا کی قسم ہم تمہاری گردن مار دیں گے۔ علی علیہ السلام نے فرمایا تو کیا بندۂ خدا اور برادر رسولؐ کو قتل کرو گے؟ عمر نے کہا تم رسول خدا کے بھائی نہیں ہو۔ ابوبکر یہ سارے واقعات اور گفتگو خاموشی سے دیکھ رہے تھے اور کچھ نہیں کہتے تھے عمر نے ابوبکر سے کہا کہ آیا یہ سب کام میں تمہارے حکم سے نہیں کر رہا ہوں؟ ابوبکر نے کہا جب تک فاطمہؑ ہیں میں اُن کو مجبور نہیں کروں گا امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے کو قبر رسولؐ تک پہنچایا اور نالہ وفریاد کے ساتھ آں حضرتؐ سے وہی بات عرض کی جو ہارون نے اپنے بھائی موسےٰ سے کہی تھی اور خدا نے قرآن میں اُس کی خبر دی ہے کہ یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی (یعنی اے میری ماں کے فرزند قوم نے مجھ کو ضعیف بنا دیا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر دیں)۔

اس قضیے کی مفصل شرح نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام نے بیعت نہیں کی اور گھر واپس چلے آئے۔ بعد کو ایک مرتبہ ابوبکر وعمر فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر پر آئے تاکہ اُن کی خوشنودی حاصل کریں۔ آپ نے فرمایا میں خدا کو گواہ کرتی ہوں کہ

تم دونوں نے مجھ کو اذیت پہنچائی ہے، ہیو ہر نماز میں تم پر نفرین کرتی ہوں یہاں تک کہ اپنے باپ کے پاس پہنچوں اور تمہاری شکایت کروں۔ انتہیٰ

بے لاگ فیصلہ کرنا چاہیئے

حضرات آپ کو خدا کا واسطہ دے کے انصاف چاہتا ہوں، کیا اجماع کے یہی معنی ہیں کہ اصحاب پیغمبرؐ کو اہانت، زدوکوب اور زبردستی کے ساتھ قتل اور گھر پھونکنے کی دھمکیاں دے کر بیعت کے لئے لے جائیں۔ اُس کا نام اجماع رکھیں ہار ارباب انصاف اگر آپ حضرات تعصب سے ہٹ کے ذرا سنجیدگی کے ساتھ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اُس روز کی شعبدہ بازی بھی آج ہی کے مانند تھی جس کی مثالیں اکثر ملتی ہیں کہ چند اشخاص ایک آدمی کا ساتھ پکڑ کے شور و شغب اور ہنگامہ برپا کر کے اس کو ریاست یا سلطنت کی کرسی تک پہنچا دیتے ہیں اور بعد کو کہتے ہیں کہ قوم نے اس کو منتخب کیا ہے۔ اُس روز بھی چند بازیگروں نے پارٹی بنا کر ایک نفر کا انتخاب کر لیا اور بعد کو شور و غوغا، اہانت، آتش زنی اور قتل و خون کی دھمکی سے دباؤ ڈال کر بقیہ لوگوں کو بیعت کے لئے تیار کیا جس کا آج کی شب آپ حضرات نام رکھتے ہیں، اجماع، اور اس کند حربے کو اپنی حقانیت کی دلیل بناتے ہیں۔

پھر تعجب یہ کہ ہم سے بھی فرمائش ہے کہ اندھے بہرے اور نادان بن جاؤ، پچھلی تاریخ پر قطعی دھیان نہ دو دین میں کوئی تحقیق نہ کرو، چاہے جو کچھ بھی کیا ہو لیکن سب کو نیک سمجھو اور اندھا دھند تصدیق کر دو کہ اجماع واقع ہوا اور یہ خلافت برحق ہے اس لئے کہ اجماع کے ذریعے قائم ہوئی ہے۔

خدا کی قسم اگر آپ حضرات غیر جانبداری اور عدل و باریک بینی کی نظر سے دیکھیں تو خود تصدیق کریں گے کہ ان لوگوں کی جتھہ بندی اور پارٹی بازی اُس روز سیاسی تھی برخلاف جماعت شیعہ کے جنہوں نے ارشاد پیغمبرؐ کے مطابق آں حضرتؐ کی عترت طاہرہ کا ساتھ اختیار کیا اور کہا کہ جب خود پیغمبر کی ہدایت ہے کہ قرآن اور میرے اہل بیت سے متمسک رہو تو ہم بھی تعمیل کرتے ہوئے اُن سے جدا نہیں ہوتے ہیں اور کسی غیر کی نہیں بلکہ صرف اُنہیں کی پیروی کرتے ہیں۔

(۷) احمد بن عبد العزیز جوہری جو آپ کے ثقات علماء میں سے ہیں جیسا کہ ابن ابی الحدید نے اس عبارت کے ساتھ اُن کی توثیق کی ہے کہ هو عالم محدث کثیر الادب ثقة ورع اثنیٰ علیه المحدثون و رووا عنه فی مصنفاتهم (یعنی وہ عالم، محدث، بہت بڑے ادیب، ثقہ اور صاحب ورع تھے، محدثین نے اُن کی مدح و ثناء کی ہے اور اپنے تصنیفات میں اُن سے روایت کی ہے)، انہوں نے کتاب سقیفہ میں روایت کی ہے اور ابن ابی الحدید معتزلی نے بھی شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص۱۹ مطبوعہ مصر میں بسند ابو الاسود اُس سے نقل کیا ہے کہ اصحاب کی ایک

جماعت اور سربرآوردہ مہاجرین نے ابوبکر کی بیعت میں غیظ و غضب کا اظہار کیا کہ ان سے مشورہ کیوں نہیں لیا گیا۔ نیز علیؑ اور زبیر بھی غضبناک ہو کر بیعت سے کنارہ کش ہوئے اور خانۂ جناب فاطمہؑ میں آ گئے۔ عمر نے اُسید بن حضیر اور سلمہ بن سلامہ بن قریش (جو دونوں بنی عبدالاشہل سے تھے) اور لوگوں کا ایک گروہ لے کر خانۂ فاطمہؑ پر چڑھائی کر دی فاطمہؑ نے ہر چند فریاد کی اور ان لوگوں کو قسم دی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ علیؑ و زبیر کی تلواریں لے کر دیوار پر مار مار کے توڑ ڈالیں اور ان کو جبر و تشدد کے ساتھ کھینچ کے بیعت کے لئے مسجد میں لے گئے۔

(۸) نیز جوہری نے سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ جب ابوبکر منبر پر بیٹھے اور سنا کہ علیؑ و زبیر اور بنی ہاشم ایک جماعت خانۂ فاطمہؑ میں جمع ہوئے ہیں تو عمر کو بھیجا کہ ان کو لے آؤ۔ عمر فاطمہؑ کے گھر پر آ کر چیخے کہ باہر آؤ ورنہ خدا کی قسم میں تم کو اور تمہارے گھر کو جلائے دیتا ہوں۔

(۹) نیز جوہری نے جیسا کہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص۱۹ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے، اسناد کے ساتھ شعبی سے روایت کی ہے کہ جس وقت ابوبکر کو خانۂ علی علیہ السلام میں بنی ہاشم کے اجتماع کی خبر ملی تو عمر سے کہا کہ خالد کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا موجود ہیں۔ ابوبکر نے کہا تم دونوں جا کر علیؑ اور زبیر کو نکال کے لاؤ تاکہ بیعت کریں، پس عمر فاطمہؑ کے گھر میں داخل ہوئے اور خالد دروازے پر کھڑے ہوئے عمر نے زبیر سے کہا یہ تلوار کیسی ہے؟ انہوں نے کہا میں نے اس کو بیعت علیؑ کے لئے مہیا کیا ہے۔ عمر نے وہ تلوار کھینچ کر گھر کے اندر ہی ایک پتھر پر مار کر توڑ ڈالی، اس کے بعد زبیر کا ہاتھ پکڑ کے اٹھایا اور باہر لا کر خالد کے قبضے میں دیا۔ پھر مکان کے اندر واپس گئے وہاں کافی لوگ جمع تھے، جیسے مقداد اور جملہ بنی ہاشم۔ عمر نے علی علیہ السلام سے کہا اٹھو اور چل کر ابوبکر کی بیعت کرو! حضرت نے انکار کیا تو حضرت کا ہاتھ پکڑ کے کھینچا، اور خالد کے ہاتھ میں دیا۔ خالد کے ساتھ کثیر مجمع تھا جو ابوبکر نے مدد کے لئے بھیجا تھا۔ خالد اور عمر مل کے حضرت کو جبر اور سختی کے ساتھ کھینچ رہے تھے۔ تمام گلیوں میں لوگ بھرے ہوئے تھے اور یہ منظر دیکھ رہے تھے، حضرت فاطمہؑ نے جس وقت عمر کی یہ بدسلوکیاں دیکھیں تو بنی ہاشم وغیرہ کی بہت سی عورتوں کے ساتھ (جو جناب فاطمہؑ کو تسکین دینے کے لئے جمع ہوئی تھیں) باہر آ گئیں اور ان کے نالہ و شیون اور فریاد و فغاں کی آوازیں بلند تھیں، یہاں تک کہ حضرت فاطمہؑ نے مسجد کے اندر ابوبکر کو آواز دے کر فرمایا کہ کتنی جلدی تم لوگوں نے اہل بیت رسولؐ اللہ کے گھر پر ڈاکہ ڈال دیا۔ قسم ہے خدا کی کہ میں عمر سے بات بھی نہیں کروں گی یہاں تک کہ اپنے خدا سے ملاقات کروں (معصومہ اپنی قسم اور عہد کی پابند رہیں اور زندگی بھر ان لوگوں سے بات نہیں کی) چنانچہ بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں لکھا ہے فغضبت فاطمة علی ابی بکر ولم تتکلم به حتی توفیت (یعنی فاطمہ سلام اللہ علیہا ابوبکر پر غضبناک ہوئیں اور وفات کے وقت تک ان سے بات نہیں کی) (جیسا کہ صحیح بخاری کے جزو پنجم و ہفتم میں نقل ہوا ہے)۔

(۱۰) ابو ولید محب الدین محمد بن الشحنة الحنفی متوفی ۸۱۵ھ جو آپ کے اکابر علماء میں سے اور حلب میں بر سر حنفی

مذہب کے قاضی رہے تھے (اپنی تاریخ کی کتاب روضۃ المناظر فی اخبار الاوائل والاواخر میں قضیۂ سقیفہ کی تشریح کرتے ہوئے آگ والا واقعہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔ ان عمر جاء الی بیت علی لیحرقہ علی من فیہ فلقیتہ فاطمۃ فقال ادخلوا فیما دخلت الامۃ (یعنی عمر علیؑ کے گھر پر آئے تاکہ اس کو مع گھر والوں کے جلا دیں پس فاطمہؑ نے ان سے گفتگو کی تو عمر نے کہا جس چیز میں امت داخل ہوئی ہے تم بھی داخل ہو) اور آخر تک یہ واقعہ نقل کرتے ہیں۔

(۱۱) طبری نے اپنی تاریخ جلد دوم ص۴۴۳ میں زیاد ابن کلیب سے نقل کیا ہے کہ طلحہ و زبیر اور مہاجرین کی ایک جماعت علیؑ کے گھر میں تھی، عمر ابن خطاب آئے اور کہا بیعت کے لئے باہر نکلو ورنہ سب کو آگ سے جلائے دیتا ہوں۔

(۱۲) مشہور مورخ ابن شحنہ حاشیہ کامل ابن اثیر جلد یازدہم ص۱۱۲ ضمن واقعہ سقیفہ میں لکھتے ہیں کہ جس وقت اصحاب اور بنی ہاشم کی ایک جماعت جیسے زبیر، عتبہ بن ابی لہب، خالد بن سعید بن عاص، مقداد ابن اسود کندی، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار یاسر، براء بن عازب اور ابی بن کعب نے بیعت ابوبکر سے اختلاف کیا اور علی علیہ السلام کی طرف میلان ہونے کی وجہ سے سب آپ کے گھر میں جمع تھے تو عمر ابن خطاب آئے تاکہ اس مکان میں جو بھی ہو آگ سے اس کو جلا دیں، فاطمہ سلام اللہ علیہا نے احتجاج کیا تو عمر نے کہا کہ اس کام میں شامل ہو جس میں اور لوگ شامل ہوئے ہیں (یعنی بیعت کرنے والے اشخاص کی پیروی کرتے ہوئے بیعت کرو)۔

ان مطالب کا شاید مقبول فریقین مورخ اور جلیل القدر فاضل ابوالحسن علی ابن الحسین مسعودی کا قول ہے جو تاریخ مروج الذہب جلد دوم ص۱۰۰ میں واقعات عبداللہ ابن زبیر کو جنہوں نے مکے میں ریاست و خلافت کا دعویٰ کیا تھا نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس وقت بنی ہاشم مع فرزند امیرالمومنین محمد ابن حنفیہ کے شعب ابوطالب میں جمع تھے اور عبداللہ کا لشکر ان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا تو وہ لوگ بہت سی لکڑی لائے تاکہ سب کو جلا دیں اور آگ کے شعلے بھی بلند ہوئے لیکن پھر بھی بنی ہاشم نے اطاعت قبول نہیں کی یہاں تک کہ مختار کے لشکر نے پہنچ کر ان کو نجات دلائی۔

کہتے ہیں کہ نوفلی نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے کہ ایک جلسے میں محاصرۂ شعب ابوطالب کا قضیہ زیر بحث تھا اور لوگ اس آتش زنی کی ملامت کر رہے تھے تو عروہ بن زبیر اپنے بھائی عبداللہ کی طرف سے لوگوں کے سامنے یہ عذر پیش کر رہے تھے کہ میرے بھائی عبداللہ قصوروار نہیں تھے اس لئے کہ آگ اور لکڑی لانے اور آگ روشن کرنے سے بنی ہاشم کو ڈرانا مقصود تھا انما اراد بذالک ارھابھم لیدخلوا فی طاعتہ کما ارھب بنی ھاشم وجمع لھم الحطب لاحراقھم اذھم ابوا البیعۃ فی ما سلف۔ مطلب یہ کہ عبداللہ ابن زبیر کا شعب ابوطالب میں بنی ہاشم کے لئے آگ لے جانا ان کو خوف زدہ کرنے کے لئے تھا تاکہ وہ ان کی اطاعت کریں ٹھیک اسی طرح جیسے (عمر اور اصحاب ابوبکر نے) بنی ہاشم (اور بزرگان قوم) کو اس وقت ڈرایا دھمکایا تھا اور ان کو

جلانے کے لئے لکڑی جمع کی تھی جب وہ بیعت پر تیار نہیں ہو رہے تھے (تاکہ کسی طرح اجماع کا نام ہو جائے اور آج آپ کے لئے دلیل محکم بنے)۔ یہ روایتیں اور مؤرخین کا بیان اُن کثیر اخبار و بیانات میں سے صرف ایک نمونہ ہے جو آپ کے موثق راویوں نے اپنی معتبر کتابوں میں نقل کئے ہیں۔ انصاف پسند علماء کے نزدیک یہ واقعہ اس قدر مشہور تھا کہ شعراء اس کو اپنے اشعار میں نظم کرتے تھے۔

ہاں آپ کے بعض علماء احتیاطاً اس خیال سے کہ اگر ہم ان معاملات کو بیان کریں گے تو عقیدۂ اجماع کے باطل ہونے پر ایک سند ہو جائے گی اس واقعہ کو نقل کرنے سے پرہیز کرتے تھے ورنہ اصلیت سب کے سامنے ظاہر تھی۔ آپ کے مشہور و معروف شعراء میں سے ایک بزرگ عالم حافظ ابراہیم مصری قصیدہ عمریہ میں خلیفہ کی مدح و تمجید کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

وکلمة لعلی قالها عمر	اکرم بسامعها اعظم بملقیها
حرقت بیتك لا ابقی علیك بها	ان لم تبایع وبنت المصطفیٰ فیها
ماکان غیر ابی حفص یقائلها	یوما لفارس عدنان وحامیها

مطلب یہ کہ سوا ابو حفص (کنیت عمر) کے شہسوار قبیلۂ عدنان علیؑ اور اُن کے حامیوں سے کوئی اور یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اگر بیعت نہ کرو گے تو تمہارا گھر پھونک دوں گا اور اس میں کسی کو زندہ نہ چھوڑوں گا چاہے یہاں رسولؐ کی بیٹی ہی ہو۔

حافظ: یہ روایتیں بتاتی ہیں کہ ڈرانے دھمکانے اور مخالفین خلافت کا مجمع منتشر کرنے کے لئے آگ لائے تھے حالانکہ شیعوں نے یہ گھڑا ہے کہ گھر میں آگ لگادی اور دروازے اور دیوار کے درمیان محسن کا شکم ماہ حمل ساقط ہو گیا۔

جناب فاطمہؑ کے اسقاط حمل کی روایتیں

خیر طلب: میں نے عرض کیا تھا کہ تنگی وقت کی وجہ سے اختصار کی کوشش کر رہا ہوں اور اسی وجہ سے میں نے مفصل روایتیں نقل کرنے سے گریز کیا ورنہ اس بارے میں بھی روایات بہت ہیں نمونے کے طور پر اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہم موحد اور روز جزا پر ایمان رکھنے والے شیعہ دروغ بافی اور جعلسازی سے کام نہیں لیتے اور نہ کسی سے ذاتی پرخاش رکھتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ آپ مقبول فریقین (شیعہ وسنی) مشہور عالم فاضل مؤرخ ابو الحسن علی ابن حسین مسعودی صاحب مروج الذہب متوفی ۳۴۶ھ کی تالیف کتاب اثبات الوصیۃ کی طرف رجوع فرمائیے، جس میں اُس روز کے مفصل واقعات درج کئے ہیں یہاں تک کہ کہتے ہیں فهجموا علیه واحرقوا بابه واستخرجوه

منہ کرھا و ضغطوا سیدۃ النساء بالباب حتی اسقطت محسنا (پس علی علیہ السلام پر ہجوم کر لیا اُن کا دروازہ جلا ڈالا، اُن کو زبردستی گھر سے باہر نکالا اور سیدۂ زنان جناب فاطمہؑ کو دروازے اور دیوار کے درمیان اس طرح سے دبایا کہ محسن کا حمل ساقط ہو گیا) اس سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ شیعوں کی گھڑی ہوئی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کچھ ہوا ہے وہ تاریخ کے اندر محفوظ ہے۔ تاریخ ہرگز گم نہ ہو گی، اگر بعض جانب داری سے کام لیں گے اور اس کو تحریر کرنے سے پرہیز کریں گے تو دوسرے انصاف پسند حضرات بھی ہیں جو درج کر کے رہیں گے۔

استقاطِ حمل کا سانحہ تو تاریخ کے اندر اظہر من الشمس ہے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے اپنے خلفاء کی محبت میں پردہ پوشی اور سکوت سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی یہ حقیقت بے اختیار اُن کی زبان قلم پر آ گئی ہے اور ہمارے دعوے کے ثبوت میں ایک سچا گواہ بن گئی ہے۔

ملاحظہ فرمایئے شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد سیم ص۳۵۱ تاکہ مطلب آپ کے سامنے واضح ہو جائے، ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ جب میں نے اپنے اُستاد ابو جعفر نقیب شیخ معتزلہ کے سامنے یہ روایت نقل کی کہ جس وقت رسولؐ خدا کو یہ اطلاع دی گئی کہ ہبار ابن اسود نے آپ کی دختر زینب کی عماری پر نیزے سے حملہ کیا جس کے خوف سے زینب کا حمل ساقط ہو گیا [1] تو حضرت نے اس کا خون مباح فرما دیا تو ابو جعفر نے کہا لو کان رسول اللہ حیا لاباح دم من روع فاطمۃ حتی القت ذابطنھا (یعنی اگر رسول اللہ زندہ ہوتے تو یقیناً اُس شخص کا خون بھی

---

[1] رسولؐ اللہ کی ربیبہ زینب اپنے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع بن عبد العزیٰ کو بیاہی ہوئی تھیں جنگ بدر میں کفار کے بہت سے قیدیوں کے ساتھ ابو العاص بھی اسیر ہوا۔ طے یہ پایا کہ مشرکین فدیہ دے دے کر اپنے کو رہا کرائیں۔ ابو العاص نے زینب کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے لئے فدیہ بھیج دو۔ اُن بی بی نے کچھ مال مہیا کیا اور اُس کے ساتھ ایک مروارید کا گلوبند جو عقیق یمنی اور یاقوت رمانی سے مرصع تھا اور جناب خدیجہ سے ان کو ملا تھا۔ پیغمبرؐ کی خدمت میں بھیجا۔ رسولؐ اللہ اس کو دیکھ کر غمگین ہو گئے تو اُمت نے آں حضرتؐ کے لحاظ سے فدیہ چھوڑ دیا اور ابو العاص کو آزاد کر دیا۔ پیغمبرؐ نے ابو العاص سے فرمایا کہ زینب چونکہ تجھ پر حرام ہے لہذا اُن کو مدینے بھیج دے! اس نے منظور کیا آں حضرتؐ نے زینب کو لانے کے لئے اُس کے ہمراہ مرد پیر حضرت زید بن حارثہ کو روانہ فرمایا۔ جب مشرکین کو معلوم ہوا کہ زینب کی روانگی ہو گئی تو ابو سفیان کے ساتھ ایک گروہ نے تعاقب کیا اور ذی طویٰ میں اُن تک پہنچ گئے ہبار ابن اسود نے زینب کی عماری میں نیزہ مارا اور نیزے کی انی اُن کی پشت میں لگی جس سے وہ گھبرا گئیں اور دہشت کی وجہ سے حمل ساقط ہو گیا جس وقت زینب مدینے پہنچیں اور رسولؐ اللہ سے واقعہ بیان کیا تو آں حضرتؐ کو بہت صدمہ ہوا اور ہبار کا خون حلال فرما دیا نیز حکم دیا کہ اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کے اس کو قتل کیا جائے۔

حلال کر دیتے جس نے فاطمہؑ کو خوف زدہ کیا یہاں تک کہ ان کا حمل (محسن) ساقط ہو گیا)۔

نیز صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی نے وانی بالوفیات ضمن حرف الف میں ابراہیم بن سیار بن ہانی بصری معروف بہ نظام معتزلی کے کلمات وعقائد نقل کئے ہیں، یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ نظام نے کہا ہے۔ ان عمر ضرب بطن فاطمۃ یوم البیعہ حتیٰ القت المحسن من بطنھا (یعنی عمر نے بیعت کے روز حضرت فاطمہؑ کے بطن پر ایسی ضرب لگائی کہ محسن ان کے شکم سے ساقط ہو گئے) وانی بالوفیات کی یہ قلمی جلد حاجی حسین آقا ملک کے کتب خانہ ملی تہران میں موجود ہے) لہذا آپ حضرات اپنے بزرگوں کی پیروی میں بلاوجہ شیعہ قوم کو بدنام نہ کیجئے اور ناواقف عوام کے سامنے ہم کو تصور وار مشہور نہ کیجئے جس سے ان کو دھوکا ہو کہ واقعی یہ روایتیں شیعوں نے وضع کی ہیں۔ اور پھر آپ ان میں غلط فہمی پھیلائیں اور کہیں کہ ہمارے خلفاء نے علیؑ و فاطمہؑ کو کوئی ایذا نہیں پہنچائی بلکہ یہ خود ان کی خلافت پر راضی تھے۔ آتش زنی، جبر و تشدد، بیعت کے لئے علیؑ و بنی ہاشم کی توہین و تذلیل اور اسقاطِ کے واقعات نیز دوسرے مظالم آپ کے منصف مزاج علماء کی معتبر کتابوں میں مندرج ہیں۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض کرنا ہے تو بلاذری، طبری، ابن خزابہ ابن عبدربہ، جوہری، مسعودی، نظام۔ ابن ابی الحدید، ابن قیتبہ، ابن شحنہ اور حافظ ابراہیم وغیرہ پر کیجئے کہ انہوں نے کیوں اپنی کتابوں میں لکھا اور کیوں اپنے اشعار میں نظم کیا۔ ہم تو جو کچھ کہتے ہیں مضبوط اور مسلّم سند کے ساتھ کہتے ہیں۔ جذبات اور جاہلانہ تعصب سے روایتیں نہیں گھڑتے۔

حافظ:۔ آخر اس قسم کی روایتیں نقل کرنے سے نتیجہ کیا ہے؟ سوا باہمی نفاق و عداوت اور اختلاف پیدا ہونے کے قطعاً ان سے کوئی فائدہ نہیں نکلتا۔

نصرتِ حق اور اثباتِ مظلومیت ضروری ہے

خیر طلب: اولاً بہتر تو یہ ہے کہ اپنے علماء و مورخین پر یہ اعتراض کیجئے کہ انہوں نے لکھا کیوں؟ ورنہ حق چھپا نہیں رہتا۔ فللّٰہ الحجۃ البالغۃ۔ اور تاریخ محو نہیں ہوتی۔ آخر کار ہر قوم و ملت میں کچھ پاک نفس، انصاف پسند اور بے لوث افراد پیدا ہوتے ہیں جو حقائق پیش کرتے ہیں۔ جیسے آپ کے منصف مزاج علماء کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں درج کر کے حقیقتوں کو ظاہر کر دیا۔

دوسرے آپ کا یہ فرمانا کہ تم کیوں کہتے ہو اور کیوں لکھتے ہو؟ تو بدیہی چیز ہے کہ ہمارا یہ کہنا اور لکھنا آپ کے ان کج فہم، مطلب پرست اور افترا پرداز متعصبین و مصنفین کے حملوں اور تہمتوں کے جواب میں دفاعی حیثیت رکھتا ہے جو مسلمانوں کے اندر تفرقہ ڈالنے کے لئے ہمارے ناواقف بھائیوں کو بہکاتے ہیں، مومن و موحد شیعہ

جماعت کو کافر و مشرک اور ملحد مشہور کرتے ہیں اور اس قسم کے حالات اور تاریخی واقعات کو شیعوں کی من گھڑت بتا کے سادہ طبیعتوں کو غلط الزامات کے ذریعہ مکدر بناتے ہیں ۔

ہم مجبور ہیں کہ اپنے مظلومانہ حق سے دفاع کریں اور اطراف عالم میں پھیلے ہوئے اپنے روشن دماغ مسلمان بھائیوں پر واضح کریں کہ شیعیان اہلبیت رسالتؐ یعنی علیؑ اور اولاد علیؑ کے پیرو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے کہنے والے ہیں اور علی علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہتے چنانچہ ہم نے گذشتہ شبوں میں عقلی ونقلی دلائل وبراہین کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ہم علیؑ کو خدا کا بندۂ صالح رسول اللہ کا وصی وخلیفہ منصوص اور بھائی سمجھتے ہیں ، اور ہر اس عمل کے مخالف ہیں جو غیر خدا کے لئے ہو ۔

آپ فرماتے ہیں کہ تم کیوں کہتے ہو ؟ حقائق بیان کرنے سے کیا نتیجہ ہے ؟ تو ہم بھی آپ سے کہتے ہیں کہ آپ نہ کہئے تاکہ ہم بھی نہ کہیں ، آپ نہ لکھئے تاکہ ہم بھی نہ لکھیں ، حق اور واجبی حقوق کی حمایت فرض ہے ۔ ہم خود نہیں کہتے ہیں آپ ہم کو کہنے پر مجبور کرتے ہیں ، اب اسی رات میں اگر آپ یہ نہ فرماتے کہ یہ شیعہ عوام کے عقائد ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ، تو میں پردہ اٹھانے پر مجبور نہ ہوتا اور حضرات حاضرین جلسہ کو یہ نہ بتاتا کہ جیسا آپ نے سنا ہے ، یہ شیعہ عوام کے عقائد نہیں ہیں بلکہ حق گو علمائے اہلسنت والجماعت کے اعتقادات ہیں ۔ چنانچہ اُن میں سے نمونے کے طور پر کچھ عرض بھی کرنا پڑا ۔ ہم شیعہ لوگ خالص موحد ہیں ۔ اور کتاب وسنت اور عقل واجماع کی روشنی میں صرف صحیح عقاید کے حامل ہیں ۔

حافظ : آپ کی ان باتوں پر حیرت اور تعجب ہے ، اس لئے کہ علمائے شیعہ کی خاص کتابوں میں ایسی روایتیں موجود ہیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہیں اور پورے پورے شیعوں کی جسارت اور گناہوں میں ان کی بے پروائی کا باعث ہوتی ہیں ۔ اس قسم کے روایات قطعاً موضوع ہیں ! ور ان سے امت کے اخلاق بگڑنے کے علاوہ اور کوئی نتیجہ نہیں ۔ آپ لوگ بھی ان سے منع نہیں کرتے ۔

خیر طلب : سخت تعجب ہے کہ جناب عالی مطالب کو بے ربط بیان فرماتے ہیں ۔ بہتر ہے ، جو روایتیں آپ کی نظر میں غلط وموضوع اور موجب فساد ہیں اُن کو بیان فرمائیے تاکہ مطلب واضح ہو ۔

حدیث حب علی حسنۃ ومن بکیٰ علی الحسین میں اشکال اور اس کا جواب

حافظ: آخوند ملا محمد باقر مجلسی اصفہانی جو آپ کے بزرگ علماء میں سے ہیں بحار الانوار کی اکثر جلدوں میں ایسی روایتیں درج کرتے ہیں جن میں سے فی الحال ایک تعجب خیز حدیث میرے پیش نظر ہے جس کو رسولِ خدا سے نقل کیا ہے کہ فرمایا "حب علی حسنۃ لا یضر معہا سیئۃ" یعنی علی (علیہ السلام) کی محبت ایسی نیکی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی گناہ (صغیرہ) نقصان نہیں پہنچاتا، نیز نقل کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا "من بکیٰ علی الحسین وجبت لہ الجنۃ" (یعنی جو شخص حسین علیہ السلام پر روئے بہشت اس کے لیے واجب ہے) اور اس طرح کے بہت سے روایات میں نے دیکھے ہیں جن سے اُمت میں فساد پیدا ہوتا ہے اور انہی کی وجہ سے شیعوں میں جسارت اور گناہوں کی طرف سے بے پرواہی پیدا ہوتی ہے کہ چاہے جیسا گناہ کریں ان کو یہ امید ہے کہ چونکہ علیؑ کو دوست رکھتے ہیں ان معاصی سے ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچے گا یا اس خیال سے ہر گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے لئے ایک قطرہ آنسو ہمارے گناہوں کو دھو دے گا اور ہم جنت میں چلے جائیں گے جب لوگوں میں یہ بے قاعدہ امید کافی بڑھ جاتی ہے تو رفتہ رفتہ بدکاری اور بداخلاقی پھیل جاتی ہے۔ چنانچہ ہم شیعوں کے اکثر ایسے لوگوں کو جانتے ہیں جو سال بھر گناہوں میں غرق رہنے کے بعد ایام عاشورہ میں عزاداری میں مشغول ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دس دن ختم ہونے کے بعد عزاداری کے اثر سے ہم اس طرح گناہوں سے باہر آجاتے ہیں جیسے پیدائش کے روز تھے۔

بلادِ اہل تسنن میں گناہوں کی گرم بازاری

خیر طلب: اوّل تو آپ حضرات نے بہت بڑا دھوکا کھایا ہے کہ بعض شیعوں میں بدکاری یا لااُبالی پن کا رواج پایا تو اس قسم کی روائتوں پر عقیدہ رکھنے کا نتیجہ سمجھ لیا۔ اگر بعض شیعہ عوام کا ارتکاب گناہ اس طرح کی حدیثوں سے وابستہ ہے تو فرمائیے برادرانِ اہل سنت جن کے اعتقادات آپ جیسے حضرات کی رہنمائی کے باعث ان احادیث کے برخلاف ہیں کس لئے گناہوں اور بدکاریوں میں غرق بلکہ علی الاعلان معاصی میں مبتلا رہتے ہیں؟ بلادِ اہل تسنن اور ان کے خاص خاص شہروں جیسے مصر، اسکندریہ، شام، بیت المقدس، بیروت، عمان، حلب، بغداد، بصرہ، عشار اور بہت سے چھوٹے

قصبوں میں جن کو میں نے دیکھا ہے اور جہاں اکثریت بلکہ بعض بعض شہروں اور قصبوں میں پوری پوری آبادی، اہل سنت کی ہے۔ تمام چھوٹے بڑے عمومی قہوہ خانوں میں مختلف اقسام کا جوا رائج ہے جو ان کی عادت اور طبیعت ثانیہ بن چکا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے گناہ اور بداعمالیاں جس قدر بعض شیعہ عوام میں پائی جاتی ہیں۔ اس سے کہیں زیادہ ان لوگوں کے اندر رائج ہیں۔ تمام پارکوں اور راستوں میں قمار بازی، شراب نوشی رقص و سرود، باقاعدہ حرامکاری کے اڈے اور دوسرے فحش حرکات جن کے ذکر سے بھی شرم آتی ہے ہر جگہ موجود ملیں گے۔ اگر ہم بھی آپ کی طرح نکتہ چینی اور حیلہ سازی کا کرتے اور کہدیتے کہ برادرانِ اہل تسنن میں بدکاری، زنا، لواطہ، شراب اور جوئے وغیرہ کا اس قدر رواج اور احکام دین میں ان کی اس قدر جسارت اور لاابالی پن اُن کے اماموں اور فقیہوں کے بے جا فتویٰ کی وجہ سے ہے۔ مثلاً کُتے کی طہارت کا حکم اس کا گوشت حلال جاننا، منی و مسکرات اور حرام سے حیض، ہونے والے کا پسینہ پاک سمجھنا، سفر میں اطفال کے ساتھ مقاربت اور ریشم یا کوئی اور چیز آلۂ تناسل پر لپیٹ کے محرم عورتوں سے مباشرت کا جواز اور اسی قسم کے دیگر مسائل نے عوام کو گناہوں میں جری اور بے پروا بنا دیا ہے۔

لیکن شیعہ فقہا ان تمام باتوں کو حرام سمجھتے ہیں اور ان کے مرتکب سے بیزاری اختیار کرتے ہیں۔

حافظ: یہ جھوٹے الزامات محض افسانہ ہیں۔ آپ کے پاس اپنی گفتگو پر دلیل کیا ہے؟

اہلِ تسنن میں سے زمخشری کا اعتراف اور تنقید

خیر طلب: آپ خود ہی جانتے ہیں لیکن بیچارگی میں عمداً مدعی سست گواہ چست کا مصداق بنتے ہیں۔ ورنہ آپ کی فقہی کتابوں میں آپ کے فقہا کے یہ فتاویٰ موجود ہیں۔ وقت میں اتنی گنجائش نہیں کہ سب کو نقل کر سکوں لیکن یہ اتنی واضح اور بدیہی چیز ہے کہ خود آپ کے اکابر علماء نے بھی اس کی تنقید کی ہے۔ نمونے کے لئے آخر تفسیر کشاف جلد سوم ص۳۰۱ میں جار اللہ زمخشری کا یہ قول آپ کے ملاحظے کے قابل ہے۔

اذا سئلوا عن مذهبی لم ابح به	واکتمه کتمانه لی اسلم
فان حنفیاً قلت قالوا باننی	ابیح الطلا وهو شراب المحرم
وان مالکیاً قلت قالوا باننی	ابیح لهم اکل الکلاب وهم هم
وان شافعیاً قلت قالوا باننی	ابیح نکاح البنت والبنت تحرم
وان حنبلیاً قلت قالوا باننی	ثقیل حلولی بغیض مجسم
وان قلت من اهل الحدیث وحزبه	یقولون تیس لیس یلدی ولفهم

تعجبت من ھذا الزمان واھلہ | فما احد من السن الناس یسلم
واخرنی دھری وقدم معشراً | علی انھم لا یعلمون واعلم
ومذ افلح الجھال ایقنت اننی | انا المیم والایام افلح اعلم

(یعنی اگر مجھ سے میرا مذہب دریافت کریں تو میں اس کو ظاہر نہیں کروں گا - کیوں کہ اس کے پوشیدہ رکھنے میں سلامتی ہے - اس لئے کہ اگر میں کہوں حنفی ہوں تو کہتے ہیں کہ تم حرام شراب کو حلال جانتے ہو - اگر کہوں مالکی ہوں تو کہتے ہیں کہ تم کتے کا گوشت حلال سمجھتے ہو - اگر کہوں شافعی ہوں تو کہتے ہیں کہ تمہارے یہاں اپنی لڑکی سے نکاح جائز ہے حالانکہ لڑکی حرام ہے - اگر کہوں حنبلی ہوں تو کہتے ہیں کہ تم حلولی اور مجسّمہ مذہب کے ہو - اگر کہوں اہلِ حدیث ہوں تو کہتے ہیں کہ یہ بکرا ہے کچھ جانتا بوجھتا نہیں ہے (مطلب یہ ہے کہ یہ فقہائے مذاہب اربعہ کے فتاویٰ ہیں بلکہ مشتے نمونہ از خروارے ہیں) اس زمانے اور زمانے والوں سے مجھ کو تعجب ہے کہ کوئی شخص لوگوں کی زبان سے محفوظ نہیں ہے - میں کیا کروں کہ زمانے نے مجھ کو پیچھے ڈال دیا ہے کیونکہ میں جانتا ہوں اور اس گروہ کو آگے بڑھا دیا ہے جو نافہم ہے جب میں نے دیکھا کہ جاہلوں نے ترقی کی ہے تو میں نے یقین کر لیا کہ مجھ کو شمع کی طرح جلنا ہے اور زمانے کے لئے کامیابی ہے -)۔

ایک ایسا عالم جلیل اور مفسرِ نبیل کہہ رہا ہے کہ مجھ کو مذاہب اربعہ کے فاسد فتاویٰ اور غلط عقائد کی بنا پر شرم آتی ہے کہ اپنے کو انہیں میں سے ظاہر کروں - اس کے بعد بھی آپ حضرات امید کرتے ہیں کہ ہم ایسے عجیب و غریب مذاہب کی پیروی اختیار کریں گے ۔

اچھا اب اس کو چھوڑ کر اصل مطلب پر آتے ہیں - دوسری بات یہ ہے کہ جیسا آپ کہہ رہے ہیں - اس کے برخلاف اس قسم کے روایات دو وجہوں سے شیعوں کے گڑھے ہوئے نہیں ہو سکتے - اوّل یہ کہ میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ شیعوں کو حدیثیں وضع کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ۔ دوم یہ کہ خود آپ کے بڑے بڑے علماء کی اکثر معتبر کتابوں میں اس طرح کی روایتیں کثرت سے مروی ہیں - صرف علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ شیعوں نے بالعموم نقل کیا ہے، چونکہ میں وعدے کے خلاف نہیں کرنا چاہتا - لہٰذا علمائے شیعہ کے اقوال چھوڑتا ہوں اور علمائے اہل سنّت کے اقوال پیش کرتا ہوں ۔

کتب اہلِ تسنّن سے حدیث حب علی حسنۃ کے اسناد اور اسکے معنی

یہی روایت جو آپ نے علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کی بحار الانوار سے نقل کی ہے - امام احمد بن حنبل نے مسند میں خطیب

خوارزمی نے مناقب کے آخر فصل ششم میں، سلیمان قندوزی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۲ میں نیز ضمن باب ۵۶ ص ۱۸۰ میں کنز الدقائق شیخ عبدالرؤوف المناوی المصری ص ۲۳۹ سے اور وہ مناقب السبعین سے حدیث ۴۹ اور وہ فردوس دیلمی سے بروایت معاذ بن جبل، میر سید علی ہمدانی فقیہ شافعی نے مودۃ القربیٰ مودت ششم میں، امام الحرم، شافعی محب الدین ابو جعفر احمد بن عبداللہ طبری نے ان ستر حدیثوں میں سے جو اہلِ بیتِ طہارتؑ کے فضائل میں نقل کی ہیں حدیث ۵۹ ذخائر العقبیٰ میں محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں اور آپ کے دوسرے علماء نے انس بن مالک اور معاذ ابن جبل سے اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ فرمایا حب علی حسنۃ لا یضر معھا سیئۃ وبغض علی سیئۃ لا تنفع معھا حسنۃ (یعنی علی علیہ السلام کی محبت وہ نیکی اور کارِ ثواب ہے کہ اس کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا اور علیؑ کی دشمنی وہ گناہ ہے جس کی موجودگی میں کوئی عملِ خیر فائدہ نہیں پہنچاتا۔)

نیز امام الحرم احمد بن عبداللہ طبری شافعی نے ذخائر العقبیٰ میں، ابن حجر نے ص ۲۱۵ میں ملا سے نقل کرتے ہوئے سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ ص ۲۴۶ ضمن باب ۵۶ میں حدیث ۳۳ مناقب السبعین سے اور اس میں فردوس دیلمی سے اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ جلد چہارم ص ۱۵۹ میں نسائی سے اور انہوں نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا حب علی ابن ابی طالب یاکل الذنوب کما تاکل النار الحطب (یعنی علیؑ کی محبت گناہوں کو اس طرح کھا لیتی ہے جس طرح آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔)۔

تیسرے جو لوگ روایات میں سوجھ بوجھ رکھتے ہیں وہ پوری طرح غور و فکر کرتے ہیں تاکہ انکشافِ حقیقت ہو جائے اور گتھی سلجھ جائے، نہ یہ کہ جہاں کوئی حدیث سمجھ میں نہ آئی یا اس کی تہ تک نہ پہنچ سکے بس فوراً طعن و تشنیع شروع کر دی اور لگے اس کو موضوع کہنے۔ مخالفانہ پروپیگنڈا کرنا آسان ہے لیکن خدا کی اطاعت بھی تو ضروری ہے جو قرآن مجید سورہ ۲۱ (انبیاء) آیت ۷ میں ہم کو ہدایت دے رہا ہے کہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (یعنی سوال کرو اہلِ ذکر سے مراد قرآن ہے یا رسول اللہؐ اگر تم کو معلوم نہیں ہے) چنانچہ اس متفق علیہ فریقین حدیث کے معنی جو آپ کی اور اکثر سطحی نظر رکھنے والے اشخاص کی نگاہوں میں معما معلوم ہوتی ہے۔ اتفاق سے بہت سہل الحصول ہیں، اس لئے کہ جب ہم قرآنِ مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں تو گناہوں کی تقسیم دو حصوں میں نظر آتی ہے۔ کبیرہ اور صغیرہ اور بعض آیات میں کبیرہ کے مقابل صغیرہ کو سیئہ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ سورہ ۴ (نساء) آیت ۳۵ میں صریحی ارشاد ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم وندخلکم مدخلا کریما (یعنی اگر تم لوگ منہیات میں سے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو تو ہم تمہارے دوسرے گناہوں سے (جو چھوٹے ہیں) درگذر کریں گے اور تم کو بلند منزل تک پہنچائیں گے) پس اس آیت کے حکم سے اگر بندہ گناہانِ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے تو اس کے

سئیات اور گناہانِ صغیرہ سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور وہ بخش دیا جاتا ہے۔

اور اس حدیث میں بھی یہی ارشاد ہے کہ علیؑ کی محبت ایسا نیک عمل ہے کہ کوئی سیئہ اور گناہ صغیرہ اس کے سامنے ضرر نہیں پہنچاتا۔

حافظ :۔ مگر کیا خداوند عالم صریحاً ارشاد نہیں فرماتا ہے کہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً (یعنی حقیقتاً خدا تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے)؟ کوئی بھی گنہگار بندہ چاہے اس کا گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ جس وقت نادم ہو کر خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو قطعاً بخش دیا جاتا ہے۔ لہٰذا کبیرہ اور صغیرہ کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

انکشاف حقیقت

خیر طلب: گویا آپ نے آیۂ مبارکہ پر کوئی دھیان ہی نہیں دیا ورنہ اس ایراد کی ہمت نہ کرتے اوّل تو کبیرہ اور صغیرہ کے درمیان میں نے فرق نہیں قائم کیا ہے بلکہ پروردگار عالم نے فرمایا ہے۔ دوسرے آپ کی طرح مجھ کو بھی اعتراف ہے کہ جو گنہگار مومن بندہ خداوند کریم کی غفاریت کا معتقد ہوتا ہے وہ جس وقت نادم ہو کر اس کی طرف لو لگائے تو خدائے غفار اس کو بخش دیتا ہے لیکن اگر دنیا سے بغیر توبہ کے چلا جائے تو موت کے بعد کی دشوار منزلوں میں حساب کے موقف تک اس پر مسلسل عذاب کیا جاتا ہے۔ اگر اس کا گناہ زیادہ سخت نہیں تھا تو گویا وہ اپنی سزا کو پہنچ گیا اور حساب کے موقع پر اس کو بخش دیا جاتا ہے اور اگر اس کے اعمال بد اور گناہانِ کبیرہ زیادہ ثابت ہوئے تو اس کو جہنم میں لے جائیں گے اور اس کی نافرمانی کے مطابق عذاب کرنے کے بعد نجات دیں گے۔

لیکن سئیات اور گناہانِ صغیرہ میں اگر بغیر توبہ کے بھی دنیا سے چلا جائے اور علی علیہ السلام کا چاہنے والا ہو تو خدا اس کو معاف فرما دیتا ہے اور موت کے بعد کی منزلوں میں اس پر سختیاں نہیں کی جاتیں۔ وہ جہنم میں نہیں بھیجا جاتا بلکہ بہشت میں داخل کیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے وندخلکم مدخلاً کریما۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ نے اس حدیث کو کس رخ سے جسارت اور بے پروائی کا سبب سمجھ لیا۔ آیا حدیث شریف میں سئیات یا گناہانِ کبیرہ وصغیرہ کا حکم دیا گیا ہے جس سے آپ نے اس کو شیعوں کی جرأت اور لاابالی پن کا باعث قرار دیا؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہوگا۔ اب اس کو سوا بدگمانی اور عصبیت کے اور کیا کہا جائے۔ حالانکہ یہ حدیث انسان کو صرف مایوسی سے روکتی ہے۔ حد سے زیادہ امیدوار نہیں بناتی۔ اس لئے کہ لوگوں کو یقین ہے کہ ہم ہوائے نفس میں گرفتار ہیں اور جب وہ گناہانِ صغیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو شیاطین جن وانس ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں کہ اب وہ رحمت الٰہی کے مستحق نہیں رہے۔ چونکہ اکثر جوان وجاہل اور نادان ہوتے ہیں لہٰذا اس فریب میں آ کر ناامید ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہم بخشے ہی نہیں

جائیں گے تو پھر اپنی نفسانی خواہشوں کا خون کیوں کریں ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ ان میں بغاوت اور سرکشی پیدا ہوتی ہے اور صغائر سے آگے بڑھ کے کبائر میں غرق ہو جاتے ہیں لیکن اس طرح کی حدیثیں دلوں میں امید کا دروازہ کھولتی ہیں اور سمجھاتی ہیں کہ انسان چونکہ جائز الخطا ہے لہذا اگر اس سے کچھ گناہ سرزد ہو گئے ہیں اور حقیقتاً وہ علی علیہ السلام کا سچا دوست ہے تو اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا ۔

چونکہ خدائے تعالٰی نے آیۂ شریفہ میں بخشش کا وعدہ فرمایا ہے اور مغفرت کے لئے کچھ وسائل قرار دیئے ہیں لہٰذا علی علیہ السلام کی محبت بھی ان میں سے ایک وسیلہ ہے جو گناہوں سے معافی دلاتا ہے ۔ ورنہ شیعہ جب تشیع کے معنی سمجھ لے گا تو ہرگز لاابالی نہ ہوگا ۔ وہ دیکھے گا کہ شیعۂ علی یعنی علیؑ کا پیرو وہ شخص ہے جو رفتار و گفتار میں حضرت کے قدم بہ قدم چلے پھر اسی کی نجات بھی یقینی ہے کیونکہ آپ کے علماء کی تمام تفسیروں اور معتبر کتابوں میں مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ وارد ہے جس کے ایک جزو کو ہم گزشتہ راتوں میں پیش کر چکے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے یا علی انت و شیعتک ھم الفائزون فی الجنۃ (یعنی اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ جنت میں رستگار رہیں ۔ ملاحظہ ہوں اسی کتاب کے صفحات) پس اگر آپ اعتراض کرنا چاہیں تو اس طرح کے اکثر احادیث پر بھی اعتراض کر سکتے ہیں کہ جب شیعہ یہ سمجھ لے گا کہ رسول اللہؐ نے اس کو رستگار اور جنتی فرمایا ہے تو اس میں جرأت اور جسارت پیدا ہو جائے گی اور ہر طرح کا گناہ کرنے لگے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے ۔

معرفتِ خدا اور رسولؐ کے بعد ایک مکلف شیعہ کا پہلا فرض یہ ہے کہ تشیع کے معنی سمجھے ۔ جب یہ سمجھ لے گا کہ شیعہ سے مراد علیؑ اور آلِ علیؑ کا پیرو ہے تو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ علیؑ کا پیرو وہ شخص ہے جو علم و عمل قول و فعل اور کردار و گفتار میں حضرت کا نمونہ ہو اور حضرت کے نقشِ قدم پر چلے ۔ یعنی جو کچھ علیؑ نے کیا ہے یہ بھی کرے اور جو کچھ علی علیہ السلام نے نہیں کیا یہ بھی نہ کرے ۔ پس شیعۂ علیؑ جس وقت یہ جانے گا کہ علی علیہ السلام کسی کبیرہ یا صغیرہ گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ کوئی مکروہ عمل بھی ان سے صادر نہیں ہوا تو وہ پوری کوشش کرے گا کہ اپنے مولا کے مانند صفاتِ حمیدہ سے متصف ہو اور اخلاق و عاداتِ رذیلہ سے علیحدگی اختیار کرے ، چونکہ یہ عصمت کی قوت سے جو نبوت و امامت کی ایک مخصوص منزل ہے محروم ہے اور ہر پہلو سے علیؑ بن جانا مشکل بلکہ محال ہے لہذا سعی کرے گا کہ کم از کم کبائر کا مرتکب قطعاً نہ ہو اور صغائر پر اصرار نہ کرے تاکہ علی علیہ السلام کا محبوب رہے اور اس کا نام شیعوں کے زمرے میں شمار ہو ۔ غیر معصوم اور جائز الخطا ہونے کی وجہ سے اگر کوئی سیئہ یا گناہِ صغیرہ اس سے صادر بھی ہو جائے تو امیر المومنین علیہ السلام کی محبت و دوستی کے وسیلے سے معافی اور چشم پوشی کا مستحق قرار پائے گا ۔ اگر خدانخواستہ اس دنیا سے بغیر توبہ کئے اٹھا ہے تو اس محبت کے طفیل صغائر و سیئات کی باز پرس اس سے نہ ہو گی ۔

رہے حدیث من بکیٰ علی الحسین وجبت لہ الجنۃ کے معنی تو یہ بھی بہت سادہ اور ہر عالم و جاہل کی سمجھ میں آنے والے ہیں ۔ اور انہیں کے ساتھ ایک جواب بھی ہے جو فی الحال اکثر حضرات حاضرین جلسہ کے حسب دلخواہ

ہوگا کیونکہ ان کی طرف سے مکرر جواب میں سادگی کی فرمائش کی جا چکی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث شریف کے صاف صاف اور تحت اللفظ معنی یہ ہیں کہ جو شخص (کس) اگر یہ کرے جس پہ واجب ہوتی ہے۔ اس کے لئے بہشت، جس کا الٹا مفہوم یہ ہوا کہ اگر ناکس گریہ کرے " تو بہشت اس پہ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس کو اس گریہ سے کوئی فائدہ ہی نہیں۔

حافظ: کس اور ناکس میں کیا فرق ہے کہ گریہ کس کے لئے تو نتیجہ بخش ہو لیکن ناکس کے لئے بے سود ہو۔

کس اور ناکس میں فرق

خیر طلب: اگرچہ کلمۂ موصولہ میں کس اور ناکس کا سوال نہیں ہے لیکن فارسی معنی میں کس اور ناکس آتا ہے (ملحوظ رہے کہ گفتگو فارسی ہی زبان میں ہوئی ہے ۱۲ مترجم عفی عنہ) لہذا عرض کرتا ہوں کہ کس اس مومن کو کہتے ہیں جو موحد اور خدا پرست ہو، اصول عقائد کو استدلال یا یقین کے ساتھ مانتا ہو۔ از آدمؑ تا خاتمؐ انبیائے کرام کی نبوت کا معتقد ہو اور اپنے کو نبی آخر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت پہ پابند سمجھتا ہو، معاد جسمانی وجود بہشت و دوزخ اور ولایتِ آل محمدؐ و عترتِ رسولؐ پہ عقیدہ رکھتے ہوئے حضرت علیؑ اور ان کے گیارہ فرزند بزرگوار کو بندگانِ صالح، امامِ برحق اور رسول خداؐ کے مقرر کئے ہوئے نائب جانتا ہو، حضرت کے گیارہویں فرزند یعنی پیغمبرؐ کے بارہویں خلیفہ کو زندہ و قائم اور عالم کا امام مانتا ہو، کتبِ سماویہ پر اعتقاد رکھتے ہوئے قرآن مجید کو برحق اور منجانب خدا سمجھتا ہو، اس کے مضامین کا معتقد اور اس کے ہدایات اور اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہو۔

اور ناکس اس مسلمان کو کہتے ہیں جو صورت اور نام سے مسلمان اور تمام احکامِ دین کا قائل ہو لیکن مقام عمل میں صالح نہ ہو یا بالکل تارک ہو یا بعض پر عمل پیرا ہو اور بعض سے منحرف ہو یا بعض کبائر کا مرتکب ہو جیسے قتل، شراب نوشی، زنا، لواطہ، سود خوری یا کم فروشی وغیرہ ایسا آدمی چاہے جس قدر گریہ کرے اس کے لئے بے سود ہے اور ترک واجبات جیسے نماز روزہ حج خمس زکوٰۃ وغیرہ بدل نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر اعمالِ زشت سے توبہ کرے، تلافی مافات کا عہد کرے، انسانی حقوق کو ادا کرے اور حقداروں کو رضامند کرے یا وہ اگر مر چکے ہیں تو ان کے وارثوں کو پہنچائے تو اس وقت گریہ اور خاندان رسالت کی محبت اس کے لئے بخشش اور خامیوں کو پورا کرنے کا وسیلہ ہوگی۔

لیکن اگر مثلاً نماز نہیں پڑھی ہے یا روزہ نہیں رکھا ہے یا مستطیع ہونے کے بعد حج بیت اللہ نہیں بجا لایا ہے یا خمس و زکوٰۃ عائد ہونے کے بعد اس کو ادا نہیں کیا ہے یا حرامکاریاں کی ہیں یا سود کھایا ہے یا لوگوں کا مال ناجائز طور سے ہضم کیا ہے اور حرام طریقوں سے روزی حاصل کی ہے یا سود اکم دیا ہے یا ظلم و تعدی اور قتل و خونریزی کی ہے اور پھر

اس خیال سے گریہ کرے کہ اس کے گناہ رونے سے معاف ہو جائیں گے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ آل محمد علیہ السلام ایسے لوگوں سے بیزار ہیں اور ان کے لئے گریہ سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے اکثر محافل و مجالس اور مذہبی جلسوں میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ورنہ اگر یہ غلط عقیدہ صحیح ہو کہ آدمی چاہے جو زشت عمل کرے، گناہانِ کبیرہ اس سے صادر ہوں اور واجبات کو ترک کرے اس کے بعد خیال کرے کہ گریہ یا زیارت آلِ محمد علیہم السلام سے تلافیٔ مافات ہو کر نجات حاصل ہو گی تو دشمنانِ آلِ محمد کو بھی جنتی ہونا چاہیئے کیونکہ ان میں سے اکثر لوگوں نے اہلبیت کی مظلومی پر گریہ کیا ہے۔ چنانچہ اربابِ مقاتل نے واقعۂ کربلا میں لکھا ہے واللہ بکت وابکت کل عدو وصدیق۔ دوست دشمن بھی اس مصیبتِ عظمیٰ میں روئے۔ فرزندِ رسولؐ اور ان کے اعزہ و اصحاب یہاں تک کہ کمسن اور شیرخوار بچّوں کو بھی قتل کیا لیکن مصائبِ اہلبیتؑ دیکھ کر گریہ بھی کرتے تھے۔ پس آپ قطعاً یہ سمجھ لیجئے کہ ایسے ناکس مسلمانوں کو جن کے پاس صورت تو ہے لیکن سیرت نہیں کوئی نفع اور نتیجہ نہیں۔ جب تک مومن نہ ہوں یہ رونا بیکار ہے۔

حافظ: اگر کوئی مسلمان شخص اصول عقائد کا معتقد اور احکامِ شرعیہ پر عامل ہو تو خود ہی نجات یافتہ ہے گریہ سے اس کو کیا فائدہ ہوگا۔ اور مجالسِ عزا کی تشکیل سے کیا نتیجہ مدِ نظر ہے کہ ہر سال ایسی مجلسوں پر زرِ کثیر صرف کیا جائے تاکہ مومنین گریہ کریں؟۔

گریہ اور مجالس عزا کا اثر اور نتیجہ

خیر طلب: بدیہی چیز ہے کہ مسلمان چاہے جتنا نیک عمل اور معیاری ہو معصوم نہ ہوگا۔ آخر انسان ہے اور جائز الخطا لہٰذا اگر اس سے کچھ لغزشیں اور خطائیں سرزد ہوئی ہیں اور وہ غافل رہا ہے تو خدائے تعالےٰ جو اپنے بندوں پر انتہائی لطف و مہربانی رکھتا ہے اپنے فضل و کرم سے چند وسائل و اسباب کے ذریعے اس کو بخش دیتا ہے۔ کبھی علی ابن ابی طالبؑ کی محبت کو وسیلہ قرار دیتا ہے، کبھی حضرت سید الشہداؑ اور خاندانِ رسالت کی مظلومیت پہ رونے اور آنحضرتؐ و اہلبیتِ طاہرینؑ کی زیارت کے ذریعے سے رحم و کرم فرماتا ہے اور اس کے آنسوؤں کو آبِ توبہ قرار دے کر گناہوں کو دھو دیتا ہے۔

اگر مومن دعادل ہے اور کوئی صغیرہ و کبیرہ گناہ اس سے سرزد نہیں ہوا ہے تو علیؑ و اہلبیتِ رسالتؐ کی محبت و مودت اور ان حضرات کے مصائب پر رونا جو اس جلیل القدر خاندان سے مہرو محبت کی علامت ہے۔ اس کی رفعت منزلت کا وسیلہ بنتا ہے۔

اور آپ نے جو یہ فرمایا کہ آلِ محمدؐ کی عزاداری میں مجالس کے انعقاد اور کثیر اخراجات سے کیا فائدہ ہے تو محترم حضرات!

چونکہ آپ اس سے علیحدہ ہیں لہٰذا ان مجالس کے جو اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں ان سے بھی بے خبر رہتے ہیں اوّل تو اپنی عادت اور اس مسلسل غلط پروپیگنڈے کے تحت کہ یہ مجلسیں بدعت ہیں آپ حضرات ان میں شریک ہی نہیں ہوتے یا اگر کبھی کسی وجہ سے شرکت بھی ہوگئی تو بُری نظر سے دیکھنے کے باعث پوری توجہ سے غور نہیں کرتے تاکہ ان کے اثرات نظر آئیں۔ اگر آپ حضرات اس طرح کی مجلسوں میں تشریف لے جائیں اور انصاف و محبت کی نگاہ سے مطالعہ کریں تو تصدیق کریں گے کہ یہ مجالس آلِ محمدؐ علیہم السلام کی بہت بڑی درسگاہیں ہیں کیونکہ انہیں حضرات کے نام پر ان کی تشکیل کی جاتی ہے اور اس بزرگ خانوادے کی کشش میں ہر طبقے کے مسلمان افراد یہاں تک کہ غیر مذاہب کے لوگ بھی حاضر ہوتے ہیں جن کے سامنے ذاکرین و واعظین، متکلمین و محدثین اور ذی علم مقررین توحید، نبوت، معاد اور فروعِ دین کے متعلق مذہبی حقائق اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے اصول بیان کرتے ہیں۔ ان کو اخلاقِ رذیلہ اور بداعمالیوں کے مفاسد اور نقصانات سے آگاہ کرتے ہیں اور دیگر مذاہب کے مقابلے میں مقدس دین اسلام کی حقانیت پر دلیلیں پیش کرتے ہیں جس سے کافی بہتر نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

کوئی سال ایسا نہیں گزرتا جب انہیں مجالس اور دینی تبلیغات کی وجہ سے کچھ غیر افراد اسلام قبول نہ کرتے ہوں۔ اور بکثرت گمراہ اشخاص ان تبلیغی بیانات سے متاثر ہوکر اور اپنے گزشتہ اعمال سے توبہ کرکے صحیح راستے پر نہ آجاتے ہوں ہر سال ان اجتماعات اور مجالس عزا میں شرکت کے سبب سے اور آیات و احادیث کے ذریعے وعظ و تبلیغ کے اثر سے بہتیرے لاابالی اور بدکردار لوگ توبہ کرکے پرہیزگار اور نیک بخت بن جاتے ہیں۔

یہ ہے رسولِ خدا صلعم کے ارشاد کا ایک رُخ جس کو علمائے فریقین نے نقل کیا ہے کہ حُسَیْنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْن ط حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں یعنی میرا دین حسینؑ کے ذریعے زندہ ہوگا۔ جنہوں نے اپنے زمانۂ حیات میں ایسی جانبازی دکھائی کہ مظلومیت کی طاقت سے بنی امیہ کے ظلم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اس لئے کہ وہ دین کی جڑ کو کھودنا چاہتے تھے اور اب ہزار سال سے زیادہ ہوگئے۔ اُن بزرگوار کے نام سے خفیہ اور ظاہری طور پر شاندار مجلسیں منعقد ہوتی ہیں جن میں لوگ حاضر ہوکر مبلغین و ذاکرین کے ذریعے دینی حقائق سے واقفیت حاصل کرتے ہیں اور صراطِ مستقیم پہ گامزن ہوتے ہیں۔ یہ ہے مجالسِ عزا کے اثرات و نتائج کا مختصر نمونہ جو آلِ محمد علیہم السلام کی درسگاہیں کہی جاسکتی ہیں۔

مزید وضاحت کے لئے یہ بھی عرض کردوں کہ حقیقتاً علی علیہ السلام کے دوست اور شیعہ حسین ابنِ علی علیہ السلام کے زائر اور عزادار اور حضرت کے سچے غلام اور چاہنے والے نہ واجبات کو ترک کرتے ہیں نہ گناہانِ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں اور ان کو بتایا جاتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام شہید راہِ خدا ہیں اور آپ نے شعائرِ دین کی ترویج کے لئے شربتِ شہادت نوش فرمایا ہے، جیسا کہ زیارت وارثہ اور دیگر زیارات میں وارد ہے اور ہم پڑھتے ہیں کہ اشھد انّک قد اقمت الصلوٰۃ واتیت الزکوٰۃ وامرت بالمعروف ونھیت عن المنکر واطعت اللہ

ورسولہ حتیٰ اتاک الیقین (یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے راہ ابو عبداللہ) درحقیقت نماز کو قائم کیا۔ زکوٰۃ ادا کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرمایا اور زندگی کی آخری سانسوں تک خدا و رسول کی اطاعت کی)۔

فریقین کی معتبر روایتوں میں ام المومنین عائشہ، جابر ابن عبداللہ اور انس وغیرہ سے منقول ہے کہ پیغمبر نے فرمایا من زار الحسین بکربلا عارفاً بحقہ وجبت لہ الجنۃ (یعنی جو شخص کربلا میں حسین علیہ السلام کی زیارت کرے درانحالیکہ اُن کے حق کو پہچانتا ہو تو اس پر بہشت واجب ہو جاتی ہے)۔

نیز ارشاد فرمایا ہے کہ من بکیٰ علی الحسین عارفاً بحقہ وجبت لہ الجنّۃ (یعنی جو شخص حسین علیہ السلام پر ان کا حق پہچانتے ہوئے روئے اس پر جنّت واجب ہے)، جس طرح سے واجب اور مستحب عبادتیں معرفتِ خدا کی فرع ہیں کہ اگر کماحقہٗ خدا کی معرفت نہیں ہے تو قصدِ قربت پیدا نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس کے عبادات چاہے جس قدر کامل ہوں بیکار اور باطل ہیں۔

گریہ اور زیارت بھی پیغمبرؐ اور امام کی معرفت کا فرع ہے یعنی چاہیئے کہ ان بزرگوار کو فرزند رسولؐ امام برحق اور رسول اللہ کا تیسرا جانشین سمجھے جو حق پر قائم رہے اور حق ہی کے لیئے قتل ہوئے اور یزید سے آپ کی مخالفت اس بناء پر تھی کہ وہ احکام دین کو پامال کر کے واجبات کا تارک اور محرمات پر عامل تھا اور بد اخلاقیوں کو رواج دے رہا تھا۔ ایسا زائر اور عزادار اپنے مولا کے طور طریقے کے خلاف ہرگز عمل نہیں کرتا۔

نواب: قبلہ صاحب اگرچہ ہمارا اعتقاد ہے کہ حسینؑ شہید حق پر تھے اور حق کے لیئے عمال بنی امیہ کے ہاتھوں ناحق قتل کیئے گئے۔ لیکن ہم لوگوں میں ایک گروہ اور ہے بالخصوص وہ نوجوان افراد جو جدید مدرسوں اور اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ کربلا کی جنگ دنیاوی جنگ تھی یعنی حسینؑ ابن علیؑ کو حکومت و خلافت کی خواہش کوفے کی طرف لے گئی اور ہر صاحبِ اقتدار سلطنت کا فرض ہے کہ خطرات کا سدِّ باب کرے لہٰذا یزید اور اس کے عمال نے مجبوراً اس فتنے کا مقابلہ کیا اور ان جناب کے سامنے (بلاشرط) بیعت اور خلیفہ یزید کی اطاعت کی پیشکش کی اس لیئے کہ اس کی فرمانبرداری واجب تھی اور خواہش کی کہ آپ شام چلے جائیں تاکہ خلیفہ کے پاس عزت سے رہیں یا اپنے وطن پلٹ جائیں لیکن ان جناب نے نہ مانا یہاں تک کہ قتل ہو گئے پس ایسے دنیا طلب انسان کے لیئے جو جاہ و سلطنت کی محبت میں قتل ہوا ہو عزاداری فضول بلکہ بدعت ہے۔ آیا آپ کے پاس کوئی ایسا صحیح جواب ہے کہ ان کو خاموش کر دیجئے تاکہ وہ اس عقیدے سے دستبردار ہو جائیں اور جان لیں کہ جنگِ کربلا دنیاوی جنگ نہیں تھی بلکہ وہ جناب فقط خدا کے لیئے اور دینِ خدا کی حفاظت کے لیئے اُٹھے اور مقابلہ کر کے شہید ہوئے؟

خیر طلب: چونکہ وقت کافی گزر چکا ہے لہٰذا سوچتا ہوں کہ اگر اس مسئلے کو چھیڑوں گا تو دیر لگے گی جس سے تکان اور بڑھے گا۔

نواب: نہیں نہیں ہم کو بالکل تکان نہیں ہے بلکہ ہم انتہائی اشتیاق کے ساتھ اس موضوع کو سننے اور حقیقت معلوم کرنے کے لئے تیار ہیں تاکہ مخالفین کے مقابلے میں جواب دہی پر قادر رہیں۔ آپ یقین کیجئے کہ اس قوم کو جواب دینا چاہیئے وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو بہت بڑی دینی خدمت ہے۔ مہربانی کر کے ارشاد فرمائیے۔

امام حسینؑ جاہ و منصب کے خواہاں نہیں تھے

خیر طلب: میں نے پہلے ہی عرض کیا کہ ہر نیک و بد عمل معرفت کی بنیاد پر ہے۔ معترضین کو چاہیئے کہ پہلے اپنے خدا کو پہچانیں اور اس کے بعد آسمانی کتاب (قرآن) کی تصدیق کریں جو خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے خاتم الانبیاءؐ پر نازل ہوئی ہے اور تصدیق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں ہے اس کو بہترا در قابل قبول سمجھا جائے۔ اگر معترضین اہل مادہ اور محسوسات کے قائل ہیں اور دلائل محسوسہ چاہتے ہیں تو ان کا جواب بہت سہل ہے۔ اب میں وقت کا لحاظ کرتے ہوئے مختصراً دونوں پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

خمسہ نجباء ہر گندے عمل سے مبّراء تھے

اوّلاً جو مسلمان قرآن کا تابع ہو اس کا رجحانہ رسولؐ حسینؑ ابن علیؑ علیہما السلام کی طرف دنیا طلبی اور حب جاہ و ریاست کی نسبت دینا حق و حقیقت کے خلاف اور دراصل قرآن و رسولؐ خدا کا انکار کرنا ہے اس لئے کہ خدائے تعالٰے نے سورہ ۳۳ (احزاب) آیت ۳۳ میں ان جناب کی طہارت پر گواہی دی ہے اور ان کو نانا ماں باپ اور بھائی کی طرح ہر رجس و پلیدی سے معرّا و مبّرا قرار دیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (یعنی سوا اس کے نہیں ہے کہ خدا کا ارادہ ہے کہ تم سے اے اہلبیت رسولؐ ہر رجس و ناپاکی کو دور رکھے اور تم کو ہر عیب سے پاک و منزہ قرار دے۔)

آپ کے جمہور اکابر علماء جیسے مسلم، ترمذی، ثعلبی، سجستانی، ابو نعیم اصفہانی، ابو بکر شیرازی، سیوطی، حموینی، احمد بن حنبل، زمخشری بیضاوی، ابن اثیر، بیہقی، طبرانی، ابن حجر، فخر الدین رازی، نیشاپوری، عسقلانی اور ابن عساکر وغیرہ بالاتفاق معتقد ہیں اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت پنجتن آل عبا محمدؐ، علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ یہ آیۂ شریفہ ان پنجتن پاک کی عصمت اور ہر رجس و پلیدی سے طہارت پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ ظاہر ہے کہ سب سے بڑی پلیدی جاہ و منصب کی محبت اور دنیائے دنی کی طرف رغبت ہے کیوں کہ اس دنیا یعنی امراء و سلاطین کے مانند

نفسانی خواہش کی بنا پر دنیاوی ریاست و حکومت حاصل کرنے کی مذمت میں رسولِ خدا اور آئمہ طاہرین علیہم السلام سے کافی حدیثیں مروی ہیں۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ کا ارشاد ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ (یعنی دنیا کی محبت و رغبت ہر بدی کی سردار ہے) پس قطعاً ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام دنیاوی جاہ و ریاست کے طالب نہیں تھے اور نہ ایسی فانی حکومت کے لئے جانبازی کی تھی اور اپنے اہلبیتؑ کی اسیری گوارا کی تھی۔ اگر کوئی شخص اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے ان حضرات کو دنیا طلب کہے تو وہ یقیناً قرآن مجید کا منکر ہے۔

امام حسینؑ کا قیام ریاست اور خلافت ظاہری کے لئے نہیں تھا

رہا دوسرا فرقہ جس میں وہ لوگ ہیں جو حسی دلائل چاہتے ہیں۔ ان کے لئے محسوس دلائل بہت ہیں جن کو اس تنگ وقت میں مکمل طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ نمونتہً چند چیزوں کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔

اوّل۔ یزید پلید کے مقابلے میں حضرت ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام کا قیام اگر جاہ طلبی اور حکومت کے شوق میں ہوتا تو رسول اللہ صلعم ان حضرت کی نصرت کا حکم نہ دیتے چنانچہ آپ کے سلسلوں سے اس بارے میں بکثرت روائیتیں مروی ہیں جن میں سے صرف ایک پر اکتفا کرتا ہوں۔

شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ باب ۶۰ میں تاریخ بخاری و بغوی و ابن السکین و ذخائر العقبیٰ امام الحرم شافعی سے سیرۃ ملا وغیرہ سے بروایت انس بن حارث بن بعیہ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہؐ سے سنا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ان ابنی ھذا یعنی الحسین یقتل بارض یقال لھا کربلا فمن شھد ذالک منکم فلینصرہ فخرج انس بن الحارث الی کربلا فقتل بھا مع الحسین رضی اللہ عنہ وعمن معہ (یعنی تحقیق میرا یہ فرزند حسینؑ زمین کربلا پر قتل کیا جائے گا۔ پس تم میں سے جو شخص اس وقت موجود ہو وہ حسینؑ کی مدد کرے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ انس ابنِ حارث کربلا پہنچے اور حکمِ رسولؐ پر عمل کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ قتل ہوئے) پس معلوم ہوا کہ حضرت کربلا میں حق کے لئے کھڑے ہوئے تھے نہ کہ دنیاوی ریاست کی محبت میں۔

ان چیزوں سے قطع نظر اگر معترضین غور کریں تو خود حضرت کی روانگی سے لے کر شہادت اور اسیری اہلبیتؑ تک حق اور حقیقت برابر نمایاں ہے، اس لئے کہ اگر کسی ملک میں کوئی شخص ریاست کی خواہش رکھتا ہے اور حکومت وقت کے خلاف خروج کرنا چاہتا ہے تو اپنے عیال و اطفال کو لے کر نہیں نکلتا ہے، چھوٹے چھوٹے اور شیر خوار بچوں اور حاملہ عورتوں کو ہمراہ نہیں لے جاتا بلکہ بذاتِ خود ایک چھنی ہوئی فوج لے کر بڑھتا ہے اور جب دشمن پر غالب آ جاتا ہے، حالات قابو میں آ جاتے ہیں اور انتظامات درست ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اپنے بال بچوں کو بلواتا ہے۔

حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام کا اپنی عورتوں اور خوردسال بچوں کے ساتھ ایک چھوٹا سا قافلہ لے کر سفر کرنا خود اس کی مکمل دلیل ہے کہ حضرت ریاست وخلافت ظاہری اور دشمن کو شکست دینے کے خیال سے تشریف نہیں لائے تھے اگر ایسا ارادہ ہوتا تو آپ یقیناً یمن کی طرف جاتے جہاں سب آپکے اور آپ کے پدرِ بزرگوار کے دوست اور پختہ عقیدت رکھنے والے تھے، اور اس کو اپنا مرکزی مقام قرار دے کر پورے ساز وسامان کے ساتھ بنفسِ نفیس حملے شروع کرتے چنانچہ حضرت کے بنی عام دوستوں اور بھائیوں نے بار بار یہی مشورہ دیا اور ان کو مایوس ہونا پڑا کیوں کہ وہ لوگ حضرت کے اصلی نقطۂ نظر اور مقصد سے واقف نہیں تھے۔

امام حسینؑ کا قیام شجرہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی حفاظت کے لئے تھا

لیکن خود حضرت جانتے تھے کہ ظاہری غلبے کے اسباب فراہم نہ ہوں گے لہٰذا مع عورتوں بچوں کے چوراسی افراد کے ہمراہ حضرت کا سفر ایک آخری اور بنیادی نتیجے کے لئے تھا کیوں کہ امام دیکھ رہے تھے کہ شجرۂ طیبہ لا الہ الا اللہ کو ان کے جدِ بزرگوار خاتم الانبیاء نے اپنے خونِ جگر اور شہدائے بدر واحد وحنین کے لہو سے سینچا تھا اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام جیسے باغبان کے سپرد کیا تھا تاکہ یہ اس کی نگہداشت کریں لیکن اس ماہر فن اور واقفکار باغبان کو ظلم وتعدی تلوار اور قتل وآتشزنی کا دباؤ ڈال کر الگ کر دیا گیا تھا۔ اور شجرہ طیبہ کی آبیاری سے روک دیا گیا جس سے توحید ونبوت کی بہار خزاں کی صورت اختیار کر رہی تھی۔ پھر بھی باغبان اصلی کی توجہ سے کبھی کبھی حقیقی اور کامل طاقت نہ سہی لیکن تھوڑی بہت تقویت پہنچ جاتی تھی یہاں تک باغ کے کل اختیارات جاہل ہٹ دھرم اور کینہ پرور باغبانوں (یعنی بنی امیہ) کے ہاتھوں میں پہنچ گئے۔

خلیفۂ سوم عثمان ابن عفان کے زمانہ خلافت سے جب بنی امیہ کے ہاتھ پاؤں کھلے اور یہی حکومت کے کرتا دھرتا بنے، ابوسفیان کو جو اس وقت اندھا ہو چکا تھا۔ ہاتھ پکڑ کے دربار میں لائے اور اس نے بآوازِ بلند کہا۔ یا بنی امیہ تداولوا الخلافۃ فانہ لاجنۃ ولانار (یعنی اے بنی امیہ اب دولت خلافت کو گھما کر اپنے ہی خاندان میں رکھو کیوں کہ جنت اور دوزخ کچھ بھی نہیں ہے (یعنی سب ڈھونگ ہے)۔

نیز کہا۔ یا بنی امیہ تلقفوھا تلقف الکرۃ فوالذی یحلف بہ ابوسفیان ما زلت ارجوھا لکم ولتصیرن الی صبیانکم وراثۃ" (اے بنی امیہ کوشش کر کے خلافت کو گیند کی طرح دبوچ لو قسم اس چیز کی جس کی میں قسم کھاتا ہوں (اس سے مراد بت ہیں جن کی یہ لوگ قسم کھاتے تھے) کہ میں ہمیشہ تمہارے لئے ایسی حکومت کا متمنی تھا اور تم بھی اس کی حفاظت کرو تاکہ تمہاری اولاد اس کی وارث ہو) اس رسوائے زمانہ بدعقیدہ قوم نے تمام ما

مسدود کر دیئے، حقیقی اور معنوی باغبانوں کو باغ سے بالکل بے دخل کر دیا اور آپ حیات پر پہرے بٹھا دیئے۔ شجرۂ طیبہ دھیرے دھیرے پژمردہ ہونے لگا یہاں تک کہ یزید پلید کے دورِ خلافت میں درختِ شریعت کو کاٹ دیا گیا اور قریب تھا کہ شجرۂ طیبہ لا الہ الا اللہ بالکل خشک ہو جائے۔ خدا کا نام فراموش ہو جائے اور دین کی حقیقت مٹ جائے۔

بدیہی چیز ہے کہ کوئی ہوشیار باغبان جب دیکھے کہ اس کے باغ پر ہر طرف سے آفتیں نازل ہو رہی ہیں تو اس کو فوراً حفاظتی تدابیر اور علاج کی فکر کرنا چاہیئے ورنہ اس کے منافع اور پھلوں سے بالکل ہی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اس موقع پر یہی ہے۔ گلستانِ توحید و رسالت کی باغبانی حضرت ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام جیسے عالمِ دین باغبان کے سپرد تھی جب آپ نے دیکھا کہ بنی امیہ کی ہٹ دھرمی اور الحاد و عناد نے بات کو اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ عنقریب توحید کا درخت خشک ہونے والا ہے بلکہ وہ شجرۂ طیبہ لا الہ الا اللہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں تو آپ مردانہ وار اُٹھ کھڑے ہوئے اور محض اور صرف محض باغ رسالت کی جڑوں کی آبیاری اور تقویت شجرۂ طیبہ لا الہ الا اللہ کے لیئے کربلا کی طرف سفر اختیار کیا۔ کیونکہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ درخت کی جڑوں میں خشکی دوڑ چکی ہے اور معمولی آب پاشی سے کوئی نتیجہ نہ ہو گا جبتک اس کو پوری طاقت نہ پہنچائی جائے۔

جیسا کہ فلاحت کے علم عملی میں طریقہ ہے کہ جس وقت ہوشیار باغبان اور فلاح دیکھتے ہیں کہ کوئی درخت بالکل کمزور ہو گیا ہے اور اس کو زیادہ طاقت پہنچانے کی ضرورت ہے تو اس کا علاج قربانی سے کرتے ہیں یعنی کوئی گوسفند یا دوسرا جانور اس کے پاس ذبح کر کے اس کا خون اور گوشت و پوست درخت کی جڑ میں دفن کر دیتے ہیں تاکہ اس میں از سر نو قوت اور نشو و نما پیدا ہو جائے۔ ریحانۂ رسولؐ حضرت سید الشہداؑ بھی چونکہ ایک ماہر و عالم باغبان تھے۔ آپ نے دیکھا کہ شجرۂ طیبہ کو سیرابی سے اس قدر محروم رکھا ہے (بالخصوص اخیری برسوں اور بنی امیہ کے اقتدار میں) کہ معمولی سی آبیاری اور علمی خدمت سے شادابی نہ آئے گی جب تک فداکاری سے کام نہ لیا جائے۔ شجرۂ طیبہ اور درخت شریعت کی سرسبزی قطعاً قومی خون بہانے کی محتاج ہے لہٰذا اپنے بہترین جوانوں، خورد سال بچوں اور اصحاب کو لے کر قربانی اور شجرۂ طیبہ لا الہ الا اللہ کو سیراب کرنے کے لیئے کربلا کی طرف روانہ ہو گئے۔ بعض کوتاہ نظر لوگ کہتے ہیں کہ مدینے سے نکلے ہی کیوں؟ وہیں رہ کر علم مخالفت بلند کرتے اور قربانیاں دیتے لیکن وہ نہیں جانتے کہ اگر آپ مدینے میں رہتے تو آپ کا مقصد دانشمندانِ عالم سے پوشیدہ رہتا اور ان کو پتا نہ لگتا کہ حضرت کی مخالفت کس بنیاد پر تھی جس طرح اور ہزاروں حامیانِ دین کسی شہر میں حمایتِ حق کے لیئے کھڑے ہوئے اور قتل ہو گئے لیکن کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ ان کا مقصد اور نقطۂ نظر کیا تھا اور کیوں قتل ہوئے

نیز دشمنوں نے بھی معاملے کو دبا دینے کی کوشش کی۔ اس کے برعکس امام حسین علیہ السلام جیسے یکتا دوراندیش مردِ میدان حق وصداقت کو ظاہر کرنے کے لیے ماہ رجب میں جس موقع پر لوگ عمرے کے لئے مکہ معظمہ میں جمع ہوتے ہیں، تشریف لے گئے اور روزِ عرفہ تک خانۂ خدا میں اکٹھا ہونے والے لاکھوں انسانوں کے سامنے اپنے خطبوں اور تقریروں کے ذریعے حق اور سچائی کو بے نقاب کیا اور سب کو بتایا کہ یزید پلید شجرۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی جڑیں کاٹ رہا ہے اور یہ حقیقت عام مسلمانوں کے گوش گزار کر دی کہ جو یزید اسلامی خلافت کا دعوےٰ کرتا ہے وہ اپنے عمل سے دین کو ملیا میٹ کر رہا ہے۔ شراب پیتا ہے، جوا کھیلتا ہے، کتے اور بندر سے دل بہلاتا ہے احکامِ دین کو پامال کرتا ہے اور میرے نانا رسولِ خدا کی محنتوں کو برباد کر رہا ہے۔ میں اپنے جد بزرگوار کا دین مٹنے نہ دوں گا۔ مجھ پر واجب ہے کہ قربانی دے کر اور جان نثار کر کے اس کی حفاظت کروں۔ پس حضرت کا قیام اور مدینے سے مکے اور مکے سے کوفے اور عراق کی طرف خروج شعائرِ دین کی حفاظت اور بنی نوع انسان کو دینِ یزید پلید کے اطوار وکردار، مفاسد اخلاق، بیہودہ عقائد اور نفرت انگیز جابرانہ حرکات سے روشناس کرانے کے لئے تھا۔ آپ کے بنی اعمام بھائی اور دوست جو منع کرنے کے لئے آتے تھے وہ عرض کرتے تھے کہ جن کوفے والوں نے آپ کا خیر مقدم کرنا چاہا ہے اور دعوت نامے بھیجے ہیں۔ وہ بے وفائی میں مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ یزید کی سلطنت اور بنی امیہ کے اقتدار سے جنہوں نے سالہا سال سے اس ملک کے اندر اپنی جڑیں مضبوط کر رکھی ہیں۔ آپ مقابلہ نہیں کر سکتے، چونکہ اہل حق کم ہیں، لوگ دنیا کے بندے ہیں اور بنی امیہ کے پاس ان کو دنیاوی خوشحالی ملتی ہے۔ لہٰذا ان کے گرد جمع ہیں اور آپ کو کوئی نفع یا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ پس اس سفر کو ملتوی کیجئے اور اگر حجاز میں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھتے تو یمن چلے جایئے کیونکہ وہاں آپ کے ماننے والے بہت ہیں، وہ لوگ غیرت مند ہیں آپ کو تنہا نہ چھوڑیں گے اور آپ ان اطراف میں آرام سے زندگی بسر کر سکیں گے لیکن حضرت سب کے سامنے پوری وضاحت نہیں کر سکتے تھے لہٰذا ہر ایک کو مختصر جوابات سے خاموش فرماتے تھے البتہ بعض ہمراز اور خاص اعزہ جیسے اپنے بھائی محمد حنیفہ اور ابنِ عباس سے فرماتے تھے کہ تم سچ کہتے ہو میں بھی جانتا ہوں کہ مجھ کو ظاہری غلبہ نہ ہوگا اور نہ میں فتح اور غلبۂ ظاہری کے لئے جا رہا ہوں بلکہ قتل ہوتے جاتا ہوں یعنی مظلومیت کی طاقت سے ظلم وفساد کی بنیاد ہلانا چاہتا ہوں۔

بعض کی تسکین قلب کے لئے اصلیت کو ظاہر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ میں نے اپنے نانا رسولِ خداؐ کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں اخرج الی العراق فان اللہ شاء ان یریک قتیلا (یعنی عراق کی طرف سفر کرو کیونکہ دراصل خدا تم کو شہید دیکھنا چاہتا ہے۔)

محمد ابنِ حنفیہ اور ابنِ عباس نے عرض کیا کہ اگر یہ بات ہے تو آپ عورتوں کو کیوں لئے جا رہے ہیں؟ فرمایا

میرے جد کا ارشاد ہے کہ ان اللہ قد شاء ان یراھن سبایا (یعنی درحقیقت اللہ نے ان کو اسیر دیکھنا چاہا ہے) بحکم رسولؐ میں ان کو اسیری کے واسطے لئے جا رہا ہوں یعنی میری شہادت اور اہل بیت کی اسیری میں یہ رموز و اسرار پوشیدہ ہیں کہ عورتوں کی اسیری میری شہادت کا تتمہ ہو جو مظلومیت کا علم اپنے کاندھوں پہ لے کر یزید کے مرکز خلافت و اقتدار شام کی طرف جائیں گی وہاں اس کی بنیادیں ہلائیں گی اور اس کے ظلم و کفر کا پرچم سرنگوں کریں گی۔

چنانچہ عقیلۂ بنی ہاشم صدیقۂ صغریٰ جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے یزید کے بھرے ہوئے دربار اور جشنِ فتح میں اشراف قوم، بزرگانِ بنی امیہ، غیر ممالک کے سفراء اور رؤسا، یہود و نصاریٰ کے سامنے جو تقریر کی اور سید الساجدین امام چہارم زین العابدین علی ابن الحسین علیہ السلام نے شام کی مسجد اموی میں بالائے منبر یزید کے مقابل جو مشہور و معروف خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس نے اس کے اقتدار کی طاقت کو زیر کر دیا، عظمتِ بنی امیہ کا پرچم سرنگوں کر دیا۔ اور خوابِ غفلت سے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں۔

حضرت نے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا ایھا الناس اعطینا ستًّا و فضلنا بسبع۔ اعطینا العلم والحلم والسماحۃ والفصاحۃ والشجاعۃ والمحبۃ فی قلوب المومنین وفضلنا بان منا النبی المختار محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم منا الصدیق۔ ومنا الطیار۔ ومنا اسد اللہ واسد رسولہ ومنا سبطا ھذہ الامۃ ومنا مہدی ھذہ الامۃ۔ (یعنی اے لوگو ہم کو (یعنی آلِ محمدؐ کو خدائے تعالےٰ کی طرف سے) چھ خصلتیں عطا کی گئی ہیں اور سات فضیلتوں کے ذریعے ہم کو ساری مخلوق پہ ترجیح دی گئی ہے۔ ہم کو علم، بردباری، جوانمردی و خوشروئی، فصاحت، شجاعت اور مومنین کے دلوں میں محبت عطا ہوئی ہے کہ رسولؐ مختار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہیں، اسد اللہ اور اسد رسولؐ ہم میں سے ہیں۔ اس امت کے دو سبط (حسنؑ و حسینؑ) ہم میں سے ہیں اور اس امت کے مہدیؑ (حضرت حجۃ ابن امام حسن عسکریؑ عجل اللہ فرجہ) ہم میں سے ہیں، اس کے بعد اپنے کو پہچنواتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص مجھ کو پہچانتا ہے۔ وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا تو وہ اب میرا حسب نسب جان لے کہ میں صاحب صفات و فضائل مخصوصہ (یہاں ان صفات کا طولانی بیان ہے جس کو مکمل طور سے بیان کرنے کا وقت نہیں) خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہوں۔ اس کے بعد اسی منبر پہ جہاں معاویہ کے زمانے سے شب و روز حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام پہ کھلم کھلا لعنت اور سب و شتم کا سلسلہ قائم تھا اور حضرت پر جھوٹے الزامات عائد کئے جاتے تھے خود یزید اور رؤسائے بنی امیہ کے سے دشمن مجمع کے سامنے اپنے جد بزرگوار امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل و مناقب (جن کو سننے کا اب تک شام والوں کو موقع ہی نہیں دیا گیا تھا) بیان کئے اور فرمایا۔

انا ابن من ضرب خراطیم الخلق حتیٰ قالوا لا الٰہ الا اللہ انا ابن من ضرب بین یدی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ بسیفین و طعن برمحین وھاجرالھجرتین وبایع البیعتین وقاتل ببدر وحنین ۔ولم یکفر باللہ طرفۃ عین ۔ انا ابن صالح المومنین ووارث النبیین وقامع الملحدین ویعسوب المسلمین ونورالمجاھدین وزین العابدین ۔وتاج البکائین واصبرالصابرین وافضل القائمین من آل یٰسین رسول رب العالمین انا ابن المؤید بجبرئیل المنصور بمیکائیل ۔انا ابن المحامی عن حرم المسلمین وقاتل المارقین والناکثین ۔ والقاسطین والمجاھد اعدائہ الناصبین وافخر من قریش اجمعین واوّل من اجاب واستجاب اللہِ ولرسولہ من المؤمنین واوّل السابقین وقاصم المعتدین ومبید المشرکین وسھم من مرامی اللہ علی المنافقین ولسان حکمۃ رب العالمین وناصر دین اللہ وولی امراللہ وبستان حکمۃ اللہ وعیبۃ علمہ ۔ سمحٌ سخیٌ ۔ بھلولٌ زکیٌ بطحیٌ رضیٌ مقدامٌ ۔ ھمامٌ ۔ صابرٌ ۔ مھذبٌ ۔ قوامٌ قاطع الاصلاب و مفرق الاحزاب ۔اربطھم عنانا واثبتھم واھناھم عزیمۃ واشدھم شکیمۃ اسدٌ یطحنھم فی الحروب اذا ازدلفت الاسنۃ وقربت الاعنۃ طحن الرحی ویذروھم فیھا ذرو الریح الھشیم لیث الحجاز وکبش العراق ۔ مکیٌ ۔ مدنیٌ حنفیٌ عقبیٌ بدریٌ احدیٌ شجریٌ مھاجریٌ من العرب سیدھا ومن الوغی لیثھا وارث المشعرین وابو السبطین الحسنؑ والحسینؑ ذالک جدی علی بن ابیطالب (علیہ السلام)

(یعنی اس کا فرزند ہوں جس نے لوگوں کی ناکوں پر ضربیں لگائیں یہاں تک کہ انہوں نے لاالہ الااللہ کہا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس نے رسول اللہؐ کے سامنے دوتلواروں سے جنگ کی (یعنی ایک زمانے تک معمولی تلوار سے اور ایک مدّت تک ذوالفقار سے) دو نیزے چلائے، دو ہجرتیں کیں اور دو بہری بیعتیں کیں ، بدر وحنین میں کافروں سے جہاد کیا اور چشم زدن کے لئے بھی خدا سے کفر اختیار نہیں کیا ۔ میں صالح المومنین انبیاء کے وارث ، ملحدین کے سرتوڑنے والے ، مسلمانوں کے بادشاہ جہاد کرنے والے کے نور اور عبادت کرنے والوں کی رونق وخوفِ خدا میں رونے والوں کے سرتاج ، صبر کرنے والوں کے سردار اور اہلبیت رسول اللہؐ کے نماز گزاروں میں سب سے بہتر کا فرزند ہوں جس کی جبرئیل نے تائید کی اور میکائیل نے نصرت کی ۔ میں فرزند ہوں مسلمانوں کی عزت بچانے والے، دین سے پھر جانے والوں (یعنی اہل نہروان) بیعت توڑنے والوں (یعنی اصحاب جمل) اور ظالموں اور باغیوں (یعنی صفین والوں) کے قاتل) اپنے ناصبی دشمنوں سے جہاد کرنے والے طائفہ قریش کے سارے چلنے پھرنے والوں میں سب سے زیادہ صاحبِ فخر، سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ کی دعوت قبول کرنے والے ، ایمان کی طرف سبقت کرنے والوں کے پیش رو ظالمین کو توڑنے والے ، مشرکین کو ہلاک کرنیوالے

منافقین پر خدا کے تیروں میں سے ایک تیر، پروردگارِ عالم کی زبانِ حکمت، دینِ خدا کے مددگار، امرِ الٰہی کے کفیل، حکمتِ خدا کے باغ۔ اس کے علم کے خزانے، جوانمرد، صاحبِ سخاوت، کشادہ رو، نیک و پاکیزہ بطحیٰ کے ساکن، پسندیدہ صفات، میدانِ جنگ میں پیش قدمی کرنے والے، بزرگ سردار، صبر کرنے والے، بلند اخلاق، کثیر القیام، پشتوں کے قطع کرنے والے اور گمراہ گروہوں کے پراگندہ کرنے والے کا جس نے مستقل طور پر اپنے نفس کو اُن سب سے زیادہ قابو میں رکھا جسکا دل سب سے زیادہ مضبوط اور جسکا شکیمہ سب سے زیادہ محکم تھا (یعنی مظلوموں کا حق ثابت کرنے میں جملہ افرادِ بشر سے زیادہ ثابت قدم تھا) میدانِ جنگ میں تیز زبان تھا جو سواروں اور پیادوں کے اپنے نیزوں کے ساتھ قریب ہونے کے وقت مخالفین کو پیس کر رکھ دیتا تھا اور انکو اس طرح ریزہ ریزہ اور متفرق کر دیتا تھا جیسے طوفانی آندھی خس و خاشاک کو منتشر کر دیتی ہے، حجاز والوں کا شیر، عراق والوں کا قائد، مکی، مدنی، دین میں پاکیزہ ترین مسلم، عقبہ میں بیعت کرنے والا بدر و احد کا شہسوار۔ بیعت شجرہ کا جوانمرد ہجرت کا یکتا فداکار، عرب کا سید و سردار، شیرِ بیشۂ ہیجا۔ مشرقین کا وارث اور دو سبطِ پیغمبر حسنؑ و حسینؑ کا باپ) یہ ہیں میرے دادا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فضائل) اس کے بعد فرمایا۔

انا ابن خدیجۃ الکبریٰ۔ انا ابن فاطمۃ الزہراء۔ انا ابن المذبوح من القفا انا ابن العطشان حتیٰ قضی انا ابن من منعوہ من الماء واحلوہ علی سائر الوریٰ۔ انا ابن من لا یغسل لہ ولا کفن یوریٰ۔ انا ابن من رفع راسہ علی القنا انا ابن من ھتک حریمہ بارض کربلا۔ انا ابن من جسمہ بارض وراسہ باخریٰ انا ابن من سبیت حریمہ الی الشام تھدیٰ۔ ثم انہ صلوات اللہ علیہ انتحب وبکیٰ فلم یزل یقول انا انا حتیٰ ضج الناس بالبکاء والنحیب۔ (یعنی میں ہوں فرزند خدیجہ کبریٰ کا، میں ہوں فرزند فاطمہ زہراؑ کا میں ہوں فرزند اُس کا جو پشت گردن سے مذبوح ہوا۔ میں ہوں فرزند اس کا جو پیاسا دنیا سے اٹھا۔ میں ہوں فرزند اس کا جس پہ پانی بند کر دیا گیا اور ساری مخلوق پر مباح رکھا گیا۔ میں ہوں فرزند اس کا جس کو نہ غسل دیا گیا نہ کفن ملا۔ میں ہوں فرزند اس کا جس کا سرِ مطہر نیزے پر بلند کیا گیا۔ میں ہوں فرزند اس کا جس کے حرم کو اسیر کر کے شام کی طرف لایا گیا۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے بہ آوازِ بلند گریہ فرمایا اور برابر انا انا فرماتے رہے یعنی یونہی مسلسل اپنے آباو اجداد کے فضائل و مناقب اور پدرِ بزرگوار و اہلبیتؑ کے مصائب بیان فرماتے رہے یہاں تک کہ لوگ چیخیں مار مار کے روئے اور فریاد کرنے لگے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد بیانِ مصائب کی جو پہلی مجلس منعقد ہوئی وہ یہیں شام کی مسجد جامع اموی کے اندر تھی جس میں سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے جدِ بزرگوار امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل و مناقب نقل کرنے کے بعد دشمنوں کے مجمع میں اپنے پدرِ عالی قدر کے اس قدر مصائب بیان فرمائے کہ یزید پلید کی موجودگی میں شام والوں کی صدائے نالہ و بکا اس طرح بلند ہوئی جس سے یزید ڈر گیا اور وہاں بیٹھ نہیں سکا بلکہ گھبرا کر مسجد سے چلا گیا۔

اسی مسجد اور حضرت کی تقریر سے بنی امیہ کے خلاف لوگوں میں جوش و خروش پیدا ہونے لگا جس سے مجبور ہو کر یزید نے سیاسی رنگ میں ندامت کا اظہار کیا اور عبید اللہ ابن مرجانہ ملعون پر لعنت کی کہ اس نے ایسی افسوسناک حرکت کی، آخر کار بنی امیہ کے کفر و ظلم اور الحاد کے

محل کی اینٹ سے اینٹ بج گئی ۔ یہاں تک کہ آج اس نابکار قوم کے پایۂ تخت شام کے اندر بنی امیہ کی ایک قبر بھی موجود نہیں ہے البتہ بنی ہاشم کا قبرستان شامیوں کا مرکزِ توجہ ہے اور عترت و اہلبیتِ رسول ؐ کی کافی قبریں شیعہ و سنی عوام و خواص کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہیں ۔

غرضکہ تمام ارباب مقاتل و تواریخ نے لکھا ہے کہ حضرت مدینے سے مکے اور کربلا تک برابر کنایۃً اور صراحتاً اپنی شہادت کی خبر دیتے رہے اور لوگوں کو سمجھاتے رہے کہ میں قتل ہونے کے لئے جا رہا ہوں ۔

منجملہ اور خطبوں کے ایک تفصیلی خطبہ ہے جو حضرت نے روز ترویہ مکۂ معظمہ میں تمام مسلمانوں کے سامنے ارشاد فرمایا اور جس میں صاف صاف اپنی شہادت کی خبر دی ۔ چنانچہ حمدِ الٰہی اور خاتم الانبیاء پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا خط الموت علیٰ ولد آدم مخط القلادۃ علیٰ جید الفتاۃ وما اولہنی الیٰ اسلافی اشتیاق یعقوب الیٰ یوسف وخیر لی مصرع انا لاقیہ کانی باوصالی یتقطعہا عسلان الفلوات بین النواویس[1] وکربلا (یعنی اولادِ آدم کے موت اس طرح گلوگیر ہے جیسے جوان عورت کی گردن میں گلوبند میں اپنے اسلاف سے جا ملنے کا کس قدر مشتاق ہوں جیسے کہ یعقوبؑ یوسفؑ کے لئے بےچین تھے اور میرے گرنے کے لئے وہ زمین منتخب کی گئی ہے جہاں مجھ کو پہنچنا ہے، گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ صحرائی بھیڑیے نواویس و کربلا کے درمیان میرے جسم کا بند بند جدا کر رہے ہیں) حضرت اس قسم کے جملوں سے لوگوں کو سمجھاتے تھے کہ میں کوفے اور مقامِ خلافت تک نہیں پہنچوں گا بلکہ نواویس اور کربلا کے درمیان خونخوار بھیڑیوں کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں گا ۔ بھیڑیوں سے مراد آپ کے قاتل اور بنی امیہ وغیرہ ہیں اور وہ خونخوار بھیڑیوں کے مانند مجھ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کریں گے ۔

اس قسم کی باتوں اور روایتوں سے آخری نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ امام حسین علیہ السّلام نے شہادت کے قصد سے سفر فرمایا تھا نہ کہ ریاست و خلافت کے خیال سے ۔ آپ راستے بھر مختلف طریقوں سے اپنی موت کی خبر دیتے تھے اور برابر ہر منزل پر اپنے اصحاب و اعزہ کو جمع کر کے فرماتے تھے کہ دنیا کی پستی اور بے وقعتی کے لئے یہی واقعہ کافی ہے کہ حضرت یحییٰ کا سر قلم کر کے ایک زناکار عورت کے سامنے ہدیہ لے گئے تھے اور عنقریب محمدؐ مظلوم کا سر بھی بدن سے جدا کر کے یزید شراب خوار کے پاس لے جائیں گے ۔

---

[1] جلیل القدر محدث ثقۃ الاسلام حاجی شیخ عباس قمی طاب ثراہ نفس المہموم میں کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ محدث نوری رحمۃ اللہ نے کتاب نفس الرحمٰن میں کہا ہے کہ نواویس عیسائیوں کا قبرستان ۔ چنانچہ حواشی کفعمی میں لکھا ہے اور ہم نے سنا ہے کہ یہ قبرستان اس مقام پر واقع تھا جہاں اب حُر ابن یزید ریاحی کا مزار ہے یعنی شہر کربلا کے شمال مغرب میں اور کربلا جو لوگوں میں معروف ہے اور اس نہر کے کنارے ایک خطۂ زمین ہے جو جنوب سے شہر کی طرف جاری ہے اور مزارِ معروف بہ ابن حمزہ سے گزرتی ہے اس کے ایک حصے پر کھیت ہیں اور شہر کربلا ان دونوں کے درمیان ہے ۔

حضرات ذرا غور کیجئے کہ جس وقت کوفے سے دس فرسخ پر حرابن یزید ریاحی نے ایک ہزار سواروں کے ساتھ حضرت کی راہ روکی اور عرض کیا کہ عبید اللہ ابن زیاد کے حکم سے میں آپ کا نگران مقرر ہوا ہوں، نہ آپ کو کوفے جانے دوں گا اور نہ تا حکم ثانی ساتھ چھوڑوں گا تو حضرت کہنا مان کر کیوں اُتر پڑے اور اپنے کو حُر کے قابو میں دے دیا۔

اگر حضرت امارت و خلافت کے خیال میں ہوتے تو لشکرِ حُر کی خواہش ہرگز قبول نہ کرتے درآنحالیکہ حُر کے ساتھ ایک ہزار سے زیادہ سپاہی نہیں تھے اور حضرت کے ہمراہ تیرہ سو سوار اور پیادے تھے جن میں قمر بنی ہاشم جنابِ عباسؑ اور علی اکبرؑ جیسے ہاشمی جوان بھی تھے جن میں سے ایک ایک فرد ایک ہزار سپاہیوں کو زیر کرنے کے لئے کافی تھا اور کوفے تک بھی دس فرسخ کچھ زیادہ نہیں تھے۔ قاعدے کے مطابق چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کو شکست دے کر اپنے کو مرکز حکومت (کوفہ) تک پہنچا دیتے جہاں لوگ آپ کے منتظر بھی تھے۔ وہاں ساز و سامان سے مضبوط ہو کر مقابلہ کرتے تاکہ غلبہ حاصل ہوتا، نہ یہ کہ حُر کی باتیں مان کے فوراً ٹھہر جائیں اور اپنے کو ایک بیابان میں دشمنوں کے اندر محصور کر لیں، کہ چار روز کے بعد جب دشمن کی کمک پہنچ جائے تو فرزندِ رسولؐ کو سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔ حضرات اگر اس واقعے کے قرائن پر گہری نظر ڈالیے تو آپ کو خود ہی جواب مل جائے گا اور سمجھ میں آجائے گا کہ حضرت نے کسی اور ہی نیت سے یہ مسافت طے کی تھی۔ اس لئے کہ اگر ریاست کی خواہش ہوتی تو جس وقت دشمنوں کا محاصرہ انتہائی شدت پر تھا اور چاروں طرف کوسوں تک دشمن کی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ ایسے طریقے اختیار نہ فرماتے کہ اپنی چھوٹی سی جماعت اور موجودہ طاقت کو بھی منتشر کر دیں۔

عاشور کی شب میں حضرت کا خطبہ ہمارے دعوے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس لئے کہ شبِ عاشور تک حضرت کی خدمت میں تیرہ سو سپاہی موجود تھے جو لڑنے مرنے پر آمادہ تھے لیکن اسی رات کو نماز مغربین کے بعد حضرت کرسی پر تشریف لے گئے اور ایک مفصل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں صاف صاف ایسے کلمات بیان فرمائے کہ اس لشکر اور جاہ طلب اشخاص پر خوف طاری ہو گیا، تمام اربابِ مقاتل نے لکھا ہے کہ حضرت نے فرمایا جو لوگ دنیاوی ریاست و حکومت کے خیال میں آئے ہیں وہ جان لیں کہ کل جو شخص اس سرزمین پر رہے گا وہ قتل ہو جائے گا۔ یہ لوگ سوا میرے کسی اور کو نہیں چاہتے۔ میں تمہاری گردنوں سے اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں، رات کا وقت ہے اٹھو اور چلے جاؤ۔ ابھی حضرت کی تقریر ختم نہیں ہوئی تھی کہ وہ ساری جماعت روانہ ہو گئی اور صرف بیالیس نفر باقی رہ گئے، جن میں اٹھارہ بنی ہاشم اور چوبیس اصحاب تھے۔ آدھی رات کے بعد دشمن کے لشکر سے تیس بہادر سپاہی شبخون کے ارادے سے نکل کے آئے لیکن جب حضرت کی تلاوت قرآن کی آواز سنی تو وجد کے عالم میں آکر امام کی خدا پرست فوج سے مل گئے۔ چنانچہ بنا بر مشہور یہی کل بہتر افراد روزِ عاشور حق پر قربان ہوئے جن میں سے اکثر زہاد و عباد اور قاریانِ قرآن تھے۔

یہ سب ایسے واضح دلائل اور قرائن ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ حضرت نے دنیاوی انقلاب کے قصد سے اور جاہ و سلطنت کی محبت میں مسندِ خلافت تک پہنچنے کے لئے سفر نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ کا واحد مقصد ترویج دین حمایتِ حق اور حریم اسلام سے دفاع کرنا تھا۔ اور وہ بھی اس طریقے سے کہ جان نثار کر کے لا الٰہ الا اللہ کا پرچم بلند کریں اور کفر و فساد کا سر نگوں کر دیں۔ کیونکہ دین

کی نصرت و حمایت کبھی تو قتل کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی قتل ہونے سے۔ چنانچہ حضرت کمر باندھے مردانہ وار اُٹھ کھڑے ہوئے اور مظلومیت کی قوت سے نیز احباب و اعزاء و بالخصوص چھوٹے چھوٹے بچوں کی قربانیوں کی طاقت سے بنی امیہ کے ظلم و فساد کی جڑ اس طرح اکھاڑی کہ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کو بلند کرتے اور شجرۂ مقدسہ اصلہا ثابت کو سیراب کرنے میں آپ کی جلیل القدر خدمات کا آج ہر دوست و دشمن کو اعتراف ہے کہ یہاں تک کہ دین سے بیگانہ افراد بھی دلیل و برہان کے رُو سے اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں۔

امام حسینؑ کی مظلومیت پر انگلینڈ کی خاتون کا مقالہ

فرانس کے انیسویں صدی کے دائرۃ المعارف میں "تین شہید" کے عنوان سے انگلینڈ کی ایک ذی علم خاتون کا مقالہ ہے جو بہت تفصیلی ہے لیکن اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لکھتی ہیں تاریخ انسانیت میں اعلائے کلمۂ حق کے لئے تین شخصیتوں نے ایسی جانبازی اور فداکاری دکھائی کہ سارے جانبازوں اور فداکاروں سے گوئے سبقت لے گئیں۔

اول یونان کے حکیم سقراط نے ایتھنس میں دوسرے حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام نے فلسطین میں (یہ عقیدہ موصوفہ کا ہے جو عیسائی ہیں۔ ورنہ ہم مسلمانوں کا اعتقاد تو یہ ہے کہ حضرت مسیح مصلوب و مقتول نہیں ہوئے جیسا کہ سورہ ۴ النساء) آیت ۱۵۶ میں صریحی ارشاد ہے وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالہم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ۔ (یعنی عیسیٰ ابن مریم کو نہ قتل کیا نہ سولی دیا بلکہ حقیقت ان پر مشتبہ ہوگئی اور جن لوگوں نے اُن کے بارے میں اختلاف کیا وہ درحقیقت شک و شبہ میں مبتلا ہو گئے۔ ان کو سوا اپنے گمان کی پیروی کے کوئی علم حاصل نہیں تھا اور یقینی طور پر مسیح کو انہوں نے قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا) تیسرے مسلمانوں کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ) کے فرزند حضرت حسین علیہ السلام، نے اس کے بعد لکھا ہے کہ جب ان تینوں بزرگ شہیدوں میں سے ہر ایک کی شہادت و جانبازی کی کیفیت اور تاریخی حالات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ حضرت حسینؑ کی جانبازی اور فداکاری ان دو ہستیوں (یعنی سقراط و عیسیٰؑ) سے کہیں ذرتی اور اہم تھی اور اسی وجہ سے آپ کو سید الشہداء کا لقب حاصل ہوا کیوں کہ سقراط اور حضرت مسیح نے خدا کی راہ میں صرف اپنی اپنی جانیں قربان کیں، لیکن حضرت حسین علیہ السلام نے سفر غربت اختیار کرکے اپنی جماعت سے دور ایک بیابان میں دشمنوں کے محاصرے کے اندر اپنے ایسے عزیز ترین اعزہ کو حق پر قربان کیا اور ان کو اپنے ہاتھوں دشمن کے سامنے بھیج کے دین خدا پر نثار کیا جن میں سے ایک ایک کو ہاتھ سے دینا خود اپنا سر دینے سے زیادہ سخت تھا۔

مظلومیت حسینؑ کی سب سے بڑی دلیل مسلمانوں کے سامنے آپ کا اپنے شیرخوار بچے کی قربانی دینا ہے۔ اس لئے کہ کسی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ ایک شیرخوار بچے کو بے قدر و قیمت پانی طلب کرنے کے لئے لایا جائے اور مکار و دغاباز قوم پانی دینے کے عوض اس کو تیر جفا کا نشانہ بنا دے۔

دشمن کے اس عمل نے حسینؑ کی مظلومیت کو ثابت کر دیا اور اسی مظلومیت کی طاقت نے بنی امیہ کے مقتدر خاندان کی بساط عزت پلٹ کے اس کو رسوائے زمانہ بنا دیا۔ آپ کی اور آپ کے محترم اہلبیتؑ ہی کی جانبازیوں کا نتیجہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) کے دین کو از سرِ نو زندگی حاصل ہوئی۔ (انتہیٰ)

ڈاکٹر ماربین جرمنی، ڈاکٹر جوزف فرانسیسی اور دوسرے یورپین مورخین سب کے سب اپنی تاریخوں میں تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کا کردار اور ان بزرگوار کی فداکاریاں ہی مقدس دینِ اسلام کے لئے سبب حیات بنیں۔ یعنی آپ نے بنی امیہ کے ظلم و کفر کی رگیں کاٹ دیں، ورنہ اگر حضرت کے یہ خدمات اور نصرتِ حق میں ایسا ثبات قدم نہ ہوتا تو بنی امیہ دینِ توحید کی جڑیں بالکل ہی کاٹ دیتے اور خدا و رسولؐ اور دین و شریعت کا نام ہی دنیا سے مٹا دیتے۔

نتیجۂ مطلوب اور انکشافِ حقیقت

پس میرے معروضات کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت سید الشہداء ارواحنا لہ الفداء کی مقاومت اور جنگ صرف دین کے لئے تھی جس کے انصاف پسند دوست و دشمن بھی معترف ہیں۔

لہٰذا حضرت کے زوار و عزادار اور دوستدار شیعہ جس وقت سنتے ہیں کہ آپ نے یزید سے اس لئے مقابلہ کیا کہ وہ حرام اور ناجائز افعال کا مرتکب تھا تو ان کو توجہ ہو جاتی ہے کہ بداعمالیاں حضرت کی ناراضگی کا باعث ہیں اور پھر وہ محرمات و منکرات سے الگ رہنے کی کوشش کرتے ہیں جو امام کو ناگوار ہیں، اور واجبات پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ جب وہ سنتے ہیں اور کتبِ مقاتل و تواریخ میں پڑھتے ہیں کہ حضرت نے روزِ عاشورا بلاؤں کے اس ہجوم اور مصائب کی اس شدت میں جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے اپنی نماز ترک نہیں کی بلکہ نمازِ ظہر باجماعت ادا فرمائی تو ادائے واجبات بلکہ نوافل و مستحبات میں بھی سعی بلیغ سے کام لیتے ہیں تاکہ حضرت کے نزدیک محبوب اور لائقِ توجہ قرار پائیں۔ اس لئے کہ حضرت کا محبوب یقیناً خدائے تعالیٰ کا محبوب ہے لہٰذا جو تصور آپ یا دوسرے لوگوں نے قائم کیا ہے وہ خلافِ حقیقت اور مغالطہ بازی ہے۔ آپ دھوکے میں ہیں اور مطلب غلط نکالا ہے بلکہ آپ حضرات کے قول کے برخلاف اس طرح کی حدیثیں شیعوں کی روحانی قوت کو بیدار کر کے ان کو اور زیادہ عمل پر آمادہ کرتی ہیں۔

خصوصاً جب علماء و ذاکرین مطالب کی تشریح کرتے ہیں اور حضرت کے فلسفۂ شہادت کو کما حقہٗ بیان کرتے ہیں تو بہت ہی اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے خود ایران میں حقائق کا مشاہدہ کیا ہے کہ ہر سال محرم میں حضرت کے طفیل اور ان مجلسوں کی برکت سے جو آپ کے نام پر منعقد ہوتی ہیں اور لوگ ان میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ اکثر بہکے ہوئے نوجوان واعظین کرام اور مبلغین عظام کے تبلیغی بیانات سے متاثر ہو کر راہِ راست اور صراطِ مستقیم پر آ گئے اور جملہ افعالِ بد سے توبہ کر کے سچے شیعوں کی صف میں شامل ہو گئے۔

(جب گفتگو یہاں تک پہنچی تو اکثر حضرات اشکبار آنکھوں کے ساتھ سکوت کے عالم میں نظر آئے اور ہم نے ارادہ کیا کہ اب جلسہ برخاست کریں)

نواب : قبلہ صاحب ! باوجودیکہ وقت کافی گذرا لیکن آپ نے ہم لوگوں کو حد سے زیادہ متاثر فرمایا اور اس بزرگ وفدا کار شخصیت کو جو ریحانۂ رسولؐ تھا اپنے اس مختصر بیان سے بخوبی پہچنوا کر ہم سب کو ممنون کیا۔ آپ کے جدّ رسول خداؐ آپ کو اس کا صلہ عنایت فرمائیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ آج کی شب اس جلسے میں کوئی ایسا شخص ہو جس پر جناب کا اثر نہ پڑا ہو۔ خدا آپ سے راضی رہے اور اپنا لطف و کرم آپ کے شامل حال رکھے ہم کو اس طرح مستفیض فرمایا۔ درحقیقت بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہم اب تک لوگوں کی باتوں میں آ کر ان کی اندھی تقلید کرتے رہے اور ان مظلوم آقا کی زیارت اور مجالس عزا کی شرکت کے فیوض و برکات سے محروم رہے یہ محض اس غلط پروپیگنڈے کا اثر تھا جو وہ تعصب کی بنا پر ہمارے درمیان کرتے رہے اور کہتے رہے کہ زیارت حسینؑ اور مجالس عزا میں جانا بدعت ہے۔ واقعی کیا اچھی بدعت ہے جو انسان کو بیدار اور صاحب معرفت بناتی ہے اور اہلبیت رسولؐ و خدمت گذاران دین و شریعت کی حقیقت سے روشناس کرتی ہے۔

زیارت کا ثواب اور اس کے فوائد

خیر طلب : یہ جو آپ نے اہلبیتؑ و عترت رسولؐ کی عزاداری اور ان کی زیارت قبور کے متعلق بدعت کا جملہ فرمایا تو اس کا سرچشمہ قطعی طور پر نواصب و خوارج کے عقائد ہیں اور علمائے اہلسنت نے بھی بغیر اس پر غور کئے ہوئے کہ بدعت وہ چیز ہے جس کے بارے میں خدا و رسولؐ یا اہلبیت رسولؐ کی جانب سے جو عدیل قرآن ہیں کوئی ہدایت نہ ملی ہو۔ بربنائے عادت اُن کی پیروی کی ہے حالانکہ امام حسین علیہ السلام کے لئے رونے اور ان کی زیارت کے بارے میں علاوہ اس کے کہ شیعوں کی معتبر کتابوں میں تواتر کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ خود آپ کی معتبر کتب اور مقاتل میں بھی تمام بڑے بڑے علماء نے کافی روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے بعض کی طرف میں اس سے قبل اشارہ کر چکا ہوں۔ اس وقت تنگیٔ وقت کے لحاظ سے زیارت کے متعلق ایک مشہور روایت پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جو تمام مقاتل اور حدیث کی کتابوں میں درج ہے۔ ایک روز رسول خداؐ ام المومنین عائشہ کے حجرے میں تشریف رکھتے تھے کہ حسین علیہ السلام حاضر ہوئے پیغمبرؐ نے اُن کو آغوش محبت میں لے کر کثرت سے بوسے دیئے اور سونگھا۔ عائشہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ حسینؑ کو کس قدر چاہتے ہیں ! آنحضرتؐ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتی ہو کہ یہ میرا پارۂ جگر اور میرا پھول ہے ! اس کے بعد آنحضرتؐ رونے لگے۔ عائشہ نے گریے کا سبب پوچھا تو فرمایا میں تلواروں اور نیزوں کے مقامات چومتا ہوں جو بنی امیہ میرے حسینؑ پر لگائیں گے۔ عائشہ نے عرض کیا کیا ان کو قتل کریں گے ؟ فرمایا ہاں ان کو بھوکا اور پیاسا شہید کریں گے۔ اُن لوگوں کو ہرگز میری شفاعت نصیب نہ ہوگی خوشحال اس شخص کا جو بعد شہادت ان کی زیارت کرے۔ عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ان کے زائر کو کیا ثواب ملے گا ؟ فرمایا میرے ایک حج کا ثواب۔ عائشہ نے تعجب سے کہا کہ آپ کا ایک حج ؟ فرمایا میرے دو حج کا۔ عائشہ نے اور زیادہ تعجب کیا تو فرمایا میرے چار حج کا۔ عائشہ برابر تعجب ظاہر کرتی جاتی تھیں اور آنحضرتؐ ثواب میں اضافہ فرماتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ فرمایا عائشہ جو شخص میرے حسینؑ کی زیارت کرے خدا اس کے نامۂ اعمال میں میرے نوے حج اور نوے عمروں کا ثواب درج فرمائیگا۔ اس کے بعد عائشہ چپ ہو گئیں۔ خدا کے لئے آپ حضرات انصاف

کہیئے کہ کیا ایسی زیارت بدعت ہے جو رسول اللہ کی سفارش اور توجہ کی مرکز ہو؟ حضرت کی زیارت اور مجالسِ عزا میں شرکت کی مخالفت اور اس کو بدعت سے تعبیر کرنا یقیناً آنحضرتؐ اور اہلبیت طاہرینؑ کی دشمنی ہے۔

زیارت قبور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے اثرات

باطنی فوائد اور اخروی اجر کے علاوہ قبور آئمہ طاہرینؑ کی زیارت میں جو ظاہری منافع ملحوظ ہیں۔ وہ ہر عقل مند انسان کو اس بزرگ عبادت کی طرف راغب کرتے ہیں جو اور بہت سی عبادتوں کا باعث ہوتی ہے۔

آپ اگر ان عتباتِ عالیات سے مشرف ہوں تو کھلا ہوا مشاہدہ کریں گے کہ (رات کے درمیانی چند گھنٹوں کے علاوہ جب کہ خدام کے آرام اور صفائی کے لئے حرم بند رہتا ہے) طلوع صبح کے دو گھنٹے قبل سے تقریباً آدھی رات تک روز و شب وہ حرم اور قبروں کے پاس کی مسجدیں زائرین و مجاورین اور خواص و عوام سے بھری رہتی ہیں اور یہ سب لوگ مختلف عبادتوں، واجب و مستحب نمازوں، تلاوت قرآن درود و ادعیہ و وظائف میں سرگرم رہتے ہیں۔ جو لوگ اپنے گھروں اور وطنوں میں سوا واجبات ادا کرنے کے زیادہ عبادتوں کی توفیق نہیں رکھتے وہ بھی ان مقدس مقامات میں زیارت اور قربت محبوب کے شوق میں طلوعِ صبح سے دو گھنٹے پہلے مشرف ہو کر تہجد اور اپنے پروردگار سے مناجات میں مصروف رہتے ہیں اور تلاوتِ قرآن اور خوفِ خدا سے گریہ و زاری ان کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ چنانچہ وہاں سے واپسی کے بعد بھی عبادات میں مشغول اور گناہوں سے الگ رہتے ہیں اور بڑے اشتیاق کے ساتھ نوافل اور قضا نمازیں بجا لاتے ہیں۔

آیا یہ عمل جو دوسرے بہت سے اعمال کا سبب بنتا ہے اور لوگ اس کے ذریعے توفیق حاصل کر کے طرح طرح کی عبادتوں میں منہمک ہوتے ہیں اور رات دن میں کم از کم صبح سہ پہر اور رات کو دو تین گھنٹے نماز و دعا، تلاوتِ قرآن اور وردِ وظائف میں مشغول رہ کر اپنے کو پروردگار کی رحمت و عنایت کا مستحق بناتے ہیں، بدعت ہے؟

اگر زیارت مزارات آئمہ اطہارؑ کا اور کوئی نتیجہ نہ ہوتا تو صرف یہی عبادتوں کی توفیق اور سرگرمی ہی اس کا شوق دلانے کے لئے کافی تھی تاکہ ان وسائل سے اپنے معبود کے ساتھ رابطہ مضبوط کر کے روحانی طہارت حاصل کریں جو تمام نیک بختیوں کی جڑ ہے۔ (کیونکہ اپنے شہروں اور گھروں میں رہ کے دنیاوی مشاغل کی وجہ سے پورا میلان پیدا نہیں ہوتا)۔

کیا آپ بلادِ اہلِ سنن میں ہم کو کوئی ایسا مقدس مقام بتا سکتے ہیں جہاں عالم و جاہل اور عوام و خواص چوبیس گھنٹے عبادات میں مشغول رہتے ہوں سوا مسجدوں کے جہاں فقط نماز پڑھ کے فوراً متفرق ہو جاتے ہیں؟ بغداد اور معظم میں جہاں شیخ عبدالقادر جیلانی اور امام ابو حنیفہ کی قبریں ہیں۔ ہمیشہ ان کے دروازے بند رہتے ہیں، صرف نماز کے وقت ان مزاروں کی مسجدیں کھولی جاتی ہیں اور چند مخصوص آدمی آ کر نماز پڑھتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ شہر سامرا میں جہاں شیعوں کے دو برحق امام حضرت ہادی علی نقی علیہ السلام (امام دہم)

اور حضرت حسن عسکری (امام یازدہم) مدفون ہیں تمام شہر کے باشندے یہاں تک کہ آستانۂ مقدس کے خدام بھی جو برادرانِ اہلسنت میں سے ہیں، طلوعِ فجر کے قریب بڑی زحمت سے جب شیعہ زائرین و مجاورین اور اہلِ علم چیخ پکار مچاتے ہیں۔ تب حرم کا پھاٹک کھولتے ہیں لیکن ہم کو ایک بھی بوڑھا جوان عالم و جاہل حتیٰ ایسا نظر نہیں آتا جو اس مسجد کے کسی گوشے میں مشغول عبادت ہو۔ یہاں تک کہ خدام بھی دروازہ کھولنے کے بعد جاکر سو جاتے ہیں۔ البتہ شیعہ لوگ حرم کے اندر پورے ذوق و شوق کے ساتھ عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ ہیں وہ اثرات اور برکات جو ان مقدس مزارات سے شیعوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ خدا آپ کو مشرف ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ عراق عرب میں آپ کو دو شہر ایک دوسرے کے پہلو میں صرف دو فرسخ کے فاصلے سے نظر آئیں گے یعنی کاظمین اور بغداد۔ اول الذکر شیعوں کا مرکز ہے جس میں امام ہفتم حضرت ابوابراہیم موسیٰ بن جعفر اور امام نہم ابوجعفر محمد ابن علی الجواد علیہم السلام کا مزار مبارک ہے اور دوسرا اہلِ سنت کا مرکز ہے جس میں شیخ عبدالقادر جیلانی اور آپ کے امام اعظم ابوحنیفہ کی قبریں ہیں۔ اگر آپ غور کیجئے تو شیعوں کے برحق پیشواؤں اور اماموں کے بلند تعلیمات کا اندازہ ہو جائے گا اور بچشم خود دیکھئے گا کہ ان دونوں مقدس قبروں اور ان کی زیارت کے برکات سے کاظمین کے باشندے اور زوار شب میں جلد سو جاتے ہیں اور طلوعِ فجر سے دو گھنٹے قبل بیدار ہو کر پورے ذوق و شوق سے عبادت و تہجد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے شیعہ تجار بھی جن کی دکانیں اور تجارتیں بغداد میں ہیں لیکن مکانات کاظمین میں ہیں سحر کے وقت حرم مطہر کے اندر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

لیکن اہلِ بغداد کس قدر گناہوں میں غرق، عیاشی اور شہوت پرستی کے دلدادہ اور خوابِ غفلت میں مدہوش ہیں۔

نواب: واقعی اس وقت اپنے اوپر لعنت کرنے کا موقع ہے کہ ہم لوگ بغیر تحقیق کئے کس لئے آنکھیں بند کر کے بہکانے والوں کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ چند سال قبل ایک قافلہ یہاں سے روانہ ہوا جس میں بدقسمتی سے میں بھی شامل تھا۔ ہم لوگ امام اعظم ابوحنیفہ اور جناب عبدالقادر رضی اللہ عنہما کی زیارت کے لئے بغداد گئے لیکن ایک روز میں گھومنے کے لئے کاظمین چلا گیا جب واپس ہوا تو میرے رفیقوں نے مجھ کو کچھ سخت و سست کہا۔ بڑے تعجب کا مقام ہے کہ معظم میں امام اعظم کی، بغداد میں شیخ عبدالقادر کی، ہندوستان میں خواجہ نظام الدین کی اور مصر میں شیخ اکبر مقبل الدین کی زیارتیں تو جائز اور موجب ثواب ہوں جن کے لئے ہر سال ہم لوگوں میں سے کافی اشخاص جاتے رہتے ہیں حالانکہ ان کے بارے میں رسول اللہ سے قطعاً کوئی روایت بھی مروی نہیں ہے لیکن ماہِ خدا کے فداکار مجاہد اور ریحانۂ رسول ؐ کی زیارت جس کے لئے پیغمبر ؐ نے اس قدر ثواب بیان فرمایا ہے اور عقلاً بھی یہ ایک مستحسن کام ہے بدعت ہو جائے۔ اس وقت میں نے قطعی اور پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ انشاء اللہ اگر زندہ رہا تو اس سال قربۃً الی اللہ اور خوشنودی خدا کے لئے رسول خدا کے فرزند عزیز جناب حسینِ شہید کی زیارت کے لئے جاؤں گا اور خدا سے دعا کروں گا کہ میری پچھلی غلطیوں کو معاف فرمائے۔

اب آج کی شب میں دلی تاثر کے ساتھ انشاء اللہ کل رات تک کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔

ختم شد

(باقی حصہ دوم میں ملاحظہ فرمایئے)